سالنامہ

# پیام تعلیم



مکتبہ جامعہ لمیٹڈ

# ہندوستانی کھیل

مصنفہ:۔ الطاف علی صاحب نگراں تربیت جسمانی، جامعہ

ہمارے ملک میں بچّے کی جسمانی تندرستی سے نہایت افسوس ناک حد تک بے اعتنائی برتی جاتی ہے اور اس کی تفریحی ضروریات کی طرف تو سرے سے توجہ نہیں دی جاتی۔ عام طور پر ہمارے ملک کے بچّے جسمانی لحاظ سے کمزور ہوتے ہیں اور اُن کی چال ڈھال میں وہ مستعدی نہیں پائی جاتی جو ان بچوں میں ملتی ہے جنھیں کثرت سے کھیلنے کے مواقع ملتے ہیں۔ بچوں کو ۱ سے لے کر ۲ گھنٹے تک ہر روز آزادی کے ساتھ کھیلنے کا موقع دینا چاہیے تاکہ وہ اپنے اعصاب کی تربیت کر سکیں۔ جو بچہ ایسے ماحول میں تربیت پائے گا وہ ملک و ملت کے لئے سرمایۂ افتخار ہوگا اور زندگی کے تمام نشیب و فراز میں اس پر اعتماد کیا جا سکے گا۔ مصنف نے انھیں باتوں کو پیش نظر رکھ کر تقریباً ڈیڑھ سو ہندوستانی کھیل اس کتاب میں درج کئے ہیں جو مختلف عمر کے بچے کھیل سکتے ہیں۔

قیمت ـ عمر

مکتبہ جامعہ
دہلی ـ نئی دہلی ـ لاہور ـ لکھنؤ ـ بمبئی

مبارک

پیامی بھائیوں کو ہو مبارک سالِ نو یارب
لگے علم و ہنر کی شمع سے ان سب کی لو یارب

دعا ہے ترقی سے پھولیں پھلیں یہ باغِ عالم میں
رہیں راہِ ترقی میں ہمیشہ تیز رو یارب

شفیع الدین نیر

پیام تعلیم یو، پی، سی پی، برار [illegible] بطور [illegible]
پیام تعلیم [illegible] کی طرف سے سرکاری طور پر منظور ہو چکا ہے

# سالنامہ پیام تعلیم دہلی

جنوری و فروری ۱۹۴۱ء

## فہرست مضامین







قیمت سالانہ ۲ روپے




پیامی عزیزوں کو بڑی عید اور نیا سال مبارک۔ خدا سے دعا ہے کہ یہ نیا سال ان کے لئے نئی نئی کامیابیوں اور مسرتوں کا پیام لائے۔ آمین

---

اس خوشی کے موقع پر سالنامے کا یہ تحفہ ہمیں یقین ہے کہ ان کی مسرتوں کو اور بڑھادے گا۔ ہم نے اسے دلچسپ اور مفید بنانے کے لئے بہت محنت کی ہے۔ اگر ہمارے عزیز پیامیوں نے بھی اسے پسند کیا تو گویا ہماری محنت ٹھکانے لگی

---

پیام تعلیم کا سالگرہ نمبر اب تک اکتوبر میں شائع ہوتا تھا۔ مگر اس مرتبہ کچھ ایسی رکاوٹیں آکر پڑیں کہ ہم پچھلے اکتوبر میں سالنامہ شائع نہ کر سکے۔ سب سے بڑی رکاوٹ آج کل کے حالات تھے۔ اس وقت لڑائی کی وجہ سے ہر چیز مہنگی ہے۔ کاغذ، چھپائی۔ اور بلاکوں کی بنوائی وغیرہ۔ تاہم اس سے ہمارے پیامیوں کو جو رنج اور ناامیدی ہوئی اس کا ہمیں احساس تھا۔ اسی احساس نے ہمیں جنوری میں سالنامہ نکالنے پر مجبور کیا۔

ہمیں پچھلے سالوں کے سالناموں کے مقابلے میں اس کی تیاری کے لئے وقت بہت کم ملا۔ کل ایک مہینہ۔ پھر مضمون نگاروں سے مضمون لکھوانا۔ ان کی کتابت کرانا۔ آرٹسٹ سے تصویریں بنوانا۔ تصویروں کے بلاک بنوانا۔ پھر ان سب کو چھپوا کر وقت پر تمہارے پاس بھیجنا غرض اتنی کم مدت میں یہ سب کچھ کرانا تھا۔ مگر ہم نے ہمت نہیں ہاری۔ اور رات دن ایک کر دیا۔

---

ہم نے سالگرہ نمبر کے معیار کو برقرار رکھنے کی پوری کوشش کی ہے۔ پھر بھی ہمیں اس کا اعتراف ہے کہ ہم اسے اپنی خواہش اور ارادوں کے مطابق تیار نہ کر سکے۔ وقت کی کمی ہی اس کا سب سے بڑا سبب ہے۔

---

اس پرچے کی ترتیب میں ہمیں مولوی محمد شفیع الدین صاحب نیر سے خاص مدد ملی۔ انھوں نے ہمارے لئے

ایک دلچسپ کہانی لکھی۔ دو اچھی اچھی نظمیں لکھیں اور بچوں کی بہت سی نظموں کی اصلاح کی۔ ان کے علاوہ سیّد عزوج الحسن صاحب معمّوں کے سلسلے میں سال بھر تک ہماری مدد کرتے رہے۔ سیّد نورالحسن صاحب ہاشمی (ایڈیٹر جامعہ) نے خود بھی مضمون لکھے اور دوسروں سے لکھوائے۔ جناب عبدالغفور صاحب لکچرار ٹریننگ کالج نے اپنے شاگردوں سے بہت قیمتی مضمون لکھوائے۔ حسن سبحانی صاحب بی۔ اے جامعہ نے محترمہ آپا جان کے ایک انگریزی مضمون کا ترجمہ کیا۔ اور اسے ایک دلچسپ مضمون بنا دیا۔ اور وقتاً فوقتاً ہمارا ہاتھ بٹاتے رہے۔ جناب سعید انصاری صاحب (پرنسپل استادوں کا مدرسہ جامعہ) آخر تک مضمون لکھنے کا وعدہ کرتے رہے اور آخر میں انھیں وعدہ پورا نہ کر سکنے کا افسوس رہا۔ ان سب بزرگوں اور بھائیوں کا ہم دلی شکریہ ادا کرتے ہیں ان کی امداد اور مشوروں کے بغیر پیام تعلیم کو شاید اتنی کامیابی نصیب نہ ہوتی۔

---

لڈو کا ٹکڑا والی نظم ہم نے نیّر صاحب سے خاص طور سے لکھوائی ہے۔ پچھلے سال گرہ نمبر دسمبر ۲۹ء کی نظم "پہل جیسی کو کس نے مارا" بچوں نے بہت پسند کی تھی۔ ہمیں امید ہے کہ یہ بھی اسی طرح مقبول ہو گی

---

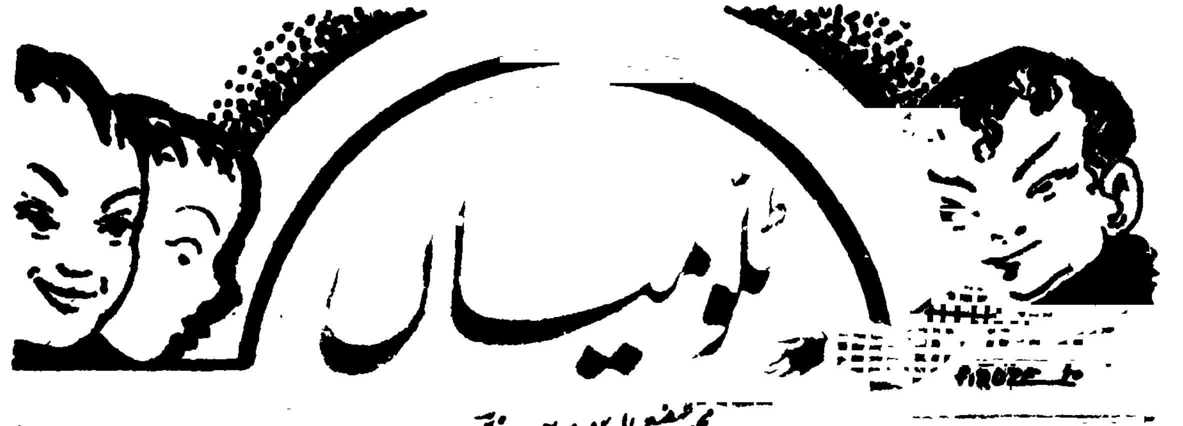
پچھلے پرچے میں ہم نے چند عنوانات پر بچوں کو مضمون لکھنے کی دعوت دی تھی۔ بہت کم بچوں نے اس طرف توجہ کی۔ شاید اس لئے اور بھی کہ وقت کم تھا۔ ان مضامین میں صدیقہ رضیہ سلطانہ ماتا وورا اور محمد الدین مؤجد کے مضمون سب سے اچھے ہیں۔ انعام انھی کو دیا جائے گا امیر اللہ خاں بھوپالی کا مضمون بھی بہت اچھا ہے لیکن وقت پر نہیں پہنچا۔ یہ مضمون اگلے پرچے میں چھپے گا۔

---

یہ پرچہ جنوری اور فروری کا مشترکہ نمبر ہے۔ اس لئے فروری میں پیام تعلیم کا انتظار نہ کرنا۔ اب یہ مارچ میں تمھارے پاس پہنچے گا

---

لفافے کی قیمت اب ۱؍ ہو گئی ہے مگر بعض بچے اب تک لیک ہی، آنے میں خط بھیجتے ہیں۔ ان کا خط بیرنگ ہو جاتا ہے۔ اور دفتر کو بہت نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ امید ہے کہ بچے آئندہ خیال رکھیں گے۔



# ٹلو میاں

محمد شفیع الدین صاحب نیر

کسی شہر میں ایک آدمی رہتا تھا. وہ مزدور تھا دن بھر کام کرتا۔ شام کو گھر آتا۔ مزدوری کے جو پیسے ملتے ان سے آٹا، دال، گھی، لکڑی، نمک، مرچ خریدتا، بیوی اناج پیستی، چولھا جلاتی کھانا پکاتی، کھانا پک چکتا تو سب کھانے کو بیٹھ جاتے۔ اور کھا پی کر خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتے۔

یہ میاں بیوی بہت غریب تھے میاں جو کچھ لاتا اس میں انھی کا خرچ مشکل سے چلتا۔ اس پر ان کے تین بچے بھی تھے۔ پھر بھی جیسے بن پڑتا۔ یہ کام چلاتے۔ میاں بیوی اور بچے خوش رہتے۔ جو کچھ روکھا سوکھا مل جاتا ہنسی خوشی کھا پی لیتے۔

ان کے تین بچوں میں سب سے چھوٹا بچہ عجیب طرح کا تھا آٹھ دس برس کا ہوگیا۔ مگر اس کا قد ایک فٹ سے زیادہ نہ بڑھا۔ نام تو نہ جانے کیا تھا۔ مگر سب لوگ اسے ٹلو میاں کہہ کہہ کر پکارتے تھے۔ یہ بہت تیز۔ باہمت اور سمجھ دار تھا۔ اس عمر میں ایسی ایسی باتیں کرتا کہ سب سن سن کر حیران ہوتے۔

ایک بار ایسا ہوا کہ اس مزدور کو کئی دن تک کچھ کام نہ ملا۔



اب تو یہ سب بہت گھبرائے

اب تو گھر کا کام چلنا بند ہو گیا۔ ایک دو دن آدھے آدھے پیٹ کھا کر گذارہ کیا مگر جب اتنا بھی نہ ملا تو یہ سب بہت گھبرائے۔ ایک دن تنگ آکر باپ نے کہا۔ "چلو جنگل چلیں۔ جنگلی جھاڑیوں میں بیر ویر مل جائیں تو وہی کھا پی کر پیٹ بھر لیں۔" تینوں بچے بولے "اچھا" اور اچھلتے کودتے چل دئے۔ چلتے چلتے وہ گھر سے بہت دور نکل گئے۔ اور ایک بہت ہی گھنے جنگل میں جا پہنچے۔ وہاں بہت سی جھاڑیوں میں بیر اور کچھ اور بھی پھل ملے۔ یہ بھوکے تو تھے ہی۔ بس ٹوٹ پڑے۔ باپ نے سوچا یہ بچے یہاں کھالیں میں ذرا آگے بڑھ جاؤں۔ اور نئی جھاڑیاں تلاش کر کے ان کے پھل کھاؤں۔ اس نے ایسا ہی کیا مگر کھاتے کھاتے ذرا زیادہ دور نکل گیا۔ اتنے میں شام ہو گئی اور بچوں کے پاس واپس

آنے کے لئے چلا مگر غریب راستہ بھول گیا۔ اس نے بہت کوشش کی کہ بچے مل جائیں مگر نہ ملے۔ آخر تھکا ہارا اُداس گھر پہنچا۔ اپنی بیوی سے سب حال کہا۔ دونوں بہت روئے پیٹے مگر فقط رونے پیٹنے سے کیا ہو سکتا تھا۔ اس لئے ان دونوں نے مل کر ان کو تلاش کرنا شروع کیا۔

اب بچوں کا حال سنئے۔ وہ مزے سے کھیلتے اور کھاتے رہے کھانے اور کھیلنے سے ان کا پیٹ خوب بھر گیا تو شام کا اندھیرا دیکھ کر ان کو بھی ہوش آیا۔ سب خوب زور زور سے "ابا! ابا!" کہہ کر چلائے۔ مگر کوئی جواب نہ ملا تو کہنے لگے اب کیا کریں! ایک نے کہا "جس رستے آئے ہو اسی رستے گھر لوٹ چلو" سب نے کہا بات تو ٹھیک ہے۔ اور چلے تو یہ بھی راستہ بھول گئے۔ رات بھی ہو رہی تھی۔ جنگل کے جانوروں کی آوازیں سنائی دیں تو یہ بہت ڈرے۔ بڑے بھائی نے کہا "خدا خیر کرے آج بچتے نظر نہیں آتے" نلّو میاں بولے "ہمت کیوں ہارتے ہو۔ جو ہونا ہوگا ہو جائے گا۔ مگر یوں جنگل میں مارا مارا پھرنا ٹھیک نہیں چلو کسی ٹیلے پر چڑھ کر دیکھیں شاید کہیں روشنی نظر آئے۔ بس اسی طرف چل پڑیں گے۔ آبادی میں رات گزار دیں گے صبح اپنے گھر چلے جائیں گے"

وہ اور کرتے بھی کیا۔ سب نے کہا اچھا چلو۔ آگے آگے نلّو میاں پیچھے پیچھے دونوں بھائی چلے جا رہے تھے۔ سامنے سے کبھی کوئی لومڑی گزر جاتی اور کبھی گیدڑ۔ ان کا کلیجہ کانپ جاتا۔ یہ اچھا ہوا کہ بھیڑیا، بھالو یا شیر نہ ملا ورنہ ان کا نوالا بنا لیتا۔ چلتے چلتے یہ ایک ٹیلے کے پاس پہنچے۔ ٹیلا کیا تھا اچھی خاصی پہاڑی تھی۔ یہ جھٹ پٹ اس پر

چڑھ گئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ دوسری طرف جنگل ونگل کچھ نہیں ایک بہت لمبا چوڑا میدان ہے۔ اس میدان میں بہت دُور ایک طرف انھیں کچھ روشنی بھی دکھائی دی۔

یہ بولے "بس وہیں چلو" یہ تینوں چلے۔ وہی آگے آگے ٹلّو میاں اور پیچھے پیچھے بھائی۔

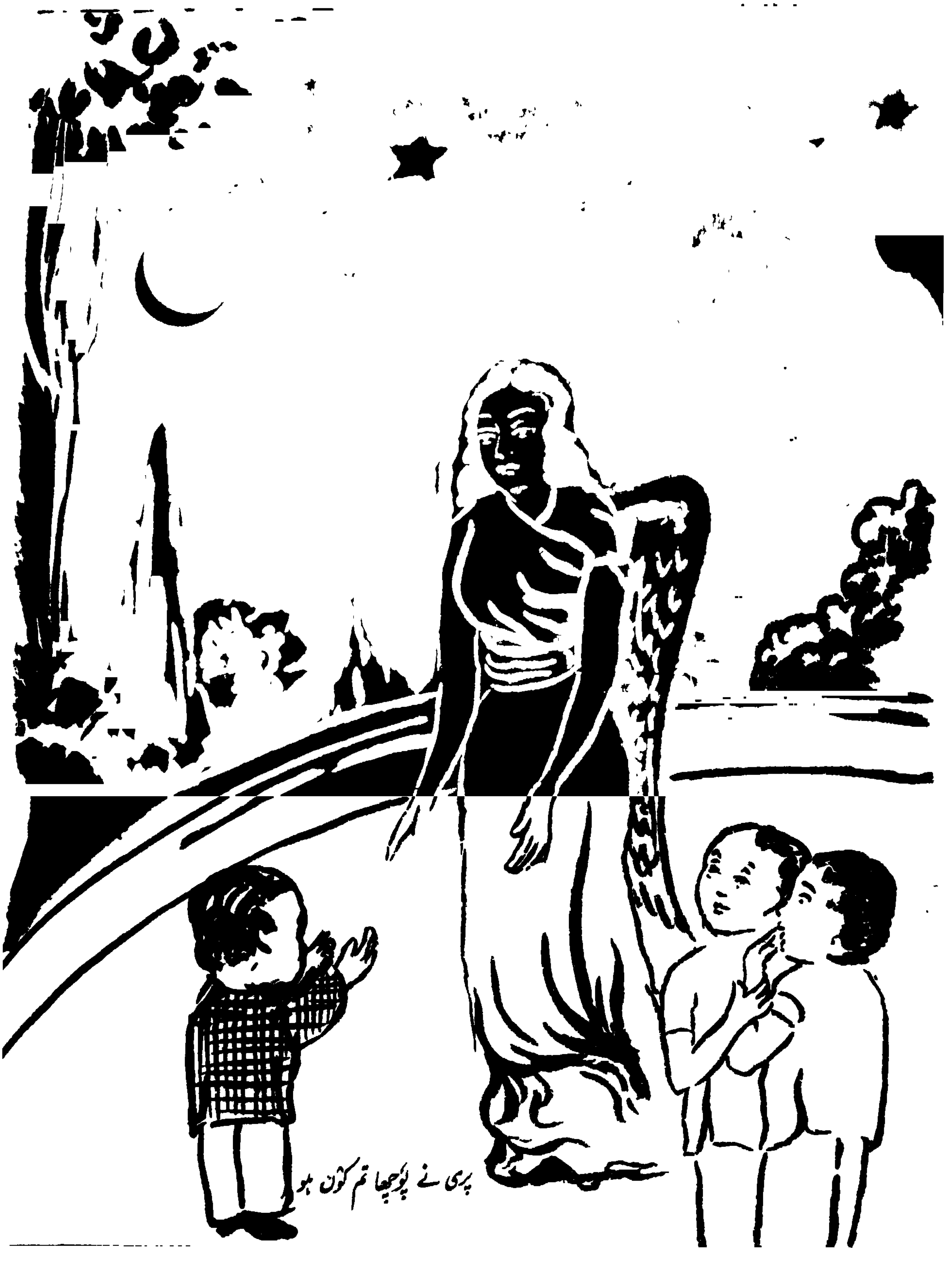
یہ روشنی اصل میں ایک محل کے پھاٹک کی تھی۔ اس محل کا مالک ایک بہت ظالم دیو تھا۔ یہ وہاں پہنچے تو پھاٹک کھلا پایا۔ اندر داخل ہوئے تو ایک پری ان کو نظر آئی۔ یہ پری بہت ہی اچھے کپڑے پہنے محل کے باغ کی ایک روش پر ٹہل رہی تھی۔ اس نے جو انھیں دیکھا تو نرمی سے پوچھا "تم کون ہو؟"
ٹلّو میاں جھٹ آگے بڑھے اور انھوں نے پری کو اپنا حال کہہ سنایا۔

یہ پری بہت نیک تھی۔ اس کو ان پر رحم آگیا۔ بولی "بچو! تم اپنی جان بچانا چاہتے ہو تو یہاں سے ابھی چلے جاؤ۔ اس محل کا مالک دیو آگیا تو تمھیں کچا کھا جائے گا۔"

ٹلّو میاں نے کہا "جائیں کہاں؟ ہم اپنے گھر کا راستہ بھول گئے ہیں۔ اب تو یہیں رہیں گے۔ باہر گئے تو درندے شیر یا بھالو ہمیں کھا جائیں گے۔"

پری کیا کرتی۔ وہ بے چاری آپ دیو کی قید میں تھی۔ اس نے یہ بات بچوں کو بتا بھی دی مگر کچھ سوچ کر پھر اس نے کہا۔ "اچھا تم کسی بہت ہی گھنے پیڑ پر چھپ کر بیٹھ جاؤ۔ یہ رات کسی طرح گزار دو۔ وہ دیو صبح ہوتے ہی چلا جاتا ہے۔ وہ چلا جائے تو تم اپنے گھر چلے جانا۔"

بچوں نے کہا "اچھا" یہ کہہ کر وہ ایک بہت ہی گھنے پیڑ پر چڑھ گئے اور اس کے پتوں کی آڑ میں چھپ کر بیٹھ رہے۔ اس پیڑ کے ٹہنے ایسے بڑے اور


پری نے پوچھا تم کون ہو

چوڑے تھے کہ ان پر اچھی طرح وہ لیٹ گئے۔ تھکے ہوئے تو تھے ہی، دونوں بھائی تو پیڑ کے ٹہنے پر لیٹتے ہی سو گئے مگر ٹلّو میاں جاگتے رہے۔ انھوں نے کبھی کوئی دیو نہ دیکھا تھا۔ انھوں نے سوچا آج دیو نہ دیکھا تو پھر نہ دیکھا۔

اتنے میں ہوا کی سرسراہٹ سی ہوئی۔ ایک بہت لمبا تڑنگا دیو ایک تخت پر بیٹھا ہوا آیا۔ اس تخت کو چار اَور دیو اڑائے لا رہے تھے۔ انھوں نے یہ تخت باغ کے ایک ہرے بھرے میدان میں اُتارا۔ وہ دیو اتنا بڑا تھا کہ اگر ان بچّوں کو کھانے پر آتا تو سب کا ایک نوالا بنا کر کھا جاتا۔

ٹلّو میاں نے اس کی صورت دیکھی تو ڈر کے مارے ان کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ پھر بھی انھوں نے ہمّت سے کام لیا اَور چپ چاپ دم سادھے بیٹھے رہے۔ پری وہیں کھڑی ہوئی تھی دیو اس سے باتیں کرتا ہوا اپنے کمرے میں چلا گیا۔

ٹلّو میاں نے سوچا، چلو دیو کو پاس سے ذرا اچھی طرح دیکھ لیں۔ یہ شوق اتنا بڑھا کہ ان کا سارا ڈر جاتا رہا۔

آپ چپکے چپکے جا کر دیو کے کمرے کی ایسی سمت میں کھڑے ہو گئے جہاں انھیں کوئی دیکھ نہ سکے۔

ٹلّو میاں کا بیان ہے کہ کمرے کے بیچ میں ایک بہت بڑی میز بچھی ہوئی تھی۔ اس پر کھانا چنا ہوا تھا۔ ایک بیل کا قورمہ تھا۔ اَور پانچ بکروں کے گوشت کی بریانی۔ چار من دودھ کی کھیر تھی اَور دس بارہ من آٹے کی خمیری روٹیاں۔ چٹنی اچار کا وزن بھی سات آٹھ سیر سے کم نہ ہوگا۔ پری نے تو بہت تھوڑا سا کھانا کھایا مگر دیو یہ سب کھانا چٹ کر گیا۔ پانی

پیٹنے پر آیا تو دس بارہ مٹکے پانی غٹ غٹ چڑھا گیا۔ کھا پی چکا تو ایسی ڈکار لی گویا توپ کا گولا چھٹا۔ ٹلّو میاں اِک دم اچھل پڑے۔ اس آواز کو سن کر ان کا دِل دھڑکنے لگا۔

دیو کھانا کھا چکا تو بولا "آدمی کے دو چار بچوں کا گوشت اَور مل جاتا تو جی ذرا خوش ہوتا۔ خیر کل کوئی فکر کی جائے گی۔" یہ بات سن کر ٹلّو میاں کے بدن کا خون خشک ہو گیا۔

دیو کھا پی کر فارغ ہو چکا تو اس نے پری سے پوچھا "تم نے کیا سوچا؟ کیا تم مجھ سے شادی کرنے کے لئے تیار ہو بولو۔ جواب دو؟!"

پری سے کچھ جواب نہ بن پڑا اس پر وہ دیو اَور بھی غصے میں بھر گیا۔ آنکھیں نکال کر کہنے لگا "تم کو تین دن کی مہلت اَور دی جاتی ہے، اگر اس عرصے میں تم مجھ سے شادی کرنے پر تیار نہ ہوئیں اَور ہنسی خوشی یہاں رہنا پسند نہ کیا تو چوتھے دن تمھاری خیر نہیں!"

پری اب بھی چپ رہی اَور اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ دیو اٹھا۔ ہاتھ منہ دھو کر وہ بھی اپنے سونے کے کمرے میں گیا اَور پلنگ پر لیٹتے ہی بے خبر سو گیا۔

ٹلّو میاں بھی اس کے کمرے میں چلے گئے اَور کمرے کی ہر چیز غور سے دیکھنے لگے۔ اتنے میں اچانک دیو کے بولنے کی آواز سن کر وہ ڈر گئے اَور جھٹ اس کے پلنگ کے نیچے جا چھپے۔

دیو کہہ رہا تھا "آج میرے باغ میں ضرور کوئی نیا آدمی آیا ہے۔ کل اس کو کچا چبا ڈالوں گا۔ ......... پری میرا کہا نہیں مانتی مجھ سے شادی نہیں کرتی۔ اس کو بھی سزا ملنی چاہئے۔ وہاں ماروں گا

جہاں پانی نہ ملے۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کہتی تھی میں تجھ کو مار ڈالوں گی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ مجھ کو مار ڈالے گی! ہاہاہا!! ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ مجھ کو مار ڈالے گی!!! مجھ کو کوئی نہیں مار سکتا۔۔۔۔۔۔۔۔۔ میری جان ایک انڈے میں بند ہے۔ کسی کو خبر نہیں کہ وہ انڈا کہاں رکھا ہے۔ میں کبھی کسی کو نہ بتاؤں گا۔۔۔۔۔۔۔۔اس کا پتا کوئی نہ پا سکے گا۔۔۔۔۔۔۔۔۔ میں نے اس کو اپنے اسی کمرے کے تہہ خانے میں رکھا ہے۔۔۔ ۔۔۔۔۔۔۔ میرا باغ اور میرا محل کیسا اچھا ہے مگر یہ پری کسی بات کو خاطر ہی میں نہیں لاتی۔۔۔۔۔۔۔ میری جان لینا چاہتی ہے۔۔۔۔۔۔۔ تہہ خانے کا دروازہ میرے سوا کسی کو معلوم نہیں ۔۔۔۔۔۔۔ وہ میرے پلنگ کے نیچے ہے۔۔۔۔۔۔۔۔ کوئی اس انڈے کو جو سونے کے ایک ڈبے میں بند ہے لے لے تو میں اس کے بس میں ہو جاتا ہوں۔ وہ جو کچھ کہے وہی کرنے لگتا ہوں۔ اگر کوئی زمین پر پٹک کر پھوڑ دے تو میں اسی وقت مر جاؤں۔ یہ انڈا اس پری کے فرشتوں کو بھی نہیں مل سکتا۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۔۔۔ اب تین روز کے بعد اس کی ضد کا اسے مزا چکھاؤں گا۔

یہ اور اسی طرح کی بہت سی باتیں کرتا رہا۔ ٹلّو میاں سمجھ گئے کہ دیو یہ سب کچھ سونے کی حالت میں بک رہا ہے۔ اس لئے ان کا ڈر جاتا رہا۔ پلنگ کے نیچے چھپے ہوئے تو تھے ہی، ہاتھوں سے ٹٹولنا شروع کیا تو سچ مچ ایک دروازہ پایا۔ یہ دیکھ کر تو بہت خوش ہوئے دل میں کہنے لگے۔ اچھا بچّہ! اب بچ کر کہاں جائے گا۔ تیرے غرور، ظلم، اور طاقت کو نہ توڑا ہو تو ٹلّو میاں نام نہیں۔

(باقی آئندہ)




بچہ تھا میں اک نادان — مجھ کو نہ تھی کچھ بھی پہچان
تم نے بڑھایا میرا مان — مجھ پہ رہیں صدقے قربان

میری اچھی امّاں جان
میری پیاری امّاں جان

وقت پہ کھانا تم نے دیا — وقت پہ کپڑا تم نے دیا
میرے لئے سب کام کیا — پھر بھی بدلہ کچھ نہ لیا

میری اچھی امّاں جان
میری پیاری امّاں جان

میرے لئے جھولا ڈالا — میرے لئے طوطا پالا
گورا تھا میں یا کالا — میرا بول رکھا بالا

میری اچھی امّاں جان
میری پیاری امّاں جان

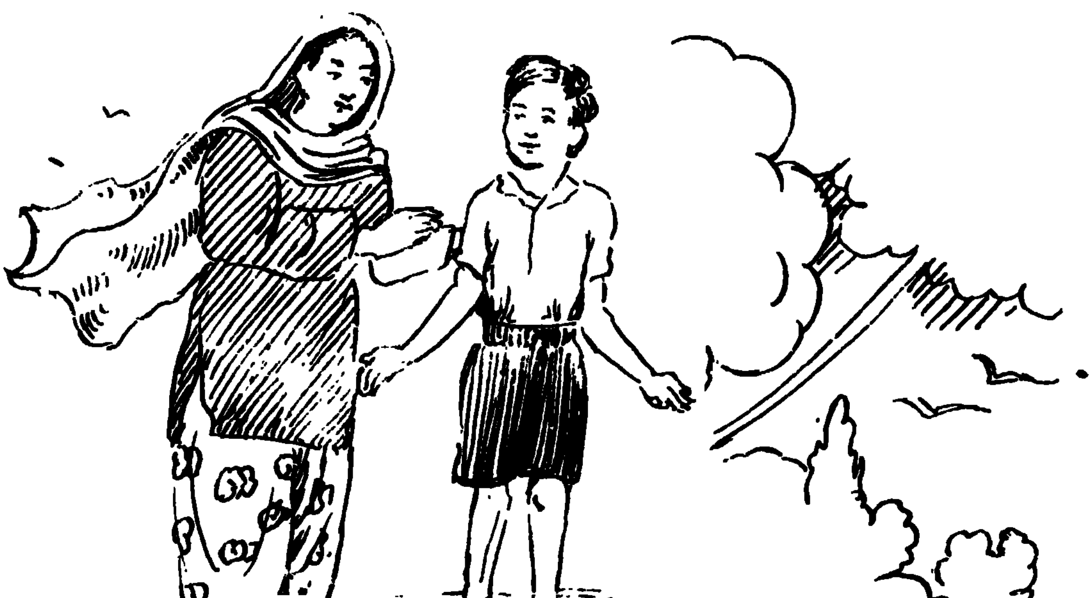
دکھ میں مجھ کو اگر پایا بھول گئیں تم سکھ اپنا
مجھ کو پلائی تم نے دوا خوش دیکھا تو چین ملا

میری اچھی اماں جان
میری پیاری اماں بھان

کہنے کو تو عورت ہو میرے لئے اِک نعمت ہو
میرے حق میں جنّت ہو تم پہ خدا کی رحمت ہو

میری اچھی اماں جان
میری پیاری اماں جان







# آؤ ڈراما کریں

پروفیسر محمد مجیب صاحب
بی اے (آکسن)

محمود، خالد، راشد، حفیظ، سلامت اور نہ جانے کتنے اور سب ایک ہی مدرسے میں پڑھنے والے تصور کے یہاں جمع ہوئے تھے۔ دعوت بڑوں کی تھی، یہ سب خالی دُم چھلّے تھے۔ انھیں اچھّے اچھّے کپڑے پہنائے گئے، اور میزبان کے گھر لاکر چھوڑ دیا گیا کہ جو چاہو کرو مگر شرارت نہ کرو۔ تھوڑی دیر تک یہ کودتے پھاندتے رہے پھر چلائے پلائی گئی۔ چائے کے بعد یہ پھر کھیلے کودے، مگر سردی کا زمانہ تھا، اندھیرا جلدی ہوگیا اور یہ سب اندر بلائے گئے یہاں بڑوں کا ساتھ تھا، بچّے جو کچھ کرتے وہ شرارت، جو کچھ کہتے وہ شور۔ آخر میں محمود سے نہ رہا گیا۔ اُس نے خالد سے کہا، "آؤ بھئی خالد، ایک ڈراما کریں"۔ خالد کو معلوم نہیں تھا کہ ڈراما کسے کہتے ہیں مگر خالی بیٹھے بیٹھے اس کی طبیعت اُکتا گئی تھی۔ کرنے کا نام سُنتے ہی وہ جاگ اُٹھا۔ اُس نے کہا: "آؤ، کریں"۔

محمود نے کہا: "اچھا دیکھو، تُم ہو بسکٹ والے۔ تُم ایک ٹوکری سر پر رکھ کر بانگ لگاتے ہوئے آؤ۔ "کیا میٹھے ہیں بسکٹ! کیا خستہ ہیں بسکٹ!" میں اور راشد یہاں کھڑے ہوں گے۔ تم سامنے آؤ گے تو میں کہوں گا، "ارے بھئی کس حساب سے دیتے ہو؟" تُم ٹوکری اُٹھا کر زمین پر رکھ دینا، بسکٹوں

پر سے کپڑا ہٹا لینا، اور مجھے بتانا: "یہ بھی پٹیسے پٹیسے ہیں، یہ بُرے بُرے دو پٹیسے کے ہیں" اس کے بعد میں بسکٹوں کو دیکھ کر کہوں گا: "یہ پٹیسے پٹیسے والے چار دے دو" تم چار بسکٹ مجھے دینا اور پیسوں کے لئے ہاتھ بڑھانا۔ میں بسکٹ لے لوں گا اور تم کو ٹھینگا دِکھا کر بھاگوں گا۔ تم میرے پیچھے دوڑنا۔ جب تم ذرا دور نکل جاؤ گے تو راشد تمھاری ٹوکری سے بسکٹ نکال کر گود میں بھر لیں گے اور چمپت ہو جائیں گے۔ تم تھوڑی دیر بعد آؤ گے تو دیکھو گے کہ آدھی ٹوکری غائب ہے۔ اور بڑی کھسیانی صورت بناؤ گے۔ اور ٹوکری سر پر رکھ کے پھر چل دو گے۔ آؤ کرو، بڑا مزا آئے گا۔"

خالد نے کچھ سوچ کر کہا: "واہ میں کھسیانی صورت کیوں بناؤں۔ تم آپ بناؤ۔"

خالد کے ابّا ماجد صاحب محمود کی باتیں کان لگائے سُن رہے تھے۔ خالد نے بسکٹ والا بننے سے انکار کیا تو اُنھوں نے کہا: "نہیں خالد، اس میں بگڑنے کی کوئی بات نہیں۔ ڈراما میں بے وقوف کا پارٹ کرنے سے کوئی بے وقوف نہیں بن جاتا۔ اگر تم نے بسکٹ اسی طرح بیچے جیسے بسکٹ والا بیچتا ہے، اور دھوکا کھانے کے بعد ایسی صورت بنائی جس سے معلوم ہو کہ تم نے سچ مچ دھوکا کھایا ہے اور بہت پچتا رہے ہو تو لوگ کہیں گے کہ تم بڑے ہوشیار ہو۔ بسکٹ والے کا پارٹ خوب کرتے ہو۔ تم کو تو اس پر خوش ہونا چاہیئے۔" لیکن خالد کی سمجھ میں بات نہیں آئی۔ وہ چپ رہا۔ پھر محمود نے کہا: "اچھا تم اور راشد لڑکے بنو۔ میں بسکٹ والا بنوں گا۔ چچا آپ مجھے ایک ٹوکری دلوا دیجئے۔"

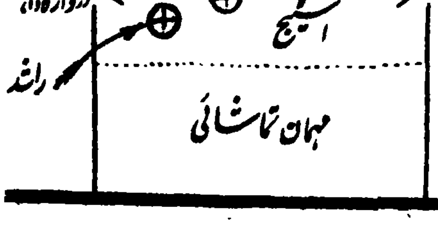
ماجد صاحب اُٹھ کر تصوّر کے والد

خورشید صاحب کے پاس گئے جو کچھ دور بیٹھے تھے اور اُن کے کان میں کچھ کہا۔ خورشید صاحب مسکرا کر اُٹھے اور اندر چلے گئے۔

ماجد صاحب نے واپس آکر محمود سے کہا۔ "اچھا، آؤ بھئی محمود، تم کو بسکٹ والے کی صورت بھی تو بنانا ہے۔"

محمود نے کہا "جی ہاں"، ماجد صاحب اس کا ہاتھ پکڑ کر بازو کے ایک کمرے میں لے گئے۔ یہ شاید خورشید صاحب کے سونے کا کمرہ تھا۔ تھوڑی دیر بعد خورشید صاحب ایک میلی سی لنگی اور اتنا ہی میلا کرتا اور ٹوپی لے کر آئے۔ محمود نے اپنے اچھے اچھے کپڑے اُتار کر لنگی باندھی، کرتا پہنا اور ٹوپی سر پر رکھی۔ اتنے میں ایک نوکر چھوٹی سی ٹوکری لے کر آیا جس میں بسکٹ بھی رکھے تھے۔ ماجد صاحب نے کہا: "لو بھئی بسکٹ والے، اپنی ٹوکری سنبھالو۔ اچھا مگر یہ تو بتاؤ، اسے لے کر کیسے چلو گے؟" محمود نے ٹوکری اُٹھالی، ایک ٹانگ چھوٹی کرلی۔ بدن ایک طرف کو جھکایا گردن دوسری طرف کو اور سر پر ٹوکری رکھ کر بانگ لگائی: "کیا میٹھے ہیں بسکٹ"! ماجد صاحب ہنس پڑے۔ انھوں نے کہا: "بھئی واہ تم تو بڑے اُستاد نکلے۔ اچھا تم ذرا دیر ٹھہرو۔ میں ذرا جاکر اسٹیج ٹھیک کر آؤں۔"

ماجد صاحب نے جاکر مہمانوں سے کہا "حضرات! دو تین بچے آپ کو ایک چھوٹا سا ڈراما دکھانا چاہتے ہیں۔ آپ ذرا تکلیف کرکے ایک طرف کو بیٹھ جائیں جس میں اسٹیج کے لئے جگہ نکل آئے۔" مہمان خوشی سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور ماجد صاحب نے اسٹیج کے لئے اس طرح جگہ نکالی:



مہمان سب ٹھیک سے بیٹھ گئے تو ماجد صاحب خالد اور راشد کو لے کر اس کمرے میں گئے جہاں محمود انتظار کر رہا تھا۔ اُنھوں نے تینوں کو سامنے کھڑا کر کے کہا: "دیکھو بھئی، میں نے تمھارے ڈرامے کے لئے اسٹیج تیار کرا دیا ہے۔ اس میں دو دروازے ہیں۔ بائیں طرف جو دروازہ ہے۔ اِس میں سے پہلے خالد اور راشد باتیں کرتے ہوئے جائیں گے۔ وہ دو چار قدم چلے ہوں گے جب پیچھے سے بسکٹ والے کی بانگ سنائی دے گی۔ خالد! تم راشد کو وہیں کھڑا کر دینا اور خود ذرا آگے جا کر ٹھہر جانا۔ جب بسکٹ والا اندر آجائے اور خالد کے قریب پہنچے تب وہ پوچھیں گے کہ بھئی کس حساب سے دیتے ہو۔ تم راشد اس وقت ذرا بسکٹ والے کی طرف بڑھ آنا، مگر اس طرح کہ اس کے اور تماشائیوں کے درمیان نہ آجاؤ۔ اِس کا ضرور خیال رکھنا۔ آگے تو تمھیں معلوم ہے نا؟"

تینوں نے کہا: "جی ہاں۔"

تماشائی سب بیٹھے انتظار کر رہے تھے

اتنے میں اسٹیج کی بائیں طرف سے اسکول کے دو لڑکے باتیں کرتے ہوئے آئے، اور اُن کے داخل ہوتے ہی ایک بانگ سنائی دی: "کیا میٹھے ہیں بسکٹ! کیا خستہ ہیں بسکٹ! کرارے ہیں بسکٹ!" ایک لڑکے نے دوسرے کی طرف آنکھ ماری اور کہا: "ارے یہی ہے وہ بسکٹ والا۔" یہ کہہ کر اُس نے اپنے ساتھی کو وہیں روک دیا اور خود ذرا آگے بڑھ کر کھڑا ہو گیا۔ اتنے میں بسکٹ والا داخل ہوا اور اس نے ایک اور بانگ لگائی۔ پہلے لڑکے نے، جو اسٹیج کے بیچ میں کھڑا تھا، کہا: "ارے بسکٹ والے ذرا دکھاؤ تو کیسے بسکٹ ہیں۔" بسکٹ والے

نے سر پر سے ٹوکری اُتارتے ہوئے کہا: "لو جی ایسے بسکٹ ہیں کہ شہر میں کہیں نہ ملیں گے خالص گھی کے ہیں۔ ایسے خستہ کہ کھاتے ہی مُنہ میں گھُل جائیں۔ یہ پیسے پیسے کے ہیں۔ یہ پیسے کے دو۔ یہ بڑے دو دو پیسے کے" بسکٹ والا لنگڑا کر چلتا تھا، کمر ٹیڑھی تھی، گردن ٹیڑھی، ٹوپی ٹیڑھی۔ اب بسکٹ کے دام بتاتے ہوئے اس نے تماشائیوں کی طرف مُنہ پھیرا تو معلوم ہوا کہ وہ کانا بھی ہے اور بات کہنے کے بعد ایک طرف کو زبان بھی نکال دیتا ہے۔ تماشائیوں کو یہ سب دیکھ کر خوب مزا آیا۔ اور سب کے جی میں یہ بات آئی کہ اگر لڑکے اس کے ساتھ کوئی شرارت کریں تو بڑا اچھا ہو۔

پہلے لڑکے نے جس نے دام پُوچھے تھے، اب کہا، "اچھا یہ پیسے پیسے والے چار دے دو۔ اس نے اپنی جیب میں ایک ہاتھ ڈالا، جیسے کوئی پیسے نکالنے کے لئے ڈالتا ہے۔ بسکٹ والے نے اُس کے دوسرے ہاتھ میں بسکٹ دے دئے۔ اور پیسے دینے کے لئے اپنا ہاتھ کھول دیا۔ لڑکے نے اُس کے ہاتھ میں انگوٹھا دکھلایا اور اسٹیج کے دوسرے دروازے سے بھاگ کر نکل گیا۔ بسکٹ والا اُٹھا اور لنگڑاتا ہوا اُس کے پیچھے دوڑا۔ جب وہ دروازے سے نکل گیا تو دوسرے لڑکے نے جو چپ چاپ کھڑا تھا لپک کر ٹوکری سے بہت سے بسکٹ نکالے، کچھ جیبوں میں بھرے کچھ گود میں، اور پہلے دروازے سے نکل کر غائب ہوگیا۔ تھوڑی دیر بعد بسکٹ والا دوسرے دروازے سے ہانپتا کانپتا پھر داخل ہوا۔ اُس کی صورت شکل اور چال پر ویسے بھی ہنسی آتی تھی، ٹوکری خالی دیکھ کر اس نے جو کھسیانی صورت بنائی وہ تو بس غضب کی تھی۔ سارے تماشائی ہنسی سے لوٹ گئے۔ وہ تھوڑی دیر

آنکھیں بلکہ اپنی ایک آنکھ مچمچاتا رہا، پھر ٹوکری اُٹھائی، اور دوسرے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے پھر ایک بانگ لگائی: "کیا میٹھے ہیں لسکٹ! کیا خستہ ہیں لسکٹ! کرارے ہیں لسکٹ!" یہ بانگ بھی بڑی سبق آموز تھی کیوں کہ اس سے معلوم ہوتا تھا کہ بسکٹ والے کی عقل حیران اور ٹوکری خالی ہے۔

ماجد صاحب، محمود، خالد اور راشد کو لے کر اسٹیج پر آئے۔ لوگوں نے خوب تالیاں بجائیں۔ ماجد صاحب نے کہا: حضرات! آپ یہ ذرا سا تماشا دیکھ کر سمجھ گئے ہوں گے کہ ہمارے بچوں میں ڈراما کرنے کی کتنی قدرتی استعداد ہے۔ محمود لسکٹ والے کے شوق کو دیکھ کر مجھے بھی شوق ہو گیا ہے کہ ان بچوں کو ڈرامے کا فن سکھاؤں۔ آپ سے امید ہے کہ آپ ان کی ہمت بڑھاتے رہیں گے اور جب کبھی یہ کوئی ڈراما تیار کریں تو اسے دیکھیں گے۔ محمود بیٹے تمھیں سب کی طرف سے مبارک باد دیتا ہوں۔ اب اگر تم خود نہ اکتا گئے تو تمھیں ڈراما کرنے کے بہت سے موقعے ملیں گے اور لوگ تمھاری نقلوں کو دیکھنے کے لئے دور دور سے آئیں گے۔

محمود پھر لنگڑا اور ٹیڑھا اور کانا ہو گیا اُس نے ٹوکری سر پر رکھی اور بانگ لگائی۔ اس کے بعد وہ دروازے سے نکل کر بھاگ گیا اور لوگوں نے پھر خوب تالیاں بجائیں۔



# ہمارا باغ

محمد احمد عمر ۱۲ سال

باغ میں آم کے، جامن کے، نارنگی کے، سنترے کے پیڑ تھے۔ جامن کے پیڑ چاروں طرف باغ کے کونوں پر لگے ہوئے تھے۔ آم کے تختے الگ، نارنگی کے تختے الگ، سنترے کے تختے الگ۔ ایک طرف پھولوں کی کیاریاں تھیں۔ گلاب کے پھول کی کیاری۔ گلابی پتیوں کا گلاب، زرد پتیوں کا گلاب۔ چنبیلی کی بیلیں درختوں پر لپٹی ہوئی تھیں۔ پھول تاروں کی طرح چمک رہے تھے۔ باغ میں ایسی بہار تھی کہ جی چاہتا تھا پھرتے ہی رہیں۔ ہم اور الیاس دونوں پھر رہے تھے۔ الیاس نے کہا "کیسا اچھا باغ ہے"۔ ہم نے کہا "ہاں! بڑا اچھا باغ ہے"۔ اتنے میں بادل آگئے۔ ٹھنڈی ہوا چلنے لگی۔ پپیہا بولا۔ کوئل بولی۔ مور بولا۔ بگلے اُڑنے لگے۔ بادلوں کے کالے کالے دھوئیں میں سفید سفید بگلے۔ واہ!

چھم چھم مینہہ برسنے لگا۔ الیاس نے کہا "بھاگو" ہم نے کہا "بھاگو"۔ ہمارا گھر دُور تھا۔ الیاس کا گھر پاس تھا۔ دونوں بھاگے۔ الیاس اپنے گھر میں گھس گئے۔ ہم بھی الیاس کے ساتھ۔

دونوں کے کپڑے بھیگ گئے تھے دونوں نے کپڑے اُتارے۔ نیکر پہن لئے الیاس کی امّی نے گرم گرم کچوریاں کھلائیں۔

مزا آگیا۔ ہم دونوں بیٹھ گئے اور تعلیمی تاش کھیلنے لگے۔ کھیل میں اتنی دیر ہوگئی کہ ہم دونوں کے کپڑے سوکھ گئے۔
ہم نے کہا" بھائی الیاس شام کو تم ہمارے گھر آنا۔ ہم تمھیں گرم گرم کباب کھلائیں گے۔ چٹ پٹے اور سلونے۔

آج ہماری چھٹی کا دن تھا۔

---

| جدید ٹکٹ | | ٹکٹ | | خوب صورت ٹکٹ | |
|---|---|---|---|---|---|
| ۹ ارجنٹائن | ۲ر | ۵۰ اسپین | ۲ر | ۱۰ سویڈن | ۱ر |
| ۲۵ " | ۴ر | ۱۰ ڈنمارک | ۱ر | ۵ کنیا | ۲ر |
| ۹ آسٹریلیا | ۲ر | " ۲۵ | ۲ر | ۱۰ " | ۵ر |
| ۱۲ " مع یادگاری | ۴ر | ۱۰ پیٹرو | ۳ر | ۵ ہنگری (خوب صورت) | ۲ر |
| ۴ آسٹریا یادگاری | ۱ر | ۱۰ چین | ۱ر | ۱۰۰ ہنجز | ۱ر |
| ۱۵ برازیل | ۲ر | ۲۵ " | ۴ر | ۱۰۰۰ " | ۶ |
| ۲۵ " | ۴ر | ۱۰ نیوزی لینڈ | ۳ر | ۱۰۰۰ " بڑھیا قسم (فی ہزار) | ۸ر، ۱۰ر |
| ۴ بوسینیا مکمل سٹ | ۲ر | ۴ لٹیویا مکمل سٹ | ۲ر | ۴ اسٹونیا مکمل سٹ | ۲ر |
| ۲۵ اسپین | ۲ر | ۴ سورٹھ | ۱ر | | |

۵۰ ٹکٹ ۵۰ مختلف ملکوں سے ۳ر فی پیکٹ

۱۰۰ " ۱۰۰ " " ۱۲ر " "

Perforation gauge ہر خریدار کو مفت۔ خرچ ڈاک بذمہ خریدار۔

شیخ غلام رسول ۹ فلیمنگ روڈ لاہور

Sh. Ghulam Rasul, 9, Fleming Road, Lahore



## نئے سال کی خوشی

اچھلو پھاندو دوڑ لگاؤ — کھیلو کودو مزے اڑاؤ
میٹھے میٹھے گیت سناکر — سارے جہاں کو مست بناکر
سال گرہ کی خوشی مناؤ

باغ جہاں کی رنگت بدلی — سال نے دیکھو کروٹ بدلی
موسم نے بھی صورت بدلی — نقشہ تم بھی نیا جماؤ
سال گرہ کی خوشی مناؤ

عزم کو اپنے دگنا کر دو — دنیا کو پھر جوش سے بھر دو
ناممکن کو بھی ممکن کر دو — آگے اپنا قدم بڑھاؤ
سال گرہ کی خوشی مناؤ

محمد حسین محسن حیات نگر

## منہ کی کھائی

حافظ جی نے روٹی کھائی — سیر کی پھر کچھ دل میں سمائی
راہ میں پڑتی تھی اک کھائی — حافظ جی کی شامت آئی
کھائی دی ان کو نہ دکھائی — بولا اک "حافظ جی کھائی"
پیٹ دکھا کر بولے حضرت — ہاں ہاں آج تو خوب ہی کھائی
خوب ہی کھائی کہتے کہتے — کھائی میں اک پٹخی کھائی
نیچے اس پر ہنس کر بولے — حافظ جی نے منہ کی کھائی
نورؔ دعا اب مانگو تم یہ — حق رکھے سب کی بینائی



نورالدین احمد نور بدایونی



# کان کماری

سید ابو طاہر صاحب بی ایس سی بی اے

رات کو جب سب اپنے اپنے بستروں پر لیٹ گئے تو بھائی رشی نے ایک کہانی کہنی شروع کی جسے میں انھی کی زبانی بیان کرتا ہوں۔

آنکھوں دیکھی کہتے ہیں۔ کانوں سنی نہیں کہتے، ثواب سننے والے کی گردن پر اور عذاب نہ سننے والے کے سر پر۔ کہتے ہیں ہمیشہ سے ایک بادشاہ چلا آتا ہے۔ جیسے ہمارا تمہارا خدا بادشاہ کہ نام اس کا دماغ، کام اس کا حکومت اور ملک اس کا جسم تھا۔ یہ بادشاہ بیدار مغزی اور ہوشیاری میں اپنا جواب نہ رکھتا، آج کے کاموں کے سوا اس کو کوئی دوسرا شوق نہ تھا۔ جب سے حکومت کی باگ سنبھالی کبھی رات کو پلک سے پلک نہ لگائی۔

دنیا کے بڑے بڑے رشی، منی اور صوفیوں نے اسے تسخیر کرنے کی دھن میں عمریں تیاگ دیں، لیکن وہ ان کے قبضہ سے ایسے نکل جاتا۔ جیسے مٹھی میں سے پانی۔

اس راجہ کی پانچ سندر راج کماریاں تھیں۔ جو اپنے پتا کے اشاروں پر چلنا ہی اپنا دھرم اور ایمان سمجھتیں۔ راجہ بھی انھیں اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتا اور ان کے مشورے بغیر ایک قدم آگے نہ بڑھاتا۔ تمام راج کماریاں الگ الگ صوبوں پر راج شاستر کے مطابق حکومت کرتیں اور خود راجہ ایک ہوائی قلعہ میں بیٹھا حکم احکام جاری کرتا۔

اس اتفاق اور محبت کی وجہ سے راج کا سارا کام اس خوبی سے چلتا کہ دوست خوشحال اور دشمن پامال تھے۔ دن عید اور رات شب برات تھی۔ راجہ پرجا کے سکھ میں سکھی تھے مگر نہ جانے کیا

کر وہ اپنے قلعہ سے باہر قدم رکھنے کا بھی روادار نہ تھا۔ سب اس کی صورت دیکھنے کو ترستے لیکن وہ موجود ہو کر بھی نظر نہ آتا۔ راج کماریاں اس بھید کو اچھی طرح جانتی تھیں کہ جس دن راجہ نے قلعہ کی دہلیز پھلانگی اسی دن سارے راج پر تباہی کے بادل چھا جائیں گے اس لئے وہ راج کے سوا کسی دوسری چیز کی طرف بھولے سے بھی خیال نہ لے جاتیں۔

ایک روز خدا کا کرنا یوں ہوا کہ سب سے بڑی لڑکی کان کماری کے دربار میں ایک بوڑھا گویا پھرتا پھراتا آنکلا وہ کچھ اس طرح گاتا کہ کوئی اس کو ایک بار سن پاتا تو دل سے صبر و قرار ہمیشہ کے لئے رخصت ہو جاتے۔ چنانچہ راجہ کی بیٹی کی یہ حالت ہوگئی کہ دن رات گویا گاتا رہتا اور وہ اسے سننے میں محو رہتی۔ ادھر اس کی آواز تھوڑی دیر کے لئے بھی رکتی اور اُدھر وہ بے تاب ہو جاتی جب کئی روز اسی طرح بیت گئے تو گویے نے راج کماری سے رخصت طلب کی۔ اتنا سننا تھا کہ وہ فی الفور بے ہوش ہو کر گر پڑی۔ بوڑھے گویے نے جب یہ حال دیکھا کہ راج کماری راگ پر اپنا تن من نچھاور کر چکی ہے تو اس نے راج کماری کے کان میں جھک کر کہا "سن اے راج کماری! راج کمار دن تیرے حسن و جمال کا شہرا سن کر بوڑھے گویے کا روپ دھار کر آیا تھا۔ اس نے جیسا سنا تھا ویسا ہی تجھ کو پایا۔ محبت کے راگ رنگ لائے"۔

...... ے۔ اب میں جاتا ہوں مگر تو اپنے پتا جی سے اپنے من کا بھید ظاہر کر کے سوئمبر کی سواگت کرنا۔ پھر میرے راگ تیرے دل کی دھڑکن سنسار کی سوئی ہوئی قوتوں کو بیدار کر کے اس دنیا کو جنت بنا دیں گے"

راج کماری نے یہ سب باتیں بڑے غور سے سنیں۔ لیکن جب اس نے آنکھ کھولی تو وہاں کچھ بھی نہ تھا۔ کیونکہ راج کمار درن اپنے اصلی روپ میں واپس آکر غائب ہو چکا تھا۔ اب راج کماری کو کسی کروٹ چین نہ تھا بن پانی کی مچھلی کی طرح تڑپتی۔ اور آہ وزاری کرتی تھی۔ دن رات درن کا نام تھا اور وہ تھی۔ لاکھ سب نے سمجھایا، دوائیں اور دعائیں کیں لیکن یہ جادو اس کے سر سے نہ اترنا تھا نہ اترا۔ یہاں تک حالت پہنچ گئی کہ راج کے کاروبار میں ابتری پھیل گئی اور ایک صوبہ کی خرابی تمام ملک کے انتظام پر اثر ڈالنے لگی۔ چنانچہ مخبروں نے راجہ کو سارا کچا چٹھا جا سنایا۔ سنتے ہی اس کے ہوش

حواس جاتے رہے۔ غصّے میں آگ بھبوکا ہو گیا سر پر پانی کے تڑاڑے ڈالے گئے تو اس کا دماغ ٹھکانے آیا۔ تھوڑی دیر تک سر نیچا کئے بیٹھا رہا۔ کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ وزیر عقل کو طلب کیا۔ اس کی عقل بھی ماری گئی۔ مجبور ہو کر اپنے استاد حکیم تقدیر سے عالم خیال میں جا کر ملاقات کی اور سارا ماجرا رو رو کر بیان کیا۔ حکیم تقدیر نے بموجب سننے اس کے ایک آہ کھینچی اور پھر اپنی لمبی داڑھی پر ہاتھ پھیر کر یوں گویا ہوا کہ "اے دنیا کے سب سے زبردست راجہ! مصیبت کے وقت ہوش و حواس برقرار رکھنا ہی سب سے بڑی جواں مردی ہے۔ بیشک تیرا ستارہ اقبال اس وقت نحوست کے طالع میں سے گزر رہا ہے۔ تیری حکومت کا تختہ الٹ رہا ہے کیونکہ جھاڑو میں سے کوئی سینک نکل جائے تو بندھن ڈھیلا پڑ جاتا ہے۔ اب مجھے تو اپنے دل کا حال بتا کہ آیا تو باپ رہنا چاہتا ہے یا راجہ"۔

یہ سن کر راجہ نے جواب دیا کہ "اے پیروں کے پیر اور اے مرشدوں کے مرشد! اس وقت تو دونوں چیزیں میرے ہاتھوں سے جا رہی ہیں۔ آج کسان کماری کا سنجوگ ورن سے کر دیا۔ تو کل کو چاروں راج کماریاں بھی بر مانگنے لگیں گی اور یہ راج اندھا گونگا بہرا اور اپاہج ہو کر رہ جائے گا۔ اور اگر میں ان سب کو قید کئے دیتا ہوں تو بھی یہی مشکل پیش آتی ہے۔ اس لئے اے حکیم مطلق! تو ان کے دلوں سے محبت نکال کر پھینک دے اور فرض کو اس کی جگہ داخل کر دے۔ بس یہ ہے میری مصیبت کا علاج اور اے استاد اس وقت کچھ ایسی آن پڑی ہے کہ اگر تو میری بات پوری نہیں کرتا تو میں بھی محبت کے دریا میں ڈوب کر جان دے دوں گا"۔ یہ بات راجہ نے کچھ اس طرح گڑ گڑا کر کہی کہ حکیم کا دل پسیج گیا۔ اور اس کے منہ سے بن سوچے نکل گیا "جا راجہ ایسا ہی ہو گا"۔ پھر ہاتھ پر ہاتھ مار کر کہنے لگا "ہائے یہ میں کیا کہہ گیا۔ خیر جو ہونا تھا ہو چکا۔ مگر اے راجہ ٹھہر! راج کماریوں کی محبت تو چھین ہی لی اب اپنی محبت کہاں لے چلا۔ وہ بھی دے جا۔ میں اس میں اپنی طرف سے کچھ اور ملا کر اسے راج رانی دل کے سپرد کر دیتا ہوں۔ اب تو جانے اور تیری بیوی"۔ اتنا کہا اور آگے بڑھ کر غائب ہی ہونا چاہتا تھا کہ راجہ نے لپک کر اس کا دامن پکڑ لیا اور دکھی ہو کر کہنے لگا "راجہ کو بھکاری بنا کر مفت کی سزا تو دے دی۔ اور راج کمار ورن کو میرا تماشا دیکھنے کے لئے

یونہی چھوڑ دیا۔ ابھی یہ الفاظ پورے بھی نہ ہوئے تھے کہ آنکھ جھپکتے میں چاروں طرف گھٹا ٹوپ اندھیارا چھا گیا۔ زمین اور آسمان میں زلزلہ آگیا اور ہر طرف سے "ہیہات" "ہیہات" کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔ راجہ کی جو حالت ہوئی، اس کے لئے الفاظ نہیں کہ بیان کی جاسکے۔ بارے اس شور و غوغا کے تھم جانے کے بعد ایک مہیب سی آواز سنائی دی جس نے راجہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "لے راجہ تیری آخری درخواست بھی پوری کی گئی محبت کی سزا بھی دے دی۔ دونوں کو ایک دوسرے کی آنکھوں سے اوجھل کر دیا گیا۔ ورن کو سوز اور بے تابی دے کر کان کماری کے منہ پر تالے لگا دئے گئے ہیں تاکہ قیامت تک ایک فریاد کرتا رہے اور دوسرا اسے خاموشی سے سنتا رہے۔ جا۔ اب تو تیرے دل میں ٹھنڈک پڑ گئی"۔

کہتے ہیں جب سے راج کمار ورن کے تلووں کے نیچے آگ سلگ رہی ہے۔ اسی لئے وہ ایک جگہ نہیں ٹھیر سکتا۔ اب اس کی چال قیامت ہو گئی ہے جدھر سے نکل جاتا درخت انگڑائیاں لینے لگتے۔ کلیاں چٹکنے لگتیں، چشموں کی جل پریاں اٹکھیلیاں کرتیں ذرّے ذرّے پر راگ کی مستی چھا جاتی ہنستا تو بہار آتی، روتا تو جل تھل بھر جاتے غصہ ہوتا تو آگ برستی، آہ کرتا تو شعلے بلند ہوتے۔ اور سو جاتا تو سب کا دم نکلنے لگتا۔ وہ دن رات کان کماری کے قلعہ کے چکر لگاتا رہتا۔ اور پردہ کے پاس آکر محبت کے راگ گایا کرتا ہے۔ اور کان کماری سیپ کے حوض میں پانی کے بلبلوں کی پیٹھ پر ستار ہاتھ میں لئے بیٹھی ہوئی ہے۔ باہر سے راجکمار گاتا ہے۔ اور اندر سے ستار کے تار خود بخود بجنے لگتے ہیں۔





# جھوٹ کا انجام

جناب شجاعت سندیلوی

ایک تھا بنیا دولت والا کنجوسی میں سب سے نرالا
آگے پیچھے کوئی نہیں تھا یہ بنیا تنہا رہتا تھا
جھوٹ، فریب اور مکاری سے دھنی ہوا تھا عیاری سے
ساری خلقت دکھیا اس سے دیتا سب کو سودی قرضے
دھن ہی میں دم اٹکا رہتا دھن کا ہر دم کھٹکا رہتا

(۲)

اک دن دل میں وہم سمایا سمجھا گھر میں چور ہے آیا
کانپا، لرزا، اور چلایا چو چو چو چو چور ہے آیا
ہاتھ میں لے کر اپنے ڈنڈے آئے محلے والے دوڑے
پوچھا اس سے چور کہاں ہے؟ چوری کا کیوں تم کو گماں ہے
بولا وہ تھا دھڑکا مجھ کو چوری کا تھا کھٹکا مجھ کو
جی میں ناخوش ہوگئے سارے لوٹ گئے وہ سب بے چارے

(۳)

اک دن پھر وہ یوں چلّایا — دوڑو لوگو! چور ہے آیا
اس دن پھر کچھ آدمی آئے — چور نہ پاکر سب گرمائے
بڈّھے سے کہا سب نے مل کر — تم کو ہنسی یہ سوجھی کیوں کر
نیند میں حیراں کرتے ہو تم — سب کو پریشاں کرتے ہو تم
چور سے ہو جب اتنا ڈرتے — نوکر کیوں نہیں تم رکھ لیتے
ہوگئے واپس یہ کہہ کہہ کر — چل دیئے سب اپنے اپنے گھر

(۴)

اک دن سچ مچ چور جو آیا — بڈّھے نے پھر شور مچایا
اس دن لیکن کوئی نہ آیا — سمجھے یونہی ہے چلّایا
چور نے اس کو مارا پہلے — چمپت ہوگیا پھر دھن لے کے

جھوٹ کا یہ انجام ہے بھائی
دولت کھوئی، جان گنوائی



# اہرام سقارہ مصر

(از جناب مولوی محمد سعدالدین صاحب انصاری - فاضل جامعہ ازہر (مصر)

کل ۲۰ مارچ کو طلبہ ازہر کی ایک جماعت اہرام سقارہ کی سیر کو جانے والی تھی۔ اپنے ازہری مصری دوست محمود اندرسیہ کے کہنے سے میں بھی اس جماعت کے ساتھ ہولیا یوں بھی عرصہ سے مجھے اس سیر کا شوق تھا۔ لیکن اچھے ساتھیوں اور مناسب موقع کی تلاش تھی۔

یہ جماعت ۷½ بجے صبح کو وزارت تعلیم کی دو نہایت عمدہ موٹر لاریوں پر روانہ ہوئی۔ طلبار کی تعداد ساٹھ تھی۔ سقارہ قاہرہ سے کوئی ۲۰ میل کے قریب ہوگا۔ شہر سے نکلنے کے بعد سقارہ تک راستہ نہایت پرفضا تھا۔ نیل کی ایک نہر کے کنارے کنارے نہایت اچھی سڑک پر موٹر چل رہی تھی۔ چاروں طرف جہاں تک نظر جاتی تھی ہرے بھرے ربیع کے کھیت دلوں کو اپنی طرف کھینچتے تھے۔ منظر کی خوبی سے تمام طلبار پر خوشی کی ایک کیفیت طاری تھی۔ ایک طالب علم نے نہایت شیریں آواز میں عربی کی غزلیں گانی شروع کیں۔ اکثر طالب علم اسے بہت شوق سے سن رہے تھے۔ بیچ بیچ میں بعض ہنس مکھ طالب علم اپنے ظریفانہ فقروں سے اس نغمے کو موقوف کردیتے اور اس کی جگہ ہنسی اور قہقہے شروع ہوجاتے۔ اسی طرح مختلف دلچسپیوں کے ساتھ دونوں موٹریں کوئی ایک گھنٹے کے بعد منزل مقصود پر پہنچ گئیں

موٹروں سے اتر کر ہم سب ایک عمارت کی طرف آئے جس کے اندر فراعنہ مصر کے ایک مشہور بادشاہ کا مجسمہ رکھا تھا۔ یہ مجسمہ ایک خاص نرم پتھر (جیری) سے (جو مصر میں بکثرت ہے) نہایت خوب صورتی سے بنا ہوا ہے۔ جسم نہایت سڈول اور ورزشی ہے۔ پٹھے رگیں اور ایک ایک عضو فطرت کے موافق بنا ہوا ہے۔ سخت حیرت ہوتی ہے کہ ہزاروں سال پہلے بھی ایسے ماہرین فن موجود تھے۔ اس جماعت کے ساتھ دو مصری استاد بھی تھے۔ تاریخ کے ایک لائق استاد عبدالفتاح سرنجاوی اس جماعت کے رئیس تھے۔ موصوف نے اس مجسمے کی تاریخی طور پر نہایت عمدہ تشریح کی۔ بتایا کہ یہ وہ بادشاہ ہے جس نے پرانے زمانے میں اس جگہ ایک نہایت عمدہ شہر منف کے نام سے بسایا تھا۔ مورخوں کے نزدیک یہ شہر اپنے زمانے میں بہت آباد اور بارونق

تھا۔ لیکن اس عظیم الشان شہر کے آثار تقریباً ناپید ہیں یہ شہر دریائے نیل اور صحرائے لوبیا کے بیچ میں ذرا اونچائی میں تھا۔ اس اونچائی میں آباد کیا گیا تھا کہ دریائے نیل سے پوری طرح سیراب ہو سکے۔ افسوس ہے کہ جس نیل نے اس شہر کو سرسبز اور شاداب بنایا اسی نے اپنی ایک ظالمانہ ادا سے راستہ بدل کر اس شہر کو برباد بھی کر دیا۔ اس کے بعد نیل کے سالانہ سیلابوں نے اپنی بے اندازہ ریت سے اس شہر کو ایسا نیست و نابود کیا کہ اب مطلق کوئی نشان اس کا باقی نہیں ہے۔

اس شہر کے ایک طرف تو نیل ہے اور دوسری طرف ریگستان کا کنارہ ہے۔ یہ کنارہ شہر کی نسبت بلند ہے اور جا بجا ریت کے تودے پھیلے ہوئے ہیں۔ میدا کا مجسمہ اور بعض دوسرے معمولی آثار مجسموں کی شکل میں دیکھنے کے بعد ہم سب لوگ موٹر پر سوار ہوئے اور کوئی میل دو میل کی مسافت طے کر کے اس ریگستان کے کنارے پہنچے۔ یہاں قدیم مصریوں نے ایک شہر "مدینۃ الاموات" کے نام سے بنایا تھا۔ مصری اپنے اعتقاد کے موافق اپنے مُردوں کو ممی بنا کر بڑے اہتمام اور بڑی حفاظت سے دفن کرتے تھے۔ چنانچہ آبادی کے قریب ہی یہ مدینۃ الاموات" یا قبرستان بنایا۔ یہ قبرستان بھی ناپید تھا لیکن یورپ کے لوگوں نے اپنی اَن تھک کوششوں سے بچا نے کیا کیا معلوم کر لیا ہے۔ ایک مشہور فرانسیسی "مریت" نے (جو مصری حکومت سے پاشا کا خطاب پاکر مریت پاشا کے نام سے مشہور ہے) خدیو اسمٰعیل کے زمانے میں اپنی مسلسل کوششوں سے اس شہر کو معلوم کیا۔ اس شہر میں رفتہ رفتہ بہت سے مقبرے ملے ہیں۔ یہ مقبرے جن کو مصری اپنی اصطلاح میں اہرام کہتے ہیں عجیب و غریب چیز ہیں۔ اور زمین کے اندر بہت نیچے بڑے بڑے تہ خانوں کی شکل میں بنے ہوئے ہیں۔

یہاں پہنچ کر پہلے ہم سب ایک اہرام کے اندر داخل ہوئے۔ ایک بڑی سرنگ کے ذریعے جو بتدریج نشیب کے ساتھ زمین کے اندر گئی ہے۔۔۔ ایسی جگہ پہنچے جہاں ایک بہت بڑا تہہ خانہ نظر آیا۔ سرنگ اور اس تمام تہہ خانے میں مصری حکومت نے سیاحوں کے لئے جا بجا بجلی کا انتظام کر دیا ہے۔ اس کی وجہ سے اس کے دیکھنے میں بڑی آسانی ہو گئی ہے۔ یہ تہہ خانہ بہت وسیع ہے۔۔۔۔ ۔۔۔۔۔ اس میں بڑے بڑے کمروں کی کئی قطاریں ہیں۔ جن کے درمیان غلام گردش کی طرح راستے گذرتے ہیں۔ انھی کمروں کے اندر مصری تابوت پتھر کے بنے ہوئے رکھے ہیں۔ مصری لوگ ان میں اپنے ممی کئے ہوئے مُردوں کو بڑی حفاظت سے رکھ دیتے تھے۔ ممیاں تو سب نکل کر مشہور مشہور عجائب خانوں میں پہنچ گئی ہیں۔ یہاں بس پتھر کے بڑے بڑے تابوت باقی رہ گئے ہیں۔ یہ تابوت مصر کے مشہور پتھر گرانیٹ کے بنے ہوئے ہیں۔ ان تابوتوں کا طول اندازاً ۵ر۶ گز اور عرض ۲، ۳ گز اور بلندی ۳، ۴ گز

ہوگی ۔ تمام تابوت ایک [illegible] کے نہیں ہیں۔ چھوٹے
بڑے سبھی طرح کے ہیں۔ تابوت کے گرد کمرے کی دیواروں
پر جو اکثر چپری پتھر کی ہیں ۔ قدیم مصری زندگی کی تصویریں
نہایت خوب صورتی سے اُبھرے ہوئے نقوش کے ساتھ
موجود ہیں ۔ یہ تصویریں بہت عجیب و غریب ہیں اور
دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ مصر کی پرانی زندگی کا کوئی ایسا
پہلو نہیں جو تصویروں کے ذریعے نہ دکھایا گیا ہو۔ کھیتی
باڑی صنعت و حرفت ، گھریلو زندگی ۔ سیر و شکار ۔
کشتی بانی ۔ ناچ رنگ ۔ کھانا پینا ۔ پڑھنا لکھنا ، فوج
پولیس ، لڑائی ۔ حکومت کے انتظام اور مذہبی رسمیں
غرض ہر چیز نہایت خوبی سے تصویروں کے ذریعے ظاہر
کی گئی ہے ۔ یہ تابوت اکثر بادشاہوں اور بڑے بڑے
امیروں کے ہیں ۔ جس کمرے میں جس کو دفن کرتے تھے .
اُس کی دیواروں پر اُسی کی زندگی کے حالات تصویروں
کے ذریعے پیش کرتے تھے ۔ یہ تصویریں درحقیقت مصری
قوم کی کتابیں ہیں ، بلکہ میرے خیال میں کتابوں سے بڑھ
کر ۔ اس لئے کہ ایک نظر میں ہر عالم و جاہل اِن تصویروں
کے ذریعے ہزاروں برس کے واقعات بڑی آسانی سے
جان لیتا ہے ۔ تصویریں اس کمال و باریکی کے ساتھ
بنی ہیں ۔ کہ عقل دیکھ کر دنگ رہ جاتی ہے ۔ شکل و صورت
کی خوبی کے ساتھ خوشی ، رنج اور مذہبی خشوع و خضوع
کے فطری جذبات تک کی ترجمانی کی گئی ہے جو تصویریں
رنگین ہیں اُن کے رنگ بھی فطرت سے قریب ہیں ۔ یہ

کمال اب تک فنِ مصوری کو پوری طرح حاصل نہیں ہوسکا
ہے ۔ پھر لطف یہ ہے کہ یہ تصویریں سو دو سو یا ہزار
دو ہزار برس پہلے کی نہیں بلکہ مؤرخوں اور کھوج لگانے
والوں کے نزدیک ان کا سلسلہ ۱۰،۰۰۰ ہزار برس پہلے
تک پہنچتا ہے ۔

اِسی قسم کے کوئی ۶ ، ۷ اہراموں کی ہم سب نے
سیر کی ۔ ایک دو کے سوا باقی میں بجلی کا انتظام نہیں ہے
ہمارے ساتھ موم کی شمعیں تھیں ۔ ان کی مدد سے اند
کی چیزیں دیکھیں ۔ بعض تہ خانے ایسے تنگ و تاریک
تھے کہ اُن کے اندر دم گھٹتا تھا ۔ مصریوں کا یہ [illegible]
اعتقاد ہے کہ مرنے کے بعد ہر شخص کی روح قیامت کے
دن اُسی کے جسم کو ڈھونڈے گی ۔ اگر جسم اُسے نہ ملا
وہ روح بہت پریشان ہوگی ۔ اس لئے مصری
مُردوں کی حفاظت میں ایسا محفوظ اور مضبوط [illegible]
کرتے تھے کہ کسی انسان کا ہاتھ ان تک نہ پہنچ سکے
نہ ہزاروں برس گذرنے پر بھی ان پر [illegible] کا
اثر ہو ۔ لیکن انسان بھی کیا بلا ہے ۔ ایک طرف [illegible]
نہ معلوم کن کن طریقوں سے اپنے جسم [illegible]
اور دوسری طرف اسی کی آنے والی نسل [illegible]
ہوئے خزانوں کو کس کس ط[illegible]
سیر کا سلسلہ صبح ۵ بجے سے [illegible]
رہا ۔ بیچ میں کوئی دو بجے [illegible]
ایک خاص عمارت میں جمع ہو [illegible]



مصر کا ایک مشہور فرعون



مرمر کی طرح کے پتھر سے ایک بادشاہ کے
سر مختلف رخوں سے




مویشی اور پالتو جانوروں کا ایک منظر



بکری کی شکل کا ایک آرائشی سامان

## چند پیاسی



مہہ جہاں بیگم قزل باش آگرہ



عظیم قادری حیدر آبادی



محمد احمد کلکتہ



محمد اسد پٹنہ

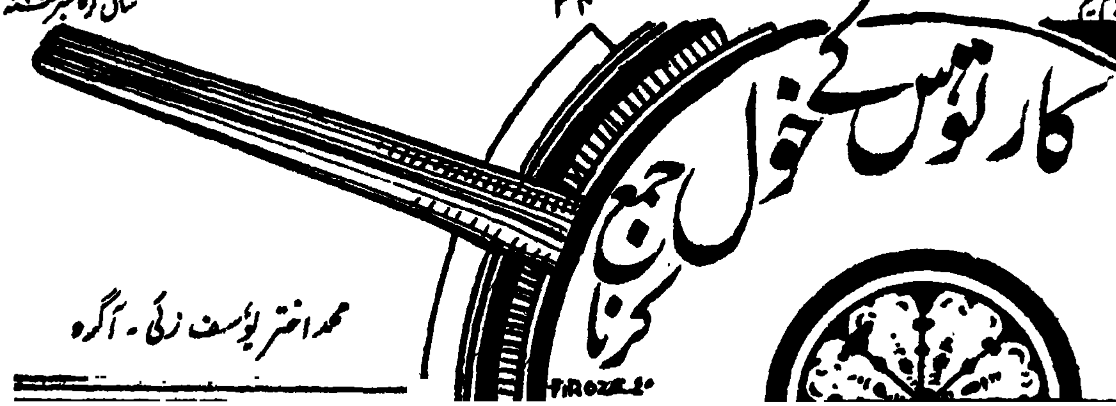
میں مصری حکومت نے سیاحوں کے آرام وراحت اور کھانے پینے کے لئے بنائی ہے۔ اس عمارت میں ایک بڑا ہال ہے اور چند چھوٹے چھوٹے کمرے۔ ہال میں کھانے کے لئے بڑی بڑی میزیں بچھی ہوئی ہیں۔ ان کے چاروں طرف بیٹھنے کے لئے بنچیں ہیں۔ کھانے کا انتظام ہر ایک نے اپنا الگ الگ کیا تھا۔ لیکن یہاں سب دو دو چار چار کی ٹولیوں میں اپنے ہم مذاق تقسیم ہوگئے۔ اور ہر ٹولی نے اپنا کھانا مزے سے کھایا پیا۔

طالب علم اس سیر سے اتنے خوش تھے کہ کھانے کے بعد اپنے استاذ کا شکریہ اور اس تاریخی سیر کے دیکھنے سے ان پر جو اثر ہوا تھا اس کا پرجوش تقریروں اور قصیدوں کے ذریعے اظہار شروع کردیا۔ حقیقت یہ ہے کہ عربوں کی یہ بیانی خصوصیت اب تک باقی ہے۔ نوجوان اکثر اس برجستگی سے تقریریں کرتے یا نظمیں پڑھتے ہیں کہ حیرت ہوتی ہے۔ اپنے ہاں تو ہم صرف پر بھی مشکل سے کوئی نوجوان جلسوں کے موقع پر بولنے کے لئے کھڑا ہوتا ہے۔ تقریروں میں زیادہ تر مصر کی تاریخی عظمت اور وطنی جذبات کا اظہار تھا۔ بعض طلبا نے وطنیت کی تنگ ذہنیت سے اختلاف بھی کیا۔ لیکن یہ اکثر غیر مصری تھے۔ استاد نے فرمایا کہ ہمارے لئے ان آثار میں مذہبی زندگی کے بھی موثر سبق ہیں۔ قدیم مصریوں میں کوئی باقاعدہ آسمانی شریعت نہ تھی پھر بھی دین داری اور آخرت کا اعتقاد انتہا تک پہنچا ہوا تھا۔

میں تقریر تو کیا کرتا لیکن حضرت استاذ اور بعض طلبا سے دوران گفتگو میں بتایا کہ مصر کی طرح ہندوستان کے قدیم آثار بھی دیکھنے کے قابل ہیں۔ مصر کے برابر وہ پرانے تو غالباً نہیں ہیں لیکن نقاشی اور فن مصوری کے کمال میں وہ مصری آثار سے بڑھے ہوئے ہیں۔ اس سلسلے میں میں نے ان سے ایلورا اور اجنٹا کے غاروں کا کچھ حال بیان کیا جن کو میں دیکھ چکا تھا۔ چنانچہ بعضوں نے یہ سن کر ہندوستان کی سیاحت کا شوق بھی ظاہر کیا۔ آخر میں میں نے کہا کہ اس دنیا میں جتنی ترقیاں ہوئی ہیں وہ کسی ایک قوم کا حصہ نہیں، بلکہ ہر قوم نے اپنی بساط کے موافق دنیا کی ترقی میں حصہ لیا ہے اور کوئی قوم ایسی نہیں ہے جو آگے پیچھے ایک دوسری قوم سے متاثر نہ ہوئی ہو۔ باقی اس کا حقیقی طور پر پتہ چلانا کہ کس قوم کو سبقت کی فضیلت سب سے پہلے حاصل ہوئی ہے، اولاً اب تک قیاس اور گمان سے آگے نہیں بڑھا۔ دوسرے اس قسم کے خیالات کا اظہار در حقیقت انسانوں میں تنگ وطنیت کے جذبات کو پیدا کرتا ہے جو دنیا کو ترقی دینے کے بجائے اس کو تباہی کی طرف زیادہ بلاتے ہیں۔

۵ بجے یہ پر لطف سیر ختم ہوگئی اور ہم سب پھر موٹروں میں بیٹھ کر راستے کے پرفضا منظروں سے لطف اٹھاتے ہوئے واپس آگئے۔ خدا کرے ایسی سیر پھر نصیب ہو۔

---




# کارتوسوں کے خول جمع کرنا

محمد اختر یوسف زئی ۔ آگرہ

تم میں سے زیادہ تر ایسے ہوں گے جنھیں کچھ اور نہیں تو کم از کم ٹکٹ جمع کرنے کا شوق تو ضرور ہوگا ۔ اسی طرح بہتوں کا مشغلہ سکّے اور پتّیاں وغیرہ جمع کرنا ہوگا ۔ مشغلے کی وبا اِس قدر عام ہوگئی ہے کہ اپنے روزمرہ کے ضروری کام کے علاوہ اگر کوئی بھی اور شغل اختیار کرلیا جائے تو وہی مشغلہ یعنی ہوبی کہلانے لگتا ہے ۔ کہتے ہیں کہ امریکہ کے ایک بڈھے سپاہی کو رنگ برنگ کے پِن جمع کرنے کی دھن تھی ۔ ابھی حال ہی میں پتہ چلا ہے کہ نیوجرسی کے ایک قصبہ "بلین فیلڈ" میں ایک صاحب ہیں جن کا نام ہے "سی اسٹینلی جیکب" (تم آسانی کے لئے انھیں یعقوب کہہ سکتے ہو ۔) تو ان مسٹر یعقوب کو بندوق کی گولیوں اور چھرّوں کے خانے (کارتوس نہیں) اور قدیم عہد کی بارود دانیاں جمع کرنے کا شوق ہے ۔

آج سے کوئی ۳۰ سال پہلے انھیں اپنی مرحومہ دادی کی طرف سے وراثت میں بارود رکھنے کی ایک نلی (ڈگائے کے سینگ جیسی) ملی تھی ۔ یہ نلی اس جنگ میں کام میں لائی گئی تھی جب کہ امریکہ کے باشندوں نے لڑ جھگڑ کر اپنے کو برطانیہ عظمیٰ سے علیحدہ کرلیا تھا اور خود کو آزاد کہنے لگے تھے ۔ اس جنگ کو امریکہ کی انقلابی جنگ کہتے ہیں ۔ ہاں تو یہی "نلی" مسٹر یعقوب کے اِس عجیب و غریب مشغلے کی ابتدا تھی ۔

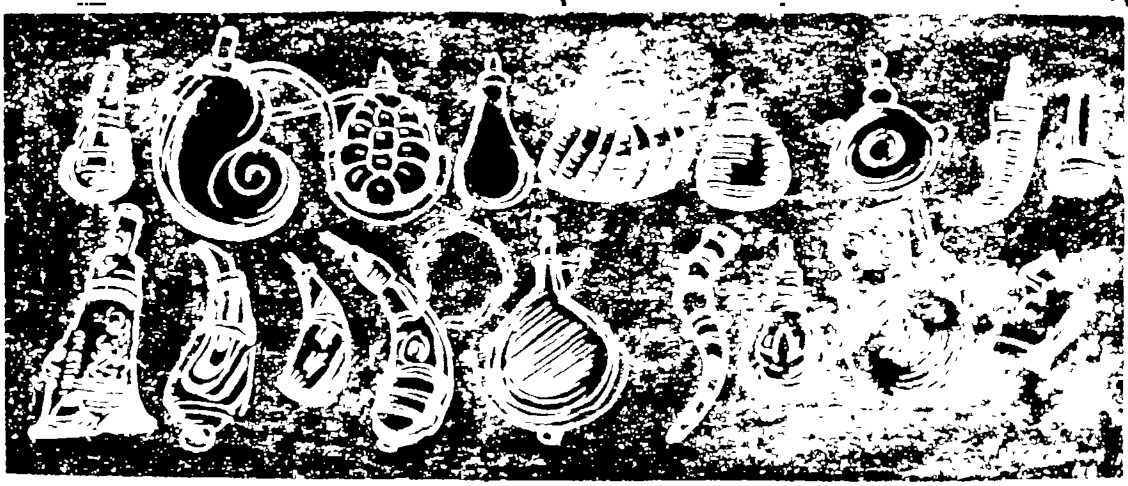
اِس تیس سال کے عرصے میں انھوں نے اِدھر اُدھر سے مانگ کر یا خرید کر طرح طرح کی بارود رکھنے کی نلیاں اور بوتلیں ۔ صراحی دار شیشیاں ۔ پیپے ۔ کنستر اکٹھا کرلئے ہیں ۔ ان کا یہ عجائب خانہ اُن کے مکان کی دوسری منزل پر واقع ہے اور اس وقت اِس میں بارہ سو طرح طرح کی مختلف چیزیں موجود ہیں ۔ خیال کیا جاتا ہے کہ دنیا میں اپنے طرز کا یہ واحد اور بے مثل مجموعہ ہے ۔ اور ماہرینِ فن کے نزدیک اس کی قیمت ...... ۱۰ ڈالر سے کسی حالت میں بھی کم نہیں ۔ زیادہ چاہے جتنی ہو ۔

اِن میں بہت سی چیزیں تاریخی حیثیت رکھتی ہیں اور آج تک اپنے پچھلے زمانے کی یاد دلا رہی ہیں ۔ چنانچہ اس مجموعے میں نامور جہاز "میگلین" کے نائب کپتان

جوین سباسٹین کی صُراحی دار بارُود رکھنے کی شیشی ہے اور مشہوُر سمندری ڈاکو سرہنری مارگن کی سینگ نما نلی بھی ہے اور افریقہ کے وحشیوں، امریکہ کے ریڈ انڈین اور شاہان فارس کی بارُود دانیاں بھی۔ بہت سی شیشیاں اور نلیاں ایسی بھی ہیں جو ہرن کے سینگ، دوسرے بہت سے جانوروں کی بڑی بڑی ہڈیوں، کچھوے کی سخت کھال سے بنائی گئی ہیں۔ ایران اور ترکی کی

بارُود اور چھرّے اپنا کام بھی کرتے جاتے ہیں۔

یہ تو مانی ہوئی بات ہے کہ ان یعقوب صاحب نے اپنے اس مشغلے کی خاطر تھوڑا بہت بلکہ بہت کچھ روپیہ صرف کیا ہوگا، لیکن اس کے ساتھ ہی اُن کو بہت سی مشکلات اور دشواریوں سے سابقہ پڑا۔ اس کا اُنھوں نے ہمت اور استقلال کے ساتھ مقابلہ کیا۔ اُن کا بیان ہے کہ ایک بڈھے کے پاس بارُود رکھنے کی ایک نلی تھی میں نے



ہاتھی دانت اور پیتل کی بنی ہوئی چیزیں وہاں کی صنعت اور کاریگری کا بیش بہا نمونہ ہیں۔

اس مجموعے میں زیادہ تر چیزیں ایسی ہیں جو صرف بارُود رکھنے کے لیے مخصوص تھیں۔ مگر کچھ ایسے نمونے بھی ہیں جن میں بارُود اور چھرّے رکھنے کے لیے الگ الگ خانے بنے ہوئے ہیں۔ اور بعض بعض تو بالکل ایسے ہیں جیسے موجودہ زمانے کے پستول۔ یعنی گھوڑا دبانے سے

بہت چاہا کہ کسی طرح وہ اسے میرے ہاتھ فروخت کردے مگر وہ راضی نہ ہوتا تھا۔ میں نے ہرچند کوشش کی۔ بہلایا پھسلایا طرح طرح کا لالچ دیا۔ ضرورت سے زیادہ قیمت لگادی مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔ خدا معلوم کمبخت کو کیا ضد تھی، آخر میں صبر کرکے بیٹھ رہا۔ مگر ہمیشہ موقع کا منتظر رہتا تھا۔ خدا خدا کرکے کہیں دس سال کے بعد وہ بڈھا مرا اور تب وہی نلی نیلام ہوئی اور مجھے صرف ایک ڈالر میں مل گئی ؂

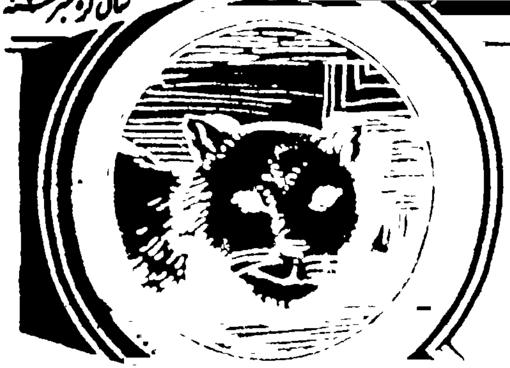
# دو بابو اور اُن کے کتّے





مرتضیٰ قادری ہادی۔ کرنول

میں جو اِک دن باغ گیا تھا — کہہ دوں بچو! کیا دیکھا تھا
رنگ برنگ کے پھول کھلے تھے — پودے اِک ہی صف میں کھڑے تھے
ہریالی ہی ہریالی تھی — جو سب کے جی کو بھاتی تھی
طرح طرح کے لوگ وہاں تھے — بچّے بوڑھے اور جواں تھے
بعضے چپل دھوتی والے — تھوڑے اچکن ٹوپی والے
ان ہی میں کچھ وہ بھائی تھے — جو مغرب کے شیدائی تھے
کتّے کی ڈوری کو پکڑے — ٹہل رہے تھے اکڑے اکڑے
ان کے پیچھے ان کے کتّے — دمیں ہلاتے سر کو جھکائے
ساتھ میں آقاؤں کے پھرتے — یعنے وفا کا دم بھرتے تھے
دو بابو جب آگئے اِک جا — "ہلو" کہہ کر ہاتھ ملایا
ان کے ساتھی یعنے کتّے — جن کی وفا کے گھر گھر چرچے
جب ہم جنس کو دیکھا اپنے — لگے اسی دم بھوں بھوں کرنے
اس نے اس کتّے کو جھنجھوڑا — اس نے اس کتّے کو بھنبھوڑا
کتوں پر کیا رکھیں تہمت — ان کی تو یہ ہے ہی خصلت
آقا کے تو پاؤں چاٹیں — اور اپنوں کی گردن کاٹیں
رونا تو ہے انسانوں کا — اور بھارت کے نادانوں کا
ہمدردی غیروں سے رکھیں — بیدردی اپنوں سے برتیں
کیا ہی اچھا ہو اے ہادی — بھائی کو ہم سمجھیں بھائی



# جانوروں میں تمدّن

ریاض الا[redacted]صاحب[redacted]

اُوپر کا عنوان کچھ عجیب سا ہے۔ تم اپنے جی میں کہتے ہوگے، بھئی واہ کیا کہی ہے، جانور اور تمدن! تم پہلے ہماری بات سن لو۔ یہ تو تمھیں معلوم ہے کہ ہم سب انسانوں کو مِل جُل کر رہنے کی عادت ہے اور یہ کوئی آج سے نہیں ہمیشہ سے۔ تم نے کبھی اپنے ماسٹر صاحب یا کسی اور بڑے سے شاید جماعتی زندگی کا لفظ سُنا ہوگا۔ لیکن اس کا مطلب معلوم نہ ہوگا تو اس کا مطلب آج سمجھ لو۔ جماعتی زندگی کہتے ہیں آپس میں مل جل کر رہنے کو تمدن بھی گویا اس کا دوسرا نام ہے۔ تو یہ جماعتی زندگی ہم تم ہی میں نہیں جانوروں میں بھی پائی جاتی ہے۔ جس طرح انسان مِل جُل کر رہتے ہیں۔ اسی طرح جانور بھی رہتے ہیں۔ جس طرح انسان آپس میں کام تقسیم کر لیتے ہیں، کوئی کاشتکاری کرتا ہے، کوئی کپڑے تیار کرتا ہے، کوئی مکان بناتا ہے۔ اسی طرح جانور بھی آپس میں کام بانٹ لیتے ہیں۔ تم نے کبھی کبھی چیونٹیوں اور شہد کی مکھیوں کے طرز طریق کو غور سے دیکھا ہوگا۔ تو تمھیں اس کا تھوڑا بہت ضرور اندازہ ہوگا۔ اگر یہ جانور اس طرح مِل جُل کر کام نہ کریں تو ان کا زندہ رہنا مشکل ہو جائے۔ ذرا سوچو ایک بے چاری ذرا سی چیونٹی کس طرح تمام مصیبتوں کا مقابلہ کر سکتی ہے اور کس طرح وہ تمام کام انجام دے سکتی ہے جو اس کی زندگی کے لئے ضروری ہیں۔ یہ صرف جماعتی زندگی ہے جو اس کی مدد اور حفاظت کرتی ہے۔

غالباً سب سے زیادہ مہذب جانور چیونٹی ہے۔ اسی لئے وہ تمام جانوروں سے زیادہ ذہین ہے۔ یہ دنیا کے ہر حصّہ میں پائی جاتی ہے۔ لیکن جس کثرت سے برازیل (جنوبی امریکہ) میں ہے۔ اتنی کسی دوسرے ملک میں نہیں۔ اسی لئے اسے کبھی کبھی "چیونٹیوں کا ملک" کہا جاتا ہے۔ یہ چیونٹیاں

انسانوں کی طرح رہتی ہیں۔ ان کے نہایت عمدہ چھوٹے چھوٹے مکان ہیں۔ پٹی ہوئی گیلریاں ہیں اور مکانوں کے درمیان پکی سڑکیں ہیں۔ غلّہ جمع کرنے کے لئے مضبوط کوٹھیاں بنی ہوئی ہیں۔ انڈے سینے کے لئے عمدہ عمارت ہوتی ہے۔ ان چیونٹیوں کے بہت سے گروہ ہوتے ہیں۔ ان گروہوں میں اکثر دشمنی ہو جاتی ہے۔ جیسے انسانوں کی جماعتوں میں۔ جب مخالف گروہوں کی دو چیونٹیاں ملتی ہیں۔ تو وہ ایک دوسرے سے بچنے کی کوشش کرتی ہیں۔ اگر ایک ہی گروہ کی ہوتی ہیں تو آپس میں ملاقات کرکے اپنے اپنے کام کو چلی جاتی ہیں۔ اگر ان دونوں میں سے ایک بھوکی ہے۔ اور دوسری کی تھیلی بھری ہے تو بھوکی کھانا مانگتی ہے۔ دوسری اپنی تھیلی میں سے ایک قطرہ ٹپکا دیتی ہے جو بھوکی چیونٹی چاٹ جاتی ہے۔ اگر کوئی چیونٹی (باوجود اپنی تھیلی بھری ہونے کے) دوسری کو غذا نہ دے تو سارا گروہ اس کا دشمن ہو جاتا ہے۔ اور اکثر اس کو مار ڈالا جاتا ہے۔

چیونٹی کی بساط ہی کیا، لیکن اس یک جہتی کی وجہ سے وہ بڑے سے بڑے دشمن کا مقابلہ کر لیتی ہے اور بڑے بڑے کیڑے بھی اس سے ڈرتے ہیں۔ چڑے، مکڑے اور چھوٹے چھوٹے کیڑے اس سے بھاگتے ہیں کبھی کبھی چیونٹیاں بھڑوں کے چھتے پر حملہ کر دیتی ہیں، بہت سی لڑائی میں ماری جاتی ہیں۔ لیکن آخر کو جیت انھی ہی کی ہوتی ہے۔

اس سلسلے میں جزائر غرب الہند (ویسٹ انڈیز) کے ایک جزیرہ کا نہایت دل چسپ اور خوف ناک واقعہ ہے۔ اب سے ڈیڑھ سو برس پہلے یہ جزیرہ بہت آباد تھا۔ گنے کی فصل تیار کھڑی تھی کہ یکایک چیونٹیوں نے اس پر حملہ کر دیا۔ جزیرے والوں نے دیکھا کہ ایک دم ان کے کھیت سیاہی سے ڈھک گئے۔ اوّل اوّل ان کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا قصہ ہے۔ جب وہ آگے بڑھے تو دیکھا کہ چوہوں، خرگوشوں اور دوسرے جانوروں کے غول کے غول بے تحاشا بھاگے چلے آرہے ہیں۔ اور ان کے پیچھے ایک بڑھتا ہوا سیاہ سمندر ہے۔ یہ چیونٹوں کی فوج تھی آدمیوں کے ہوش و حواس باختہ ہوگئے اور وہ بھی جان بچا کر بھاگے اور سمندر کے پانی میں جا کر پناہ لی۔ بہت سے ڈوب گئے۔ باقی

تیر کر دوسرے جزیرے میں پہنچ گئے۔ یہ چیونٹے سارے جزیرے پر پھیل گئے۔ تمام جزیرہ سیاہی سے ڈھک گیا۔ اگر کوئی پرندہ زمین پر اترآتا تو وہ ایک دم کالی فوج کی صفوں میں چھپ جاتا اور تھوڑی دیر بعد صرف اس کی ہڈیاں نظر آتیں۔ بہت سے بھاگتے ہوئے جانوروں کو آگے پیچھے سے گھیر کر شکار کر لیا گیا۔ دریا بھی ان کے راستہ میں حائل نہ ہو سکا۔ کروڑوں چیونٹے پانی میں گھس گئے۔ یہاں تک کہ دریا پٹ گیا اور باقی کروڑوں پار ہو گئے۔ اسی طرح جب ان کے روکنے کے لئے آگ جلائی گئی تو انھوں نے اس کو بھی پاٹ کر بجھا دیا۔ حکومت کی طرف سے اعلان ہوا کہ جو کوئی جزیرے کو چیونٹوں سے نجات دلائے اسے تین لاکھ کا انعام دیا جائے گا۔ لیکن اس عذاب کا کون مقابلہ کرتا اور کیسے کرتا۔ غرض کئی سال اس جزیرہ پر چیونٹوں کی حکومت رہی آخر کار قدرت نے خود ہی اس کا انتظام کیا کچھ سال بعد ایک نہایت زبردست طوفان آیا جس نے تمام چیونٹوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ لیکن اس کے بعد وہاں کی زمین بھی تباہ ہو گئی۔ اور کھیتی کے لائق نہ رہی۔ بہت عرصے تک وہاں کوئی آبادی نہ ہو سکی۔

شہد کی مکھیاں بھی اسی طرح آپس میں مل جل کر رہتی ہیں۔ ان میں کام بانٹنے کی صلاحیت خاص طور سے زیادہ ہوتی ہے۔ جب کبھی ان کا غول کسی نئے چھتے کی تلاش میں ہوتا ہے تو وہ پہلے کچھ مکھیاں معائنہ کے لئے بھیجتا ہے۔ جب ان کو کوئی موزوں جگہ مل جاتی ہے تو وہ اس کی صفائی کرتی ہیں۔ اور جب تک پورا غول نہ آ جائے اس کی حفاظت کرتی ہیں۔ شہد کی حفاظت کے لئے ایک سنتری گارڈ رہتا ہے۔ اگر کوئی مکھی اس میں سے شہد چرانے کی کوشش کرتی ہے۔ تو سنتری اسے مار ڈالتے ہیں۔ البتہ اگر کسی دوسرے چھتے کی مکھی راستہ بھول کر آ جائے تو اسے کچھ نہیں کہتے۔

شکاری جانور اکثر مل کر شکار کرتے ہیں۔ علم حیوانات کے ایک ماہر نے اس سلسلہ میں اپنا ایک دلچسپ قصہ بیان کیا ہے ایک بار انھوں نے دیکھا کہ ایک عقاب آسمان میں چکر لگا رہا تھا۔ یکایک اس نے نہایت زور سے چیخ ماری جیسے وہ کسی کو بلا رہا ہے۔ دیکھتے دیکھتے بہت سے عقاب جمع ہو کر ایک جگہ اترے۔ وہاں ایک گھوڑے کی لاش

پڑی تھی۔ پہلے بڑی عمر والے عقابوں نے پیٹ بھرا، جب وہ کھا چلے تو چھوٹوں نے کھانا شروع کیا اور بڑے نگہبانی کرتے رہے۔

بگلے کی بعض قسمیں مچھلیوں کا شکار اس طرح کرتی ہیں کہ وہ دو گروہوں میں تقسیم ہو جاتی ہیں۔ دونوں گروہ مل کر پانی میں ایک دائرہ بنا لیتے ہیں۔ پھر ایک گروہ دوسرے گروہ کی طرف بڑھتا ہے دائرہ چھوٹا ہوتا جاتا ہے۔ جو مچھلیاں اس طرح پھنس جاتی ہیں ان کا آسانی سے شکار کر لیا جاتا ہے۔

ابابیلوں میں اکثر ایک ہی ابابیل شکار کرتی ہے۔ اور سب ساتھی مل بانٹ کر کھاتے ہیں۔ اگر کوئی شکرا ان پر حملہ کرتا ہے۔ تو سب مل کر اس کو بھگا دیتی ہیں چیل حالانکہ عقاب سے کم زور ہوتی ہے لیکن اکثر کئی چیلیں مل کر عقاب سے شکار چھین لیتی ہیں۔ سارس بہت عقل مند ہوتے ہیں اور خوب مل جل کر بھائی چارے سے زندگی بسر کرتے ہیں۔ جب ان کا غول شکار کرتا ہے یا آرام میں ہوتا ہے۔ تو ان میں سے چند کا کام یہ ہوتا ہے کہ دیکھ بھال کرتے رہیں اور خطرے سے آگاہ کر دیں

اگر کسی جگہ انھیں خطرے کا شبہ ہو جائے تو وہاں جانے سے پہلے معائنہ کے لئے اسکاوٹ بھیجتے ہیں۔ جب وہ واپس آکر اطلاع دیتے ہیں کہ کوئی خطرہ نہیں تو ایک اور گروہ اطمینان کے لئے بھیجا جاتا ہے۔ جب بالکل یقین ہو جاتا ہے کہ کوئی خطرہ نہیں۔ تب پورا غول وہاں اڑ کر آ جاتا ہے۔ سارس دن کا بہت تھوڑا حصہ شکار میں صرف کرتا ہے۔ باقی تمام دن خوش فعلیوں اور کھیل میں صرف ہوتا ہے۔ جس میں سب شریک ہوتے ہیں۔

پرندوں میں غالباً طوطا سب سے ذہین ہوتا ہے۔ جب طوطوں کے جھنڈ کو کسی کھیت پر حملہ کرنا ہوتا ہے۔ تو پہلے اسکاؤٹ بھیجے جاتے ہیں، جو کھیت کے چاروں طرف درختوں میں چھپ کر بیٹھ جاتے ہیں۔ جب وہ خوب دیکھ لیتے ہیں کہ کوئی آدمی قریب نہیں تو وہ آواز دیتے ہیں "سب ٹھیک ہے" پھر پورا جھنڈ کھیت پر ٹوٹ پڑتا ہے۔ اگر ذرا کھٹکا ہو۔ تو سب ایک دم اڑ جاتے ہیں طوطے آپس میں بہت محبت کرتے ہیں۔ اور اس لئے دوسرے جانور ان پر حملہ کرتے ہوئے ڈرتے ہیں۔

بہار کے زمانے میں بہت سے پرند

شمالی ملکوں کی طرف چلے جاتے ہیں اور بڑے بڑے غولوں میں جنگلوں میں اور دریا کے کنارے اترتے ہیں۔ ان میں اکثر چھوٹے چھوٹے پرندے ہوتے ہیں۔ لیکن شکاری پرندوں کو ان پر حملہ کرنے کی جرأت نہیں ہوتی۔ اگر کبھی کوئی ان پر حملہ کرتا ہے تو سب مل کر یا تو اسے بھگا دیتے ہیں یا پانی کی پھنٹیں اس طرح اڑاتے ہیں کہ حملہ کرنے والا جانور گھبرا کر اڑ جاتا ہے۔

جانوروں کی باہمی امداد کی بہت اچھی مثالیں اس زمانے میں نظر آتی ہیں جب وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ کو سفر کرتے ہیں۔ یہ سفر عام طور سے موسمی تبدیلیوں کی وجہ سے کئے جاتے ہیں۔ جاڑوں میں بہت سے جانور جنوب کی طرف آ جاتے ہیں کیونکہ یہاں سردی کم ہوتی ہے۔ گرمی میں گرمی سے بچنے کے لئے شمال کی طرف چلے جاتے ہیں۔ جب کوئی سفر درپیش ہوتا ہے۔ تو سب پرند ایک جگہ جمع ہونے لگتے ہیں۔ یہ سلسلہ کئی دن تک رہتا ہے تاکہ کوئی پرندہ رہ نہ جائے پھر ان کی فوج کی فوج وادیوں اور سمندروں کو طے کرتی چلی جاتی ہے۔

بندر غول میں رہنا پسند کرتا ہے۔ اور تنہائی سے بہت گھبراتا ہے۔ اگر ان میں سے کسی پر کوئی مصیبت آ جائے تو اس کی آواز سن کر سب دوڑ آتے ہیں اور دشمن پر سب مل کر حملہ کرتے ہیں۔ اگر لڑائی میں کوئی بندر زخمی ہو جائے تو اسے اس وقت تک نہیں چھوڑتے جب تک یقین نہ ہو جائے کہ وہ مر گیا۔ بعض نسل کے بندر حفاظت کے لئے سنتری مقرر کر دیتے ہیں۔ جب بندر کہیں ڈاکا ڈالتے ہیں تو مال غنیمت دوسری جگہ بہت جلد پہنچانے کے لئے کچھ کچھ فاصلے سے کھڑے ہو جاتے ہیں اور مال ہاتھوں ہاتھ کہیں کا کہیں پہنچا دیتے ہیں۔ ٹی ٹی (چھوٹی نسل کے بندر جو بہت خوب صورت ہوتے ہیں) بارش میں ایک دوسرے سے لپٹ جاتے ہیں۔ اور اپنی دم ایک دوسرے کے گلے میں حفاظت کے لئے لپیٹ لیتے ہیں۔

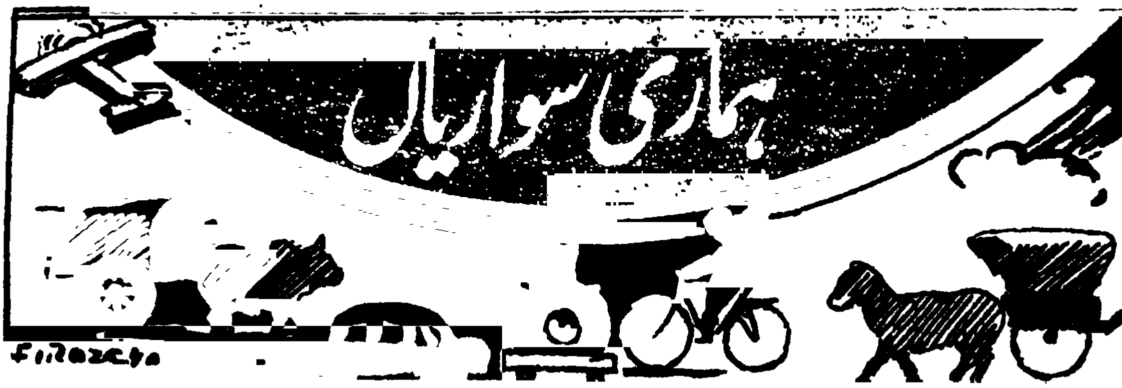
پرندوں اور جانوروں میں ایک دوسرے کی مدد صرف حفاظت اور شکار ہی کے وقت نہیں کی جاتی۔ تفریح اور کھیل کے میدان میں بھی یہ چیز اسی حد تک پائی جاتی ہے۔ سارس کا اس سلسلے میں پہلے ذکر آ چکا ہے، کتوں بلوں اور بلی کے بچوں کو بھی تم نے کھیلتے دیکھا ہوگا۔ چڑیاں اکثر مل کر گاتی ہیں۔ کبھی کبھی یہ بھی دیکھا

١٢٩٨٦

گیا ہے کہ چڑیوں کے کئی جھنڈ ہوتے ہیں، پہلے ایک پورا جھنڈ مل کر گاتا ہے۔ جب یہ خاموش ہوجاتا ہے۔ تو پھر دوسرا گاتا ہے۔ اسی طرح باری باری سب گاتے ہیں۔

ایک اور ماہر حیوانات نے جو قطب جنوبی کے قریب پرندوں کی زندگی کا مطالعہ کرنے گئے تھے. اپنا ایک مشاہدہ اس طرح بیان کیا ہے "میں تمام تمام دن پنگین (ایک سمندری چڑیا) کے غولوں کو نہاتے دیکھا کرتا تھا۔ یہ چڑیاں ایک ایک کرکے برف کے کنارے بیٹھنا شروع کرتیں یہاں تک کہ ان کی ایک پوری پارٹی جمع ہوجاتی پھر وہ اپنی شرارتیں اور کھیل شروع کرتیں اور ایک دوسرے کے پیچھے اڑی اڑی پھرتیں۔ ہر پنگین کی کوشش یہ ہوتی کہ کسی طرح کوئی دوسری پنگین پانی میں پہلے داخل ہو۔ ان کی ایک قطار پیچھے سے اڑتی اور دوڑتی ہوئی آتی تاکہ اگلی قطار کو پانی میں دھکیل دے اور جب دوسری قطار بالکل کنارے پر پہنچ جاتی اور پانی میں گرنے کو ہوتی تو فوراً اڑ کر وہ پچھلی والی قطار کے پیچھے پہنچ جاتی اور پورا زور لگاتی کہ اسے پانی میں پہنچا دے۔ یہ کشمکش کچھ دیر جاری رہتی آخر کو ہوتا یہ کہ کوئی ایک پنگین سرپٹ دوڑتی ہوئی جاتی اور سر کے بل پانی میں غوطہ مارتی اور کچھ دور جاکر پانی میں سے نکلتی پھر باقی سب بھی یہی کرتیں اور سب اکٹھی ایک جگہ جاکر نکلتیں۔ جب وہ پانی میں سے کودتی اچھلتی نکلتیں تو ایسا معلوم ہوتا کہ بہت سے بچے مل کر شور مچا رہے ہیں۔ جب کبھی کوئی برف کی سل بہتی ہوئی آجاتی تو کچھ چڑیاں اس پر سوار ہوجاتیں اور جب یہ سل کنارے کے قریب ہوکر گذرتی تو وہ کنارے پر بیٹھی ہوئی چڑیوں کو دیکھ کر خوب شور مچاتیں اور پھر جواب میں یہ ان سے بھی زیادہ چلاتیں اکثر ان سلوں پر چڑیاں اتنی تعداد میں بیٹھ جاتی تھیں کہ سل بالکل ان سے ڈھک جاتی تھی۔ ان چڑیوں کی یہ سب حرکتیں دیکھ کر یہ خیال مشکل سے آتا تھا کہ یہ انسان نہیں بلکہ چڑیاں ہیں۔

جانوروں میں انصاف کا خیال بھی پایا جاتا ہے مثلاً اگر کوئی ابابیل دوسری ابابیل کے گھونسلے پر قبضہ کرلے یا اس میں سے کچھ چرالے تو گروہ کے دوسرے ممبر فوراً مداخلت کرتے ہیں اور جس کا حق ہوتا ہے اسے واپس دلوا دیتے ہیں۔




سید محمد حسین صاحب صدر مدرس حمایت نگر

## بیل گاڑی

گڑ گڑ گڑ گڑ گاڑی میری ۔۔۔ دھیمی دھیمی چلتی ہے کیسی
اچھے اچھے بیل جُتے ہیں ۔۔۔ گدّی تکئے اس میں رکھے ہیں
اس میں کیا آرام ہے دیکھو ۔۔۔ چاہو بیٹھو چاہو لیٹو
جنگل ہو یا ندّی نالا ۔۔۔ پہنچے ہر جا گاڑی والا



## تانگا



صاف اور ستھرا تانگا ہے کیسا ۔۔۔ اس میں جُتا ہے چنچل گھوڑا
ساز سے گھوڑا دُولھا بنا ہے ۔۔۔ تانگے کا رنگ چمک رہا ہے
دوڑا دوڑا جاتا ہے گھوڑا ۔۔۔ وقت سفر میں لگتا ہے تھوڑا
ریل سے آنے والے مسافر ۔۔۔ بیٹھ کے اس میں جاتے ہیں گھر گھر



## سائیکل



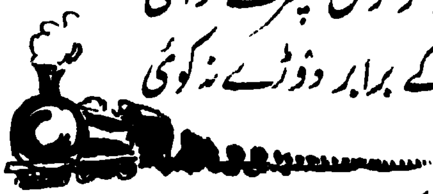
سائیکل ہے یہ کیسی پیاری ۔۔۔ دنیا بھر میں ٹُک سواری
پاؤں رکھا اور زور لگایا ۔۔۔ چل گئی بس یہ جا وہ جا
دانہ چارہ کچھ نہیں کھاتی ۔۔۔ پھرتی ہے دن بھر دوڑ دکھاتی

نازک نازک پہیوں والی — چال ہے اس کی سب سے نرالی
چڑھ کر اس پر زور لگاؤ — ساری دنیا گھوم کر آؤ



## موٹر

پم پم پم پم موٹر آئی — کالی پیلی رنگت والی
سواریوں میں ہے یہ رانی — چلتی ہے پی کر تیل اور پانی
گرد اڑا کر چلنے والی — میلوں کوسوں پھرنے والی
ریل اور سائیکل۔ گھوڑا۔ گاڑی — اس کے برابر دوڑے نہ کوئی



## ریل

ریل وہ آئی شور مچاتی — چھک چھک کرتی دھواں اڑاتی
ڈبے ہیں اس کے تیرہ چودہ — ہر ایک ڈبہ گھر ہے گویا
کھا کر کوئلے کا ایندھن — بن گیا کالا پہاڑ سا انجن
اولا پالا یا ہو آندھی — وقت پر اپنے آن ہی پہنچی



## ہوائی جہاز



آتی ہے زوں زوں زوں آواز — دیکھو وہ آیا ہوائی جہاز
گھر کے جتنا بڑا سا ٹڈا — ہوا میں اڑتا پھرتا ہے گویا
راہ میں دلدل ہو یا صحرا — پہاڑ سے بھی یہ نہیں ہے ڈرتا
ابھی زمیں پر ابھی ہوا میں — پلک جھپکتے گم ہے فضا میں
اڑ کر جاؤ جس جا چاہو — سیر و سفر کا لطف اٹھاؤ

# قطب شمالی



محترمہ آپا جان رحمن سبحانی
بی اے (جامعہ)

ہمارے جغرافیہ کے ماسٹر صاحب بڑے اچھے ہیں۔ جغرافیے کی باتیں ایسی دلچسپی سے بتاتے ہیں کہ ہم سب لڑکے خوب محو ہو کر سنتے ہیں۔ یورپ میں آئے دن جغرافیے کے بارے میں نئی نئی تحقیقاتیں ہوتی رہتی ہیں۔ اور ان کا ذکر اخباروں میں آتا رہتا ہے۔ ماسٹر صاحب ہمیں یہ خبریں ضرور سناتے ہیں۔ انھی سب باتوں کی وجہ سے ہم جس محنت اور شوق سے ماسٹر صاحب کا کام کرتے ہیں اور کسی ماسٹر کا نہیں کرتے۔

ایک دن ماسٹر صاحب درجے میں آئے تو ان کے ہاتھ میں ایک انگریزی کا اخبار تھا۔ ہم سب سمجھ گئے کہ ماسٹر صاحب آج ضرور کوئی نئی بات سنائیں گے۔ درجے میں بالکل خاموشی چھا گئی اور ماسٹر صاحب نے فرمایا "لو بھئی ایک نئی خبر سنو۔ امریکہ میں کوئی صاحب ہیں۔ جے۔ ایچ۔ ولکنس۔ یہ غوطہ خور کشتی کے ذریعے قطب شمالی تک پہنچنا چاہتے ہیں۔" میں نے کہا "ماسٹر صاحب! قطب شمالی تو دریافت ہو چکا ہے۔" ماسٹر صاحب نے کہا "ہاں بھئی، مگر کپتان پیری جس نے قطب شمالی کو دریافت کیا ہے۔ وہ جہاز پر بیٹھ کر گیا تھا۔ اور پھر برف کے میدانوں اور برف کی سلوں پر سے ہوتا ہوا وہاں تک پہنچا تھا۔

کپتان پیری کا نام تو ہم سب نے سنا تھا۔ یہ بھی معلوم تھا کہ قطب شمالی اسی نے دریافت کیا تھا۔ مگر اس کا حال نہیں معلوم تھا، نہ یہ کہ اس نے قطب شمالی کو کیسے دریافت کیا۔" بال کرشن بولا "ماسٹر صاحب! یہ پیری کون صاحب تھے۔ اور قطب شمالی تک کیسے پہنچ گئے" ماسٹر صاحب مسکرا کر بولے "یہ سوال آپ نے دلچسپ کیا۔ بھئی کپتان پیری کو نہیں جانتے ہو۔ یہ بہت مشہور شخص ہے۔ اس نے انجنیری کی تعلیم حاصل کی تھی۔ امریکہ کے بحری محکمے

میں نوکر تھا۔ جب وہ ۲۹ برس کا تھا تو اس نے گرین لینڈ کی دریافت پر ایک کتاب پڑھی۔ اسے پڑھ کر اس کے دل پر بہت اثر ہوا۔ دوسرے سال اس نے گرین لینڈ کا تنہا سفر کیا اور جبھی سے قطب شمالی کی دریافت کا خیال اس کے دماغ میں چکر لگانے لگا۔ وہ پورے بیس برس تک اس مہم کو سر کرنے میں لگا رہا۔ میں نے حیرت سے پوچھا "ماسٹر صاحب! پورے بیس برس! بڑی ہمت والا آدمی تھا ماسٹر صاحب!" ماسٹر صاحب نے کہا "ایسے ہی مستقل مزاج لوگ تو اپنے مقصد میں کامیاب ہوتے ہیں۔ اور دنیا کے لئے مثال چھوڑ جاتے ہیں۔ ہاں تو اس مہم کو شروع کرنے سے پہلے۔ اس نے قطبی علاقے کے بہت سے چکر لگائے۔ سمندر اور خشکی کے علاقوں کی جانچ کی۔ اس علاقے کے باشندوں یعنی اسکیمو لوگوں سے میل جول پیدا کیا۔ اس نے قطب شمالی تک پہنچنے کی بار بار کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ بعض مہموں میں اس کی بیوی بھی اس کے ساتھ تھی" بال کرشن بولا "ماسٹر صاحب! اس کی بیوی بھی؟ ہمارے ہاں کی عورتیں ایسی خطرناک جگہوں پر جانے کے لئے کبھی بھی تیار نہ ہوں" ماسٹر صاحب "ہاں میاں وہاں کی عورتیں بھی ایسی ہی باہمت نڈر اور بہادر ہوتی ہیں اگر ہماری ماؤں بہنوں میں یہ اچھی باتیں آجائیں تو ہمارا ملک کہیں سے کہیں پہنچ جائے۔ خیر تو ان بار بار کی ناکامیوں سے پیری کی ہمت کبھی نہ ٹوٹی بلکہ ہر ناکامی سے اس نے ایک نیا سبق اور مفید تجربہ حاصل کیا۔ آخر بیس اکیس سال کی مسلسل جدوجہد کے بعد ۱۹۰۸ء میں اس نے ایک آخری کوشش کی۔ وہ ۶ جولائی ۱۹۰۸ء کو ایک بہت مضبوط جہاز میں بیٹھ کر روانہ ہوا۔ ۲۶ کو وہ اس خطے میں پہنچا۔ جہاں چھ مہینے دن اور چھ مہینے رات ہوتی ہے۔ پہلی اگست کو کیپ یارک پہنچا۔ یہاں وہ اپنے اسکیمو دوستوں سے ملا اور اپنی مدد کے لئے ان میں سے کوئی ۴۹ آدمی چھانٹے۔ ان کے علاوہ ۲۴۶ کتے ساتھ لئے

اب آگے کا راستہ بہت مشکل تھا۔ چاروں طرف برف کے بڑے بڑے تودے تیر رہے تھے ایک آدھ جگہ جہاز برف کے تودے سے ٹکرایا بھی مگر اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ اتنا مضبوط جہاز تھا پھر بھی جہاز کے تمام لوگ ہر وقت سامان کے بنڈل ہاتھوں میں لئے تیار رہتے تھے کہ جہاز ٹوٹ جائے تو سامان سمیت کود پڑیں۔ ایک جگہ جہاز پندرہ روز تک برف کے تودوں میں گھرا رہا۔ آخر ڈائنا میٹ کے ذریعے راستہ صاف کیا گیا۔ ۵ ستمبر کو جہاز شیریڈن پہنچا۔ یہاں سفر کی ایک منزل ختم ہوئی۔ اب جاڑے کا موسم شروع

ہو گیا تھا۔ آگے بڑھنا ناممکن تھا۔ اس لئے طے ہوا کہ جاڑا کیپ شیریڈن میں گزارا جائے۔

۲۲ فروری کو جاڑے کا موسم ختم ہوا۔ تو کپتان پیری ۲۴ آدمیوں، ۱۹ کتا گاڑیوں ۱۴۲ کتوں کو ساتھ لے کر قطب شمالی کی طرف روانہ ہو گیا۔ یہ برفانی راستہ چار سو میل لمبا تھا اور جہاز والے راستے سے کہیں زیادہ دشوار اور خطرناک۔ ایک جگہ کوئی چوتھائی میل تک لمبا نالہ ملا اور دن بھر رکنا پڑا۔ نالا برف سے بھر گیا تو آگے بڑھے۔ ایک جگہ نالا اس سے بھی زیادہ چوڑا تھا وہاں پانچ دن تک رکنا پڑا۔ ان کے علاوہ چھوٹے بڑے بہت سے نالے ملے۔ پھر اکثر برف کے تیرتے ہوئے تودوں پر سے گزرنا پڑتا تھا۔ ذرا بھی پیر پھسلا اور پانی میں۔ ایک گاڑی کے چند کتے پھسل بھی گئے تھے۔ بڑی مشکل سے انھیں باہر نکالا گیا۔

چلتے چلتے قطب ۱۲۲ میل رہ گیا۔ پیری کے ساتھ اب صرف چار اسکیمو اور اس کا ایک حبشی خدمت گار تھا۔ باقی لوگوں کو واپس کر دیا گیا تھا۔ ہوا بہت ٹھنڈی تھی۔ ہاتھ منہ پھٹ رہے تھے۔ تکلیف کے مارے نیند نہ آتی تھی۔ تھکن سے برا حال تھا۔ لیکن کوئی ان باتوں کو خیال میں نہ لاتا تھا۔ برابر بڑھے چلے جا رہے تھے

کامیابی کی امید نے دگنی قوت پیدا کر دی تھی۔

آخر ۱۶۔ اپریل ۱۹۰۹ء کو چھ آدمیوں کا یہ مختصر گروہ قطب شمالی تک پہنچ گیا۔ کپتان پیری نے یہاں امریکہ کا قومی جھنڈا نصب کر دیا۔

کوئی تین گھنٹے تک انھوں نے قطب تک چکر لگایا۔ پھر اپنی اس غیر معمولی کامیابی پر خوش خوش وہاں سے لوٹ پڑے۔

سعید:۔ ماسٹر صاحب۔ سچ مچ کپتان پیری نے بڑا کام کیا۔

ماسٹر صاحب:۔ ہاں جی آزاد ملکوں کے لوگ ایسے ہی ہمت اور دلیری کا کام کرتے ہیں

کیلاش:۔ اور ماسٹر صاحب جی اچھا دلکنس کا کیا قصہ ہے؟

ماسٹر صاحب:۔ ہاں آج میں یہی تو تمھیں سنانا چاہتا تھا۔

رشید:۔ تو ماسٹر صاحب جلدی سے بتا دیجئے نا۔ کہیں گھنٹہ ختم نہ ہو جائے۔

ماسٹر صاحب:۔ نہیں۔ (گھڑی دیکھ کر) ابھی بیس منٹ باقی ہیں۔ تو ابھی یہ تو تمھیں معلوم ہو گیا کہ پیری کہیں بیس سال تک کوشش کرنے کے بعد قطب شمالی پہنچ پایا۔ تمھیں یہ بھی اندازہ ہو گیا ہو گا کہ اس طرح کے سفر میں کتنے خطرے ہیں شدید سردی اور پھر برف کے تودے۔ اتنی شدید

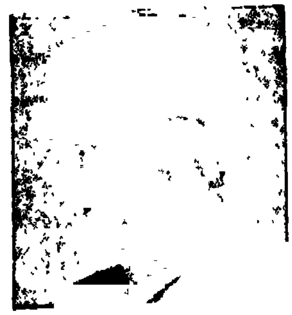
سردی میں ہوائی جہاز کا بھی وہاں تک پہنچنا مشکل ہے۔ پھر برف پر کہاں اتارا جائے اور کہاں اڑایا جائے۔ وِل کنس کا خیال ہے۔ کہ آبدوز کشتی کے سفر میں اس قسم کے خطرے نہیں ہیں اور اس کے ذریعے قطب شمالی تک آسانی سے پہنچ سکتے ہیں۔ وِل کنس کا ارادہ ہے کہ پانی ہی پانی میں قطب شمالی کے بڑے بڑے سفر کرے۔

قطبی علاقہ پانی ہی پانی ہے۔ اس کے اوپر برف کی دو سے لے کر چار میٹر تک موٹی تہ جمی ہوئی ہے، کہیں کہیں یہ صرف ½ میٹر بھی ہے چنانچہ ایسی جگہوں میں والرس سانس لینے کے لئے برف کی تہ کو اپنے سر سے توڑ دیتا ہے۔ یہ سمندر (بحر منجمد شمالی) اوسطاً چار ہزار میٹر گہرا ہے۔ کہیں کہیں پانچ ہزار میٹر بھی۔ یورپ کا اونچے سے اونچا پہاڑ بھی اس کی گہرائی میں ڈوب جائے گا۔

بحر منجمد شمالی کی برف کو زپلن جہاز کے ذریعے دیکھا گیا ہے۔ دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ برف میں ایسے حصے یا سوراخ جگہ جگہ موجود ہیں جن میں بہتا ہوا پانی موجود ہے۔ قطب شمالی کے سارے سمندر میں کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں کھلے ہوئے حصے ایک دوسرے سے زیادہ فاصلے پر ہوں۔ ان کھلے ہوئے حصوں میں آبدوز کشتی آسانی سے سطح کے اوپر آ سکتی ہے۔ اسی لئے تو وِل کنس اور دوسرے لوگوں کا خیال ہے کہ برف کے نیچے کا راستہ سب سے زیادہ محفوظ ہے۔

اس کے علاوہ آبدوز کشتی کی شیشے والی کھڑکیوں سے پانی کے اندر کی ایسی عجیب و غریب چیزیں دیکھنے میں آتی ہیں۔ جو کبھی خواب میں نظر نہ آئی ہوں گی۔ مثلاً سمندری سطح پر تیرنے والے آبی جانور جو گھونگھے کی شکل کے ہوتے ہیں سمندر کی لہریں انھیں ادھر سے ادھر لئے پھرتی ہیں۔ یہ سمندر کی چھوٹی مخلوق کی غذا بنتی ہیں۔ اور یہ چھوٹی مخلوق بھی مچھلیوں۔ سیل اور وھیل کا شکار بن جاتی ہے۔ پھر آبدوز کشتی کے آلے کے ذریعے برف کے پہاڑوں کی بنیادیں نظر آ سکتی ہیں۔ برف کے ان پہاڑوں کا صرف ساتواں حصہ پانی کی سطح کے اوپر ہوتا ہے

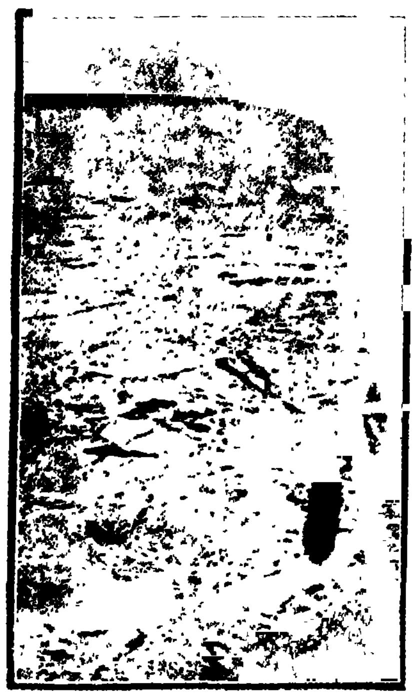
لیکن ان کشتیوں کے لئے کچھ مشکلیں بھی ہیں اور اسی لئے بہت احتیاط سے سفر کرنے کی ضرورت ہے۔ کھلا ہوا حصہ جہاں برف پہاڑ کی صورت اختیار کر لیتا ہے



۱



۲



۳

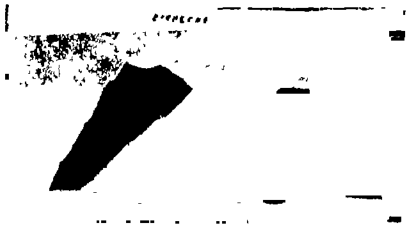


۴





۶



۷



۸



۹

اور برف کا تودا جو پانی میں بہت نیچے تک چلا جاتا ہے، آب دوز کشتیوں کے لئے خطرے کا سبب بن جاتا ہے۔ قطب شمالی کے سمندر میں عام طور سے زیادہ پہاڑ نہیں ملتے۔ لیکن قطب شمالی کی طرف جانے والی کشتیوں کو ان کا مقابلہ کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہنا چاہئے

ارشد:۔ ماسٹر صاحب! یہ مہم کامیاب ہو گئی تو بڑا عجیب کارنامہ ہوگا۔ اپنے مزے سے پانی کے اندر ہی اندر قطب شمالی پہنچ گئے۔

ماسٹر صاحب:۔ اور کیا۔ مگر ابھی صرف چھان بین کا کام ہو رہا ہے۔ اور ہاں دیکھو، اس اخبار میں کچھ تصویریں بھی آئی ہیں۔ ان تصویروں کی مدد سے بہت کچھ سمجھ میں آجائے گا۔ دیکھو (۱) یہ تو ہیں کپتان پیری اور (۲) یہ ہیں جے اچ ولکنس (۳) یہ تیسری تصویر زپلین جہاز کے ذریعے لی گئی ہے۔ اس میں برف کی سفید اور صاف سطح پر کچھ نشان دکھائی دے رہے ہیں۔ یہی وہ کھلے ہوئے حصے ہیں جن میں بہتا ہوا پانی موجود ہے یہ (۴) آبدوز کشتی کی تصویر ہے۔ یہ بڑی احتیاط کے ساتھ برف کے نیچے نیچے قطب شمالی تک پہنچنے کا راستہ تلاش کر رہی ہے اس (۵) تصویر میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ آبدوز کشتی برف کے پہاڑوں کو اپنے آلے (دوربین اسکوپ) کے ذریعے دیکھ سکتی ہے۔ اچھا یہ اور (۶) دیکھو والرس ہے۔ اس تصویر سے یہ بتانا مقصود ہے کہ والرس سانس لینے کے لئے برف کی تہ کو توڑ دیتا ہے۔ اور (۷) یہ گویا برف کا پہاڑ ہے۔ اس کا صرف ساتواں حصہ پانی پر ہے پھر بھی دیکھو سچ مچ پہاڑ کا پہاڑ نظر آتا ہے۔ قطب شمالی کا سمندر حقیقتاً دنیا کا وسطی حصہ ہے۔ یہ بہت اہم براعظموں سے گھرا ہوا ہے اور جب ہوا بازی کا فن اپنے کمال کو پہنچ جائے گا۔ تو یہ سمندر دنیا کی آمد و رفت کا مرکز بن جائے گا۔ اور یہ تصویر (۸) غوطہ خور کی ہے۔ اس مہم میں غوطہ خور کو بہت اہمیت حاصل ہے یہ پتوار اور پہیوں کی دیکھ بھال کرتا ہے۔ وہ برف تک تیر کر پہنچ سکتا ہے برف توڑنے کے لئے اپنی کشتی کو نقصان پہنچائے بغیر سرنگیں بچھا سکتا ہے۔ اسے تازہ ہوا کے لئے پانی کی سطح تک ایک

نکلی بھی لے جانی پڑتی ہے۔
اور یہ دیکھو آخری (۹) تصویر ہے قطب شمالی کا اسٹیشن گویا سمندر کے علم کے ماہروں اور سمندر کا کھوج لگانے کا خواب اور پرانی آرزو۔ دیکھو برف کی سلیں برابر حرکت کرتی رہتی ہیں یہ یا تو ٹوٹ جاتی ہیں۔ یا دب جاتی ہیں۔ کچھ ایسے مضبوط تختے بھی ہوتے ہیں، جنھیں کافی عرصے تک کوئی صدمہ نہیں پہنچتا ان مضبوط تختوں پر انسان آباد ہو سکتا ہے اور ان پر تیراکوں کے لئے لکڑی کے گھر بنائے جا سکتے ہیں۔ اچھا تو فرض کرو دو برس میں چھان بین کا کام ختم ہو گیا تو آب دوز کشتیاں قطبی اسٹیشن کی تلاش میں نکلیں گی۔ یہ اسٹیشن برف کی مسلسل حرکت کی وجہ سے کہیں اور ہٹ گیا ہوگا۔ آب دوز کشتی وائرلیس کے ذریعے معلومات حاصل کر کے (دو سے لے کر تین ہزار میٹر کے فاصلہ تک) اسٹیشن میں پہنچے گی اور پھر روشنی کے سگنل اور دھواں پھیلانے والے بم کے ذریعے معلوم ہوگا کہ کشتی نئے ملک کا کھوج لگانے والوں کے پاس پہنچ گئی ہے۔ (گھڑی دیکھ کر) اب گھنٹے میں دو تین منٹ رہ گئے ہیں۔ میٹر اور کیلو میٹر کا حساب اپنے حساب کے ماسٹر صاحب سے پوچھ لینا۔

سب لڑکے:۔ ماسٹر صاحب! آج کا سبق تو اتنا مزے دار تھا کہ گھنٹہ کا پتہ ہی نہ چلا

ماسٹر صاحب:۔ جو کچھ میں نے بتایا ہے۔ سب یاد ہے؟

سب لڑکے:۔ ماسٹر صاحب ایک ایک حرف۔

ماسٹر صاحب:۔ تو سب لڑکے اسے کل تک مضمون کی شکل میں لکھ لائیں جس کا مضمون سب سے اچھا ہوگا، پیامِ تعلیم میں بھیج دیا جائے گا۔ جنوری میں اس کا سالنامہ شائع ہو رہا ہے۔ (کتابیں وغیرہ سمیٹتے ہوئے) دیکھو بھولنا مت۔ اور ہاں بہت خوش خط لکھ کر لانا خوب کھلا کھلا۔ کوئی بد خط مضمون کتنا ہی اچھا ہو مقابلے میں شامل نہ کیا جائے گا۔




ترجمہ۔ علی عباس رضوی (لکھنوی)

اسکاٹ لینڈ کے پوربی ساحل پر ایک جگہ بہت خطرناک چٹان ہے۔ یہ پانی میں ڈوبی ہوئی ہے۔ اس کا نام انچ کیپ ہے۔ اندھیرے کہر اور طوفانی موسم میں ملاحوں کو خبردار کرنے کے لئے یہاں ایک بہت لمبا اور مضبوط روشنی کا مینار بنا دیا گیا ہے۔ لیکن پرانے زمانے میں اس جگہ کوئی مینار وینار نہیں بنا تھا۔ جب تند و تیز پوربی ہوائیں چلتیں تو مچھیروں کی کشتیاں ہی نہیں، بڑے بڑے جہاز بھی اس چٹان سے ٹکرا کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے۔

یہیں پاس ہی سمندر کے کنارے ایک خانقاہ تھی اس میں پادری رہتے تھے اس خانقاہ کے ساتھ ایک گرجا بھی تھا۔ پادریوں کا سردار ایبٹ بہت ہی خدا ترس اور نیک آدمی تھا وہ اس بات سے ہمیشہ اُداس رہتا کہ بہت سے غریب مچھیروں کی کشتیاں طوفان میں ادھر چلی آتیں اور چٹان سے ٹکرا جاتیں۔

ایک دن ایبٹ نے اپنے شاگردوں کو جمع کر کے مشورہ کیا۔ کہ کوئی ایسی تدبیر کی جائے کہ کشتیاں اور جہاز اس چٹان سے نہ ٹکرائیں۔ آخر تھوڑی دیر بحث کے بعد یہ طے پایا کہ گرجے کی بڑی گھنٹی چٹان پر لٹکا دی جائے۔ ہوائیں یا طوفان آئے گا تو موجوں کی وجہ سے گھنٹی بجے گی۔ اور لوگ ادھر نہ آئیں گے۔ گھنٹی چٹان پر لٹکا دی گئی۔ اب طوفان آتا اور موجیں اٹھتیں تو گھنٹی بجنے لگتی۔ اس طرح سینکڑوں آدمیوں کی جانیں بچ گئیں۔ ملاح گھنٹی کی آواز سن کر ایبٹ کو دعائیں دیتے اور کشتی کو چٹان سے بچا کر لے جاتے۔ انھی دنوں اس طرف رالف نامی ایک سمندری ڈاکو کا بہت زور تھا۔ یہ سوداگروں کے جہاز لوٹ لیتا تھا، کبھی کبھی خشکی پر بھی لوٹ مار مچاتا وہ ایبٹ اور اس کے ساتھیوں سے بہت جلتا تھا ساری جلن اس بات کی تھی کہ ایبٹ مچھیروں کی

حفاظت کرتا تھا۔

ایک دن رالف کا جہاز انچ کیپ کے کنارے آ لگا۔ آسمان صاف تھا۔ اور سمندر خاموش۔ رالف نے اپنے جہاز سے چٹان پر گھنٹی لٹکی ہوئی دیکھی اور اپنے ساتھیوں سے بولا "کتنا اچھا موقع ہے۔ چلو اس گھنٹی کو وہاں سے کاٹ دیں۔ ہا ہا ہا! ایبٹ کتنا خفا ہوگا۔" اس کے ساتھی خوشی سے چلانے لگے۔ "واہ واہ کتنا اچھا ارادہ ہے۔" اور کشتیوں کے ذریعے وہاں پہنچ گھنٹی کی زنجیریں کاٹ، اسے سمندر کے حوالے کردیا بہت خوش تھے کہ اب جو ملاح ادھر آ پھنسیں گے وہ ایبٹ کو دعا نہیں دیں گے۔ اس کی تعریف سنتے سنتے کان پک گئے

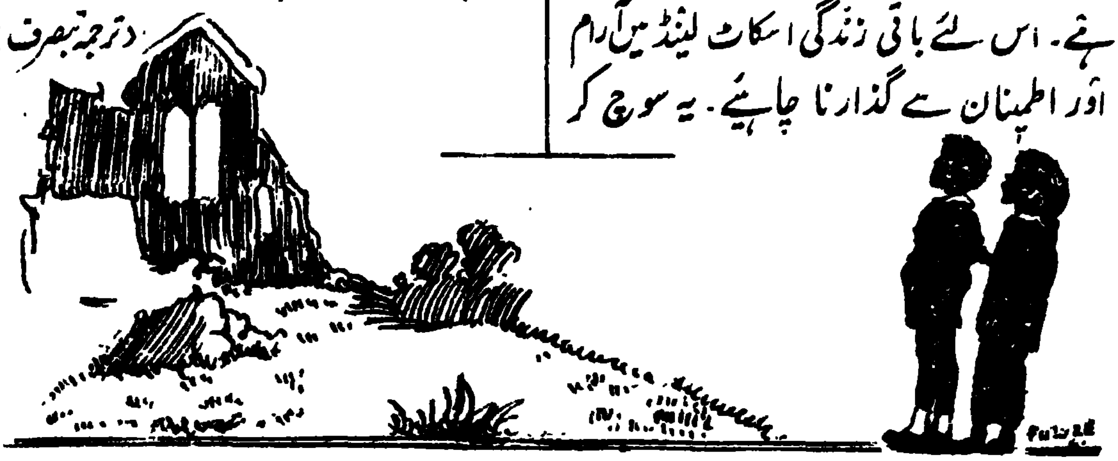
رالف برابر جگہ جگہ ڈاکے ڈالتا اور لوٹ مار مچاتا رہا۔ یہاں تک کہ خوب مالدار ہوگیا۔

اب اس نے سوچا کہ میرے پاس اتنا روپیہ پیسہ جمع ہوگیا ہے۔ اور اس پیشے سے جی بھی اکتا گیا ہے۔ اس لئے باقی زندگی اسکاٹ لینڈ میں آرام اور اطمینان سے گذارنا چاہیئے۔ یہ سوچ کر اس نے اسکاٹ لینڈ جانے کی تیاری کی اور جہاز پر بیٹھ کر روانہ ہوگیا۔

ایک رات سارا سمندر کہرے سے ڈھکا ہوا تھا۔ خوب تند و تیز ہوائیں چل رہی تھیں۔ ہواؤں کے طوفان نے رالف کے جہاز کو مشرقی ساحل کے کنارے پہنچا دیا۔ رالف پریشانی میں بڑبڑا رہا تھا۔ "کاش آج چاند نکلا ہوتا۔ معلوم نہیں ہم لوگ کہاں ہیں........ (ساتھیوں سے) تم موجوں کا شور و غل نہیں سن رہے ہو؟ ........ ہم انچ کیپ کے بالکل قریب ہیں ........ کاش میں گھنٹی کی آواز سن سکتا......

......اسی وقت ایک زور کا دھماکا ہوا۔ جہاز چٹان سے ٹکرا چکا تھا۔ رالف کے ساتھی چلائے "ہم ڈوب رہے ہیں۔ ہم ڈوب رہے ہیں" جہاز پاش پاش ہوگیا اور تھوڑی دیر میں سوائے چند تختوں کے جو سمندر کی سطح پر تیر رہے تھے وہاں کچھ بھی نہ تھا۔

(ترجمہ بتصرف)





# گل رخ

محترمہ شمسی عباد الرحمٰن صاحبہ

کسی ملک کی شہزادی کو جانور پالنے کا بہت شوق تھا، اس نے دور دور کے ملکوں سے قسم قسم کے چرند، پرند اور آبی جانور منگاکر جمع کئے تھے۔ ان سب کے رہنے کے لئے ہزاروں روپیہ خرچ کرکے بہت بڑا سا باغ اپنے خاص محل کے پیچھے بنوایا تھا۔ اس باغ میں شہزادی اپنے تمام جانور بالکل اس طرح رکھتی تھی۔ جیسے وہ جنگلوں میں رہا کرتے تھے مثلاً ننھی ننھی چڑیاں باریک جالی کے بنے ہوئے پنجروں میں رہتی تھیں۔ یہ پنجرے اتنے بڑے تھے کہ ان کے اندر چھوٹے چھوٹے خوب صورت باغ لگے ہوئے تھے۔ بھولی چڑیاں دن بھر پھلوں سے لدے ہوئے درختوں پر چہچہاتیں، پھولوں کے گرد اڑتی پھرتیں، جھاڑیوں میں گھونسلے بنا بنا کر بچے نکالتیں اور رات کو گھنے پیڑوں کی شاخوں پر بسیرا لیتی تھیں۔ انھیں گمان بھی نہ ہوتا تھا کہ وہ پنجروں میں بند ہیں۔ اسی طرح طوطے اور دوسرے پرند بھی پلے تھے۔ بڑے جانور، جیسے اونٹ، ہاتھی، شیر، بھالو، یہ سب مصنوعی غاروں اور کھوؤں میں رہتے تھے۔ ان کے گھومنے پھرنے کو بڑے بڑے کھلے میدان تھے۔ ان میدانوں کے چاروں طرف گہری گہری نہریں کھدوا کر پانی سے بھروا دی تھیں۔ تاکہ یہ خونخوار جانور نکل نہ بھاگیں اور لوگوں کو نقصان نہ پہنچائیں۔

عقل مند شہزادی نے پانی کے جانوروں کے رہنے کا اور بھی اچھا انتظام کیا تھا۔ راج ہنسوں کے تیرنے کو خوب صورت کنول سے بھرے ہوئے پانی کے حوض بنوائے تھے۔ راج ہنس شہزادی کو بہت پیارے تھے۔ انھیں دیکھنے وہ روزانہ باغ میں آتی اور اپنے ہاتھ سے دانہ کھلاتی۔ جانور پالنے کا یہ طریقہ آج کل کوئی عجیب چیز نہیں ہے۔ قریب قریب ہر بڑے شہر میں چڑیا گھر موجود ہیں جہاں بالکل اسی

طرح بلکہ اس سے بھی عجیب و غریب طریقہ پر جانور پالے جاتے ہیں مگر تم جانو، پرانے زمانے میں تو یہ بڑے تعجب کی بات تھی۔ لوگ دور دور سے شہزادی کا چڑیا گھر دیکھنے آتے دیکھ کر حیران رہ جاتے اور شہزادی کی عقل کی داد دیتے تھے۔

یہ حال تو شہزادی کے چڑیا گھر کا رہا۔ اب کچھ جانور ایسے بھی تھے جو شہزادی کے خاص محل میں پل رہے تھے۔ ان میں سب سے زیادہ فوقیت بی گل رُخ کو حاصل تھی۔ تم دل میں کہہ رہے ہوگے کہ یہ گل رُخ کون! لو سنو گل رخ ایک ننھی سی زرد رنگ کی پیاری بلی کا نام تھا۔ یہ گل رُخ شہزادی کی بڑی لاڈلی تھیں اور اس بات پر انھیں غرور بھی بہت تھا۔ کیوں نہ ہوتا! ان کے دوسرے ساتھی جانور گو اسی محل میں رہتے تھے مگر کسی کی مجال نہ تھی کہ کود کر شہزادی کی گود میں بیٹھ جائے، یا دسترخوان پر کھانا کھائے۔ چاندی سونے کے تخت پر بیٹھے یا مخملی گدّوں کے بستر پر سوئے۔ یہ فخر تو صرف بی گل رخ ہی کو حاصل تھا۔ بات یہ تھی کہ گل رخ تھی بھی بہت خوب صورت۔ اس کی سیاہ گول مٹول شرارت سے بھری آنکھیں، ریشم ایسے ملائم بڑے بڑے بال، پھولی پھولی دُم اور ننھے ننھے پاؤں شہزادی کو بہت بھاتے تھے۔ کبھی یہ اپنی ملکہ شہزادی سے ناراض بھی ہو جاتی اور اس کے ہاتھ پر پنجہ مار دیتی مگر وہ کبھی اسے سزا نہ دیتی بلکہ اور پیار کرتی تھی۔

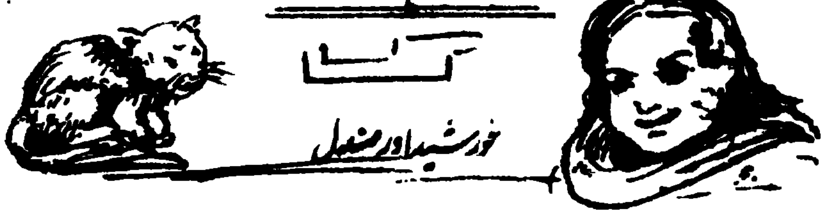
غرض اس طرح بہت دن گذر گئے گل رُخ بڑی ہوئی، عقل و شعور آیا۔ اب نہ پہلی سی شرارتیں رہیں اور نہ کھیل کود رہا۔ شاہی محلوں میں پلی بڑھی تھی۔ اس پر شہزادی کی تربیت پائی تھی۔ خوب تمیز دار، بردبار اور عقل مند جوان بلی بن گئی۔ رنگ روپ بھی نکھر آیا۔

کچھ روز اور گزرے! ایک دن بیٹھے بیٹھے گل رخ کے دل میں خیال آیا۔ کہنے لگی میں نے آنکھ کھول کر سوائے شاہی محل کے اور کوئی جگہ نہیں دیکھی! کہتے ہیں کہ یہ دنیا بہت بڑی ہے۔ اس میں بہت سے مقام دیکھنے کے قابل ہیں۔ ایک دیہات ہی کو لے لو۔ ہماری شہزادی کو دیہات کی زندگی کتنی پسند ہے وہ اکثر کہا کرتی ہیں کاش انھیں کچھ دن کے لئے دیہات میں رہنے کی اجازت مل جایا کرتی وہ دیہاتی لوگوں کی کیسی تعریفیں کرتی ہیں کہ وہ کتنے سیدھے سادے اور محنتی ہوتے ہیں لاؤ آج میں محل کے باہر جاؤں اور سب

سے پہلے دیہات کی سیر کروں مگر......
ہاں شہزادی مجھے نہیں جانے دیں گی۔ میں ذرا باغ میں جاتی ہوں تو وہ دو تین باندیاں میری تلاش میں بھیج دیتی ہیں۔ اچھا! ایک تدبیر ہے وہ یہ کہ آج رات کو جب شہزادی سو جائیں تو میں چپکے سے نکل جاؤں! دیہات کچھ دور بھی تو نہیں ہے۔ صبح ہوتے ہوتے واپس آ جاؤں گی۔ یہ سوچ کر گل رخ رات کا انتظار کرنے لگی۔ رات کے کھانے کے بعد جب شہزادی اپنی خوابگاہ کو جانے لگی تو معمول کے مطابق گل رخ کو پکارا گل رخ دوڑتی ہوئی شہزادی کے ساتھ ہولی، خواب گاہ میں پہنچ کر شہزادی کے بستر پر لیٹ گئی اور غُرغُر کرنے لگی۔ جب شہزادی بے خبر سو گئی تو چپکے سے اٹھی، باغ کے دروازے سے باہر نکلی اور دیہات کا راستہ لیا۔ ابھی تھوڑی ہی دور گئی تھی کہ جنگلی کتوں نے گھیرا مگر بی گل رخ کو اپنے بچاؤ کے داؤں پیچ خوب یاد تھے۔ کتوں کو دھوکا دے کر صاف نکل گئی! اور چلتے چلتے ایک گاؤں کے قریب پہنچ ہی گئی! چاندنی رات تھی، ہرے ہرے کھیت لہلہا رہے تھے جنگلی پھولوں کی خوشبو سے فضا مہکی ہوئی تھی۔ رات زیادہ جا چکی تھی۔ اس لئے گاؤں پر سناٹا اور اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ بس ایک زمیندار کی چوپال میں دُھندلی سی روشنی ٹمٹما رہی تھی۔ یہ سماں گل رخ کو ایسا بھایا کہ کھیت کی مینڈ پر بیٹھ کر دیہاتی منظر کا لطف اٹھانے لگی۔ اتنے میں پاس کی جھاڑی میں کچھ آہٹ ہوئی اور ایک دُبلی پتلی، میلی سی جنگلی بلی سامنے آکر کھڑی ہو گئی اور گل رخ کو گھور گھور کر دیکھنے لگی۔ پھر فوراً گئی، گاؤں میں جا کر تمام دیہاتی بلیوں کو خبر دے دی کہ آج ایک نئی بلی کہیں سے آئی ہے، بڑی خوب صورت ہے۔ کھیت پر بیٹھی ہے۔ اب کیا تھا وہی مثل ہو گئی "باولے گاؤں اونٹ آیا" ذرا سی دیر میں سارے گاؤں کی بلیاں گل رخ کے پاس جمع ہو گئیں اور لگیں بھدے پن سے میاؤں میاؤں کرنے۔ ایک نے پوچھا "اے بہن! تم کہاں سے آئی ہو؟" دوسری بولی "تمہارا گھر کہاں ہے؟" تیسری نے کہا "کہاں کی رہنے والی ہو؟" چوتھی بول اٹھی "لو! اتنی رات کو ہمارے گاؤں میں کیوں آئی ہو؟" الغرض گل رخ پر سوالوں کی بوچھار ہونے لگی۔ بے چاری کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کسے کسے جواب دے۔ اتنے میں ایک بوڑھی بلی آگے بڑھی اور سب بلیوں کو مخاطب کر کے کہا "ان سے کیا پوچھتی ہو! دیکھتی نہیں، صاف معلوم ہو رہا ہے کہ شہر کی رہنے والی ہیں۔ گاؤں کی سیر کو جی چاہا ہو گا، چلی آئیں"

اب گُل رُخ نے موقع غنیمت جان کر تمیز کے ساتھ کہا "آپ ٹھیک کہتی ہیں۔ میں شہر میں شہزادی کے پاس رہتی ہوں۔ میں نے کبھی دیہات نہیں دیکھا تھا۔ آج شہزادی سے چھپ کر گاؤں کی سیر کو چلی آئی ہوں" پھر اور بلیوں سے مناسب بات چیت کرکے رخصت چاہی۔ پاس ہی ایک نوجوان جنگلی بلا بیٹھا ہوا یہ سب باتیں سن رہا تھا۔ گل رخ کی تمیز اور تہذیب اسے بہت پسند آئی۔ گل رخ اور جنگلی بلیوں میں زمین آسمان کا فرق معلوم ہوا۔ فوراً گل رخ کے پاس آکر اپنا تعارف کرایا اور شادی کا پیغام دیدیا۔ پہلے تو گل رخ کو بلے کی جرأت پر بڑا غصہ آیا۔ پھر اس کے بھولے پن اور سادہ لوحی پر ہنسی بھی آئی۔ اس نے تنک کر جواب دیا "ہواہ! میں تمھارے ساتھ شادی کیسے کرلوں میرا بیاہ تو شہزادی اپنی سہیلی کے بلے کے ساتھ ٹھیرا چکی ہیں" مگر پھر گل رخ نے سوچا کہ جنگلی بلا۔ نیک، تندرست اور خوبصورت ہی آنکھوں سے ذہانت ٹپکتی ہے۔ بے چارے کو کھیتوں اور جنگلوں میں رہ کر کچھ سیکھنے کا موقع نہیں ملا ہے۔ اگر اسے لے جاکر شہر میں رکھا جائے اور سکھایا پڑھایا جائے تو بڑا قابل بن جائے گا۔ شہزادی کی سہیلی کا بلا جس کے ساتھ میری منگنی ہوئی ہے امیروں کی صحبت میں رہ کر مزاج کا خراب، آرام طلب اور کاہل ہوگیا ہے۔ یہ سوچ کر گل رخ نے نرمی کے لہجہ میں مگر شرارت سے کہا "شادی کرنے میں تو کوئی ہرج نہیں ہے۔ میں تمھارے ساتھ شادی کرسکتی ہوں مگر تم تو نرے گنوار ہو۔ تمھاری بھونڈی حرکتیں دیکھ کر میری شہزادی ایک دن بھی تمھیں اپنے پاس نہ رہنے دیں گی" جواب معقول تھا بلے کو کچھ کہتے بن نہ پڑا بلکہ ندامت سے گردن جھکالی۔ کچھ دیر کے بعد اتنا پوچھا "تو پھر ہماری شادی نہیں ہو سکتی؟" گل رخ نے جواب دیا "ایک شرط پر ہو سکتی ہے۔ اگر تم تمیز و تہذیب سیکھ لو" بلے نے مایوسی سے کہا "کیسے سیکھوں، یہ باتیں سکھانے والا یہاں کون ہے؟" گل رخ بولی اگر تم وعدہ کرو کہ جو میں کہوں اس پر عمل کروگے اور اچھی اچھی باتیں دل لگاکر سیکھوگے۔ تو میں تمھیں اپنے ساتھ لے چلوں۔ ہماری شہزادی جانوروں پر بہت مہربان ہیں۔ تم سے ناراض نہ ہوں گی تھوڑے دنوں کے بعد جب تم ایک اچھے اور تمیز دار بلے بن جاوگے تو میں شہزادی سے کہہ کر تمھارے ساتھ شادی کرلوں گی" یہ رائے بلے کو پسند

آئی اور وہ گل رخ کے ساتھ چلا گیا۔
تم جانو! محنت سے ہر مشکل آسان ہو جاتی ہے۔ اور کوشش سے ہر کام پورا ہوتا ہے تو بس! چند دنوں کی محنت اور کوشش سے وہ جنگلی بلا بڑا تمیز دار، مہذب اور اچھا بن گیا۔ گل رخ نے اس کے ساتھ شادی کر لی اور دونوں ہنسی خوشی شہزادی کے پاس رہنے لگے۔



## نظم
### خورشید اور صندل

**خورشید**
آ آ صندل دودھ پلاؤں    بسکٹ میٹھا تجھ کو کھلاؤں
جھو جھو جھولا تجھ کو جھلاؤں    تھپک تھپک کر تجھ کو سلاؤں

**صندل**
خورشید بیگم آتا ہوں میں    آپ کا ہی گن گاتا ہوں میں
ماؤں ماؤں ماؤں ماؤں

**خورشید**
آ آ تیرا بیاہ رچاؤں    ننھی سی ایک دلہن لاؤں
چاٹ اور مکھن اس کو چٹاؤں    تجھ کو تازہ دودھ پلاؤں

**صندل**
پیاری بیگم آتا ہوں میں    گیت تمہارا گاتا ہوں میں
پاؤں میں لوٹوں دُم کو ہلاؤں    گیت پیارے پیارے سناؤں
ماؤں ماؤں ماؤں ماؤں

**خورشید**
آ آ صندل دھوم مچائیں    کھیلیں کودیں مل کر گائیں
تتلی پکڑیں پھول سنگھائیں    پھولوں کی ایک گیند بنائیں

**صندل**
پیاری بیگم آتا ہوں میں    گیند اٹھا کر لاتا ہوں میں
حکم کے ملتے گیند اٹھاؤں    نغمۂ الفت اپنا گاؤں
ماؤں ماؤں ماؤں ماؤں

مولوی علیم الدین صاحب تیز گلشنی

# ننھوں کی نظمیں

مولوی محمد شفیع الدین صاحب نیر کی اصلاح کے بعد



طوطا ہم نے ایک خریدا　　اس کو اک پنجرہ میں ڈالا
رنگت اس کی پیاری پیاری　　ہو جیسے پھولوں کی کیاری
گلے میں اس کے نازک کنٹھی　　کتنی اچھی ہے وہ لگتی
سبز پری کہتے ہیں اس کو　　نام ہے اس کا کتنا پیارا
آنکھیں ہے وہ کیسی پھراتا　　مجھ کو ہے وہ دل سے بھاتا
ٹیں ٹیں کر کے ہے چلاتا　　دن بھر ہے وہ شور مچاتا
دیتی ہوں جب پھل کا ٹکڑا　　پنجے سے ہے اپنے اٹھاتا
صبح سویرے اٹھتا ہے وہ
حمد خدا کی کرتا ہے

(فہیم جہاں بیگم قزلباش) عمر سال (۱۱)



ننھے! کس کو تکتے ہو　　پر کچھ کہہ نہیں سکتے ہو
آؤ بتلاؤں ہے کیا؟　　گول سے یہ چہرے والا
چندا ماموں نام ان کا　　روشنی دینا کام ان کا
جگ کو روشن کرتے ہیں　　نور سے دنیا بھرتے ہیں
ننھے! بتلاؤ تو بھلا　　میں نے تمھیں کیا بتلایا
تم تو انگوٹھا چوستے
میری بات کو کیا سمجھو

محمد اکرام۔ لاہور

تجھ سے وابستہ ہے ہر کام پیامِ تعلیم — ہے بہت خوب ترا نام پیامِ تعلیم
تو جب آتا ہے تو ہم عید سمجھتے ہیں وہ وقت — رات ہو صبح ہو یا شام پیامِ تعلیم
تیرے مضمون انوکھے تیرے قصے دلچسپ — کیوں نہ دنیا ہو تری رام پیامِ تعلیم
تو ہے تعلیم کی ترغیب دلانے والا — دل کا ہم سب کے ہے آرام پیامِ تعلیم
اپنی دلچسپیاں اور قیمتِ سالانہ کم — مجھ سے پوچھو تو ہے بے دام پیامِ تعلیم
سال نو خیر سے آغاز ہوا ہے تیرا — خیر کے ساتھ ہوا انجام پیامِ تعلیم
ہے حبیبہ کی دعا حق سے کہ دنیا بھر میں — خوب روشن ہو ترا نام پیامِ تعلیم

حبیبہ خاتون۔ بدایوں

---

یہ کس شوکت سے نکلا سالنامہ بھائیو اب کی — کہ دیکھو جس طرف بھی اس طرف ہی دھوم ہے اس کی
وہ نظمیں اور قصے ہیں جنہیں تم پڑھ کے خوش ہو گے — جو آئیں گے عزیز اور دوست ان سب کو دکھاؤ گے
پیامی بھائیو! تم سب خوشی سے ناچنے لگنا — شفیع صاحب کی نظمیں آئیں گی اس میں اہاہاہا
لطیفے بھی سنا کر آپا جی کو تم ہنساؤ گے — کبھی وہ مسکرائیں گے کبھی تم کھل کھلاؤ گے
یہی اس قادر مطلق سے ہے عالم دعا اپنی — ترقی اس کی ہو دائم ہمیشہ خوش رہیں پیامی

عالم واسطی ناگپور

---

ایک لڑکا تھا بھولا بھالا — ننھا منا پیارا پیارا
گھر بھر میں تھا سب کو دلارا — ماں اور باپ کی آنکھ کا تارا
مدرسے اپنے شوق سے جاتا — پڑھ کے گھر میں خوش خوش آتا
اچھی طرح ہر چیز کو رکھتا — استادوں کی بات وہ سنتا
اپنے بڑوں کا ادب وہ کرتا — چھوٹوں سے بھی محبت رکھتا
جھوٹی باتیں کبھی نہ کرتا — سچ وہ ہمیشہ بولا کرتا
سب ہی سے ہمدردی رکھتا — کام سبھی کا شوق سے کرتا
سب کہتے وہ جہاں بھی جاتا — ہے یہ بچہ کیسا پیارا

آسودہ بیگم حیدرآباد دکن

چلو آؤ سب مل کے یہ گیت گائیں
نیا سال آیا ہے خوشیاں منائیں

زمیں پر چلی ہیں معطر ہوائیں
فلک پر اٹھی ہیں خوشی کی گھٹائیں

نہ ہوں رنجشیں دل میں پیدا کسی کے
محبت کی گنگا میں چل کر نہائیں

ہنود اور مسلم ہیں سب بھائی بھائی
ہیں جھگڑے جو آپس کے ان کو مٹائیں

وطن کی محبت کا نغمہ سنائیں
نیا سال آیا ہے خوشیاں منائیں

یہ چاند اور تارے سنہری ضیائیں
گلوں کی وہ بستی میں رنگیں فضائیں

چلو ایسی فطرت کی رنگین فضائیں
محبت کی چھوٹی سی دنیا بنائیں

یہاں ایک محبت کا مندر بنائیں
محبت کے گانے سبھی کو سنائیں

وطن کی محبت کا نغمہ سنائیں
نیا سال آیا ہے خوشیاں منائیں

اسد حسین پٹنہ

## جاگو اور جگاؤ

سارا عالم جاگ رہا ہے
سوئے ترقی بھاگ رہا ہے
تم بھی دوڑے جاؤ
جاگو اور جگاؤ

قوم کا بیڑا غرق نہ کرنا
رسوا نام شرق نہ کرنا
سوئے بہت اٹھ جاؤ
جاگو اور جگاؤ

ملک کی خاطر کام کرو کچھ
پیدا جہاں میں نام کرو کچھ
قوم کو اپنی بچاؤ
جاگو اور جگاؤ

اٹھنے میں اب دیر کروگے
تو گویا اندھیر کروگے
وقت ہے کم آ جاؤ
جاگو اور جگاؤ

مغنی کا پیغام یہی ہے
چین یہی آرام یہی ہے
ملک کے کام بناؤ
جاگو اور جگاؤ

سید محمد عبدالمغنی۔ اجمیر

# لڈو کا ٹکڑا

محمد شفیع الدین صاحب نیر

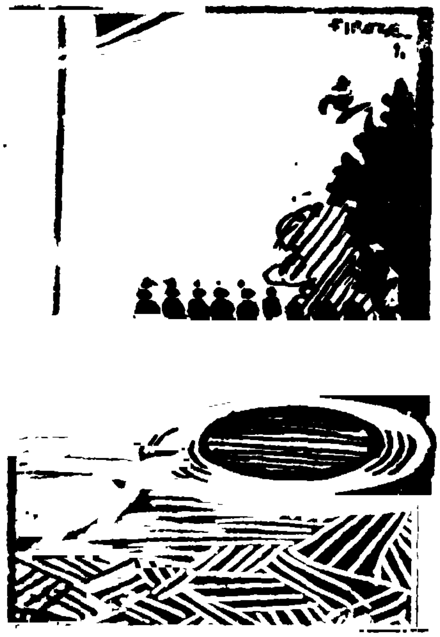


یہ خیال ایک انگریزی نظم سے لیا گیا ہے۔
چیزوں کے بیان میں ہندوستانی حالات
سے مطابقت دے دی گئی ہے۔ نیرؔ

(۱)

یہ وہ لڈّو کا ٹکڑا ہے
رکابی میں جو رکھا تھا
رکابی تھی وہ ارشد کی
جو اس کے گھر میں رکھی تھی

(۲)



یہ چوہا جو یہاں آیا
ڈرا دل میں نہ شرمایا
اسی نے کھا لیا ٹکڑا
رکابی میں جو رکھا تھا
رکابی تھی وہ ارشد کی
جو اُس کے گھر میں رکھی تھی

(۳)



یہی بلی ہے وہ خالا
کہ جس نے چوہے کو مارا
وہ چوہا جو یہاں آیا
ڈرا دل میں نہ شرمایا
اُٹھا کر کھا گیا ٹکڑا
رکابی میں جو رکھا تھا
رکابی تھی وہ ارشد کی
جو اُس کے گھر میں رکھی تھی

یہ دیکھو ہے وہی کُتّا
کہ جس نے بلّی کو گھیرا
وہی بلّی جو ہے خالہ
کہ جس نے چوہے کو مارا
وہ چوہا جو یہاں آیا
ذرا دِل میں نہ شرمایا
اُٹھا کر کھا گیا ٹکڑا
رکابی میں جو رکھّا تھا
رکابی تھی وہ ارشد کی
جو اس کے گھر میں رکھی تھی

(۴)





(۵)

یہ ہے کس شخص کا بکرا؟
کہ جس نے کُتّے کو مارا
وہی کُتّا وہی کُتّا
کہ جس نے بلّی کو گھیرا

وہی بلّی جو ہے خالا
کہ جس نے چوہے کو مارا
وہ چوہا جو یہاں آیا
ذرا دل میں نہ شرمایا
اُٹھا کر کھا گیا ٹکڑا
رکابی میں جو رکھا تھا
رکابی تھی وہ ارشد کی
جو اس کے گھر میں رکھی تھی

(۶)



گڈریے کا یہ ہے لڑکا
یہ لڑکا ہے بہت اچھا
اِسی کا تو وہ بکرا تھا
کہ جس نے کُتّے کو مارا
وہی کُتّا وہی کُتّا
کہ جس نے بلّی کو گھیرا

وہی بلّی جو ہے خالا

کہ جس نے چوہے کو مارا

وہ چوہا جو یہاں آیا

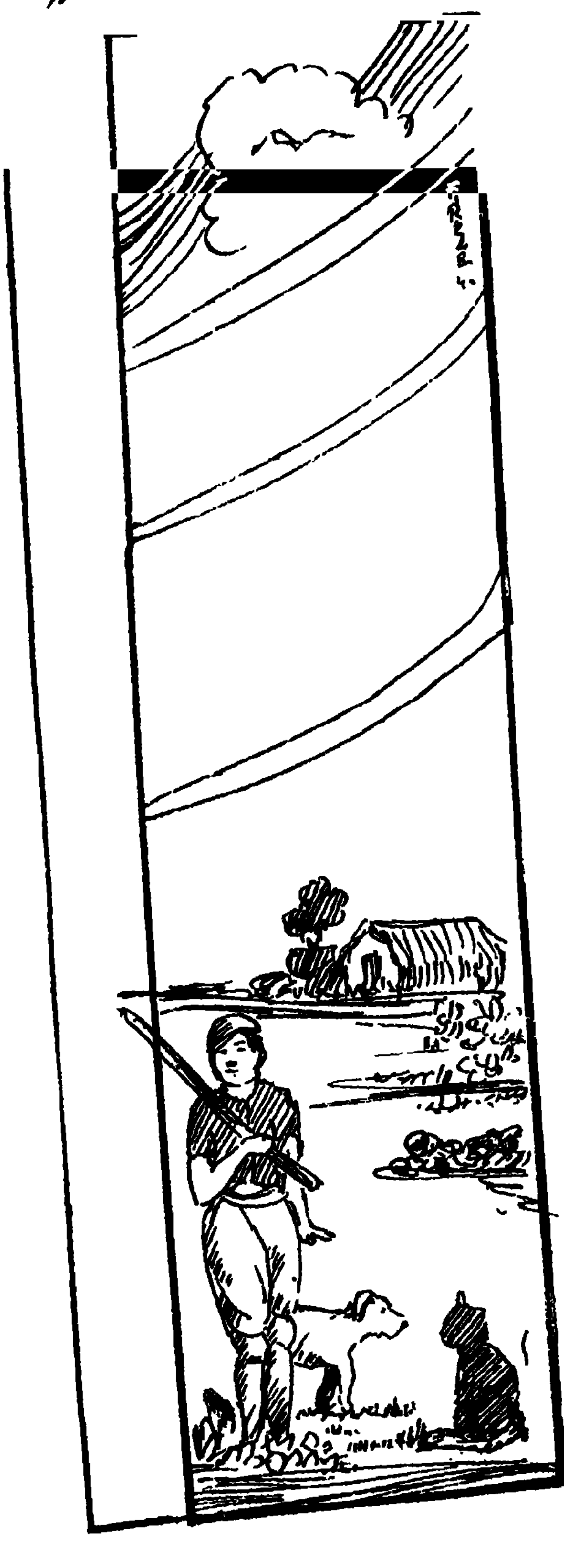
ذرا دِل میں نہ شرمایا

اُٹھا کر کھا گیا ٹکڑا

رکابی میں جو رکھا تھا

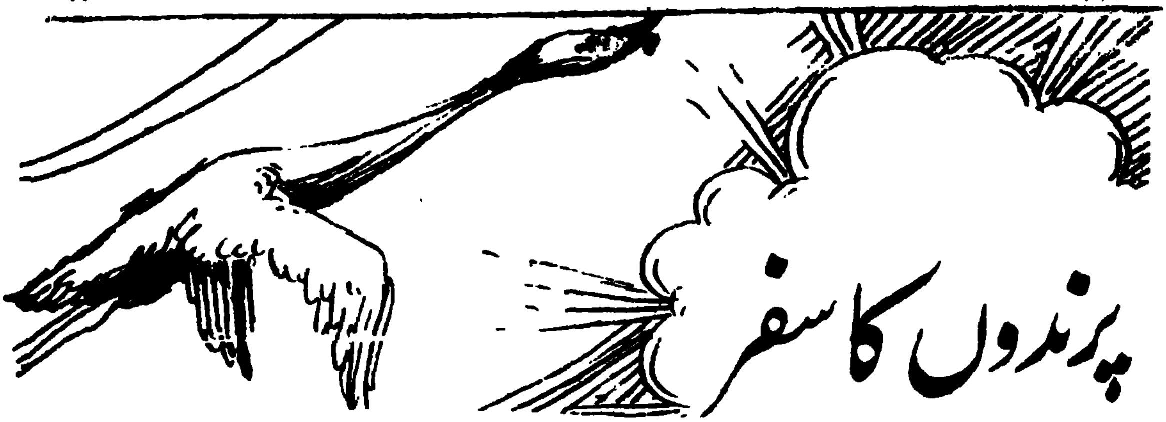
رکابی تھی وہ ارشد کی

جو اُس کے گھر میں رکھی تھی



(۷)

یہی تو گھر ہے لڑکے کا
جو لڑکا ہے گڈریے کا
اسی لڑکے کا تھا بکرا
کہ جس نے کُتّے کو ڈانٹا
وہی کُتّا وہی کُتّا
کہ جس نے بلّی کو گھیرا
وہی بلّی جو ہے خالا
کہ جس نے چوہے کو مارا
وہ چوہا جو یہاں آیا
ذرا دل میں نہ شرمایا
اُٹھا کر کھا گیا ٹکڑا
رکابی میں جو رکھا تھا
رکابی تھی وہ ارشد کی
جو اُس کے گھر میں رکھی تھی



# پرندوں کا سفر

ورزش اور چہل قدمی کے فائدوں سے بھلا کون انکار کر سکتا ہے۔ مگر کبھی کبھی یہ عادتیں بڑھتے بڑھتے مرض کی شکل اختیار کر لیتی ہیں۔ ہمارے دوست ہاشمی صاحب بھی کچھ اسی طرح کے مریض ہیں۔ دفتر کے کام کے علاوہ ان کے بس دو ہی مشغلے ہیں۔ پرندوں پر لکھی ہوئی کتابیں پڑھنا اور ٹہلنے کے لئے دور دور نکل جانا۔ اکثر مجھ پر بھی کرم فرماتے ہیں۔ ان کے ساتھ ٹہلنے میں ایک بات ضرور ہے، چاہے کتنے دور چلے جائیے، تھکن نہیں معلوم ہوتی۔ باتیں ایسی دلچسپ اور مزے دار کرتے ہیں کہ آدمی کا دھیان بٹا رہتا ہے۔

ایک دن ہم ٹھنڈی سڑک پر ٹہلنے گئے۔ باتیں کرتے کرتے دور نکل گئے۔ ہاشمی صاحب نے کہا "چلو سامنے کی پہاڑی پر بیٹھ کر ذرا دم لے لیں پھر واپس چلیں"۔ جب ذرا دھندلکا سا ہوا تو ہم واپس چلنے کے لئے تیار ہوئے اتفاق سے اس وقت میری نظر اوپر اٹھ گئی۔ پرندوں کے غول کے غول ایک طرف کو اُڑے چلے جا رہے تھے۔ میں نے کہا "دیکھئے اس وقت شفق پھول رہی ہے سامنے دھندلی دھندلی دلی کی جامع مسجد نظر آ رہی ہے ایسے میں ان چڑیوں کا اُڑنا کیسا اچھا لگ رہا ہے"۔

ہم دونوں بڑی دیر تک نظر جمائے انھیں دیکھتے رہے۔ آہستہ آہستہ وہ نظروں سے غائب ہونے لگیں اور آخر میں بس ایک دھندلا سا نشان باقی رہ گیا۔ میں نے کہا "ہاشمی صاحب چلئے اب واپس چلیں، دیکھئے پرندے بھی بسیرا لینے کے لئے اپنے اپنے ٹھکانوں پر جا رہے ہیں"۔ ہاشمی صاحب اس وقت کچھ کھوئے ہوئے تھے میری بات سن کر چونکے اور چلنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے پہاڑی سے نیچے آ کر کہنے لگے "یہ پرند اس وقت بسیرا لینے نہیں جا رہے ہیں بلکہ سفر میں ہیں۔ آپ کو معلوم نہیں برسات ختم ہو گئی ہے۔ جاڑے کا موسم شروع ہونے والا ہے اس وقت بہت سے پرند ایک جگہ سے دوسری جگہ چلے جاتے ہیں۔ یہ آمد و رفت موسموں کے لحاظ سے برابر جاری رہتی ہے"۔ میں نے کہا "اتنا تو میں نے بھی سنا ہے کہ بعض موسموں میں چڑیاں ایک جگہ سے دوسری جگہ چلی جاتی ہیں۔ مگر بس اتنا ہی جانتا ہوں، اس سے زیادہ نہیں"

کہنے لگے "جی ہاں دن بھر بیٹھے گپ ہانکتے وقت تو بے شک اچھا گذر جاتا ہے مگر اس میں تھوڑا سا نقصان ہے اور وہ یہ کہ آدمی ذرا جاہل رہ جاتا ہے۔ ارے بھئی موسم بدلتے وقت پرندتو پرند اکثر چوپائے اور مچھلیاں تک ایک جگہ سے دوسری جگہ چلی جاتی ہیں۔ مثلاً سیل مچھلی سردیوں کے موسم میں پری بی لوف (PRIBILOF) جزیروں سے بیرنگ سی (BERING SEA) میں جنوبی کیلی فورنیا تک چلی جاتی ہے۔ قطبی ہرن یا رینڈیر اسی موسم میں چارے اور گل مہندی اور صنوبر کے سایے کی تلاش میں جنوب کی طرف برٹش امریکہ کے اندرونی حصے تک پہنچ جاتے ہیں۔ شاڈ (SHAD) اور سالومن (SALMON) مچھلیاں محض انڈے دینے کے لئے سمندری دریاؤں تک سینکڑوں میل کا سفر کرتی ہیں۔ اسی طرح ٹڈے اور بعض قسم کی تتلیاں دور دور کا چکر لگاتی ہیں۔ لیکن ان میں سے کوئی بھی یہاں تک کہ انسان بھی سیاحت اور سفر میں ان کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔" میں نے کہا۔ "ہاشمی صاحب آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ انسانوں نے دُنیا کے چکر لگائے ہیں ساری دُنیا کے بھلا اُن کا اور پرندوں کا کیا مقابلہ" ہاشمی صاحب بولے "جی ہاں یہ صحیح ہے لیکن ذرا اس پر بھی تو غور کیجئے کہ انسان یہ سفر دوسروں کی مدد کے بغیر نہیں کر سکتا۔ وہ زمین یا میدان پر جہاں چاہے جا سکتا ہے۔ مگر جتنا فاصلہ وہ دِنوں میں طے کرے گا چڑیاں اتنی دور ایک گھنٹے میں پہنچ جائیں گی۔ پھر سمندر کے سفر کے لئے انسان کو کشتی یا جہاز کی ضرورت ہوگی۔ سمت معلوم کرنے کے لئے قطب نما اور نقشے ساتھ لینا ہوں گے۔ مسافروں اور جہاز رانوں کے لئے کھانے پینے کا ذخیرہ رکھنا ہوگا۔"

لیکن سفر کرنے والے پرندے اس قسم کی مدد سے بے نیاز ہیں۔ اُن کے پاس ریل ہے نہ موٹر، نہ جہاز، وہ اپنے ساتھ نہ نقشے رکھتے ہیں نہ قطب نما۔ باوجود اس کے وہ دنیا کے بعض ایسے حصوں میں آسانی سے پہنچ جاتے ہیں جہاں انسان کو پہنچتے پہنچتے برسیں لگ جائیں۔ بلکہ وہ تو ایسی جگھوں پر بھی پہنچ جاتے ہیں جو انسان کے لئے ابھی تک نامعلوم ہیں۔

آپ نے قطبِ شمالی کی مہموں کا حال تو پڑھا ہوگا۔ کن مشکلوں سے انسان برف کے بہتے ہوئے تودوں کے درمیان راستہ بناتا ہے۔ کبھی کبھی تو آگے بڑھنا قریب قریب ناممکن ہو جاتا ہے۔ پھر برف کے پہاڑوں سے ٹکرانے کا ہر وقت خطرہ رہتا ہے اور جس وقت یہ انسان اپنی جان جوکھم میں ڈال کر آگے کی طرف راستہ نکالنے میں لگا ہوتا ہے، مرغابیاں آسمان میں اس کے سر پر بڑے اطمینان سے بغیر پر ہلائے سفر کرتی یا ہوا میں تیرتی ہوئی چلی جاتی ہیں۔

پینگن (ایک بحری پرندہ) قطبِ جنوبی کے سمندر میں بڑے مزے سے تیرتا ہے اور جہاں اُسے برف کی وجہ سے سطح پر راستہ نہیں ملتا وہ پانی کے اندر غوطہ لگاتا

پانی کی سطح کے مقابلے میں پانی کے اندر وہ زیادہ تیزی اور زیادہ آرام کے ساتھ سفر طے کرتا ہے، بالکل جیسے پرول والی آب دوز کشتی۔

پہاڑوں کی بہت سی چوٹیاں اتنی اونچی اور اس قدر ڈھلواں ہیں کہ اب تک انسان کے قدم وہاں تک نہیں پہنچ سکے ہیں لیکن پرندے ان پر بیٹھ کر گویا اپنے سفر کی تھکن دور کرتے ہیں بلکہ وہ ان سے بھی اوپر۔ کہیں بلندی پر اُڑتے ہیں۔ کہیے اب تو آپ کو یقین ہو گیا کہ چڑیاں دنیا میں سب سے زیادہ ہوا باز بلکہ سب سے زیادہ سفر کرنے والی ہیں انسان بھی اُن کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔"

میں نے عرض کیا "لیکن قبلہ ایک بات تو بتائیے انسان کا معاملہ تو یہ ہے کہ یا تو وہ خود سفر کرتا ہے۔ اِس سے اسے نئے نئے تجربے نئی نئی معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ نئے نئے منظر دیکھنے میں آتے ہیں نئے نئے لوگوں سے ملاقات ہوتی ہے یا پھر وہ سیاحوں کے سفر نامے پڑھتا ہے۔ مگر چڑیاں اپنے سفر کے متعلق ڈائری لکھ سکتی ہیں نہ کتابیں۔ یہ بھی ممکن نہیں کہ انسان ان کے سفر کا حال معلوم کرنے کے لئے ہوائی جہاز ہی پر بیٹھ کر سہی، ان کے پیچھے پیچھے پھرے پھر آخر یہ سب باتیں کیسے معلوم ہوتی ہیں؟" ہاشمی صاحب ہنس کر کہنے لگے "واہ بھائی اب تو آپ عقل کی باتیں کرنے لگے۔ بھائی صاحب خدا کے بہت سے بندوں نے پرندوں کے مختلف حالات معلوم کرنے کے لئے اپنی زندگی وقف کر دی ہے۔ ان میں سے کچھ تو پرندوں کی غذا کی تحقیق کرتے رہتے ہیں۔ کچھ ان کی گھونسلا بنانے کی عادت کی اور کچھ ان کے سیر و سفر کی۔ یورپ میں بہت سے لوگ برسوں سے اس طرح کی چھان بین کر رہے ہیں۔ اُنھوں نے محض اِسی لئے جنوب کا سفر کیا ہے جو بہت سے پرندوں کا یوں سمجھیے کہ گرمی کا وطن ہے۔ وہ شمال کی طرف گئے ہیں جو ان کا موسم سرما کا وطن ہے۔ اُنھوں نے ان پرندوں کو اِدھر اُدھر سفر کرتے دیکھا ہے اور دم لینے کے لئے جہازوں پر بیٹھتے دیکھا ہے۔ اُنھوں نے سمندر کے چھوٹے چھوٹے جزیروں پر اُنھیں غذا کی تلاش میں رکتے ہوئے دیکھا ہے۔ پھر اُنھیں رات میں سفر کرتے دیکھا ہے اور جناب والا یہ تجربے ان تحقیق کرنے والوں نے کتابوں میں لکھے ہیں اور یہ کتابیں مجھے دیکھنے کا موقع ملا ہے۔۔۔۔۔۔"

ہم دونوں اس گفتگو میں محو بڑی تیزی سے قدم بڑھا رہے تھے۔ اتنے میں ہاشمی صاحب کا گھر آ گیا۔ مجھے بھوک لگ رہی تھی اس لئے آگے بڑھ گیا۔ ہاشمی صاحب کو اور کچھ کہنے کا موقع نہیں دیا۔ میں ذرا دور نکل گیا تو ہاشمی صاحب چلّا کر بولے "کل اسی موضوع پر ہماری آپ کی پھر گفتگو ہوگی اور میں آپ کو پرندوں کے سفر کے بارے میں بہت سی دلچسپ باتیں بتاؤں گا۔ مثلاً پرندے کس طرح سفر کی تیاری کرتے ہیں کہاں جاتے ہیں اور کب جاتے ہیں۔ کس طرح اپنا راستہ تلاش کرتے ہیں اور اپنی منزل پر پہنچ کر وہاں کس طرح رہتے سہتے ہیں" میں نے وہیں سے جواب دیا "ضرور۔ مجھے بھی اب دلچسپی پیدا ہو گئی ہے" اس پوری گفتگو کو آپ سالگرہ نمبر میں دیکھیں گے میری طرح پیامیوں کو بھی اس سے دلچسپی پیدا ہو گئی تو ہماری آپ کی تمام بات چیت پیامِ تعلیم میں چھاپ دی جائے گی۔ اچھا آداب عرض۔




## منظر

دریا کا کنارہ ہے۔ ایک طرف ایک مربع میں خیمے لگے ہوئے ہیں۔ کیمپ کے بیچوں بیچ صحن میں ببول کا ایک پیڑ ہے۔ اس سے ذرا ہٹ کر آگ روشن ہے۔ آگ کے گرد کچھ اسکاؤٹ اپنے ایک استاد کے ساتھ تفریح کی باتوں سے دن بھر کی تکان اُتار رہے ہیں۔ آسمان تاروں سے جگ مگ جگ مگ کر رہا ہے۔

---

**غوث**:۔ (تاروں کی طرف گھورتے ہوئے سے عالم میں دیکھتے ہوئے) ماٹ صاحب! اگر مجھے کوئی جادو کا گھوڑا مل جائے تو ایک ایک کر کے ان سارے ستاروں کی سیر کر ڈالوں۔

**سکندر**:۔ (ناک سے آواز نکالتے ہوئے) لو بھئی لو، انھیں تو بڑی دور کی سوجھی۔ اتنی جلدی دُنیا سے گھبرا گئے۔ (سب قہقہہ لگاتے ہیں)۔ ارے تم سب ہنستے کس بات پر ہو۔ ٹھیک تو کہہ رہا ہوں۔

**غوث**:۔ دیکھو، سکندر! ہر وقت کا مذاق ٹھیک نہیں تم نہیں جانتے میری عادت بہت بُری ہے

**سکندر**:۔ یہ تو خوب جانتا ہوں کہ تمھاری عادت کتنی بُری ہے۔ تمھاری عادت کو ہم ہی نے بگاڑا ہے۔ رہیں زمین پر خواب دیکھیں تاروں کے۔ ماٹ صاحب ..... آپ انھیں سیر کرنے والا جادو کا کھٹولا ابھی منگوا دیجیے۔

**اُستاد**:۔ بھائی مشکل تو یہی ہے کہ آخر غوث میاں کو کون سی سواری دی جائے کہ وہاں تک پہنچ جائیں۔

**مشکور**:۔ (جلدی جلدی آنکھیں مچکاتے ہوئے) صاحب ان کے لئے ایروپلنگ کا انتظام کر..........

(سب کے سب ہنس پڑتے ہیں۔)

آواز۔ بھائی یہ "ایروپلنگ" خوب ہے ضرور حاصل کرو۔ (مشکور جھینپ ...)

ایروپلین (ہوائی جہاز) ...

**اخلاق** :- (استاد کی طرف ہاتھ اٹھاتے ہوئے۔)
ماٹ صاحب تو آپ کی بات تو رہی جا رہی ہے!
(سب خاموش ہو جاتے ہیں)۔ ہاں ماٹ صاحب۔

**اُستاد** :- بھئی مشکور۔ تمہارے ہوائی جہاز سے کام نہیں چلے گا۔

**پیچھے سے ایک آواز** :- ایروپلین کی اُردو ہوائی جہاز۔ نوٹ فرمالیں لوگ (قہقہہ۔)

**اخلاق** :- (پھر ہاتھ اٹھاتے ہوئے) ارے برادر! ذرا چپ بھی رہو گے نہیں ۔۔۔ احمد شاہ! بھائی تمہیں بہت مخول سوجھ رہا ہے۔

**استاد** :- ہوائی جہاز کی رفتار قریب قریب ۵۰۰ میل فی گھنٹہ ہے۔

**جمیل** : اُف او۔ ماٹ صاحب، تو پھر کیا مشکل ہے تاروں تک پہنچنا۔

**استاد** :- بات یہ ہے جمیل میاں کہ ستارے ہم سے اس قدر دور ہیں کہ اگر تم پیدا ہوتے ہی تیز سے تیز رفتار جہاز میں سوار ہو کر ستاروں کی طرف اُڑنے لگے۔ تو تمہارا بچپن، لڑکپن، جوانی، بڑھاپا اور موت کی ساری منزلیں راستے ہی میں ختم ہو جائیں اور پھر بھی تم سب سے قریب کے ستارے تک بھی نہیں پہنچ سکتے۔

**احمد** : غوث، نوٹ فرمایا؟

**غوث** :- ارے بھئی جہاز نہ سہی تو اور کوئی سہی ماٹ صاحب ابھی بتائیں گے۔

**اُستاد** :- کائنات میں سب سے زیادہ تیزی سے سفر کرنے والی چیز روشنی ہے۔

**صمد** :- ارے! ماسٹر صاب کیا رفتار ہوگی اس کی؟

**استاد** :- اس کی رفتار ہے ایک لاکھ چھیاسی ہزار فی میل فی سکنڈ۔

**مشکور** :- اوں ہوں۔ ایک لاکھ۔ چھیاسی ہزار میل فی سکنڈ۔

**ایک نامعلوم آواز** :- پھر بولے!

**جمیل** :- تو روشنی کے ذریعے اگر کوئی انتظام کیا جائے تو تو ہم تاروں کی دنیا تک چند منٹوں میں پہنچ جائیں گے۔

**غوث** :- اور کیا۔

**استاد** :- ویسے ہی کہہ دیا اور کیا۔ ستارے ہم سے کس قدر دور ہیں۔ اس کا اندازہ اس سے لگاؤ کہ ہم سے سب سے قریب کا جو ستارہ ہے اس کی روشنی کو ہم تک پہنچنے میں ۴ سال ۴ مہینے لگتے ہیں۔

**صمد** :- اس ستارے کا نام کیا ہے، ماس صاب؟

**استاد** :- بھئی اس کا نام ہے (ALPHA CENTAURI)

**احمد** :- اس کا اُردو میں کیا نام ہے۔ صاب؟

**استاد** :- بھئی ہمیں تو یہی انگریزی کا نام معلوم ہے

ہاں عربی میں اسے رجل القنطورس کہتے ہیں۔

**مشکور:۔** (آسمان پر نظر ڈالتے ہوئے) یہ کون سا ستارہ ہے۔ ماٹ صاحب؟

**اُستاد:۔** یہ ستارہ زمین کے شمالی نصف میں نظر نہیں آتا۔ اس سے بعد کا جو قریبی ستارہ ہے اس کی روشنی کو ہم تک آنے میں دس سال لگتے ہیں اس کا نام سری اس SRIUS یا DOG STAR ہے۔ عربی میں اسے شعرائے یانی کہتے ہیں۔

**اخلاق:۔** اور سورج کی روشنی ماٹ صاحب؟

**اُستاد:۔** سورج کی روشنی تو ہم تک صرف ۸ منٹ میں آجاتی ہے۔

**اعجاز:۔** DOG STAR سے دور تو اور بہت سے ستارے ہوں گے۔

**اُستاد:۔** ہاں ستارے تعداد میں تو اتنے ہیں کہ ابھی تک اُن کا شمار نہیں ہو سکا ہے۔ ۷۰۰۰ ستارے تو بغیر دوربین کی مدد کے دیکھے جا سکتے ہیں۔ کوشش کی جا رہی ہے کہ دوربین کے ذریعے زیادہ سے زیادہ ستارے گن لئے جائیں۔

**غوث:۔** دوربین سے گننا کون سی مشکل ہے سب دکھائی دیتے ہوں گے اس میں تو۔

**اُستاد:۔** دوربین کی جیسے جیسے طاقت بڑھتی جا رہی ہے، اتنے ہی زیادہ ستاروں کے متعلق معلومات بھی بڑھتی جا رہی ہیں۔

**صمد:۔** تو ماٹ صاحب اب تک کتنی طاقت کی دوربین بن چکی ہے۔

**اُستاد:۔** امریکہ میں رصدگاہ وسن کی دوربین دنیا کی سب سے بڑی دوربین ہے۔ اس کے شیشے کا قطر ۱۰۰ انچ کا ہے۔ اس دوربین سے ایک ارب پچاس لاکھ ستاروں کی تصویریں لی جا چکی ہیں۔ کوشش کی جا رہی ہے کہ اب ایک ایسی دوربین بنائی جائے جس کے شیشے کا قطر ۲۰۰ انچ ہو۔

**مشکور:۔** یہ ستارے بھی چاند کی طرح کیا سورج کی روشنی سے چمکتے ہیں؟

**اُستاد:۔** نہیں، بلکہ ہر ستارہ اپنی جگہ ایک [illegible] ہے۔ سری اس (شعرائے یانی) کی روشنی [illegible] سورج سے ۳۰ گنا زیادہ ہے۔

**غوث:۔** اوہ! معلوم یہ ہوا [illegible] زمین، ہمارا چاند اور ہمارا [illegible] کوئی اہمیت ہی نہیں رکھتے۔

**اُستاد:۔** اس میں کیا شک [illegible] میں ریت کے ذرے کی طرح [illegible] کہاں ختم ہوتی ہیں، یہ ابھی تک معلوم [illegible] ریڈیو پر آواز انگلستان سے آ[illegible] ۱/۴ سکنڈ میں پہنچ جاتی ہے [illegible]

بھیجا ہوا ریڈیو کا پیغام ہم تک ہزاروں برس میں بھی تو نہیں پہنچے گا۔

**جمیل:۔** ماسٹر صاحب وہ ستارہ ان میں سے کون سا ہے جس سے سمتیں معلوم کرتے ہیں۔

**احمد:۔** لو دیکھو، بھائی کو ابھی تک قطب تارہ بھی معلوم نہیں۔

**حسن:۔** (طنز کے ساتھ) اچھا تو تم ہی بتادو نا شاہ صاحب!

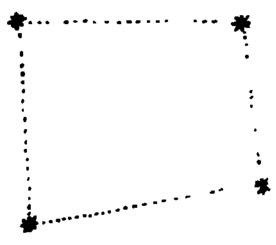
احمد شاہ نے جھینپتے ہوئے انداز میں آسمان پر نظر دوڑائی۔ ان کے ساتھی مذاق میں اِدھر اُدھر یوں ہی انگلی اُٹھا دیتے اور چلاتے "وہ رہا قطب تارہ!" پھر کوئی دوسرا کہتا "نہیں وہ نہیں یارو۔ وہ ہے۔ وہ دیکھو وہ!"

**۔تاد:۔** بھئی سُنیے! وقت تھوڑا ہے رخصت کی سیٹی بج گئی تو یہ بات رہ جائے گی۔

۔ شاہ! بھائی تمھیں جو سوجھتی ہے ۔ ایسی ۔ ذ بتی ہے ۔کیا کچھ اب بھی چڑھی ہوئی ہے۔

ں آخری فقرے پر سب ہنس دیتے ۔یوں نہ ۔مد شاہ نے پچھلی کیمپ فائر ۔تفریح کے وقت ا میں چرس پینے والے جوگی کا پارٹ کیا تھا۔)

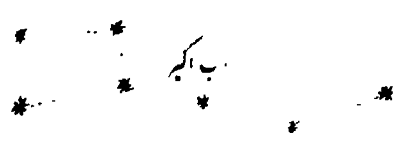
**استاد:۔** ذرا چپ بھی ہو جاؤ۔ دیکھو آسمان پر سر کے اوپر ایک سرے سے دوسرے سرے تک نظر ڈالو تمہیں چار ستارے اس شکل میں نظر آئیں گے دیکھو اس طرح (زمین پر انگلی سے نقشہ بناتے ہوئے)



**ایک آواز:۔** ارے یہ تو دکھ گیا ماسٹر صاحب، وہ رہا ایک کھٹولا سا!

**اخلاق:۔** (پھر ایک طرف ہاتھ اُٹھاتے ہوئے۔) اب کھٹولے اور پلنگ تو رہنے دو جو ماسٹر صاحب کہہ رہے ہیں اُسے سن لو۔

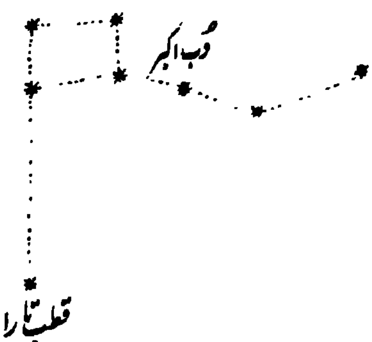
**استاد:۔** اچھا اس کھٹولے کے ایک پائے کی طرف تین تارے ۔و۔ ہیں۔ دیکھو



**کئی آوازیں ایک ساتھ:۔** ارے ماسٹر صاحب وہ تو یہ رہے۔ یہ ہیں۔ ہاں بھئی یہ ہیں۔

**استاد:۔** اب اس کے دوسرے پائے کی سیدھ میں نظر ڈالو۔ اے یہ دیکھو، یہ

یہ ہے قطب تارہ

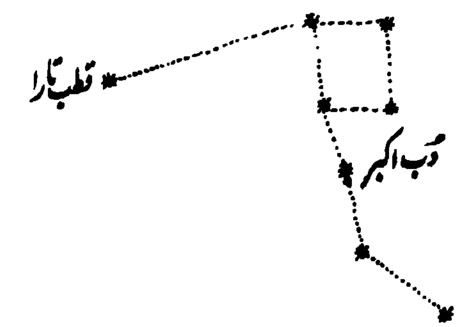



**ایک آواز**:۔ جمیل میاں دکھائی دیا۔

**جمیل**:۔ بھائی شاہ صاحب سے پوچھو۔

**صمد**:۔ اس کا ڈھونڈنا تو بڑا آسان ہے۔

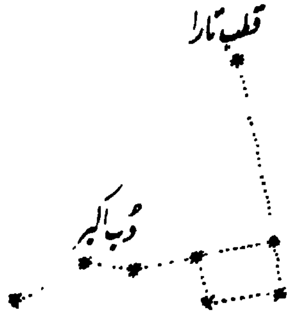
**استاد**:۔ ہاں یہ تارہ ہمیشہ قطب شمالی کی طرف ہوتا ہے۔ اور اسی سے شمال کی سمت معلوم کی جاتی ہے۔ اور کھٹولے کے چار ستارے اور تین ستارے زنجیر بناتے ہوئے اس کے چاروں طرف گردش کرتے ہیں۔ لیکن قطب تارہ کبھی اپنی جگہ سے نہیں ہٹتا۔ باقی سات تاروں کو "دُب اکبر" کہتے ہیں۔ اور قطب تارے کے ساتھ کبھی ان کی شکل یہ ہوتی ہے
(زمین پر انگلی سے شکل بناتے ہوئے۔)



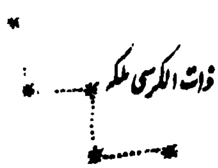

کبھی یہ




اور کبھی یہ




قطب تارے کو ڈھونڈنے کی ایک اور آسان ترکیب یہ ہے کہ دُب اکبر سے مخالف طرف قطب تارے سے اتنے ہی فاصلے پر جتنے فاصلے پر اُس سے دُب اکبر ہے ایک ستاروں کا بُرج اس شکل کا ہوتا ہے

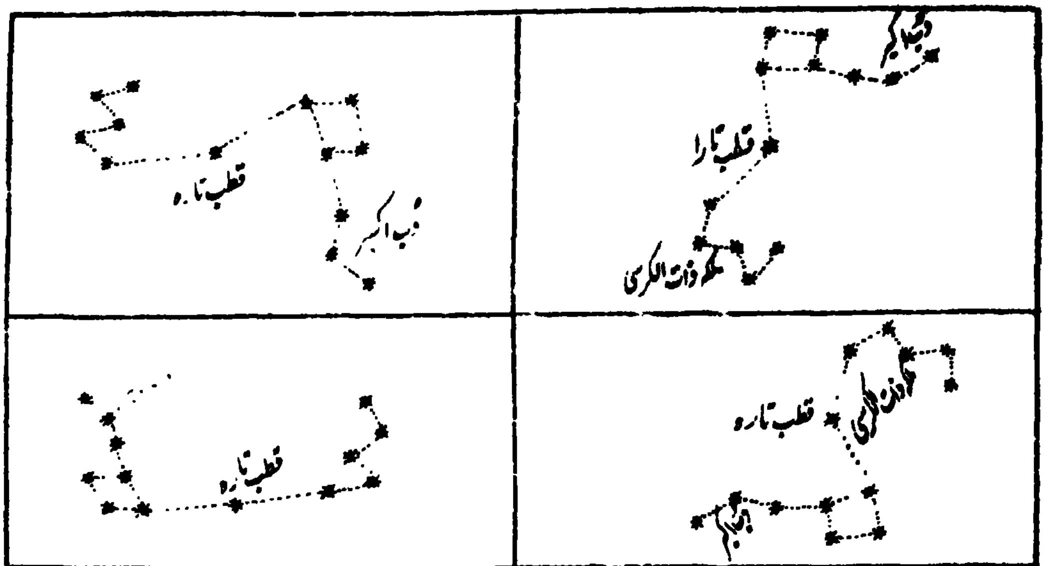



**ایک آواز**:۔ یہ تو ماسٹر صاحب (M یا W) کی شکل ہے۔

**اُستاد**:۔ ہاں بالکل یہی۔ اس کا نام ذات الکرسی ملکہ (CASSIOPEIA) ہے۔ اب دُب اکبر قطب تارہ اور ملکہ ذات الکرسی کا باہمی تعلق ان شکلوں سے

صاف ہو جائے گا۔

**استاد:۔** اچھا بھائی۔




**اعجاز:۔** یہ شکلیں تو بڑے کام کی ہیں۔ انھیں تو کاپی پر بنالیں گے۔

(ایک طرف سے سیٹی کی آواز آتی ہے۔)

**احمد:۔** ارے ابھی سے ۹ بج گئے۔ گھڑی تو دیکھو کوئی۔

**حسن:۔** ہاں بھئی ٹھیک نو بجے ہیں۔

**اخلاق:۔** ماسٹر صاحب، ذرا ایک دفعہ وہ تو ہو جائے...... وہ

**اعجاز:۔** کیا کہا......؟

سب ایک ساتھ بولتے ہیں۔ ہاں، ہاں ماسٹر صاحب، ضرور ہو گی .... سب مل کر گاتے ہیں کیا کہا ٹماٹر نے جب گیا......

# اچھے شہری

جناب لطیف فاروقی صاحب۔ ایڈیٹر سعادت

تارے چھپے نہ ہوں جب
اٹھ کر کریں دعائیں
بن جائیں اچھے شہری

دل میں نہ یہ کبھی ہو
اور لیں نہ بد دعائیں
بن جائیں اچھے شہری

اخلاق رکھیں اپنے
خوش خوش وہ پیش آئیں
بن جائیں اچھے شہری

ہم سے جسے بھی دکھ ہو
خلق اپنا یہ دکھائیں
بن جائیں اچھے شہری

باتیں کہیں نہ جھوٹی
جھوٹی نہ قسمیں کھائیں
بن جائیں اچھے شہری

اپنوں سے ہو محبت
یوں سب سے لو لگائیں
بن جائیں اچھے شہری

دل میں نہ ہو بڑائی
اکڑیں نہ سر جھکائیں
بن جائیں اچھے شہری

اٹھیں سویرے ہم سب
آؤ یہ گیت گائیں
بن جائیں اچھے شہری

تکلیف دیں کسی کو
آؤ یہ گیت گائیں
بن جائیں اچھے شہری

خوش ہوں پرائے اپنے
آؤ یہ گیت گائیں
بن جائیں اچھے شہری

کہہ دیں معاف کر دو
آؤ یہ گیت گائیں
بن جائیں اچھے شہری

باتیں سہیں نہ جھوٹی
آؤ یہ گیت گائیں
بن جائیں اچھے شہری

غیروں سے ہو محبت
آؤ یہ گیت گائیں
بن جائیں اچھے شہری

عاجز نہ دیں دکھائی
آؤ یہ گیت گائیں
بن جائیں اچھے شہری



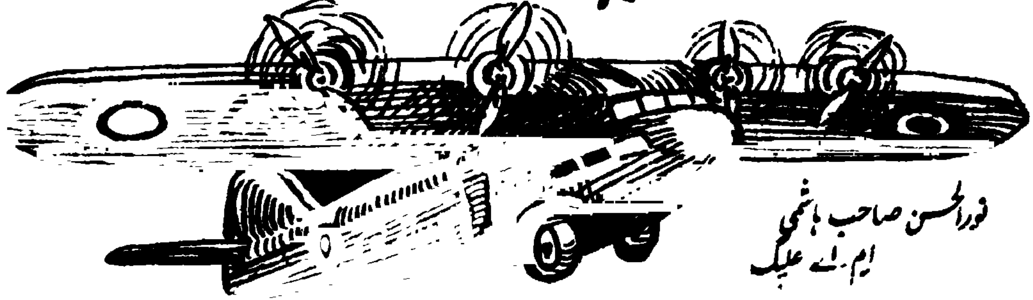
# چشمہ اور ایک گوالا

ایک چرواہا چشمے کے پاس اُداس بیٹھا اپنا دُکھڑا رورہا تھا۔ اپنی مصیبت اور ناقابلِ تلافی نقصان کی داستان سُنا رہا تھا۔ سبب یہ تھا کہ کچھ دن پہلے اس کا ایک پیارا بکری کا بچّہ دریا میں ڈوب کر مر گیا تھا۔ چرواہے کی داستان سن کر چشمہ غصّے سے سرسرانے لگا ۔ ں نے کہا: "ارے لالچی دریا ۔ کیا ہوتا اگر کہیں تیری تہہ ویسی صاف اور سب کی نظروں کے سامنے کھلی رکھی ہوتی جیسی کہ میری اور ہر شخص تیری گندلی تہہ میں ان تمام چیزوں کو دیکھ سکتا جنھیں تو اپنی ہوس میں نگل گیا ہے؟ میں تو سمجھتا ہوں تو شرم کے مارے زمین کے اندر گھس جاتا اور تاریک گہرائیوں میں اپنا مُنہ چھپا کر بیٹھ رہتا۔ مجھے پانی اسی افراط سے نصیب ہوا ہوتا جیسے کہ تجھ کو تو میں تو قدرت کا ایک زیور بن کر دنیا کو سجا دیتا۔ اور چھوٹی سی چھوٹی چیز کو کو نقصان نہ پہنچاتا۔ میرا پانی سنبھل سنبھل کر بہتا اور ہر جھونپڑی اور جھاڑ کو بچا کر نکل جاتا۔ وہ کنارے جنھیں چھوٹے چھوٹے دریا کاٹتے رہتے ہیں میرے گُن گاتے۔ میں وادیوں اور چراگاہوں کو سرسبز کرتا اور ان کی ایک سوکھی پتی کو بھی بہا نہ لے جاتا۔ مختصر یہ کہ میں بھلائی کرنے والوں کی راہ پر چلتا، کسی کو دُکھ پہنچاتا نہ نقصان، اور میرا پانی سمندر میں گرتا تو ایسا چمکیلا ہوتا جیسے چاندی"۔

چشمے نے زبان سے یہ سب کہا: اور اس کے دل میں بھی یہی بات تھی۔ پھر ہوا کیا؟ اس بات کو کچھ ہفتے بھی گذرے تھے جب ایک طوفانی بادل قریب کے کسی پہاڑ پر برس پڑا چشمے میں پانی کی ویسی ہی افراط ہو گئی جیسی کہ دریا میں۔ مگر ہائے اب چشمے کی وہ نیکی ساری غائب ہو گئی۔ اس کا گندلا پانی تھپیڑے مارتا ہوا کناروں سے بہہ نکلا، ابلا، گرجا اس کے گرداب میلا میلا پھین اچھلنے لگا۔ اُس نے سینکڑوں برس پرانے درختوں کو لٹا دیا۔ اس کا پتہ دھماکوں کی آواز دور سے دینے لگی ...... اور تو اور وہی چرواہا جس کی خاطر چشمے نے دریا کو ایسے دل نشین الفاظ میں لعنت ملامت کی تھی، خود اس میں ڈوب گیا، اس کا گلہ سارا بہہ گیا اور اس کی جھونپڑی کا نام و نشان تک مٹ گیا

ایسے بہت سے چشمے ہیں جو مسکین معلوم ہوتے ہیں۔ وہ آہستہ آہستہ بہتے ہیں اپنی قل قل سے دل کو خوش کرتے ہیں صرف اس لئے کہ ان میں پانی کم ہوتا ہے ٭

# ہوائی جہاز کی کہانی

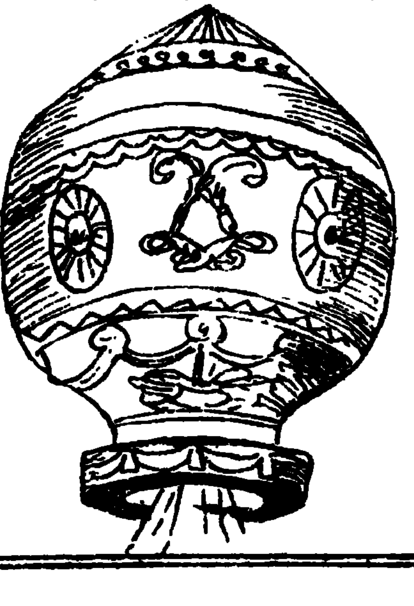


نورالحسن صاحب ہاشمی
ایم۔اے علیگ

ہوا میں اُڑنا کون نہیں پسند کرتا۔ پُرانے زمانے سے لوگ اب تک برابر سوچتے آئے ہیں کہ ہوا میں کیوں کر اُڑا جائے۔ کوئی سوپ باندھ کر اُڑنے کی کوشش کرتا کوئی بڑے بڑے پر بنا کر لٹکا لیتا ایک قصہ مشہور ہے کہ جزیرہ کریٹ میں ایک شخص دادائس نام کا تھا۔ اس نے ایک بھول بھلیاں بنائی تھی تاکہ مُجرموں اور ملک کے دشمنوں کو اس میں بند کیا جائے۔ اتفاق سے کریٹ کا بادشاہ خود دادائس سے ناراض ہوگیا۔ اس کو اور اس کے لڑکے ایکارس کو اس بھول بھلیاں میں بند کر دیا اور یہاں دادائس بھی اس سے نکلنے کا راستہ بھول گیا۔ دونوں نے کئی دن تک اس میں چکر کاٹے۔ آخر کار اُنھوں نے ایک ترکیب سوچی اور پروں کو موم سے جوڑ جوڑ کر چار بڑے بڑے پر تیار کئے۔ دو اپنے لئے دو اپنے لڑکے کے لئے اور ان پروں کو اپنے بازوؤں پر لگا کر اس بھول بھلیاں سے اُڑ کر بھاگے۔ کہتے ہیں کہ دادائس بغیر کسی حادثے کے جزیرے میں پہنچ گیا۔ لیکن اس کا لڑکا ایکارس بہت اونچا اُڑ گیا۔ اونچا اُڑنے سے سورج کی گرم گرم کرنیں اس کے پروں پر پڑیں۔ موم پگھل گیا اور وہ سمندر میں گر کر ڈوب گیا۔

---

اس طرح کی اور بھی کئی کہانیاں مشہور رہیں لیکن یہ سب کہانیاں ہی ہیں۔ دراصل سب سے پہلی سمجھداری کی کوشش ۱۷۸۳ء میں شروع ہوئی۔ فرانس میں وارسائی کے قریب ایک گاؤں انونے ہے وہاں کے کچھ لوگوں نے جون کے مہینے میں کتان کے کپڑے کا ایک بہت بڑا غبارہ بنایا اور ایک کھیت میں اس

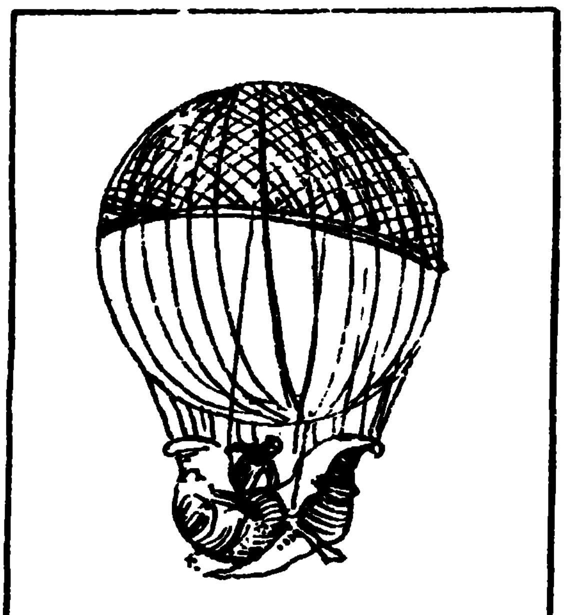


کو رکھ کر اس کے نیچے آگ جلا دی تاکہ اس میں خوب دھواں بھر جائے۔ تم نے آتش بازی والے غبارے دیکھے ہوں گے۔ جس طرح اس کے نیچے آگ جلا دیتے ہیں اور وہ اُڑتا چلا جاتا ہے اسی طرح اس غبارے میں بھی یہی کیا گیا۔ کیوں کہ دھواں ہوا سے ہلکا ہوتا ہے اور ہمیشہ اوپر کو اُڑتا ہے۔ اس لیے خیال تھا کہ یہ غبارے کو بھی اوپر اُٹھاوے گا۔ چنانچہ سچ مچ وہ غبارہ ربڑ کے پھکنے کی طرح پھول گیا۔ اور اوپر اٹھا لوگوں نے اس کی رسیاں کاٹ دیں جن سے وہ زمین سے بندھا ہوا تھا۔ غبارہ ہوا میں اونچا اٹھا اور ہوا کے رُخ پر کوئی دس منٹ تک برابر اُڑتا رہا اور قریب ڈیڑھ میل کے فاصلے پر جا کر گر گیا۔ ہوا میں سچ مچ اُڑنے کی یہ پہلی کوشش تھی اور اس کے بنانے والے جو دو فرانسیسی بھائی مانٹگلفیر نامی تھے واقعی بڑی تعریف کے مستحق ہیں۔

جب ان لوگوں کو چسکا لگ گیا تو انھوں نے ستمبر ۱۷۸۳ء میں پھر ایک بڑا غبارہ وارسائی سے اُڑایا۔ اور اس میں دو تین جانور بطخ، مرغی اور بھیڑ بھی رکھ دیئے۔ یہ تین جانور گویا پہلے جاندار تھے جو ہوا میں اُڑے۔ غبارہ آٹھ منٹ تک ہوا میں اُڑتا رہا۔ اور پھر دو میل پر جا کر گر گیا۔

جب اس میں کامیابی ہوئی تو پھر اسی سال نومبر میں ایک فرانسیسی شخص اوزیر نامی نے طے کیا کہ اب وہ خود غبارے میں بیٹھ کر جائے گا۔ چنانچہ جان پر کھیل کر یہ شخص غبارے میں بیٹھ گیا۔ غبارہ حسب معمول اُڑا اور کوئی ۲۵ منٹ اُڑتا رہا۔ اس کے بعد ۵ میل کے فاصلے پر جا کر گر گیا۔ ذرا سوچو اس پہلے شخص کو کتنا لطف آیا ہو گا جب وہ یہ محسوس کر رہا ہو گا کہ میں پہلا شخص ہوں جو اُڑ رہا ہوں۔

اب تک تو یہ ہوتا تھا کہ غبارے میں پھوس



لکڑی وغیرہ کی آگ جلا کر دھواں بھر دیتے تھے لیکن کچھ دنوں بعد مانٹگلفیر بھائیوں نے محسوس کیا کہ دراصل دھوئیں کی وجہ سے غبارہ نہیں اُڑتا بلکہ گرم ہوا کی وجہ سے اُڑتا ہے۔ کیوں کہ گرم ہوا ہلکی ہوتی ہے اور ہلکی ہونے کے سبب سے اوپر اُٹھتی ہے۔ جب یہ بات ان کو معلوم ہوئی تو انھوں نے ایسا انتظام کیا کہ آگ برابر

غبارے کے نیچے جلتی رہے (جیسا کہ تم آتش بازی کے غباروں میں دیکھتے ہوگے۔) اس ترکیب سے واقعی غبارہ اوپر دوڑ جانے لگا۔ لیکن اس میں یہ دقت پھر بھی باقی رہی کہ زیادہ کوئلہ، زیادہ جگہ نہ ہونے کی وجہ سے نہیں رکھا جا سکتا تھا۔

چنانچہ اب لوگوں نے سوچنا شروع کیا۔ کہ کوئی اور ایسی چیز بھی ہے جو معمولی ٹھنڈی ہوا سے ہلکی ہو؟ لوگوں نے خوب خوب سوچا اور بہت سے تجربے کئے۔ ہوا میں جتنی مختلف گیسیں ہوتی ہیں سب کو جانچا اور آخرکار پتہ لگا ہی لیا کہ ہائیڈروجن گیس ہوا سے چودہ گنا کم ہلکی ہوتی ہے۔ بس پھر کیا تھا یہ بھید معلوم ہوتے ہی گرم ہوا کی بجائے غباروں میں ہائیڈروجن گیس بھری جانے لگی اور خوب خوب غبارے اڑنے لگے۔ لیکن ابھی پھر بھی اس میں ایک کمی تھی وہ یہ کہ غبارہ اسی طرف اڑتا جدھر کی ہوا ہوتی تھی۔ یعنی غبارہ بالکل ہوا کی مرضی پر تھا۔ جدھر وہ چاہے اڑائے جائے۔

پھر لوگوں نے ترکیبیں کرنا شروع کیں۔ جس میں سے ایک بڑی دلچسپ ہے۔ ایک صاحب نے یہ ترکیب کی کہ کپڑے کے چپو بنائے اور جس طرح کشتی کو پانی میں کھینچتے ہیں اسی طرح غبارے کو ہوا میں کھینچنا چاہا تمام لوگ دیکھتے اور ہنستے تھے۔ لیکن خیر رفتہ رفتہ لوگوں نے اس کی ترکیبیں سوچ لیں اور اب غبارے سگار کی شکل کے بنائے جانے لگے۔ جن میں انجن اور پنکھے لگائے جاتے ہیں۔ تاکہ ہوا کے خلاف اڑ سکیں۔ چنانچہ سنہ ۱۹۰۱ء میں سنتاس ودمن نامی ایک شخص نے ایک بہت بڑے سگار کی شکل کے غبارے کو پیرس کے مشہور ایفل مینار کے چاروں طرف ۱۹ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے اڑایا۔ اس وقت سے یہ سمجھا جانے لگا کہ بس اب تمام مراحل طے ہوگئے اور اب ہوابازی خوب خوب ترقی کرے گی۔

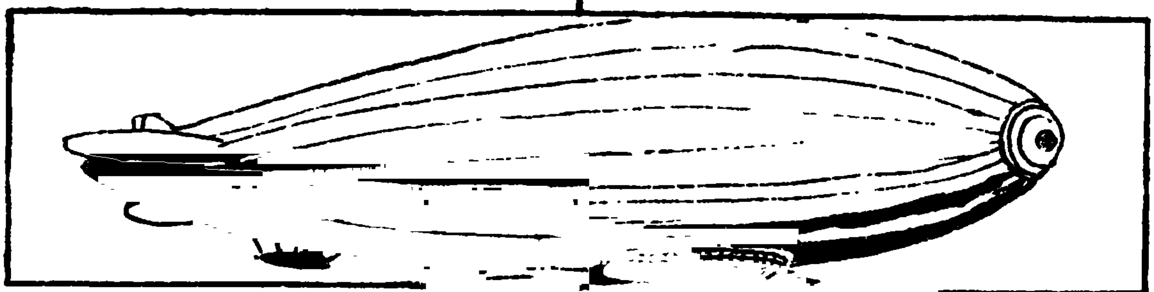
جرمنی نے جو یہ دیکھا کہ واقعی ہوابازی سے بہت فائدے ہوں گے تو اس نے بھی فرانس کی دیکھا دیکھی اس میں ترقی کرنا شروع کی۔ اس خیال سے اور بھی کہ جب کبھی لڑائی ہوگی تو اس میں اس سے کام لیا جائے گا جرمنی تو پرانا لڑاکا ہے ہی۔

جرمنی میں ایک شخص کاؤنٹ زیپلین (ZEPLEN) نے تو ہوائی جہاز بنانے کو اپنی زندگی کا مقصد ہی ٹھہرا لیا اور اس نے اس میں خوب نئی نئی باتیں نکالیں۔ یہاں تک کہ جرمنی فنِ ہوابازی میں بہت جلد فرانس سے بڑھ گیا۔

زیپلین نے اس میں بڑی ترقیاں کیں۔ اس نے دیکھا کہ گیس کے تھیلوں میں اوپر جا کر بے تکے کو بڑے نکل آتے ہیں اس لئے اس نے اپنے جہاز کا ڈھانچہ المونیم سے تیار کیا۔ اور اس کے اندر چھوٹے چھوٹے سے خانے بنا کر ہائیڈروجن گیس بھر دی اور

اندر ریشم کی استر کاری بھی کر دی۔ یہ گویا پہلا ہوائی جہاز تھا۔ اِس کی رفتار بھی زیادہ کر دی اور جدھر چاہتے اس کو بآسانی موڑا جا سکتا تھا۔ اس جہاز کا نام اسی کے نام پر زیپلن رکھا گیا۔

جب جنگ عظیم شروع ہوئی تو جرمنی کے پاس بہت سے زیپلن قسم کے ہوائی جہاز تھے اور جرمنی کو خیال تھا کہ وہ ان پر سے بم گرا کر فرانس اور انگلستان کو بڑا نقصان



پہنچائے گا اور تھوڑا بہت اس نے نقصان پہنچایا بھی مگر جیسا سب کو معلوم ہے کہ جرمنی کی اُمیدیں پوری نہ ہو سکیں لیکن ابھی اس میں ایک کمی پھر بھی باقی رہی۔ بات یہ ہے کہ ہائیڈروجن گیس ایسی گیس ہے جس میں آگ بڑی آسانی سے لگ جاتی ہے انجن کی گرمی سے اکثر و بیشتر جہاز میں آگ لگ جایا کرتی تھی۔ اس کے چلانے والے ہوابازوں کو ہر وقت خوف لگا رہتا کہ کہیں آگ نہ لگ جائے۔ چنانچہ اب پھر اس کی تلاش ہوئی کہ اس زیپلن میں کوئی اور چیز بھر دی جائے جس میں آگ لگنے کا اتنا اندیشہ نہ ہو۔ دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ ایک دوسری گیس ہیلیم نامی ہے جو ہلکی بھی ہے اور جس میں آگ بھی نہیں لگتی۔ چنانچہ ۱۹۱۶ء سے اس گیس کا استعمال ہونے لگا اس وقت سے زیپلن ہوائی جہاز آرام دہ اور محفوظ ہو گئے۔ ہیلیم گیس پہلے بہت کم مقدار میں ملتی تھی لیکن اس کو بنایا بھی جانے لگا جس سے اور بھی آسانی ہو گئی۔

۱۹۱۹ء میں جنگ عظیم کے بعد انگلستان میں ایک بڑا جہاز (R.101) آر ۱۰۱ نامی زیپلن کے طرز کا بنایا گیا اور اس کو انگلستان سے امریکہ تک اُڑایا گیا۔ یہ پہلا جہاز تھا جس نے بحرِ ظلمات (اٹلانٹک) کو پار کیا۔ اڈنبرا سے نیویارک کا سفر اس نے ۱۰۰ گھنٹوں میں طے کیا اور پھر واپسی میں اسی سفر کو ۷۵ گھنٹوں میں ختم کیا۔ گویا اسی زمانے کے تیز سے تیز پانی کے جہازوں کے مقابلے میں پورے دو دن کم لگائے۔

(باقی)

# ہماری کیمپنگ

حسن احمد قنوجی
متعلم جامعہ

جب سے ہم جامعہ نگر او کھلا آئے ہیں نئی نئی دلچسپیاں پیدا ہو گئی ہیں۔ یوں سمجھئے کہ ہماری زندگی بالکل بدل گئی ہے۔ کھلا میدان صاف ہوا۔ ڈرل امکاؤ کھیل کود۔ تیراکی غرض کیا کیا بتاؤں۔ بس ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم میں جان پیدا ہو گئی ہے۔ پچھلے دنوں استادوں کے مدرسے کے ساتھ ہم کیمپنگ کے لئے گئے تھے۔ بہت دلچسپی رہی۔ میں یہاں اس کا مختصر سا حال لکھتا ہوں شاید پیامیوں کو بھی کیمپنگ کی زندگی کا لطف آجائے۔

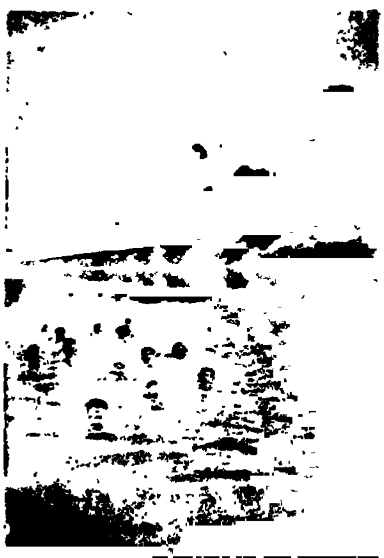
ہمیں کچھ دنوں پہلے معلوم ہو گیا تھا کہ کیمپنگ کے لئے فریدآباد جانا ہے۔ یہ او کھلے سے کوئی دس، بارہ میل ہوگا۔ جتنے چلنے والے لڑکے تھے سب خوش تھے۔ اور بے چین تھے کہ کب وہ دن آتا ہے۔ جانے سے ایک دن پہلے سب نے اپنا اپنا سامان درست کیا اور صبح تڑکے چلنے کی تیاری ہوئی۔ سب انصاری روڈ پر جمع ہوئے اور دایاں بایاں کرتے ہوئے پیدل روانہ ہو گئے سنگ ساتھ میں سفر بہت دلچسپی سے کٹ رہا تھا جمنا کی نہر ہمارے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔ چلتے چلتے کوئی آٹھ بج گئے تو ناشتے کی فکر ہوئی۔ ایک جگہ کنوئیں کے پاس درخت کے نیچے بیٹھ گئے۔ ایک صاحب نے کمال کیا چپکے سے ایک پراٹھا لے سیدھے درخت پر۔ بہتیرا دوڑ دھوپ ہوئی مگر وہ حضرت وہیں اطمینان سے ناشتہ کرنے کے بعد نیچے اترے۔ ہم لوگ کھا پی کر فارغ ہوئے، پھر چلیا کھڑے ہوئے۔

اب فریدآباد بس ایک میل رہ گیا تھا یہ ایک میل پچھلے دس میلوں سے زیادہ سخت تھا۔ مگر ہم نے ہمت نہیں ہاری اور منزل پر پہنچ کر دم لیا۔ یہ نہر کے پاس ہی ایک باغ تھا۔ بہت لمبا۔ اس میں آدھے میں آم اور آدھے میں امرود، لیموں، بڑہل اور شریفے وغیرہ کے درخت تھے۔ بندر بھی بہت تھے۔

ہماری پوری جماعت کے پانچ پٹرول، گروپ یا ٹولیاں کردی گئیں۔ دو پٹرول مدرسہ ثانوی کے لڑکوں کے دو استادوں کے مدرسے کے اور ایک استادوں کا۔ ہمارے یعنی ثانوی کے دونوں پٹرولوں میں چھ چھ لڑکے تھے۔ استادوں کے مدرسے والے پٹرولوں میں آٹھ آٹھ اور استادوں کے



ہمارا اسکاؤٹ کلاس



نہر میں تیرنا ہمارا روزانہ کا مشغلہ تھا



پکانے کی مشق

چند پیامی



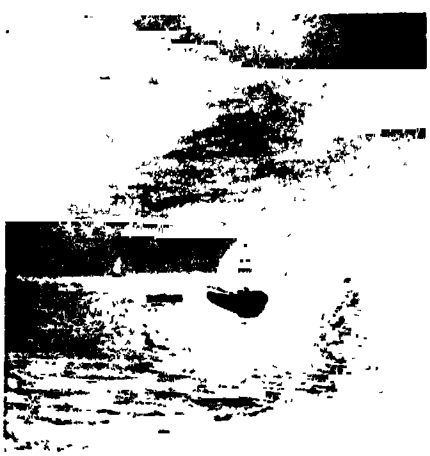
پیام برادری کے چند ممبر چاء پر



مرزا نور عالم قزلباش آگرہ



فضل الرحمان دہلی



کالی گھٹا

پٹرولوں میں پانچ۔ ان میں ایک اسکاؤٹ ماسٹر تھے۔ ایک صبح کی ٹولی کے انچارج۔ ایک کھیلوں کے نگراں، ایک بیت کے نگہبان۔ ایک ڈاکٹر۔

ہر پٹرول میں سے ایک پیٹرول لیڈر چنا گیا۔ اور پورے کیمپ میں سے ایک لڑکے کو بڑے آفیسر کا عہدہ دیا گیا۔ یہ عہدے روزانہ تبدیل ہوتے رہے۔ پٹرول لیڈر کا کام یہ تھا کہ اپنے کیمپ یعنی پیٹرول کا پورا ذمہ دار رہے اور اس کی صفائی اور انتظام کی پوری نگرانی کرے۔ بڑے آفیسر پر دن بھر کے تمام کاموں کی ذمہ داری تھی۔ تمام کیمپ کی خبر رکھنا اور کھانے کے وقت لوگوں کی مدد کرنا اس کے فرائض میں داخل تھا۔

شام کے وقت ہم اپنے اپنے بستر درختوں کے نیچے لگا چکے تھے کہ خیموں کی گاڑی آگئی۔ گو کچھ تھکن اور کچھ سستی سی پیدا ہوگئی تھی۔ مگر ہمارے نگہبان صاحب نے کہا۔ "یہاں تھکنے کا نام نہ لینا۔ اس جگہ ہم فوجی زندگی گذارنے آئے ہیں۔ کھڑے ہو جاؤ" پھر کیا تھا ذرا کے ذرا میں خیمے لگ گئے۔ رات میں بڑی اچھی ٹھنڈ آئی۔ ہمارے ایک ساتھی چوروں سے بہت ڈر رہے تھے۔ بار بار جگاتے تھے۔ مگر انھیں ڈانٹ ڈپٹ کر خاموش کردیا گیا۔

صبح اٹھے تو سیٹی سنائی دی۔ یہ ورزش کی تیاری کی اطلاع یا الارم تھا۔ ہم لوگ ضرورت سے فارغ ہونے کے لئے (جسے کیمپ کی اصطلاح میں سو قدم اور تین سو قدم کہتے ہیں) کیمپ سے باہر نکلے۔ سردی کا عالم نہ پوچھئے۔ ہوا اور پھر جنگل کی۔ واپس آ ہی رہے تھے کہ ایک سیٹی اور بجی جس کا مطلب تھا کہ ورزش میں صرف پانچ منٹ رہ گئے ہیں۔ جلدی سے لباس اسکاؤٹ یونی فارم پہنا اور میدان میں جا پہنچے۔ ایک صاحب ذرا پیچھے رہ گئے تھے وہ بھاگتے ہوئے آئے۔ انچارج صاحب نے انھیں یہ سزا دی کہ میدان کے چار چکر لگائیں۔ کچھ دیر تک الٹے سیدھے کی مشق رہی۔ اس کے بعد میدان صاف کیا۔ میدان کے ایک طرف اسکاؤٹ جھنڈے کے لئے آدھا دائرہ بنایا۔ جھنڈا گاڑا اور ایک ترانے کے بعد جھنڈے کی سلامی کی رسم ادا کی گئی اس کے بعد تین مرتبہ زوردار نعرہ لگایا گیا جو یہ تھا۔ "ٹپ، ٹپ ٹپ، ٹپ، ٹپ، ٹپ جامعہ اسکاؤٹنگ۔ جامعہ اسکاؤٹنگ۔ جامعہ اسکاؤٹنگ۔ ہندوستان زندہ باد ہندوستان زندہ باد۔ ہندوستان زندہ باد۔" اس کے بعد ہم نے ڈرل شروع کی اور پھر مختلف قسم کے دلچسپ کھیل کھیلے ۷ بجے سے ۸ بجے تک یہ پروگرام رہا۔

۸ بجے کھڑے کھڑے ناشتہ کیا۔ اپنے اپنے خیموں میں واپس آئے اور معائنے کی تیاری میں مشغول ہو گئے۔ خیمے کے چاروں طرف خوب صفائی کی۔ پانی کا چھڑکاؤ کیا۔ خیمے کے اندر تمام چیزیں سلیقے سے رکھیں۔ غرض جس طرح بن پڑا خیمے کے اندر اور اس کے چاروں طرف خوش نما بنانے میں پوری کوشش کی۔ سیٹی کی آواز آئی۔ معائنہ شروع ہوگیا۔ ہم وردی میں باہر آکر کھڑے ہوگئے۔ تین حضرات تشریف لائے

تمام چیزیں دیکھیں اور چلے گئے۔ اسی طرح انھوں نے تمام خیموں کا معائنہ کیا۔ پھر بلانے کی سیٹی ہوئی۔ سب کے سب جمع ہو گئے۔ آج کے معائنے کا نتیجہ سنایا گیا۔ ہم خوشی سے اچھل پڑے آج ہم نے سب سے زیادہ نمبر حاصل کئے تھے اور انعامی جھنڈے کے مستحق تھے۔ پٹرول لیڈر نے جھنڈا لاکر خیمے پر نصب کر دیا۔

پھر جماعت کی سیٹی ہوئی ہم فوراً پہنچے۔ اسکاوٹ ماسٹر صاحب نے بہت کچھ بتایا۔ اسکاوٹ کی تاریخ اور اس کے فرائض وغیرہ پر تقریر کی۔ مثلاً

۱۔ اسکاوٹ مصیبت کے وقت مسکراتا اور سیٹی بجاتا ہے۔

۲۔ اسکاوٹ جانوروں کا دوست ہوتا ہے۔

خدا خدا کر کے ۱۰ بجے ہم پھر خیموں میں آئے اور تیرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ اس زندگی میں یہ سب سے دلچسپ مشغلہ تھا۔ خوب تیرے۔ ۱۲ بجے واپس آئے اور کھانا کھایا۔ اس کے بعد آرام کے لئے لیٹ گئے۔ ۲½ بجے دوبارہ درجے کی سیٹی ہوئی اور ہم جلدی سے پہنچے۔ اس وقت مختلف قسم کی گانٹھیں بتائی گئیں اور پھر گانا شروع ہوا۔ تقریباً چار بجے ہم جلسے سے فارغ ہو گئے اور میدان پہنچے۔ وہاں والی بال، بیڈمنٹن، گیند بلا اور دوسرے کھیلوں میں مشغول ہو گئے۔ مغرب کے وقت واپس آئے اور کیمپ فائر کا پروگرام سوچنے لگے۔ اتنے میں کھانے کی سیٹی ہوئی اور ہم کھانا کھانے چلے گئے کھانے کے بعد ہی کیمپ فائر شروع ہوا۔

ہم کھلی فضا میں دائرہ بنا کر بیٹھ گئے۔ درمیان میں آگ روشن ہوئی۔ اور سب نے اپنے اپنے کرتب دکھائے۔ تمام پٹرول والوں کی طرف سے کوئی ڈراما گانا، مکالمہ یا نقل وغیرہ ہوئی۔ کوئی ۸½ بجے تک یہ دلچسپ مجلس رہی۔ اب نتیجہ سنایا گیا۔ ہمارے نمبر تمام پٹرول والوں سے زیادہ تھے اور یہ ہماری دوسری شاندار کامیابی تھی۔ اس کے معنی یہ تھے کہ کل ہم کیمپ فائر کی صدارت کریں گے۔

۸½ بجے یہ مشغلہ ختم ہوا۔ ڈے افسر نے نگہبان سے مل کر واچ ورڈ مقرر کیا اور تمام خیموں میں آکر پٹرول لیڈر کو بتلا دیا۔ آج کا واچ ورڈ آزادی تھا۔ اس کے بعد ہم سو گئے۔

یہ تھا ہماری کیمپ زندگی کا ایک دن آئندہ ہر روز تقریباً یہی پروگرام رہا۔ واچ ورڈ کے متعلق بھی سن لیجئے۔ کیمپ میں روزانہ ایک پٹرول پہرا دیتا تھا اور باقی کیمپ والے ۹½ بجے کے بعد سو رہتے تھے۔ مقرر وقت کے بعد اگر کسی شخص کو باہر جانے کی حاجت ہو تو اسے واچ ورڈ یاد ہونا ضروری ہے۔ اگر پہرے دار نے اس سے واچ ورڈ پوچھا اور اس نے نہ بتایا تو پہرے دار کو اختیار ہے کہ رات بھر اسے باہر ہی رہنے دے یا صرف نام اور پتہ لکھ کر چھوڑ دے۔ اور صبح کو اس شخص کو کیمپ کے قانون کے مطابق سزا

دی جائے۔ دوسری عجیب بات کیمپ میں یہ تھی کہ اگر چوری کرو اور پکڑے نہ جاؤ تو کوئی مضائقہ نہیں۔ خواہ بعد میں پتہ چل جائے اور جو پکڑے گئے تو سزا ملی! ایک واقعہ ہمارے ساتھ بھی پیش آیا۔ ایک رات ہماری پہرہ دینے کی باری تھی۔ اتفاق سے ہم میں سے ایک صاحب غافل ہوگئے۔ انچارج صاحب کہیں پیشاب کے لئے اُٹھے تھے۔ پہرے دار کو غافل دیکھ کر کیمپ میں سے دو کوٹ لے اُڑے۔ صبح کے وقت ہم کو یہ سزا سنائی گئی کہ ہم اپنی تفریح کے وقت میں ایک گھنٹہ تک دھوپ میں پریڈ کریں۔ لطف یہ کہ جن صاحب کی وجہ سے سب کو سزا ملی تھی وہ ڈھول بجا رہے تھے اور ہم اُن کی آواز پر پریڈ میں مشغول تھے۔

ہم نے کیمپ فائر میں بہت حصّہ لیا اور ہمیشہ نمایاں کامیابی حاصل کی۔ انعامی جھنڈا بھی پانچ مرتبہ ہمارے پاس رہا۔ اور رفتہ رفتہ چند ہی دن میں ہم اس زندگی کے پوری طرح عادی ہوگئے۔ لیکن افسوس نویں دن ہمیں اپنا کیمپ اُکھاڑ کر اوکھلے آنا پڑا اور اب پھر دہی زندگی ہماری ہے ؂

## اپنے خریداروں سے چند ضروری باتیں

شروع سال ۱۹۲۲ء سے رسالہ پیام تعلیم کی روانگی وغیرہ کے انتظام میں چند اہم تبدیلیاں کی جا رہی ہیں۔ براہِ کرم ان کو اچھی طرح سے نوٹ فرما لیجئے۔

۱۔ جنوری کا پیام تعلیم ۲۸ دسمبر سے روانہ کیا جائے گا۔ جو تمام خریداروں کے پاس ۱۰ جنوری ۱۹۲۲ء تک ضرور پہنچ جائے گا۔ جن صاحب کے پاس رسالہ نہ پہنچے وہ ۱۵ جنوری تک خط لکھ کر رسالہ دوبارہ دفتر سے منگا سکتے ہیں۔ ۱۵ جنوری کے بعد رسالہ روانہ نہ کیا جائے گا۔

۲۔ تمام خریداروں کے نمبر خریداری تبدیل ہوگئے ہیں۔ جدید نمبر خریداری سب کے رسائل پر لکھے ہوئے ہیں۔ خریدار ان نمبروں کو نوٹ فرما لیں۔

۳۔ خریدار خطوط اور منی آرڈر کوپن پر اپنا نمبر خریداری ضرور لکھیں۔ جو خطوط بغیر نمبر خریداری کے موصول ہوں گے اُن کی ہرگز تعمیل نہ کی جائے گی۔

۴۔ آئندہ ماہ تمام خریداروں کے پتے مع نمبر خریداری کے چھپ جائیں گے۔ جو صاحب پتوں میں تبدیلی کرانا چاہیں ان کے خطوط بھی ۱۵ جنوری ۱۹۲۲ء تک آجانے چاہئیں۔ خطوط میں نئے نمبر خریداری کا ضرور حوالہ دیا جائے ورنہ پتے تبدیل نہ ہو سکیں گے۔

"منیجر پیام تعلیم"



# دریائے ایمے زن کی کہانی

محمد عظیم اللہ صاحب
بی اے

آج کوئی چار سو (۱۵۳۲ء) برس پہلے کی بات ہے اسپین کا ایک باشندہ فرانسسکو پزارو سونے کے ملک کی تلاش میں جنوبی امریکہ کی طرف روانہ ہوا اور کوئیٹو شہر تک پہنچا۔ کوئیٹو جنوبی امریکہ میں خط استوا کے قریب ایک شہر ہے کوئیٹو سے اس نے اپنے ساتھیوں کو دو طرف روانہ کیا کچھ لوگ جنوبی امریکہ کے مغربی کنارے ہوتے ہوئے چلی پہنچے۔ ایک جماعت فرانسسکو پزارو کے بھائی گونزالو پزارو کے ہمراہ (۱۵۳۹ء) پورب کی طرف روانہ ہوئی۔ یہ لوگ جنگلوں اور جھاڑیوں میں اپنا راستہ بناتے اور بڑی مشکلوں کا سامنا کرتے ہوئے نپیو نام دریا کے کنارے پہنچے۔ یہاں ان کا ارادہ ہوا کہ دریا کے ذریعے سفر کیا جائے۔ کشتی بنانے کے لئے جنگل میں لکڑی تو کافی تھی لیکن اور کوئی سامان نہ تھا انھوں نے کیلیں مرے ہوئے گھوڑوں کے نعلوں کی بنائیں۔ درختوں کے گوند سے تارکول کا کام لیا اور کپڑے پھاڑ پھاڑ کر تختوں کے سوراخ بند کئے اور کچھ لوگ کشتی میں اور کچھ پیدل آگے بڑھے۔ بہت سے آدمی راستے کی تکلیف اور بھوک سے مر گئے۔ آخر انھیں معلوم ہوا کہ کچھ فاصلے پر ایک گاؤں ہے جہاں کھانے پینے کی چیزیں مل سکتی ہیں۔ اس لئے طے ہوا کہ کچھ لوگ کشتی میں بیٹھ کر جلد سے جلد کھانے کا سامان لے آئیں۔ فرانسسکو ڈی اوریلنا کو اس کشتی کا افسر بنایا گیا۔ اوریلنا کئی دن تک دریا میں سفر کرتا رہا لیکن گاؤں نظر نہ آیا۔ چلتے چلتے وہ ایسی جگہ پہنچا جہاں یہ دریا ایک اور دریا میں مل گیا تھا۔ یہ دریا بہت بڑا تھا اور بہت تیز بہتا تھا۔ لوگ کشتی کو بہاؤ کے خلاف نہیں چلا سکتے تھے۔ اوریلنا یہ سوچ کر کہ اب گونزالو کے پاس پہنچنا مشکل ہے۔ آگے کی طرف بڑھتا رہا ادھر گونزالو اوریلنا کا انتظار کرتے کرتے ناامید ہوگیا تو کوئیٹو واپس چلا گیا راستے میں اس نے بہت تکلیفیں اٹھائیں اور اس کے بہت سے ساتھی مر گئے۔

اب اوریلنا کا قصہ سنو۔ یہ برابر آگے ہی بڑھتا رہا راستے میں اسے بہت سے جنگل اور دلدلیں ملیں آخر وہ ایک ایسے مقام پر پہنچے۔ جہاں اسے پرانے باشندے نظر آئے۔ ان میں سے بعض کا حلیہ ایسا تھا کہ بظاہر وہ عورتیں معلوم ہوتی تھیں بعد کو معلوم ہوا کہ یہ مرد تھے۔ ...

سمجھا تھا اس لئے اس نے ان کا نام ایمے زن رکھ دیا۔
ایمے زن یونانی لفظ ہے اور اس کے معنی ہیں زنانہ سپاہی!
اوریلنا اپنے سفرنامے میں لکھتا ہے کہ "یہ زنانہ سپاہی
لمبے اور خوب صورت تھے۔ اُن کے ہاتھ میں تیر کمان تھے
اور یہ بہت بہادر اور لڑاکا سپاہی تھے۔"

اوریلنا راستے کی دقتوں کو سہتا جھیلتا آخر اس
دریا کے دہانے تک پہنچ گیا۔ یہاں اسے معلوم ہوا کہ وہ
بحر اٹلانٹک میں ہے۔ اس کا سفر جنوبی امریکہ کے مغربی ساحل
کی ٹھیک سیدھ میں مشرقی ساحل پر ختم ہوا۔ یہاں سے وہ
اسپین واپس آگیا۔ اپنے ملک میں پہنچ کر اس نے لوگوں
کو اپنے سفر کے واقعات سنائے اور ان لوگوں کا حال
بتایا جن کا نام اس نے ایمے زن رکھا تھا۔ بعد میں اس
دریا کا نام ایمے زن پڑ گیا۔

ایمے زن دنیا کے بہت بڑے دریاؤں میں سے ایک
ہے۔ اس کی لمبائی کوئی چار ہزار میل ہے یہ کوہ انڈیز سے
نکل کر خط استوا کے پاس سے بہتا ہوا بحر اٹلانٹک میں
گرتا ہے۔ اس علاقے میں بارش بہت ہوتی ہے۔ آب ہوا
گرم اور مرطوب اور تندرستی کے لئے مضر ہے۔

اوریلنا کے سفرنامے کو پڑھ کر اور دریائے ایمے زن کے کنارے
کا حال سن کر بہت سے لوگوں کو اس دریا کی سیر کا شوق ہوا ہنری
والٹر بیٹس اور الفریڈ رسل ولیس کے سفر کی کہانی بہت دلچسپ مگر لمبی ہے
اس سیاحت کا حال تم کسی اگلے نمبر میں پڑھنا۔



# ہاتھ سے کاغذ بنانا

از سید روح الحسن صاحب۔ استاد تعلیمی مرکز جامعہ

ہاتھ سے کاغذ بنانے کی کہانی بہت دلچسپ ہے۔ شاید تم نے کسی اخبار یا رسالے میں پڑھی بھی ہو۔ تمھارے پیام تعلیم (سال گرہ نمبر ۱۹۳۳ء) ہی میں کاغذ بنانے پر ایک مضمون چھپ چکا ہے۔

یہاں ہمیں صرف یہ بتانا ہے کہ ہاتھ سے کاغذ بنانا کس قدر آسان ہے۔ ہمارا خیال تھا کہ بنانے کی ترکیب پر ایک لمبا سا مضمون لکھ دیا جائے، لیکن خالی مضمون پڑھنے سے تمھیں اتنی دلچسپی نہ ہوتی اس لئے ہر بات تصویروں کے ذریعے واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

یہ تصویریں جامعہ تعلیمی مرکز نمبر ا کے درجہ ششم کے بچوں کی ہیں۔ یہ بچے اپنی تعلیم کے ساتھ ساتھ باغبانی، گتے اور رابری کا کام سیکھتے ہیں۔ اس سال انھیں ہاتھ سے کاغذ بنانے کا کام بھی سکھایا جا رہا ہے۔

یوں تو کاغذ ہر ریشے دار چیز سے بن سکتا ہے۔ لیکن جس قدر آسانی سے ردّی کاغذ سے بنتا ہے۔ اور کسی چیز سے نہیں بنتا۔ ہم نے بھی ردّی کاغذ سے کاغذ بنانا شروع کیا ہے کام شروع کرنے کے لیے بہت تھوڑے سامان کی ضرورت ہے۔ پہلی تصویر میں وہ چیزیں دکھائی گئی ہیں جنھیں ہم استعمال کر رہے ہیں

دوسری تصویر میں دو بچے ردّی کاغذ سے رنگین، مٹیلا اور اخبار کا کاغذ اور دوسری چیزیں الگ کر رہے ہیں۔ تاکہ کاغذ بنانے کے لئے اچھا کاغذ باقی رہ جائے۔ اس صاف کی ہوئی ردّی کو ایک دو دن تک پانی میں بھگوئے رکھتے ہیں۔ بھیگی ہوئی ردّی کو جلد گلانے کے لئے ردّی کے وزن کا کوئی دو فیصدی کا... ملا دیتے ہیں۔

ردّی خوب گل جاتی ہے تو اسے اس قدر کچلتے ہیں کہ لگدی سی بن جاتی ہے اور کاغذ کا ٹکڑا بھی نظر نہیں آتا۔ تیسری تصویر میں ...



۱



۲



۴



۳









کرتے رہے ہیں۔

اب اس لگدی میں ردّی کے وزن کا تین یا چار فی صدی صابن ملا کر خوب دھوتے ہیں۔ چوتھی تصویر میں یہی کام ہو رہا ہے۔ دھونے کے بعد لگدی کو حوض میں ڈال دیتے ہیں۔ پانی لگدی کی مناسبت سے ملانا چاہئے۔ زیادہ پانی ہوگا تو پتلا کاغذ بنے گا ورنہ موٹا۔ پانچویں تصویر میں اس حوض پر چار لڑکے بیٹھے ہیں۔ ایک لڑکا جالی کے [illegible] پر کوئی آدھے انچ چوڑی لکڑی کا ایک [illegible] رکھ کر کاغذ اٹھا رہا ہے۔ جالی [illegible] میں ڈال کر آہستگی سے [illegible] پانی نیچے گر جاتا ہے [illegible] لگدی [illegible] رہ جاتی ہے۔ اب دو لڑکے کا نوری [illegible] جالی چاروں کونے پکڑ کر اس [illegible] دیتے ہیں اور اس جالی کو الٹ کر ایک تختے پر [illegible] دیتے ہیں۔ اب جالی کو آہستہ سے اٹھا لیتے ہیں [illegible] اسی طرح ایک کے اوپر دوسرا کاغذ [illegible] جاتے ہیں۔ ایک دوسرے تختے سے انھیں دباتے [illegible] ہیں۔ تاکہ پانی نکل جائے۔

اب ان رومالوں کو جن پر کاغذ لگا ہوا ہے دیوار پر برش کے ذریعے چپکا دیتے ہیں۔ کاغذ دیوار کی طرف ہوتا ہے۔ اس کے لئے سیمنٹ کی دیواریں ہونی چاہئیں۔ چھٹی تصویر میں کاغذ دیوار پر لگانے کا طریقہ بتایا گیا ہے۔

کاغذ سوکھ جاتا ہے تو اسے کپڑے سے الگ کر لیتے ہیں۔ اور تمام تیار کاغذ کے وزن سے چار گنے پانی میں چار فیصدی پھٹکری اور ایک فی صدی سریش ملا کر خوب پکا لیتے ہیں اور کاغذ کو اس میں سے گذارتے ہیں۔ (دیکھو ساتویں تصویر)

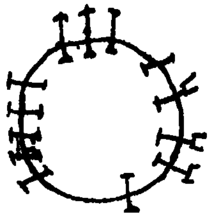
اس کے بعد کاغذ کو سکھانے کے لئے ماروں یا تاگوں پر پھیلا دیتے ہیں۔ جب یہ کاغذ سوکھ جاتے ہیں تو انھیں لکڑی کے چکنے تختے پر رکھ کر بڑی کوڑی چکنے پتھر یا شیشے کے پیپر ویٹ سے خوب رگڑتے ہیں۔ اس سے کاغذ چکنا اور ہموار ہو جاتا ہے آٹھویں تصویر میں دو بچے کاغذ رگڑ رہے ہیں۔

ہاں ایک بات اور سمجھ لو کاغذ کو جب دیوار سے اتارتے ہیں تو وہ جاذب بن جاتا ہے لکھنے کے کام کا یہ تبھی بنتا ہے جب اس پر بعد کے عمل کئے جاتے ہیں۔ دیکھو کتنا آسان نسخہ ہے۔ اور کس قدر دلچسپ ہمارے ہاں کے بچے تو اب بہت آسانی سے کاغذ بنا لیتے ہیں۔ تم بھی ذرا کوشش کر کے دیکھو۔ کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تو مجھ سے پوچھ لینا۔




الطاف علی صاحب نگراں ورزش جسمانی جامعہ نگر

## ۱۔ چھو جانے پر دوڑ جاؤ



**تعداد :۔** آٹھ سے چالیس تک۔

**جگہ :۔** صحن یا میدان

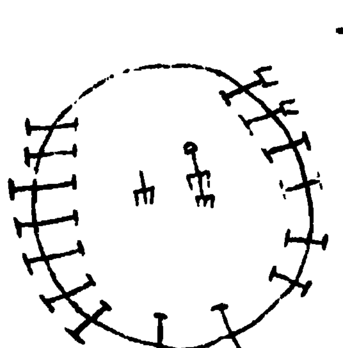
**طریقہ :۔** ایک دائرے میں کم از کم تین تین فٹ کے فاصلے پر کھڑے ہو جاؤ۔ ایک لڑکا دائرے کے گرد دوڑنا شروع کرے۔ دوڑتے دوڑتے پیچھے سے کسی ایک کھلاڑی کو چھو دے اور خود دائرے کے گرد بھاگنا جاری رکھے۔ اب یہ دوسرا کھلاڑی تیسرے کو چھوئے اور اپنی دوڑ جاری رکھے۔ تیسرا اس کے پیچھے دوڑے اور پہلے کی طرح چوتھے کو چھوڑ کر کھیل جاری رکھے۔ ہر دوڑنے والا جس کو چھوئے اس کی جگہ پر ایک دفعہ دائرے کے گرد دوڑ کر کھڑا ہو جائے اس طرح کھیل جاری رہے۔

**احتیاط :۔** (۱) چھوتے وقت ہاتھ زور سے نہیں مارنا چاہیے۔

(۲) دوڑنے والا جلد ہی دوسرے کو چھوئے۔ اس طرح ایک ہی وقت میں سات آٹھ کھلاڑی دائرے کے گرد دوڑتے ہوتے ہیں۔ اِس سے کھیل میں بہت دلچسپی رہتی ہے۔

---

## ۲۔ تم کہاں ہو؟



**تعداد :۔** آٹھ سے چالیس۔

**جگہ :۔** کمرہ، صحن یا کھیل کا میدان

**طریقہ :۔** کھلاڑی دائرے میں کھڑے ہو جائیں۔ دو کھلاڑیوں کی آنکھوں پر پٹّی باندھ دی جائے تاکہ وہ ایک دوسرے کو

دیکھ نہ سکیں - پھر دونوں دائرے کے اندر ایک دوسرے سے ہٹ کر کھڑے ہو جائیں۔ ایک کھلاڑی دوسرے سے پوچھے "تم کہاں ہو" دوسرا کھلاڑی جواب میں تالی بجائے۔ پہلا کھلاڑی تالی کی آواز پر چلے، اور اسے پکڑنے کی کوشش کرے۔ تالی بجانے والا تالی بجائے تو اپنی جگہ سے ہٹ جائے۔ اس طرح کھیل جاری رہے۔

**احتیاط:**- (۱) پٹی کس کر نہ باندھی جائے۔

(۲) پٹی اس طرح باندھی جائے کہ دونوں میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کو نہ دیکھ سکے۔

---

## ۳- اُٹھاؤ اور پیالے میں ڈالو

**تعداد:**- دس تا پچاس۔

**جگہ:**- آنگن یا کھیل کا میدان یا کلاس روم۔

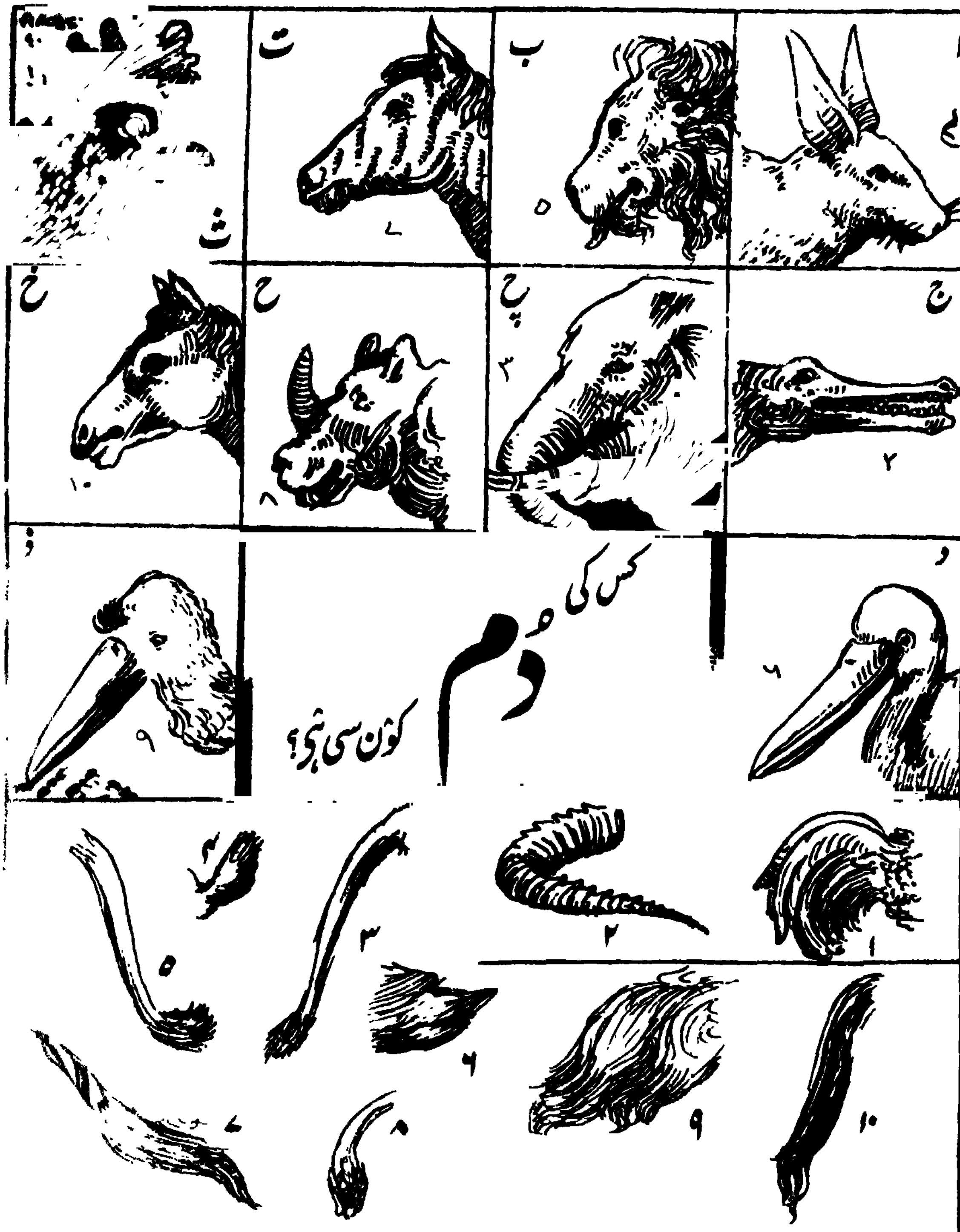
**طریقہ:**- کھلاڑی دو قطاروں میں ایک دوسرے کے مقابل دو دو گز کے فاصلے پر بیٹھ جائیں۔ ہر قطار میں برابر کے کھلاڑی ہوں۔ ہر قطار میں ایک چھوڑ بیچ کا کھلاڑی اپنے ہاتھوں کو ملاکر پیالے کی طرح بنائے اور تھوڑا سا آگے بڑھادے۔ لیکن قطار کے پہلے اور آخری کھلاڑی کو اپنے ہاتھوں کا پیالا نہیں بنانا چاہیے جب یہ ہوچکے تو ہر قطار کے ایک سرے پر چند معمولی اور چھوٹی چھوٹی چیزیں رکھ دی جائیں۔ یہ چیزیں تعداد اور قسم میں یکساں ہوں۔

پھر ریفری کے حکم سے ہر قطار کا پہلا کھلاڑی ایک ایک چیز اُٹھائے اور اپنے ساتھ والے کھلاڑی کے پیالے میں رکھ دے۔ پھر پیالے والے کھلاڑی سے اگلا کھلاڑی اُس چیز کو اس کے پیالے میں سے اُٹھاکر اگلے کھلاڑی کے پیالے میں ڈال دے اس طرح کھیل جاری رہے۔ یہاں تک کہ ہر قطار کی سب چیزیں ایک سرے سے دوسرے سرے پر پہنچ جائیں۔ جس قطار کی چیزیں پہلے پہنچیں گی وہ جیت جائے گی۔

**احتیاط:**- (۱) کھیل بہت تیزی سے کھیلنا چاہیے۔

(۲) تمام چیزیں ایک سرے سے دوسرے سرے تک ایک ایک کرکے پہنچانی چاہئیں۔

(۳) جو چیزیں استعمال کی جائیں۔ وہ زیادہ قیمتی نہیں ہونی چاہئیں اور نہ بہت چھوٹی ہوں۔

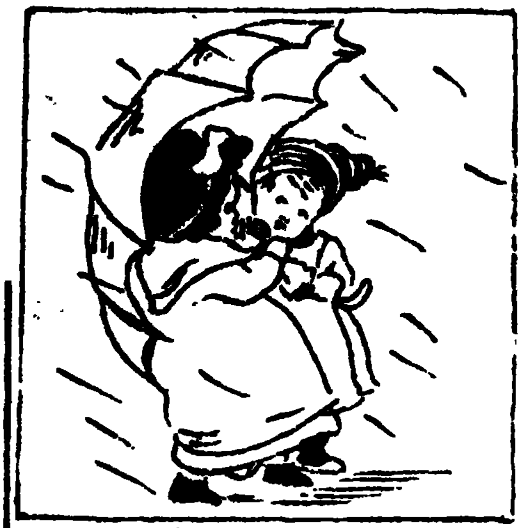



تصویر میں جتنے جانور موجود ہیں۔ ان کی دُمیں کون سی ہیں۔ ہر جانور کے حرف کے پاس
اس کی ٹھیک دُم کا عدد لکھ دو۔

# بُرے پھنسے



۱۔ ایک دن جبکہ بوندیں پڑ رہی تھیں۔ ان بچوں نے آپس میں بازار چلنے کا مشورہ کیا اور ایک بڑی سی چھتری لگا کر خوشی خوشی بازار روانہ ہوگئے۔ ان کا خیال تھا کہ چھتری بھیگنے سے بچالے گی



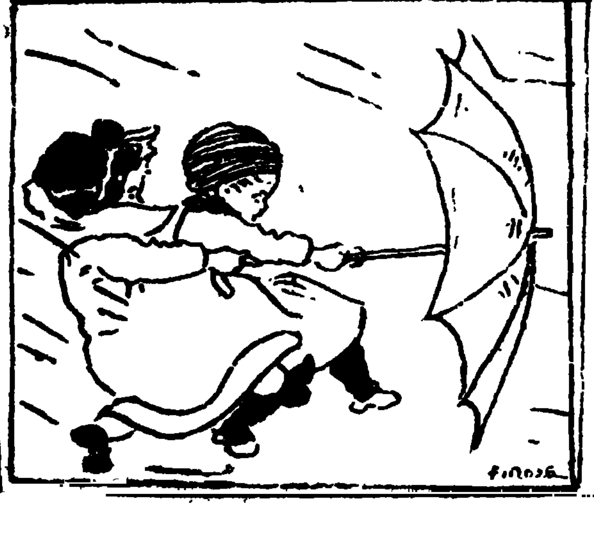
۲۔ تھوڑی دور چلنے کے بعد انھیں خیال آیا کہ چھتری بڑی ہے کہیں ہاتھ سے نہ چھوٹ جائے۔ اس لئے دونوں نے چھتری کو مضبوطی سے پکڑ لیا ہے۔

۳۔ بارش زیادہ ہونے لگی۔ اور ہوا بھی تیز چلنے لگی۔ دل میں سوچ رہے ہیں بُرے پھنسے۔



۴۔ آندھی خوب زوروں پر ہے۔ لو بھئی ان کی چھتری ہی اُلٹ گئی۔ ارے چھتری میں تو ہوا بھر گئی جو انھیں آگے کو کھینچ رہی ہے۔ کبھی تمھیں بھی ایسا تجربہ ہوا ہے۔

محمود حسن بجنوری





# پیام برادری

پیاری بچیو اور بچو. خوش رہو اور تندرست۔ ان صفحوں تک پہنچتے پہنچتے تم نے اپنے سالنامے کے بہت سے مضمون پڑھ ڈالے ہوں گے کہو، کچھ پسند بھی آئے؟ بھئی ہم نے تو اپنی سی بہت کوشش کی کہ یہ تحفہ تمھارے لئے سچ مچ اتنا اچھا ہو کہ تم دیکھتے ہی پھڑک اٹھو۔ آج کل تمھیں معلوم ہے کہ حالات کیسے نازک ہیں اور دوسرے رسالے اور اخبار کتنی کفایت شعاری سے کام لے رہے ہیں۔ پھر بھی ہم نے خرچ کی ذرا بھی پروا نہیں کی۔ اور پورے سو صفحے کا رسالہ نکال دیا۔ لیتھو اور بلاک کی اتنی بہت سی تصویریں شائع کیں۔ باتصویر مضمون شائع کئے یہ بات بچوں کے کسی رسالے میں تمھیں شاید ہی ملے۔ اچھا بھئی اگر تمھیں اپنا سالنامہ پسند آگیا تو ہم تم سے ایک درخواست کریں گے۔ اور وہ یہ کہ یہ سالنامہ تم اپنے دوستوں اور ساتھیوں کو دکھاؤ اور انھیں جیسے بھی بن پڑے پیام تعلیم کی خریداری پر آمادہ کرو. ہمارے پیامیوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچ چکی ہے۔ اگر سب نے کوشش کر ڈالی تو بات کہتے میں کئی ہزار خریدار پیدا ہو جائیں گے اور اتنے خریدار پیدا ہو گئے تو پیام تعلیم کے عام نمبر بھی ایسے شان دار نکلیں گے کہ تم حیران رہ جاؤ گے۔ اور سالنامے کا تو کچھ پوچھنا ہی نہیں۔ جو پیامی سب سے زیادہ خریدار بنائیں گے۔ انھیں ہم بہت اچھا سا انعام بھی دیں گے۔ ۲۵ر فروری تک ہم اس کی مدت مقرر کرتے ہیں۔

معما نمبر ۱۲ کے صحیح حل ان بچوں نے بھیجے ہیں

**صحیح حل** — **اوّل انعام** — **فی کس عہ**

| | | | |
|---|---|---|---|
| ۱۔ منظور علی | راجپوتانہ | ۴۔ عبد اللہ خاں | گوالیار |
| ۲۔ محمد محمود خاں | کلکتہ | ۵۔ مرزا اسکندر بیگ | گورکھپور |
| ۳۔ فہیم جہاں بیگم | آگرہ | | |

ہر ایک کے حساب میں کل عمر پڑتے ہیں۔ ان سب کو انعام بھیج دیا گیا ہے

ان بچوں کے حل میں ایک غلطی ہے

۱۔ مقبول احمد ساگر ۲، وارث رشید قدوائی دہلی ۳۔ احمد حسن لکھنؤ ۴۔ عبدالکریم بسمت نگر ۵۔ منہاج حسین میرٹھ ۶۔ محمد حسن لکھنؤ ۷۔ جمیل اختر امرتسر ۸۔ کنور محمد عزاد آ حسین۔ دیوگاؤں اسٹیٹ ۹۔ حامد شاہ خاں رامپور ۱۰۔ مس اسماعیل کالی کٹ

۱۱۔ رحیم الدین دہلی ۱۲۔ سید مسعود حسین۔ دہلی ۱۳۔ سلطان احمد اللہ والا دہلی ۱۴۔ ابرار احمد فاروقی تھولینڈی ۱۵۔ عبدالوحید دہلی ۱۶۔ محمد محبوب الرحمن خاں شروانی حبیب گنج ۱۷۔ محمد ظفر الہدیٰ بہاری دہلی ۱۸۔ عبدالجلیل عزیزی ۱۹۔ مس شمیم حنیفہ احمد حیدرآباد دکن ۲۰۔ احمد نور اوجین ۲۱۔ طاہرہ صدیقہ۔ الوت محل ۲۲۔ محمد عزیز کھریا نواں ۲۳۔ محمد خالد دہلی ۲۴۔ سید محفوظ الرحمن استھانواں ۲۵۔ افضال احمد ساگر ۲۶۔ اعجاز احمد نئی دہلی۔

ہر ایک کے حساب میں کوئی پونے تین آنے پڑتے ہیں۔ اتنے کم داموں کا انعام کیا بھیجیں۔ یہ بچے سالنامے کے معمے کے چار حل مفت بھیج سکتے ہیں۔ مگر اس بات کا حوالہ ضرور دیں کہ پچھلے حل میں ہماری ایک غلطی آئی تھی۔ اور ہاں اپنا نمبر بھی لکھیں۔ نمبر وہی جو اس وقت ہر ایک نام کے ساتھ ہے

نئے سال کی خوشی میں ہم نے معمے کا انعام بڑھا دیا ہے۔ یعنی صحیح حل بھیجنے والوں کے لئے بجائے چھ کے دس روپے کر دیئے ہیں۔ اور ایک غلطی والوں کے لئے بجائے چار کے چھ روپے۔ معما بنانے اور جانچنے والے صاحب نے ایک اعلان کی ہمیں اور اجازت دی ہے۔ انھوں نے فرمایا ہے کہ لفافے کی قیمت بڑھ گئی ہے۔ اس لئے کئی بچے ایک ہی لفافے میں اپنے حل بھیج سکتے ہیں۔ اور ہاں اس مرتبہ انھوں نے مدت بھی بڑھا دی ہے۔ یعنی بجائے پندرہ کے پچیس کر دی ہے

بعض بچوں نے ہمیں شکایت لکھی ہے۔ کہ اکثر انھیں اپنے سرپرستوں یا استادوں کے تصدیقی دستخط حاصل کرنے میں دقت پیش آتی ہے۔ جن بچوں کو یہ مجبوری ہو وہ بغیر دستخط کے اپنے حل بھیج سکتے ہیں۔

تمھیں یہ سن کر خوشی ہوگی کہ کرنول (مدراس) کے پیامیوں نے اپنے یہاں برادری قائم کر لی ہے۔ برادری کے دو جلسے بھی ہو چکے ہیں۔ پہلا جلسہ عہدے داروں کے انتخاب کا تھا۔ چار وغیرہ کا بھی انتظام کیا گیا تھا عالی جناب حضرت سید ظہور اللہ حسینی صاحب۔ وائس پرنسپل اسلامیہ عربیہ کالج سرپرست منتخب ہوئے۔ جناب سید مرتضیٰ قادری صاحب ہادی لکچرر اسلامیہ عربیہ کالج۔ صدر۔ سید عبدالستار ثریا ناظم اور شیخ محمود صدیقی نائب ناظم۔ دوسرے جلسے میں شبر الدین احمد صدیقی نے کلام پاک کی تلاوت سے جلسے کی ابتدا کی۔ محمد شریف نے نعت پڑھی۔ ناظم نے پچھلے جلسے کی روداد سنائی رشید بیگ اور محمد حسین نے کوشش پر مضمون پڑھے۔ شیخ محمود صدیقی اور سید ابراہیم خلیل نے اپنی تقریروں میں بتایا کہ ہم پیام برادری کو کس طرح کامیاب بنائیں

ہیں۔ جناب صدر نے اپنی اختتامی تقریر میں پیامیوں کو بہت سی مفید باتیں بتائیں۔

ہم کرنول کے پیامیوں کو اس بات پر دلی مبارکباد دیتے ہیں۔ امید ہے کہ برادری ان عزیزوں کی علمی اور تعلیمی ترقی میں بہت کچھ مدد کرے گی۔

کچھ عرصے سے پیام برادری کی سرگرمیاں ذرا ہلکی پڑ گئی ہیں۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ برادری کی ممبری کی شرط سولہ سال تک کی عمر ہے۔ بہت سے پیامی اس حد سے نکل گئے ہیں۔ اور کچھ تو ایسے ہیں جو اسکول چھوڑ کر کالجوں میں پہنچ گئے ہیں۔ تاہم پیام تعلیم اور پیام برادری سے ان کی دلچسپی اور تعلق اسی طرح ہے۔ ایسے پیامیوں کے لئے ایک تجویز میرے ذہن میں آئی ہے۔ اور وہ یہ کہ اس عمر کو پہنچنے کے بعد وہ برادری کو اپنے چھوٹے بھائیوں کے ہاتھ میں دے دیں۔ اور خود اپنے لئے پیام کلب کے نام سے ایک انجمن بنالیں۔ اس طرح ان کی دلچسپیوں میں زیادہ وسعت کی گنجائش پیدا ہو جائے گی۔ چھوٹی برادری کی نگرانی اور ہدایت بھی انہی کے ذمّے ہوگی۔ مجھے امید ہے کہ پیامی اس مسئلے پر غور کر کے اپنے مشورے سے مجھے مطلع کریں گے۔

ہمارے محترم بھائی جناب مولوی محمد شفیع الدین صاحب نیر کی تجویز ہے۔ کہ بچوں کی نظموں کی طرح چھوٹے بچوں کے مضمون بھی پیام تعلیم میں چھپنے چاہئیں۔ میرے خیال میں یہ تجویز بہت اچھی ہے۔ پیام تعلیم کے چار صفحے اس کے لئے خاص کئے جا سکتے ہیں۔ مگر مضمون زیادہ سے زیادہ ایک صفحے کے ہوں۔ بہت صاف اور خوش خط۔ ہر سطر کے بعد ایک سطر اصلاح کے لئے چھوٹی ہوئی۔

اچھا بھئی! آج میں نے تم سے بہت باتیں کر ڈالیں تم بھی اکتا گئے ہوگے۔ اب انشاء اللہ پہلی مارچ کو ہماری تمہاری ملاقات ہوگی۔ اس لئے کہ فروری میں تو تمہارا پیام تعلیم چھپے گا نہیں۔ ہاں چلتے چلتے ایک بات اور کہہ دوں۔ سالنامے کے بارے میں تم اپنی رائے مجھے ضرور لکھنا بھولنا مت!

تمہارا

محمد حسین حسان

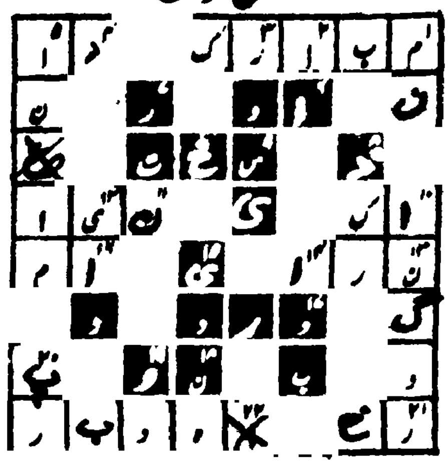
یہ پرچہ جنوری و فروری کا مشترکہ نمبر ہے اگلا پرچہ مارچ میں نکلے گا۔ منیجر

## معمّہ نمبر ۱۵

پہلا انعام عـــہ ر

دوسرا انعام ـــہ ر

## مشقی کوپن



# اشارات

## دائیں سے بائیں

۱۔ ہماری طرف سے تمام پیامیوں کو نیا سال ..... ہو۔
۴۔ .. ہا ــ آبا کے آبا۔
۶۔ بلانے کا اشارہ ۔
۹۔ اگر استاد .... ہے تو اکثر طلبا اس سے ناخوش رہتے ہیں۔
۱۰۔ ایک
۱۱۔ ہر ... سال ایک انقلاب سے کرتا ہے۔
۱۳۔ بے میل
۱۴۔ ماں
۱۸۔ ... جس دل میں ہو اس دل کی دوا بن جاؤں
کوئی بیمار اگر ہو تو شفا بن جاؤں — افسر
۱۸۔ .. نقد نہ تیرہ اُدھار۔
۲۱۔ شطرنج کا ایک مہرہ
۲۲۔ آج کل ..... وہی ہے جو تن من دھن سے اپنے ملک کی خاطر قربان ہو جائے۔ (بے ترتیب)

## اُوپر سے نیچے

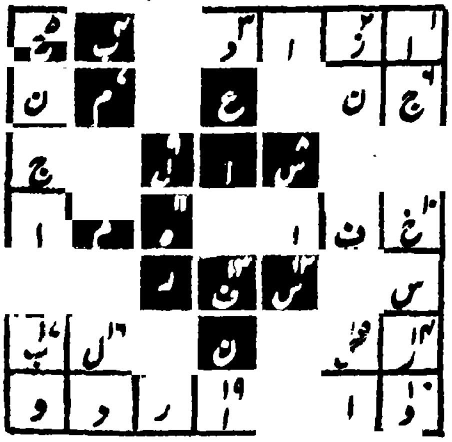
۱۔ چالیس سیر کہہ لو یا ایک ..
۲۔
۳۔ .... انقلاب مزدوروں نے کیا تھا۔
۵۔ معما حل کرتے ہی اس کی فکر ہو جاتی ہے۔
۷۔ اکبر کے نو ... مشہور ہیں۔
۸۔ مصیبت میں گنہگار بھی خدا کا ... کرنے لگتا ہے۔
۱۰۔ چمن کا موتیا .....
۱۲۔ سچی ... وہی ہے جو دل سے کی جائے۔
۱۴۔ بے ... بے نصیب یا ... بانصیب
۱۵۔ آزادی کی قربان گاہ پر سینکڑوں بھینٹ چڑھ رہے ہیں
۱۹۔ معما صحیح حل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہر اشارہ .... تین بار ضرور پڑھا جائے۔ (الٹا)
۲۰۔ اگر کسی پرند کا ... کاٹ دیا جائے تو وہ اُڑ ہی کیا سکتا ہے۔

۱۔ معمّا بجائے پندرہ کے پچیس ۲۵ جنوری تک بھیج سکتے ہو۔
۲۔ ایک ہی لفافے میں کئی بچے حل بھیج سکتے ہیں۔
۳۔ لفافے کی قیمت اب پانچ پیسے ہو گئی ہے۔

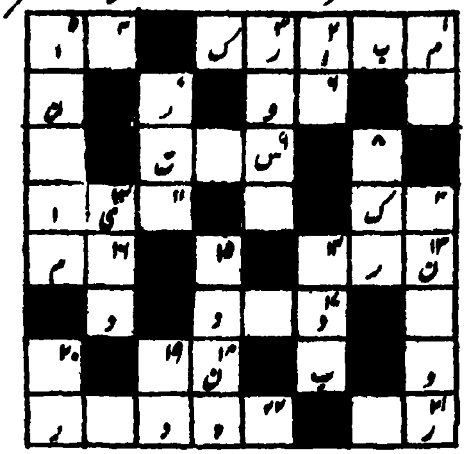
## قواعد

(۱) تمام میونسپلٹی کے بچے حل بھیج سکتے ہیں۔ استاد یا سرپرست کی تصدیق ضروری ہے۔ صرف دستخط کافی ہیں۔ عبارت لکھنے کی ضرورت نہیں۔
(۲) ایک حل کے ساتھ ایک آنے کا ٹکٹ آنا ضروری ہے۔
(۳) ایک سے زیادہ حل بھی بھیجے جا سکتے ہیں۔ چار حلوں کی رعایتی فیس ۳ر۔ ۔ حلوں کی ۔ ر ہے۔
(۴) دونوں انعام تقسیم کر دیے جائیں گے قرعہ اندازی نہ ہوگی۔
(۵) تمام حل ۲۵ر جنوری ۱۹۶۱ء تک دفتر پیام تعلیم مکتبہ جامعہ دہلی پہنچ جانے چاہئیں۔
(۶) ایڈیٹر کا فیصلہ قطعی ہوگا۔
(۷) پیام تعلیم میں چھپے ہوئے کوپن کے علاوہ اور کوئی کوپن نہیں لیا جائے گا۔
(۸) کوپن کے چاروں طرف جو نقطے والی لائن ہے۔ وہاں سے کاٹ کر بھیجو۔
(۹) کسی کوپن میں کوئی حرف کٹا یا مٹا ہوا ہوگا یا پنسل سے بھرا ہوا ہوگا تو مقابلے میں شامل نہ کیا جائے گا
(۱۰) ایک لفافے میں صرف ایک نام سے معمّے آنے چاہئیں۔
(۱۱) علاوہ کوپن اور ٹکٹ کے لفافے میں کوئی خط وغیرہ نہ ہونا چاہیے
(۱۲) معمّا حل کرنے سے پہلے اشارے غور سے پڑھو
(۱۳) ایک خانے میں دو حرف نہ ہوں۔
(۱۴) دال اور ڈال کا فرق نمایاں ہو۔ ( ڈ - د )
(۱۵) چھوٹی اور بڑی ے کا فرق لازمی ہے ( ی - ے )
(۱۶) جہاں جہاں نقطے کا استعمال ہو وہاں نقطہ ضرور ہونا چاہیے
(۱۷) املا کی غلطی بھی غلطی شمار کی جائے گی۔
(۱۸) تمام حل ڈاک خانے کے لفافے پر بھیجے جائیں
(۱۹) نام اور پورا پتہ صاف اور خوش خط لکھو۔
(۲۰) پتہ :- سب ایڈیٹر پیام تعلیم مکتبہ جامعہ قرول باغ۔ نئی دہلی

## معمّا نمبر ۱۴ کا صحیح حل



معما نمبر ۱۵ کوپن نمبر



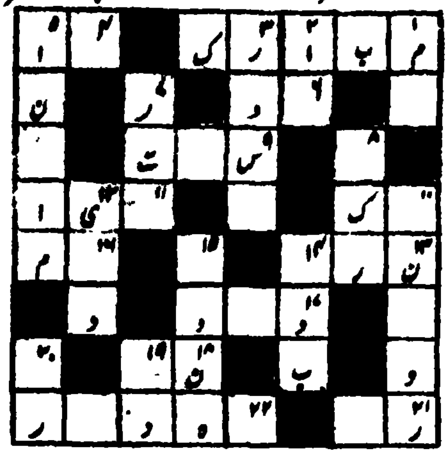
نام ..................

پتہ ..................

تصدیق ..................

ٹکٹ ..................

معما نمبر ۱۵ کوپن نمبر



نام ..................

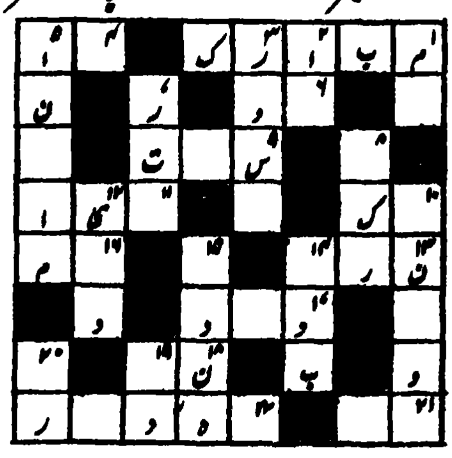
پتہ ..................

تصدیق ..................

ٹکٹ ..................



معما نمبر ۱۵ کوپن نمبر



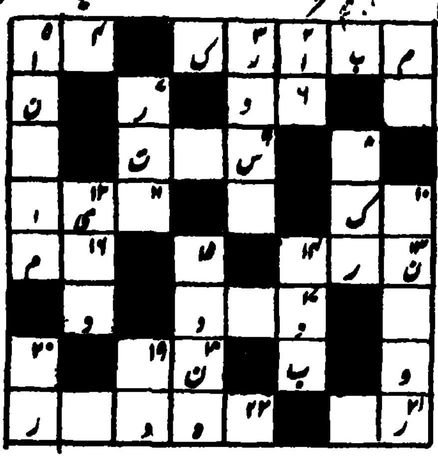
نام ..................

پتہ ..................

تصدیق ..................

ٹکٹ ..................

معما نمبر ۱۵ کوپن نمبر



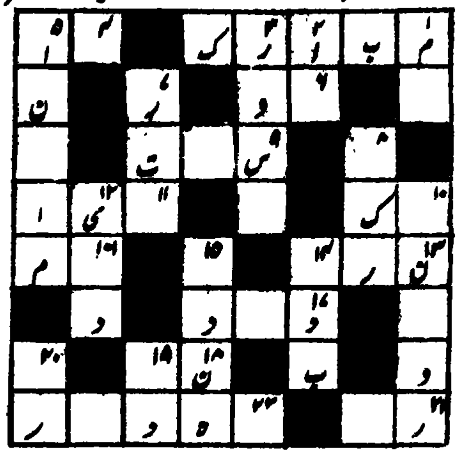
نام ..................

پتہ ..................

تصدیق ..................

ٹکٹ ..................

معمہ نمبر ۱۵ کوپن نمبر



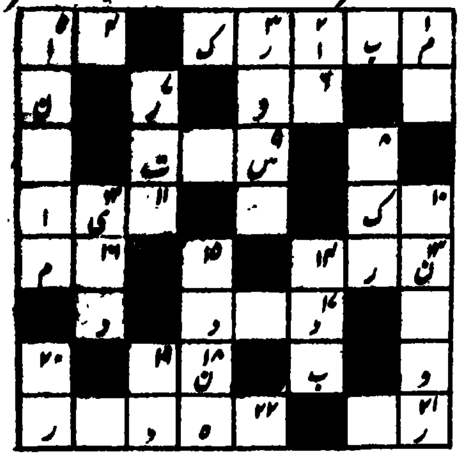
نام ..............................

پتہ ..............................

تصدیق ..............................

ٹکٹ ..............................

معمہ نمبر ۱۵ کوپن نمبر



نام ..............................

پتہ ..............................

تصدیق ..............................

ٹکٹ ..............................

معمہ نمبر ۱۵ کوپن نمبر



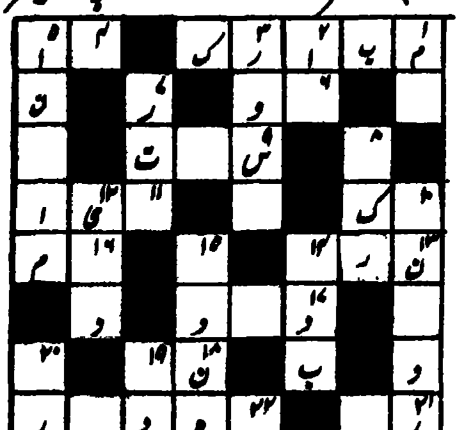
نام ..............................

پتہ ..............................

تصدیق ..............................

ٹکٹ ..............................

معمہ نمبر ۱۵ کوپن نمبر



نام ..............................

پتہ ..............................

تصدیق ..............................

ٹکٹ ..............................

پرنٹر و پبلشر ڈاکٹر سید عابد حسین ایم اے پی ایچ ڈی محبوب المطابع برقی پریس دہلی

# نئی کہانیاں

**شیر پر موتی** ایک کتّے کے پلّے کو یہ گُمان ہوگیا تھا کہ میں بھی کچھ ہوں، ہر ایک سے اُلجھتا اور مُنہ کی کھاتا، آخر میں اُن کی امّاں جان مدد کو پہنچ گئیں نہیں تو جانے بچارے کا کیا حال ہوتا۔ بہت دلچسپ۔ اس کے ساتھ ایک کتّے کی مزیدار کہانی ہے۔ ۲ر

**قرقر** ایک بطخ کا بچّہ اپنی ماں کی مرضی کے خلاف سیر کرنے نکلا۔ راستے میں جو کوئی نصیحت کرتا، اُسے کھری کھری سناتا۔ آخر مل گئیں بلّی خالا۔ اب بھاگے اور تالاب میں جاکر دم لیا۔ جان بچی لاکھوں پائے۔

مُرغ اور بلّی کی ایک اور مزیدار کہانی ہے۔ مُرغ نے بلّی کا بڑی بہادری سے مقابلہ کیا اور نیچا دکھایا۔ قیمت ۲ر

**چتّو، مِتّو** یہ دو دوست تھے۔ چِتّو تھا ٹٹّو کا بچّہ اور مِتّو گدھے کا۔ مِتّو نے چِتّو سے ایک دن کہا بھیّا تم بڑے بدصورت ہو۔ اُنھیں بہت رنج تھا۔ دونوں نے سوچا کہ اس کا علاج پوچھنا چاہیے۔ جگہ جگہ گئے اور بہت عجیب و غریب اور دلچسپ مشورے ملے۔ آخر ایک بھولی بھالی لڑکی نے مِتّو کو خوب صورت بتاکر اس کا رنج دور کردیا۔ سُندر بلّی کا ایک اور مزے دار قصّہ ہے۔ قیمت ۲ر

**مکتبہ جامعہ**
دہلی۔ نئی دہلی۔ لاہور۔ لکھنؤ۔ بمبئی

Regd. L. No. 1961




ایک پہیلی میں کہوں—تو سن لے میرے پوت

بنا پروں وہ اُڑ گئی—باندھ گلے میں سوت

قیمت چار آنے

مکتبہ جدید

# بچّوں کا البم

مشغلوں کے سلسلے میں ٹکٹ جمع کرنے کے ساتھ ساتھ تصویریں جمع کرنے کا شوق بھی برابر بڑھ رہا ہے۔ ان بچوں کے لئے مکتبہ جامعہ نے تصویروں کا بہت خوب صورت البم تیار کرایا ہے۔ اس البم میں ہر قسم کی تصویروں کو ۱۲ بابوں یا سیٹس میں تقسیم کیا گیا ہے۔ مثلاً پھول، پھل، درخت، ترکاریاں، پرندے، چوپائے سواریاں، منظر، عمارتیں۔ رشی منی اور بادشاہ وغیرہ ہر صفحے پر نو خانے ہیں ایک خانے میں نمونے کے لئے تصویر دی گئی ہے باقی خانے خالی ہیں ہر خانے کے نیچے لکھ دیا گیا ہے کہ کس چیز کی تصویر ہونی چاہیئے۔ اردو زبان میں یہ ایک نئی چیز ہے اور وہ بچے جنھیں تصویریں جمع کرنے کا شوق ہے اسے ضرور منگائیں۔

قیمت صرف ۔

**مکتبہ جامعہ**

دہلی، نئی دہلی، لاہور، لکھنؤ، بمبئی



تاج محل آگرہ (صبح کے وقت)



تاج محل آگرہ (شام کے وقت)

(یہ دونوں تصویریں (جو ایک ہی جگہ سے لی گئی ہیں) جناب فیروز صاحب آرٹسٹ کی عنایت سے ہمیں ملی ہیں



ہرن مینار آگرہ

(مرسلہ علی عباس رضوی لکھنؤ)



ڈیرہ اسماعیل خاں میں محرم کا جلوس
(مرسلہ محمد دین جرنلسٹ)



محمد سلیم کان پور



ایک ننھا پیامی- اجے کمار دھلی

# پیام تعلیم

ایڈیٹر - محمد حسین حسان

قیمت سالانہ عہ

فی پرچہ ۳ر

جلد ۲۴ | فہرست مضامین مارچ سنہ ۱۹۴۱ء | نمبر ۳



پرنٹر پبلشر ڈاکٹر سید عابد حسین ایم اے پی ایچ ڈی۔ محبوب المطابع برقی پریس دہلی

# بچوں سے باتیں

(ایڈیٹر)

پیامی بچیوں اور بچوں نے سالنامے کو بہت پسند کیا۔ اکثر بڑے لوگوں نے اس کے بارے میں اچھی رائیں ظاہر کی ہیں۔ ہمیں خوشی ہے کہ ہماری یہ کوشش عزیز پیامیوں میں مقبول ہوئی۔ اگر لڑائی کی وجہ سے چیزیں مہنگی نہ ہوتیں تو ہم اس سے بھی کہیں شان دار سالنامہ شائع کرتے۔

---

افسوس ہے کہ اس مرتبہ تصویروں کا اچھا کاغذ بازار میں نہ مل سکا۔ اس لئے تصویریں نہ چھپ سکیں۔ اگر ممکن ہوا تو اگلے پرچوں میں یہ کمی پوری کردی جائے گی۔

---

اس پرچے میں اکثر مضمون وہی ہیں جو سال گرہ نمبر میں چھپنے سے رہ گئے تھے۔ ٹلّو میاں اور دریائے ایمیزن اگلے نمبر میں ختم ہوں گے۔ ہوائی جہاز کی کہانی کا دوسرا حصہ بھی آئندہ شائع ہو سکے گا

---

اگلے نمبر میں بہت اچھے اچھے مضمون اور کہانیاں شائع ہوں گی۔ برکت صاحب کا مضمون "آنکھ کا دھوکا" خاص طور پر دلچسپ ہوگا۔

---

مکتبہ جامعہ نے اس سال تصویریں جمع کرنے والے شوقینوں کے لئے ایک خوب صورت سا البم تیار کیا ہے۔ جو بچے تصویریں جمع کرتے ہیں انھیں بجائے سادہ کاپی استعمال کرنے کے یہی البم منگانا چاہیے۔ بہت سہولت رہے گی۔

---

لکھنؤ کی پیام برادری نے اپنے ماہوار (قلمی) رسالے جگاؤ کا سالنامہ شائع کر دیا ہے اور مکتبہ جامعہ کی شاخ لکھنؤ (امین آباد) سے مل سکتا ہے۔

---

اس مرتبہ ٹائٹل پر عزیزی احمد دین ڈیرہ اسمٰعیل خاں کی تصویر شائع کی جا رہی ہے۔ بچے اس قسم کی اور اچھے اچھے منظروں کی تصویریں ہمیں بھیجیں۔ ان کا سائز ٹائٹل کی تصویر سے کچھ بڑا ہونا چاہیے۔

# لوری

از
حاجی جوہر جالندھری

مری جاں تڑپ رہی ہے ❊ مرے دل کو بے کلی ہے
تری نیند کیوں اُڑی ہے ❊ کہاں مرا جی میں جی ہے
مرے پیارے لال سوجا

مرے دردو غم کا چارا ❊ ترا مکھڑا پیارا پیارا
مری مان لے خدا را ❊ مرے دل کا تو سہارا
مرے پیارے لال سوجا

نہیں تجھ سے بڑھ کے پیارے ❊ یہ ہیں جتنے چاند، تارے
مری مان لے دلارے ❊ مری جان کے سہارے
مرے پیارے لال سوجا

ترے واسطے ہوں مضطر ❊ نہیں چین ہے میسّر
یہ سنائے لوری جوہر ❊ تجھے نیند آئے دم بھر
مرے پیارے لال سوجا

نہ بے قرار

# میل کی خوبی

از گنیش چندر سکسینہ فتح گڈھ

ایک بُڈّھے کے تھے کئی لڑکے — کاٹتے تھے جو وقت لڑ لڑ کے
وقت مرنے کا جب قریب آیا — پاس لڑکوں کو اُس نے بلوایا
سوت کی دے کے آنٹیاں[1] اُن کو — لگا کہنے کہ "اُن کو توڑو
زور سارا لگایا پھر بھی مگر — توڑ اُن کو سکا نہ کوئی لڑ[2]
تب تو بُڈّھے نے ایک آنٹی لے — چند دھاگے نکالے
تار ایک ایک پھر دیا سب کو — اور کہا "اب تو تو
توڑنے کا کیا اِرادہ جو — ایک دھاگے کے ہو
مُسکرا کر وہ بولا لڑکوں سے — "یہ نتیجہ نکالو تم اِس
دھاگے جب سب کے سب اکٹّھے تھے — توڑ پایا نہ کوئی تم میں سے
جب کہ آنٹی کو ہم نے کھول دیا — چٹ سے دھاگوں کو سب نے توڑ
مِثل آنٹی کے سب رہو مِل کر
اپنے دُشمن سے بے خطر ہو کر

[1] کچے سوت کی لچھی۔
[2] لڑکا۔

# ٹلّو میاں

[illegible]

یہ سوچ کر آہستہ آہستہ کھسکتے ہوئے

[illegible]مرے کے دروازے پر پہنچے۔ اور اس پیڑ پر

[illegible] جہاں اُن کے بھائی سو رہے تھے۔ آپ

[illegible] مزے سے وہیں سو رہے۔

دوسرے دن سویرے ہی دیو کو کسی

[illegible] کام سے جلد باہر جانا تھا۔ اُس نے

پہلے تو ناشتہ کیا پھر نوکر دیووں سے کہا

شام کو اچھے اچھے کھانے تیار کیے جائیں۔

کچھ تازہ تازہ پھل بھی ہوں اور ہاں جہاں ملیں

آدمی کے دو چار بچوں کو پکڑ کر اُن کے کباب

بھی بنا رکھنا۔“ اتنے میں پری بھی کپڑے بدل

کر آگئی۔ آج یہ دیو پری سے بہت ناراض

[illegible] کی۔ دیو

تخت [illegible] پر سوار ہوا۔ دم کے دم

میں وہ تخت ہوا ہو کر نظروں سے غائب ہو گیا۔

پری نے نوکر دیووں کو تو کام میں لگا دیا

اور آپ اُن بچوں کے پاس آئی اُس نے سوچا

کہ ان کو کچھ کھلا پلا کر جلد رخصت کر دوں۔ اگر

کسی دیو نے دیکھ پایا تو بچاروں کا قیمہ بن جائے

گا۔

وہ آئی تو بچوں نے اُٹھ کر اُسے سلام

کیا اور اس کی مہربانی کا شکریہ ادا کیا۔ اُس نے

کہا ”بچو شکریے کی کوئی بات نہیں ایک کو دوسرے

کی مدد کرنی ہی چاہیے۔“

پھر بولی "بہتر یہ ہے کہ تم کچھ کھا پی لو
اور اپنے گھر جاؤ۔ میں یہاں خود قید ہوں۔
میری کہانی یہ ہے کہ میں آپ ایک دیو کی بیٹی
ہوں میرا باپ بھی بہت طاقت ور ہے۔ مگر
ظالم نہیں ہے۔ ایک دن میں اپنے باغ میں
ٹہل رہی تھی۔ اس دیو کا اِدھر سے گذر ہوا اُس
نے مجھے دیکھا۔ شرارت جو سوجھی تو اپنے
دیوؤں سے پکڑوا کر زبردستی اپنے تخت
پر بٹھالیا اور اُٹھا کر یہاں لے آیا۔ میرے ماں
باپ کو کچھ خبر نہیں کہ میں کہاں ہوں۔ میری
جُدائی میں نہ جانے اُن کا کیا حال ہوگا۔ دیو
کہتا ہے کہ میں اُس سے شادی کر لوں یہ کبھی
نہ ہوگا۔ اور اب دو ایک ہی دن میں یہ مجھے
مار ڈالے گا۔" یہ سُن کر ٹلّو میاں بولے "یوں
گھبراؤ نہیں۔ تم نے اتنی مہربانی کرکے ہم پر
بڑا احسان کیا ہے۔ یہ احسان ایسا ہے کہ
ہم اس کا بدلا نہیں اُتار سکتے۔ مگر اپنی جان
بچانے کے لئے تمہیں اس دُکھ میں چھوڑ جائیں
یہ بات ہمیں گوارا نہیں۔ اب یا تو تم کو اس دُکھ
سے چھٹکارا دلائیں گے یا اس دُکھ میں ہم بھی مر جائیں گے"
بھائیوں نے اپنے چھوٹے بھائی کی یہ
بات سُنی تو اُنھوں نے بھی کہا "ہاں ہاں ٹھیک
ہے اب تو جبھی جائیں گے جب اُنھیں چھٹکارا مل جائے گا"
یہ سن کر تو پری اور بھی گھبرائی۔ سوچنے لگی
یہ بچے ضد کرکے اپنی جان بھی مُفت گنوائیں گے
ٹلّو میاں بولے "تم ذرا بھی مت
گھبراؤ۔ پہلے ہم کچھ ناشتہ کر لیں
سوچیں کہ کیا کرنا چاہیے۔" اُنھوں نے
مُنہ ہاتھ دھویا اور ناشتہ کیا۔ ... میاں
پوچھا "کوئی دیو تو اس وقت یہاں ...
پری بولی "دیوؤں کی ...
مگر میں نے سب کو کام میں لگا دیا۔
ٹلّو میاں نے پوچھا "تم ...
کا کمرہ دیکھا ہے؟"

پری بولی "دیکھا تو ہے مگر صرف ایک دفعہ اور وہ بھی کھڑے کھڑے۔ اس کمرے کے اندر جانے کی کسی کو بھی اجازت نہیں ہے"

ٹلّو میاں بولے "بس اب کام بن گیا۔ جو کچھ میں کہوں وہ کرو۔ اس میں ہماری بھی بھلائی ہے اور تمھاری بھی۔ اب وقت کھونے کا موقع نہیں۔ چلو"

پری اپنی جان سے ہاتھ دھوئے ہوئے تھی اُس نے سوچا چلو اسی کے کہنے پر چلوں کیا ہوگا۔ تین دن کے ہوتے آج یہ زندگی ختم ہو جائے گی۔ تینوں بچے اور پری۔ دیووں کی نظروں سے بچتے بچاتے چھپتے چھپاتے۔ چپکے چپکے دیو کے سونے کے کمرے میں پہنچ گئے۔ اور اندر داخل ہو کر دروازے کی چٹخنی لگا دی۔

ٹلّو میاں نے کہا "پلنگ کے نیچے کا فرش ہٹاؤ" سب نے بڑی محنت سے وہ فرش ہٹایا تو ایک دروازہ نظر آیا۔ دروازے میں ایک بہت بھاری قفل لگا ہوا تھا۔ اُس کی کنجی وہیں پاس ہی رکھی ہوئی مل گئی۔ سب نے پورا زور لگایا تو خدا خدا کرکے وہ قفل کھلا دروازے کے کواڑ کھولے تو ایک زینہ نظر آیا۔ مگر ایسا اندھیرا گھپ تھا کہ ہاتھ کو ہاتھ سُجھائی نہ دیتا تھا۔ یہ دیکھ کر سب گھبرائے۔

ٹلّو میاں جلدی جلدی اس زینے میں اترتے وہ چلتے جاتے تھے اور اندھیرا بڑھتا جاتا تھا۔ آخر بہت نیچے اُترنے کے بعد کچھ روشنی نظر آئی۔ زینہ جہاں ختم ہوا وہاں ایک دروازہ تھا اس کو کھول کر دیکھا تو کیا کہنا تھا ایسا خوش نما اور دل کش باغ نظر آیا کہ جنت بھی ہوگی تو بس ایسی ہی ہوگی۔ باغ میں ایک تالاب تھا تالاب کے بیچ میں سنگ مرمر کی ایک بارہ دری بنی ہوئی تھی۔ تالاب کے کنارے ایک کشتی بھی پڑی ہوئی تھی ٹلّو میاں

جھٹ اُس میں بیٹھ گئے اور بہت جلد بارہ دری میں پہنچ گئے ۔ دیکھتے کیا ہیں کہ ہزاروں ہیرے جواہرات بکھرے پڑے ہیں ۔ اور

طرف ایسی انوکھی تصویریں لگی ہوئی ہیں کہ انسان ایک ایک تصویر کو گھنٹوں دیکھتا رہے تب بھی جی نہ بھرے ۔




کھانے پینے کی بھی طرح طرح کی چیزیں ۔ مٹھائیاں ، پھل ، تازہ تازہ کھانے قرینے سے چُنے ہوئے ہیں۔ دیواروں پر چاروں

ٹلو میاں کا جی للچایا کہ کچھ کھائیں اور تھوڑے سے ہیرے جواہرات بھی لیتے چلیں مگر اُنھوں نے اپنے جی کو

بارہ دری کے بیچ میں پہنچے جہاں چاندی کا ایک صندوق رکھا ہوا تھا۔ انھوں نے وہ صندوق کھولا تو اس میں سونے کا ایک ڈبّا نظر آیا۔ یہ چاہتے ہی تھے کہ اس کو کھول کر انڈا نکال لیں کہ ایک دم سخت شور سنائی دیا۔ بادل کی گرج اور بجلی کی کڑک گویا سب کچھ اس شور میں جمع تھا۔ اتنے میں کسی کی ڈانٹنے کی آواز آئی: "دیکھ کیا کرتا ہے۔ یاد رکھ اس انڈے کو ہاتھ بھی لگایا تو اپنی جان اپنے ہاتھ سے کھوئے گا۔ دیکھ مان جا۔ مان جا۔ اپنی سلامتی چاہتا ہے تو ڈبّا ابھی ہاتھ سے رکھ دے ورنہ دیکھ ......"

ٹلّو میاں نے مڑ کر دیکھا تو اس دیو کو اپنی طرف بڑی تیزی سے دوڑتے ہوئے پایا۔ ان کے ہوش اڑ گئے قریب تھا کہ ڈبّا گر پڑے یا وہ ڈر کر آپ رکھ دیں۔ مگر انھوں نے ہمت سے کام لیا اور دیو کی پروا کئے بغیر بڑی پھرتی کر انڈا اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ انڈے کا ان کے ہاتھ میں آنا تھا کہ دیو کے ایک ٹھوکر لگی اور وہ دھم سے زمین پر گر پڑا

(باقی)

# پیام تعلیم پر رائیں

سال گرہ نمبر جس کا مہینوں سے انتظار تھا ملا۔ پڑھ کر آنکھوں میں نور اور دل میں سرور پیدا ہوا۔ عید اور نئے سال کی خوشی دوبالا ہو گئی۔

سال گرہ نمبر کی ترتیب و تالیف میں یقیناً آپ نے بہت محنت سے کام لیا ہوگا۔ میں نے تو ایک ہی نشست میں اس کو شروع سے آخر تک پڑھ ڈالا۔ اس کی سبھی چیزیں ایسی ہیں کہ بار بار پڑھنے سے بھی جی سیر نہیں ہوتا ہے۔ جنگ کے اس ہمت شکن زمانے میں جب ہر چیز پر مہنگائی کے خوفناک بادل منڈلا رہے ہیں، سال گرہ نمبر کو اپنی سابقہ شان کے مطابق شائع کرنا صرف آپ ہی کا حصہ ہے۔ ورنہ مجھے تو اس کی اُمید بھی نہیں تھی کہ اس سال ایسا اچھا سال گرہ نمبر دیکھنے کو ملے گا۔ میں آپ کو اس شاندار کامیابی پر دلی مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ یہ جنگ اسی سال ختم ہو جائے اور اگلے سال ہمیں پیام تعلیم کا ایک بہت ہی شاندار جوبلی نمبر دیکھنا نصیب ہو۔ آمین

(محمد نور کھٹکٹے، بمبئی)

رسالہ پیام تعلیم کا سال گرہ نمبر مجھ کو عین بقرعید کے دن ملا، میری خوشی کا کچھ ٹھکانا نہیں تھا۔ گویا میری دوہری عید تھی۔ پیام تعلیم کا سرورق بہت اچھا تھا، مضمونوں میں مجھ کو یہ مضمون زیادہ پسند آئے :۔ ٹلو میاں، آؤ ڈراما کریں، کان کماری، جانوروں میں تمدن، قطب شمالی، گل رُخ، ہوائی جہاز کی کہانی دریائے ایمیزن۔ یہ نظمیں اس میں قابل تعریف ہیں۔ جھوٹ کا انجام، دو بابو اور ان کے کتے، ہماری سولیاں، لڈو کا ٹکڑا۔ میرے خیال میں یہ سال گرہ نمبر پچھلے نمبروں سے کئی گنا بہتر ہے۔ مضمون اس قدر دلچسپ تھے کہ میں بقرعید کے روز رات گئے تک اُن کا مطالعہ کرتا رہا تھا اس میں دلچسپی کے علاوہ بہت سی باتیں نصیحت آمیز بھی ہیں۔ مجھ کو خود بھی حیرت ہے کہ باوجود کاغذ کی گرانی کے آپ نے اِس قدر خوب صورت سال گرہ نمبر نکالا ہے۔

میں پیام تعلیم کی اس کامیابی پر آپ کو مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ خدا کرے پیام تعلیم ہمیشہ زندہ رہے۔

(محمد مراد الدین۔ لکھنؤ)

پیام تعلیم سال گرہ نمبر [illegible] پہنچ گیا جتنی خوشی ہوئی اس کا اندازہ آپ نہیں کرسکتے ۔ تمام کام چھوڑ کر پہلے سب سرخیاں دیکھ ڈالیں۔ ابھی کل پرچہ تو ختم نہیں کرپائی مگر جتنے مضمون پڑھے سبھی پسند آئے۔ خصوصاً ٹلو میاں ، نئے سال کی خوشی ، ہماری سواریاں ، لڈو کا ٹکڑا ، دُم والی تصویریں بھی نئی چیزیں ہیں اور بہت دلچسپ ہیں ۔ ایج کیپ ، ستاروں کی دنیا ، ہوائی جہاز کی کہانی ، گل رُخ یہ سب بھی بہت اچھے قصے ہیں۔ ہمارا پیام تعلیم اردو زبان کے تمام رسالوں سے اچھا ہے ۔

(قدسیہ خاتون نگہت ۔ بانسی)

---

سال گرہ نمبر "پیام تعلیم" وصول ہوا ۔ مجھے پیام تعلیم دیکھ کر بہت مسرت ہوئی۔ مجھے پیام تعلیم میں جو سب سے اچھے مضموں پسند آئے یہ ہیں ۔ ٹلو میاں ، ہوائی جہاز کی کہانی ، ہماری کیمپنگ ، ایج کیپ ، آؤ ڈراما کریں ، نئے نئے کھیل ، پرندوں کا سفر ۔ مجھے یہ مضمون بہت پسند آئے ۔ سچ پوچھئے تو سب رسالوں میں آپ کا پرچہ اچھا ہے۔ مجھے آپ کے پرچے سے بہت محبت ہے ۔

(محمد فاروق حسین ، گلبرگہ)

---

سال گرہ نمبر بہت اچھا تھا خصوصاً ٹلو میاں کی کہانی ۔

(محمد حنیف ، حیدرآباد دکن)

---

سالنامہ پہنچا۔ پڑھ کر بے حد خوشی ہوئی ۔ واقعی آپ نے اس میں بے حد محنت کی ہے ۔ میں نے اپنے دوستوں کو بھی دکھلایا انھوں نے بھی بہت پسند کیا۔

(حسن اصغر کاظمی ، انبالہ)

---

سب مضامین بہت دلچسپ ہیں۔ خاص کر ٹلو میاں ، جانوروں میں تمدن ، اہرام سقارہ کی سیر مجھے بہت پسند آئے۔

(محمد سلیم الدین ، حیدرآباد دکن)

---

جناب ایڈیٹر صاحب "رتن جموں" اپنے ایک عنایت نامے میں لکھتے ہیں :-

"جنگ کی عنایات کی موجودگی میں ایسا
سالنامہ شائع کرنا کوئی معمولی بات نہ تھی
آپ مستحق صد مبارک باد ہیں"

---

باوجود جنگ کے اور باوجود کاغذ کی مہنگائی کے آپ نے سال گرہ نمبر خوب نکالا ۔ یہ بہت خوب صورت ہے اور اس میں کا ہر مضمون کہتا ہے کہ بس مجھے ہی پڑھو اور اس کی ہر نظم کہتی ہے کہ میں ہی اس پرچے کی حقیقی معنی میں لائق تھی۔ تصاویر بھی خوب ہیں مجھے آپا جان کا مضمون بہت پسند آیا اور ستاروں کی دنیا والا۔

محمد عظیم قادری ۔ حیدرآباد دکن

# دریائے امیزن

یا

کہانی

(۲)

(محمد عظیم اللہ صاحب)

اور یلنا کا سفرنامہ پڑھ کر اور دریائے امیزن کے کنارے کا حال سن کر اور بہت سے لوگوں کو اس دریا کے دیکھنے کا شوق پیدا ہوا۔ ۱۸۴۸ء میں دو انگریز ہنری والٹر بیٹس اور الفریڈ رسل ویلس اس سفر کے لئے روانہ ہوئے۔ ان دونوں نے پہلے کے سیاحوں سے بھی سنا تھا کہ امیزن کے پاس کے جنگلوں میں بڑے بڑے درخت۔ مختلف قسم کی بیلیں، عجیب و غریب پودے اور پھول اور عجیب عجیب قسم کے کیڑے مکوڑے اور چڑیاں ہیں۔ اس سفر سے ان کا مقصد یہ بھی تھا کہ ان میں سے کچھ چیزیں (جو واقعی عجیب و غریب ہیں اور یورپ کے کسی عجائب خانے میں نہیں ہیں) جمع کریں اور اپنے ساتھ یورپ لے جائیں۔ یہ دونوں جنوبی امریکہ کے ایک بندرگاہ پارا پر اترے۔ پارا دریائے پارا کے داہنے کنارے ایک خوبصورت شہر اور بندرگاہ ہے۔ دریائے پارا دہانے کے قریب بیس میل چوڑا ہے اور دریائے امیزن کے پاس ہی سمندر میں گرتا ہے۔ ایک تنگ آبنائے کے ذریعے یہ دونوں دریا آپس میں ملے ہوئے ہیں۔ دریائے امیزن میں سفر کرنے والے جہاز اس آبنائے سے ہو کر گذرتے ہیں اور بندرگاہ پارا میں ٹھہرتے ہیں۔ ان سیاحوں نے پارا کو اپنا ہیڈ کوارٹر بنایا۔ یہیں سے وہ دریائے پارا اور اس کے کنارے کے جنگلوں میں سفر کے لئے روانہ ہوئے۔ چلتے چلتے ایک دن وہ دریائے ٹوکانٹنس پر پہنچ گئے۔ یہ دریا پارا میں آکر ملتا ہے اور سولہ سو میل لمبا ہے۔ جس جگہ یہ دریا پارا میں آکر ملا ہے اس کی چوڑائی دس میل ہو گئی ہے۔ اسی دریا کے کنارے کے جنگلوں میں ایک دن ویلس پر ڈنک مارنے والی مکھیوں نے بری طرح حملہ کیا۔ بے چارے کو بڑی مشکل سے نجات ملی۔ اس کے دو ہفتے بعد ایک اور حادثہ پیش آیا۔ ویلس کی بندوق بھری رکھی تھی۔ اس نے کچھ عجیب چڑیوں کو دیکھا اور انھیں مارنے کے لئے بندوق اٹھانا چاہی غلطی سے اس نے نال پکڑ کر کھینچی بندوق کا گھوڑا کسی لکڑی میں پھنس گیا اور بندوق چل گئی۔ اس حادثے میں اس کا ہاتھ

زخمی ہو گیا مگر اس نے یہ سبق بھی سیکھا کہ بندوق کبھی بھر کر نہ رکھنی چاہیے۔

۱۸۵۰ء میں دونوں سیاحوں نے دریائے پارا چھوڑ کر دریائے ایمیزن میں سفر کیا۔ ولیس ایک چھوٹی سی کشتی میں روانہ ہوا بیٹس ایک مہینے بعد ایک تجارتی کشتی میں روانہ ہوا۔ دونوں سیاح دریا اور اس کے کنارے کے جنگلوں میں سفر کرتے چلے جا رہے تھے مگر دونوں ساتھ ساتھ نہیں تھے۔ ایک رات کو بیٹس کی کشتی ولیس کے پاس سے گزری مگر ایک دوسرے سے ملاقات نہ ہوئی اس لئے کہ دریا بہت چوڑا ہے۔ کافی عرصے تک سفر کرنے کے بعد دونوں پھر ایک مقام "مانا اوز" (MANAOS) پر ملے۔ یہ شہر دریائے ایمیزن کے دہانے سے ایک ہزار میل کے فاصلے پر ہے اور ایمیزن کے ایک معاون دریا رایو نگرو (RIO NEGRO) کے کنارے پر ہے۔ اس جگہ ولیس اور بیٹس کشتیوں میں گئے تھے لیکن آج کل یہاں تک سمندر کے بڑے بڑے جہاز پہنچتے ہیں۔ اور پارا سے چل کر چار روز میں مانا اوز پہنچ جاتے ہیں۔ مانا اوز میں یہ دونوں کچھ عرصے تک راستے کا سامان درست کرتے رہے۔ بعد میں یہ طے ہوا کہ ولیس دریا رایو نگرو میں سفر کرے اور بیٹس دریائے ایمیزن میں۔

بیٹس ایک تجارتی کشتی میں روانہ ہوا۔ اس کشتی میں بادبان بھی تھے لیکن دریا کا بہاؤ اتنا تیز تھا کہ بعض وقت بادبان اور چپو دونوں بیکار ثابت ہوئے تھے۔ ایسی حالت میں یہ لوگ کشتی میں ایک موٹی رسی باندھ دیتے تھے۔ یہ رسی سامنے کے کسی بڑے درخت میں باندھ دی جاتی تھی اور پھر اس رسی کو پکڑ کر کشتی کو کھینچتے تھے۔ جب کشتی درخت کے پاس تک پہنچ جاتی تھی تو رسی کو کھول کر دوسرے درخت میں باندھ دیتے تھے۔ اور اسی طرح آگے بڑھتے جاتے تھے۔ کبھی کبھی ہوا کافی تیز ہوتی تھی تو بادبان سے کام لے کر کافی دور تک نکل جاتے تھے۔ مگر یہ تیز ہوا کبھی کبھی نقصان بھی پہنچاتی تھی۔ ایک مرتبہ تو اس تیز ہوا نے ان کی کشتی کو کنارے کے ریت اور جھاڑیوں پر ڈال دیا۔ بڑی دقت اور پریشانی کے بعد یہ لوگ پھر کشتی کو پانی میں لائے۔

ایک رات یہ لوگ دریا کے کنارے ٹھہرے ہوئے تھے۔ بیٹس سورج نکلنے سے پہلے ایک زور کے دھماکے کی آواز سن کر جاگ پڑا۔ فوراً ہی ملاح بھی جاگ گئے ادھر ادھر دیکھا تو معلوم ہوا کہ پاس ہی دریا کے اس پار دریا کا کنارا کٹ کٹ کر پانی میں گر رہا ہے۔ یہ دھماکے کی آواز دن چڑھے تک آتی رہی۔ تھوڑی دیر بعد ان لوگوں نے دیکھا کہ تین میل کے فاصلے پر دریا کے اس پار بے شمار درخت دریا میں بہہ رہے تھے۔ یہ درخت کوئی دو سو فیٹ لمبے تھے۔ ان کی کشتی آگے بڑھی مگر جب تک یہ لوگ دیکھ سکتے تھے یہی دیکھا کہ دریا کا کنارا کٹ کٹ کر پانی میں گر رہا تھا اور درخت دریا میں بہہ رہے تھے

پانچ ہفتے بعد بیٹس ایگا نامی (EGA) ایک گاؤں میں پہنچا جو ماناؤز سے ۳۷۰ میل کے فاصلے پر ہے۔ بیٹس نے اس کو اپنا ہیڈ کوارٹر بنایا۔ اور اس کے قریب کے جنگلوں میں سفر کرکے عجیب و غریب جانوروں اور چڑیوں کو جمع کرنے لگا۔ ۹ سال تک وہ دریائے ایمزن اور اس کے معاون دریاؤں میں سفر کرتا رہا۔ اس عرصے میں وہ سُرخ ہندوستانیوں کے ساتھ رہا۔ سفید رنگ والا کوئی تاجر کبھی کبھی اس کی نظر سے گذرتا تھا۔

ان دریاؤں میں گھڑیال بہت زیادہ تھے جو اِدھر اُدھر شکار کی تلاش میں پھرتے نظر آتے تھے۔ وہاں کے لوگوں نے ایک ہندوستانی بچے کا قصہ سُنایا۔ ایک ہندوستانی بچہ دریا میں نہا رہا تھا۔ اس کا باپ اور کچھ اور لوگ کنارے پر بیٹھے تھے۔ یکایک لڑکا چیخ پڑا۔ اور اُس کے چیخنے کی آواز نے اس کے باپ کو چونکا دیا۔ اس نے دیکھا کہ ایک گھڑیال اس کے بچے کو پانی کے اندر گھسیٹے لئے جا رہا ہے وہ فوراً پانی میں کود پڑا اور گھڑیال کی آنکھ میں اپنی انگلی گڑا دی۔ گھڑیال نے لڑکے کو چھوڑ دیا۔ باپ بیٹے کنارے پر واپس آئے۔ لڑکا زیادہ زخمی نہیں ہوا تھا۔

ایک مرتبہ بیٹس دریا کے کنارے کچھ ہندوستانیوں کے ساتھ سفر کر رہا تھا۔ یہ ہندوستانی دریا کے کنارے ریت میں کچھوے کا انڈا تلاش کرتے تھے۔ ہندوستانیوں نے دریا کے کنارے دور ہٹ کر اپنے ٹھہرنے کا جھونپڑا بنایا تھا لیکن بیٹس اور ایک ہندوستانی جس کا نام کارڈوزو (CARDOZO) تھا۔ پانی کے کنارے ایک جھونپڑے میں ٹھہرے تھے۔ کارڈوزو کے پاس ایک کتا تھا۔ یہ دونوں اپنی چارپائیوں پر لیٹے تھے اور کتا آگ کے الاؤ کے پاس لیٹا تھا۔ رات کے وقت پانی سے ایک گھڑیال نکل کر اُن کے جھونپڑے تک کتے کو پکڑنے کے لئے آیا۔ کتے کے بھونکنے سے کارڈوزو اُٹھ بیٹھا اور گھڑیال کو بھگانے کے لئے اس کو جلتی ہوئی لکڑی سے مارنے اور شور مچانے لگا۔ اس شور کو سُن کر بیٹس بھی جاگ پڑا اور اس نے دیکھا کہ کارڈوزو نے گھڑیال کو جلتی لکڑیوں سے مار کر پانی میں پہنچا دیا۔

ایک روز بیٹس کو معلوم ہوا کہ دریا ایمزن کے ایک معاون دریا ٹپاجوز (TAPAJOS) کے دوسرے کنارے پر جو ۴ میل چوڑا ہے۔ سفید بندر ہیں جن کو اس نے نہیں دیکھا ہے۔ اس نے پندرہ بیس آدمیوں کے ساتھ ایک بہت پرانی کشتی میں اس پار جانے کا ارادہ کیا۔ اس میں تین بھیڑیں بھی تھیں۔ بھیڑوں کے کھُر سے لگ کر کشتی میں سوراخ ہو گیا اور کشتی کے اندر پانی آنے لگا۔ کچھ لوگوں نے اپنے کپڑے پھاڑ کر سوراخ بند کئے اور کچھ لوگ کشتی سے پانی نکال رہے تھے۔ خدا خدا کرکے بڑی دقت اور پریشانی کے بعد کشتی کنارے پہنچ گئی۔



# میرا دلچسپ مشغلہ

امیر اللہ خاں، بھوپال

دسمبر کا پیام تعلیم ملا۔ اور مضمون کے مقابلہ کا سندیسہ بھی۔ جناب ہمیں تو بچپن میں سب سے زیادہ دلچسپ اور خوب صورت چیز تتلی معلوم ہوئی۔ نانی جان کہا کرتی ہیں کہ جب میں چھوٹا سا تھا تو میرے لئے اکثر نئے نئے کھلونے آیا کرتے تھے۔ اس وقت بھی میرا محبوب ترین کھلونا وہ ہوتا تھا۔ جو یا تو خود تتلی ہوتا تھا یا تتلی کی شکل سے ملتا جلتا۔ میرے پاس اب بھی ایک اسپرنگ سے چلنے والی جاپانی تتلی موجود ہے۔

یہ تو اس وقت کی بات ہے جب ہم نے ہوش نہیں سنبھالا تھا۔ لیکن وہ دن ہمیں کبھی نہ بھولیں گے جب ہم اپنے چچا یا بڑے بھائی جان کے ساتھ روز باغ جایا کرتے تھے وہاں کوئی تو سبزے پر دوڑ لگاتا۔ کوئی اپنے کھلونوں سے کھیلتا، مگر ہم ہیں کہ تتلیوں کے پیچھے دوڑ رہے ہیں۔ باغ میں روز جاتے ہی تھے، کئی ہم عمر، دوست بھی بن گئے۔ ہم سب مل کر تتلیوں کا پیچھا کرتے۔ مگر بھلا وہ کب ہمارے ہاتھ آتیں۔

کتنا دلچسپ ہوتا تھا وہ منظر جب ہمیں کوئی تتلی کسی پھول پر بیٹھی دکھائی دیتی! سب سے اشاروں سے کہا چپ چپ سب خاموش ہو جاتے اب ہم بلی کی طرح تاک لگائے ہوئے آہستہ آہستہ ایک ایک قدم پر رکتے جھجکتے اس کے پاس پہنچتے۔ اور سنبھال سنبھال کر نشانہ لے کر ہاتھ بڑھاتے۔ مگر کبھی تو ایک ذرا سے ہوا کے جھونکے سے پھول ہل جاتا اور وہ اڑ جاتی، کبھی ہماری پھولی ہوئی سانس کی آواز کو محسوس کر کے رفو چکر ہو جاتی۔ اور کبھی ہماری بے احتیاطی سے پاؤں غلط پڑ جاتا اور ہم ڈگمگا جاتے اور وہ آہٹ پاکر یہ جا وہ جا" غرض تتلی ہمارے ہاتھ نہ آتی تو ہم تھک کر ستانے کو بیٹھ جاتے۔ روز کا ہمارا یہی

مشغلہ تھا ۔۔۔ کسی روز اتفاق سے کوئی تتلی ہمارے ہاتھ آ جاتی تو پھر دیکھئے ہم کس قدر خوش! خوشی سے پھولے نہ سماتے تھے۔ سمجھتے تھے کہ اس وقت جو ہم ہیں سو دنیا میں کوئی نہیں! کبھی تتلی کو الٹ کر دیکھتے، کبھی پلٹ کر۔ کبھی اپنا کارنامہ دوسروں کو دکھا کر داد کے طلب گار ہوتے۔ جو تتلی کو پکڑ لیتا وہ اس روز بڑی عزت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ گویا اس کو مصاحبوں میں بادشاہ سمجھتے تھے۔ یہ عزت اکثر ہم ہی کو نصیب ہوتی تھی۔

تتلی کے پروں میں کچھ رنگین چمکدار سفوف سا ہوتا ہے۔ وہ جو ہمارے ہاتھوں میں لگتا تو ہم سمجھتے کہ بے چاری کو دکھ ہو رہا ہو گا اور ہم کو بوا جان (والدہ مرحومہ) کی کہن یاد آ جاتی کہ "بیٹا کسی کو، جان دار ہو یا بے جان خواہ مخواہ نہیں ستاتے۔ نہیں تو گناہ ہوتا ہے اللہ میاں ناراض ہو جاتے ہیں۔" اور ہم اسے چھوڑ دیتے۔

ایک دفعہ ہمارے ہاں "لوٹ" "دکچے چنے" آئے بڑے مزے سے سب کے سب ایک ایک ٹہنی لئے کھا رہے تھے۔ میرے پاس جو ٹہنی آئی اس میں سے ایک موٹا سا ہرے رنگ کا کیڑا نکلا۔ میں نے ڈر کر پھینک دیا کہ کاٹ نہ کھائے۔ اور لگا پاؤں سے کچلنے مگر بڑی آپا "ہائیں ہائیں" کرکے دوڑیں اور کہنے لگیں اسے مارو نہیں اس کی تتلی بنائیں گے جاؤ بڑے بھائی جان سے سوئیوں کی خالی ڈبیا مانگ لاؤ۔ بڑی منتوں اور خوشامدوں سے ڈبیا ملی۔ اس میں کچھ ہری پتیاں کیڑے سمیت بند کر دی گئیں۔ کیڑے کا روز معائنہ ہوا کرتا۔ پانچ چھ روز کے بعد اس کی شکل چکردار گھونگے کی سی ہو گئی۔ بالکل ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کیڑا مر گیا۔ ہلے نہ جلے۔ کوئی پندرہ دن تک یہی حالت رہی۔ ایک روز میں نے کھول کر جو دیکھا تو ڈبیا میں کچھ پھڑ پھڑایا۔ میں نے جلدی سے ڈبیا بند کر دی بڑی آپا کے پاس لے کر پہنچا۔ تتلی بن گئی تتلی بن گئی کا شور ہو گیا۔ سب بچوں نے بڑی آپا کو گھیر لیا۔ ہر ایک یہ چاہتا تھا کہ پہلے میں تتلی کو دیکھوں۔ ایک کو ایک دھکے دے رہا تھا۔ بڑی آپا نے جو ڈبیا کھولی تو انھیں بھی ایک دھکا ملا۔ ڈبیا احمد میاں کے سر پر جا کر پڑی۔ وہ بے چارے سر سہلاتے ہوئے ایک طرف کو ہوئے۔ تتلی پہلے ہی اڑ چکی تھی ہمیں اس تتلی کو دیکھنے کی آرزو ہی رہ گئی مگر ہاں یہ یقین ضرور ہو گیا کہ تتلی اصل میں

ایک کیڑا ہوتا ہے۔ جو کھونگھے کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ اور بعد میں پھر اس میں سے تتلی نکل کر اڑ جاتی ہے۔

تتلیوں کے پکڑنے کا مشغلہ ابھی چھوٹا ہے جب سے ہم اسکاوٹ ہو گئے ہیں۔ اسکاوٹ کا چھٹا قانون ہے کہ اسکاوٹ جانوروں پر مہربان ہوتا ہے۔ اسی قانون کی پابندی نے ہمیں مجبور کر دیا، نہیں تو ہمارے پاس اس وقت ایک البم ہوتا۔ اور اس میں طرح طرح کی رنگین اور خوب صورت تتلیاں چسپاں ہوتیں!

اس کے علاوہ میرا ایک اور مشغلہ ہے بہت دلچسپ؛ چھوٹے چھوٹے بچے مجھے بڑے اچھے لگتے ہیں۔ لگتے تو سب ہی کو اچھے ہیں مگر میری طرح نہیں۔

ہم جب چھوٹے تھے اور باغ میں تتلیاں پکڑنے جایا کرتے تھے، وہاں اور بھی بہت سے بچے آیا کرتے تھے۔ ہماری دوستی ان سے بہت جلد ہو جاتی تھی اب تو میں بچہ نہیں رہا۔ لیکن اب بھی مجھ میں وہ صلاحیت موجود ہے کہ بچے مجھ سے بہت مانوس ہو جاتے ہیں اس لئے نہیں کہ میں انھیں مٹھائی یا کھلونوں کا لالچ دے کر بہلا لیا کرتا ہوں۔ بلکہ میرا رویہ ان کے ساتھ ایسا ہوتا ہے کہ وہ مجھ سے ہل جاتے ہیں۔ میں بچوں کی عادت اور ان کے مزاج کا بہت جلد اندازہ لگا لیتا ہوں۔ یہی میری کامیابی کی کنجی ہے۔

## سعادت

پارسال کی طرح اس سال بچوں کے پندرہ روزہ رسالہ سعادت نے بھی اپنا سالنامہ بہت اہتمام سے شائع کیا ہے۔ مضمون، نظمیں، کہانیاں، سبھی چیزیں بہت اچھی اور دلچسپ ہیں لکھنے والوں میں مولینا عبدالمجید سالک جناب شفیع الدین صاحب نیر جناب حفیظ جالندھری۔ جناب نصیر احمد صاحب جناب عارف صاحب کے نام خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ کئی اچھی کہانیاں اور دلچسپ نظمیں خود ایڈیٹر صاحب کی ہیں۔ لکھائی چھپائی اور کاغذ بھی بہت اچھا ہے۔ ٹائیٹل دو رنگا ہے مگر بہت سادہ اور بہت بھلا لگتا ہے۔ غرض فاروقی صاحب کی کوشش ہر اعتبار سے قابل مبارکباد ہے۔

مقام اشاعت لاہور

# بچوں کی نظمیں

محمد شفیع الدین صاحب نیرؔ

اصلاح کے بعد

## تارے

تارے آسمان کے ... پیارے کُل جہان کے
دن میں تم چھُپے رہے ... شب کو پھر چمک اُٹھے
جگمگا اُٹھے کبھی ... مُسکرا اُٹھے کبھی
ہلکی ہلکی روشنی ... آنکھ کو لگے بھلی
آسمان گھر بنا ... چاند ہم سفر بنا
بادلوں کا رازدار ... بجلیوں سے ہم کنار
دے چلا ہے راحتیں ... لے چلا ہے نکہتیں
تیری سرد چھاؤں میں ... خوش نما ہواؤں میں
ہو کے تجھ سے بے خبر ... سوؤں گا میں رات بھر
دیکھ سُن لیا ذرا ... کہہ رہا ہوں تجھ سے کیا
پھر جگا کے جائیو ... ہاں اُٹھا کے جائیو

تارے آسمان کے
لے میرا سلام لے

از ایس، ایم جبرئیل۔ جبلپور

# علم کی فضیلت

علم سے انسان پاتا ہے کمال
اس کے آگے ہیچ ہیں مال و منال

ہے حصولِ علم فرض انسان کا
خواہ کرنا ہو سفر جاپان کا

علم والوں کو ہے دنیا میں ثبات
جاہلوں کی پوچھتا ہے کون بات!

علم ہے کامل ترقی کا سبب
دور کرتا ہے یہ سب رنج و تعب

علم سے انسان پاتا ہے فروغ
ہے یہ سچ اس میں نہیں کچھ بھی دروغ

دولت و ثروت سبھی ہے علم سے
عزت و حشمت سبھی ہے علم سے

چاہتا ہے دولت و اقبال گر
علم سے غافل نہ ہو اے بے خبر

تار، ٹیلیفون، موٹر اور ریل
علم ہی کے تو ہیں بس سارے یہ کھیل

چاہتے شہرت ہو گر اے دوستو
علم کو کوشش سے تم حاصل کرو

ہیں غرض اتنے فوائد علم کے
غیر ممکن ہے کہ کوئی لکھ سکے

ہے دعا عاصیؔ کی تجھ سے اے خدا
علم کی دولت تو کر سب کو عطا

(عاصیؔ - فتح گڑھی)

# ریڈیو

مارکونی نے بنایا ریڈیو
ہے بہت اچھا ہمارا ریڈیو

روز یہ گانے سناتا ہے ہمیں
روز یہ خبریں بتاتا ہے ہمیں

روز یہ باجا بجاتا ہے ضرور
گیت یہ اچھا سا گاتا ہے ضرور

ریڈیو ہم کو سناتا ہے ستار
اس لئے سنتے ہیں اکثر بار بار

مارکونی نے بنایا ریڈیو
ہے بہت اچھا ہمارا ریڈیو

([illegible])

# زلزلہ

محمد حسن، گیاوی

اس دنیا میں انسان پر بیسیوں مصیبتیں آتی ہیں۔ وبائیں، قحط، سیلاب، لڑائیاں وغیرہ۔ ان مصیبتوں سے بچاؤ کے لئے انسان اپنے مقدور بھر تدبیریں بھی کرتا ہے۔ مگر ایک مصیبت ایسی ہے جو آناً فاناً آتی ہے اور منٹوں اور سکنڈوں میں بے شمار عمارتوں کو تباہ ہزاروں عورتوں کو بیوہ اور ہزاروں بچوں کو یتیم کر جاتی ہے تم سمجھ گئے ہوگے کہ ہمارا مطلب زلزلے سے ہے۔

زلزلے ہزاروں لاکھوں برس سے آتے ہیں اور اسی طرح بے سان گمان آتے ہیں اگلے زمانے کے قصے چھوڑو ابھی کوئی سولہ سترہ سال ہوئے جاپان میں زلزلہ آیا تھا۔ شہر کے شہر تباہ ہوگئے، ہزاروں آدمی مرگئے بے شمار عمارتیں زمین کے برابر ہوگئیں اور کروڑوں روپے کا نقصان ہوا، پھر خود اپنے دیس یعنی بہار کے صوبے میں ایسا زلزلہ آیا کہ خدا کی پناہ! کہتے ہیں مونگیر مظفرپور دو شہر تو قریب قریب تباہ ہوگئے اور شہروں کو بھی کافی نقصان پہنچا۔ یہاں کے بعض قصے بہت دلچسپ مشہور ہیں۔ مثلاً پہاڑوں کے پاس بعض مقامات پر ریت ہی ریت نکل آیا۔ بعض پکے مکان زمین میں دھنس گئے بعض جگہ پانی نکل آیا۔ گیا کے ضلع میں بازیدپور ایک بستی ہے۔ یہ ایک ندی کے کنارے آباد ہے۔ ندی برسات کے علاوہ خشک رہتی ہے زلزلے کے زمانے میں یہ خشک تھی۔ زلزلہ آیا تو اس ندی کے کنارے کوئی ایک میل تک زمین پھٹ گئی یہ شگاف کوئی چھ انچ چوڑا ہوگا۔ اس میں کئی جگہ سے پانی نکل کر بہنے لگا۔ پانی کے ساتھ مچھلیاں بھی نکل پڑیں۔

اس سے بھی عجیب تر واقعہ یہ ہوا کہ ندی کی خشک ریت میں ہزاروں فوارے پھوٹ پڑے۔ پانی نکل کر بہنے لگا۔ بعض کا پانی تو دو دو تین تین فٹ اوپر اٹھ رہا تھا۔

بچے ایک [illegible] زلزلے
پریشانی بھول گئے اور ندی کی طرف دوڑے
بڑا دل کش منظر تھا۔ پانی کے ساتھ مچھلیاں بھی
نکل رہی تھیں۔ لوگ ان مچھلیوں پر پل پڑے۔

ابھی بہار کے زلزلے کی غمناک یاد باقی
تھی کہ دو تین سال کے بعد کوئٹہ میں بہت
شدید زلزلہ آیا اور دو چار ہی منٹ میں سارا
شہر کھنڈر ہو گیا۔ بہت کم ایسے خوش نصیب
تھے جو زندہ بچے اور ایسا تو کوئی بھی نہیں تھا
جس کے خاندان میں سے دو چار آدمی نہ مرے
ہوں۔ عمارتوں اور روپے پیسے کا نقصان تو
بے اندازہ ہوا۔

ابھی پچھلے سال ٹرکی میں بہت زبردست
زلزلہ آیا کہتے ہیں بہار کا زلزلہ بھی اس کے
آگے مات تھا۔ جان اور مال دونوں کا بہت
زیادہ نقصان ہوا۔ پھر ایک مصیبت یہ آئی
کہ زلزلے کے علاقے میں سیلاب آگیا۔ اور
درجۂ حرارت گر گیا، اس سے اور بھی تباہی آئی
کوئی دو مہینے ہوئے رومانیہ میں ایسا ہی زلزلہ
آگیا۔ اس سے دارالسلطنت بخارسٹ کو بہت
زبردست نقصان پہنچا۔ اس کے علاوہ اس
زلزلے کا اثر دور دور تک تھا۔

[illegible] اور [illegible] تو تم جانو انسان
کی فطرت میں ہے۔ شروع سے مختلف زمانوں
میں زلزلوں کی مختلف توجیہیں کی گئیں۔ چنانچہ ہر
ملک میں زلزلے کے بارے میں مختلف روایتیں
مشہور ہیں۔ خود ہمارے ملک میں ایک روایت
بہت عام اور بہت دلچسپ ہے۔

یہاں کے لوگوں کا خیال ہے کہ ہماری
زمین ایک گائے کے سینگ پر رکھی ہے
گائے جب ایک سینگ پر زمین کو رکھے رکھے
تھک جاتی ہے تو اسے دوسرے سینگ پر
رکھنا چاہتی ہے۔ بس سینگ بدلتے وقت زمین
کو حرکت ہوتی ہے اور زلزلہ آجاتا ہے۔ مگر
جوں جوں دنیا نے اور اس کے ساتھ علم اور
عقل نے ترقی کی۔ یہ خیالات بھی خرافات
ثابت ہونے لگے۔ پڑھے لکھے لوگوں نے سائنس
کی مدد سے بہت سی تحقیقیں کیں اور یہ سلسلہ
اب تک جاری ہے۔ ایک بالکل نئی اور تازہ
تحقیق مرتبے کا نظریہ کہلاتی ہے۔ اس نظریے
کا نام ہے الاسٹک ری باؤنڈ (EE-STIC REBOUND THE-
ORY) اسے سمجھنے کے لئے ہمیں ذرا پیچھے کو مڑنا
پڑے گا۔ بہت پیچھے جب یہ دنیا وجود میں
آرہی تھی

کہتے ہیں زمین کا وجود بھاپ کی شکل میں
ہوا۔ جوں جوں اس کی عمر بڑھتی گئی یہ

ٹھنڈی ہوتی گئی اور مادا کی شکل میں تبدیل ہوتی گئی۔ یہ مادا جوں جوں ٹھنڈا ہوتا گیا ٹھوس ہوتا گیا۔ چنانچہ زمین کے اوپر کا حصہ بالکل ٹھنڈا اور ٹھوس ہے۔ لیکن اندرونی حصہ ابھی تک بیچ کی منزل میں ہے۔ یعنی بہت ہی گرم مادا ہے، جو آہستہ آہستہ ٹھنڈا ہو رہا ہے

یہ تو تمھیں معلوم ہے کہ ہر چیز ٹھنڈی ہونے پر سکڑتی ہے۔ کوئی گرم چیز جتنی جگہ گھیرے گی ٹھنڈی چیز اس سے کم جگہ گھیرے گی۔ اچھا تو جب زمین کے اندر کا حصہ ٹھنڈا ہو کر کچھ سکڑتا ہوگا۔ تو اس نئے ٹھنڈے ٹکڑے اور پرانے ٹھنڈی ٹکڑے کے درمیان کچھ جگہ تو ضرور خالی ہوتی ہوگی ہاں اور آگے بڑھنے سے پہلے ایک بات اور سمجھ لو تمھاری زمین بھی گھڑی کی کمانی کی طرح لچکدار ہے۔ تم روزانہ ہر چوبیس گھنٹے کے بعد اس میں کوک دیتے ہو مگر وہ آہستہ آہستہ کھل کر پھر اپنی اصلی صورت اختیار کر لیتی ہے چنانچہ زمین کے اندرونی حصے کے سکڑنے کی وجہ سے جو جگہ خالی ہو جاتی ہے اوپر کے بوجھ یا دباؤ کی وجہ سے زمین کا اوپری حصہ اس طرف چلنا شروع ہوتا ہے۔ بوجھ زیادہ ہوتا ہے۔ تو کم زور حصہ ٹوٹ کر خالی جگہ میں گر جاتا ہے۔ باقی حصہ لچکدار ہونے کی وجہ سے بہت بڑی طاقت سے واپس جاتا ہے۔ مثال کے طور پر یوں سمجھو کہ کسی پیڑ کی باہر نکلی ہوئی شاخ کو پکڑ کر لٹک جاؤ۔ اور پھر ایک دم چھوڑ دو یہ شاخ بجائے اپنی جگہ پر واپس چلے جانے کے جھٹکے لیتی رہے گی۔ یہ جھٹکے پہلے بہت تیز ہوں گے، رفتہ رفتہ کم ہوتے جائیں گے۔ یہی حالت یہاں بھی ہوتی ہے۔ مگر چونکہ زمین پر دباؤ بہت زیادہ ہے۔ اس لئے یہ جھٹکے بہت زبردست ہوتے ہیں۔ اور یہی زلزلہ ہے۔

اگر زلزلے کا اثر بہت دور تک ہوتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ زمین کا بہت بڑا حصہ بہت تیزی سے اپنی جگہ واپس آیا ہے۔ اگر تھوڑے سے علاقے میں زور کے کئی کئی جھٹکے محسوس ہوتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ زمین کا وہ ٹکڑا جو اپنی جگہ واپس آیا ہے بہت لچکدار تھا۔ اور اس ٹکڑے کی لمبائی چوڑائی کے مقابلے میں زیادہ تھی۔



# بلی آڑے آئی

حلیم قادری صدیقی حیدرآبادی

ایک دن کا ذکر ہے کہ پھوپی اماں ہم سے کہنے لگیں "بیٹا! دیکھنا جب کبھی تم کسی کام پر جاؤ اور بلی آڑے آ جائے۔ تو الٹے پاؤں واپس چلے آنا، کیونکہ بلی کے آڑے آنے سے کام نہیں بنتا۔ اور سب معاملہ الٹا پلٹا ہو جاتا ہے ہاں اور اگر کوئی اُلّو بولے تو بھی یہی حال ہوتا ہے۔ اُلّو بہت منحوس جانور ہے۔" ہم بھلا روشن خیال اور ترقی یافتہ زمانے کی پیداوار ان پرانی بوڑھیوں کی باتوں کو کہاں خاطر میں لاتے۔ ہم نے پھوپی اماں کے اس وہم کی وہ مذمت کی کہ وہ غصے سے لال پیلی ہو گئیں اور ہمیں پیٹنے کی دھمکی دینے لگیں۔ ہم نے ایک قہقہہ لگایا۔ مگر پھوپی اماں سے دور جا کر اور وہیں سے کہنا شروع کیا "پھوپی اماں! رہنے بھی دو ان باتوں کو آخر ان فضول چیزوں میں دھرا ہی کیا ہے۔ یہ تو محض بوڑھیوں کی من گھڑت باتیں ہیں اور تمام قصور ان کی جہالت کا ہے۔" ہمارا یہ کہنا تھا کہ اپنی لکڑی لے کر ہماری طرف لپکیں، ہم وہاں سے چمپت ہونا چاہتے تھے۔ مگر نہ معلوم کیوں ہمارے پاؤں میں زنجیریں پڑ گئیں۔ اس کی وجہ شاید پھوپی اماں کا ڈر تھا۔ ہم نے فوراً توبہ کرتے ہوئے کہا "پھوپی اماں اب سے نہیں کریں گے معاف کر دیجئے۔" پھوپی اماں کا غصہ تو اتر گیا۔ مگر انھوں نے فاتحانہ انداز میں کھڑے ہو کر یوں خطبہ شروع کیا۔

"ہمارے سامنے کا لونڈا اور یہ جرأت! ہماری باتوں کا مذاق اڑاتا ہے۔ بے ادب کہیں کا! میں پہلے ہی سے تیرے باپ سے کہتی تھی کہ دیکھو اسے انگریزی نہ پڑھا۔ انگریزی پڑھنے سے لڑکے بے ادب اور گستاخ ہو جاتے ہیں مگر وہ میری بات کاہے کو سنتا۔ ذرا اس چھوکرے کو دیکھو کتنا بے ادب ہو گیا ہے ہماری باتوں کو ہنسی میں اڑاتا ہے۔ اچھا

[illegible] اپنے باپ کو کیا [illegible] ہوں [illegible] کر پھوپی اماں لکڑی رکھ بیٹھ گئیں اور ہم ڈرتے ڈرتے ان کے نزدیک پہنچے اور بہت عاجزی سے معافی کی درخواست کی اور جھوٹ موٹ رونے بھی لگے۔ اس پر ہماری رحم دل پھوپی اماں کی محبت کا دریا جوش میں آیا۔ اور انھوں نے ہمیں سینے سے لگاتے ہوئے کہا۔ "دیکھو آئندہ ایسا نہ کرنا۔ بیٹا! بڑوں کا ادب کیا کرو۔ بڑے جو بھی کہیں، اس کو کان لگا کر سنو۔ فضول ضد کبھی نہ کرنا چاہئیے۔" پھر شفقت سے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہنے لگیں "اچھا تجھے میری بات پر یقین نہیں آتا تو میں تیرے پھوپا کا ایک قصہ سناتی ہوں۔ وہ بھی تیری طرح میری ان باتوں کی پرواہ نہ کرتے تھے۔ ایک روز صبح صبح انھیں کسی کام پر جانا تھا۔ کپڑے پہن کر دالان کے دروازے سے نکل رہے تھے کہ ایک کالی بلی آڑے آگئی۔ میں نے یہ دیکھ لیا اور انھیں روکنے کی کوشش کی مگر وہ کہاں مانتے اچلے گئے جب واپس آئے تو معلوم ہوا کہ تمام کام الٹا ہو گیا۔ اس روز سے وہ میرے قائل ہو گئے۔"

پھوپی اماں کی یہ تقریر سن کر سچ ملنئے ہم بھی ان کے قائل ہو گئے۔

[illegible] اس کالی بلی نے ہمارے ساتھ کیا شرارت کی۔ امتحان ختم ہو [illegible] گذر رہے تھے۔ مگر تاریخ و جغرافیہ [illegible] نمبر آنے کی امید تھی۔ نتیجہ کو [illegible] آٹھ دن باقی تھے۔ ہمیں [illegible] انتظار تھا کیوں کہ امید تھی کہ ہم بفضلہ تعالیٰ ضرور کامیاب ہو جائیں گے۔ آخر وہ دن آ ہی گیا صبح اٹھ کر وضو کیا نماز پڑھی اور بارگاہ ربّ العزت میں غیر معمولی طور پر گڑ گڑا کر دعائیں مانگنے لگے، پھر ناشتہ کیا اور کپڑے پہن کر تیار ہو گئے۔ اتنے میں ہمارے ہم جماعت، ہم عمر اور سب سے زیادہ عزیز دوست سلیم آ گئے ہم دونوں سائیکلوں پر سوار ہوئے اور مدرسہ کا رخ کیا۔ کچھ دور پہنچے تھے کہ ہمارے منہ سے بیساختہ ایک چیخ نکل گئی۔ "سلیم!" اور ہم دھڑام سے زمین پر آ رہے۔ سائیکل ایک طرف اور ہم ایک طرف، کہیں آپ یہ نہ سمجھے گا کہ ٹکر ہو گئی۔ بلکہ واقعہ یہ تھا کہ ایک موٹی تازی کالی بلی ہمارے آڑے آ گئی تھی اس کو دیکھتے ہی سائیکل تلے کی زمین نکل گئی۔ دماغ چکرانے لگا۔ آنکھوں میں کالی بلیاں پھرنے لگیں ہم سلیم کی مدد سے اٹھ کھڑے ہوئے اور کپڑے جھاڑ کر سلیم سے سارا ماجرا کہہ دیا

اللہ گھر لوٹنے کی اجازت [illegible]
وہم پرستی پر ہنسنے لگا۔ [illegible] تھے ہمیں
گھر واپس جانے سے منع تھا اور پکڑ کر کسی نہ کسی
طرح مدرسے ہی چلا۔ اب ہمیں پھوپی امّاں
کی بات [illegible] آ رہی تھی کانوں میں
الّوؤں کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ غلط
نہ کہ اس روز دن کے وقت الّو بول رہے
تھے۔ اور وہ بھی شہر کے اندر آنکھوں کے
سامنے موٹی تازی کالی بلیاں بڑی سرگرمی
کے ساتھ اِدھر سے اُدھر پھر رہی تھیں۔ اب
ہمارے دماغ سے امتحان میں کامیاب ہونے
کا خیال کوسوں دور تھا۔ اسی وحشت انگیز
حالت میں ہم مدرسہ پہنچے اور نوٹس بورڈ پر
کانپتی ہوئی نگاہیں ڈالیں۔ میرے اللہ میری
مدد کر! آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا اور جسم
بید کی طرح کانپنے لگا۔ فہرست میں ہمارا نام
موجود نہ تھا۔ ہاں البتہ سلیم کا نام نظر آیا

[illegible] کھڑے تھے کہ اتنے میں
پیچھے سے [illegible] ہماری پیٹھ ٹھونکتے ہوئے
کہا۔ "بھئی مبارک! کیوں آنکھیں پھاڑ پھاڑ
کر دیکھ رہے ہو؟ کیا ابھی اپنا نام نہیں دیکھ
کر چکے؟ نہیں بھیا؟" سلیم کی اس حرکت پر
ہمیں بڑا غصہ آیا۔ مگر ہم غصے کو ضبط کرتے
ہوئے بولے "مذاق نہ کرو سلیم! میرا نام
تو اس فہرست میں موجود ہی نہیں۔" اس
پر سلیم کو بہت غصہ آیا۔ اس نے ہمیں
ایک زور سے گھونسہ مارتے ہوئے کہا
"ارے آنکھوں کے اندھے دیکھ تیرا نام
سب سے اوپر درج ہے۔" اب جو دیکھتے
ہیں تو سچ مچ ہمارا نام فہرست میں سب سے
پہلے لکھا ہوا تھا۔ مگر اس وقت آنکھوں
پر کچھ ایسا پردہ پڑ گیا تھا کہ دیکھ نہ سکے
اب ہم بہت خوش ہوئے۔ مگر پھوپی
اماں پر رہ رہ کر غصہ آ رہا تھا۔

# فونٹین پن

عبدالحئی - حیدرآباد دکن

فونٹین پن تو اکثر پیامیوں کے پاس ہوگا۔ مگر اس پر کسی پیامی نے شاید ہی کبھی غور کیا ہو کہ یہ کب ایجاد ہوا اور کہاں بنتا ہے۔ فونٹین پن کو بعض لوگ جیبی قلم بھی کہتے ہیں

کوئی ایک سو سال پہلے پَر یا برو کا قلم استعمال ہوتا تھا۔ اب بھی کہیں کہیں اس کا رواج ہے۔ سو سال پہلے نب والا قلم ایجاد ہوا۔ شروع میں اسے عام طور پر پسند نہیں کیا گیا۔ لیکن ۱۸۴۹ء میں بہت زیادہ استعمال ہونے لگا۔ صرف انگلستان کے ایک شہر برمنگھم میں دو ہزار آدمی روزانہ کام کر رہے تھے اور ہفتہ بھر میں ۹۲۶۰۰۰۰ قلم تیار ہوتے تھے

امریکہ میں پہلا سونے کا قلم ۱۸۳۲ء میں بنایا گیا تھا اور پہلا فونٹین پن ۱۸۴۳ء میں تیار کیا گیا۔ ابتداء میں فونٹین پن بہت قیمتی ہوتے تھے۔ اور خراب بنتے تھے۔ اس لئے عام طور پر لوگوں میں مقبول نہیں ہوئے۔ انیسویں صدی کے آخری زمانے میں فونٹین پن زیادہ استعمال ہونے لگے۔ اس وقت خود بخود بھرے جانے والے فونٹین پن نہیں تھے۔ گذشتہ پچیس سال سے تو فونٹین پن کا استعمال بہت زیادہ ہو گیا ہے۔ اور اب تو ہر طالب علم اور ہر پڑھا لکھا فونٹین پن رکھنا ضروری سمجھتا ہے۔

فونٹین پن کے چار حصے ہوتے ہیں۔

۱۔ نیچے کا حصہ جس میں سیاہی ہوتی ہے۔
۲۔ اوپری حصہ
۳۔ پچھنا حصہ
۴۔ ڈھکنا۔

نیچے کا حصہ اور ڈھکنا بہترین قسم کے ربر سے تیار کیا جاتا ہے۔ پہلے ربر کو پندرہ دن گرم پانی میں رکھا جاتا ہے۔ اس کے بعد اس کو روندھا جاتا ہے۔ پھر اسے گندھک

کے ساتھ [illegible] کیا جاتا ہے۔ اس کام کو خاص طریقے سے کرنا پڑتا ہے۔ تاکہ ربر میں سختی پیدا ہو جائے۔ اب قلم کے مختلف حصے تیار کئے جاتے ہیں۔ قلم داموں کے قلم کے حصے مشین سے تیار ہوتے ہیں اور قیمتی قلم ہاتھ سے تیار کئے جاتے ہیں آج کل جاپان کافی زیادہ سستے قلم بنا کر ہندوستان میں فروخت کرتا ہے۔ مختلف حصے تیار ہونے کے بعد ان پر پالش کی جاتی ہے۔ پھر مختلف تجربے کئے جاتے ہیں۔ فونٹین پن کو پانی کے اندر رکھا جاتا ہے۔ اور ہوا کو پچکاری کے ذریعہ دباؤ کے ساتھ قلم کے اندر داخل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

سونے کی نب کی یہ خصوصیت ہوتی ہے کہ اسے زنگ نہیں لگتا۔ اگر ہم اس کو سیاہی میں ایک سال تک رکھ چھوڑیں تب بھی خراب نہیں ہوتی۔ اس کے خلاف لوہے کی نب کو زنگ لگ جاتا ہے۔

خالص سونے کی نب نرم ہوتی ہے۔ اور جلد خراب ہو جاتی ہے۔ اس لئے اس میں چاندی [illegible] لیکن اب اور طریقہ بھی اچھا ہوا۔ یعنی نب کی نوک پر ایک قیمتی دھات اریڈیم (iridium) لگائی جاتی ہے۔ یہ دھات بہت سخت ہوتی ہے۔ اس کی وجہ سے سونے کی نب جلد خراب نہیں ہوتی اور بہت دنوں تک کام دیتی ہے۔ نب پر دھات بٹھانا بھی بہت مشکل کام ہے کیونکہ یہ سخت ہوتی ہے۔ ہیروں کے ریزوں کے ذریعہ اس کو نب کی نوک پر چڑھایا جاتا ہے۔ یہ دھات صرف قیمتی قلموں کے نبوں میں استعمال کی جاتی ہے۔ جیسے پارکر وغیرہ

کارخانے میں جس جگہ سونے کے نب تیار ہوتے ہیں اور جہاں ان پر پالش کی جاتی ہے۔ وہاں کام کرنے والوں کو ایک خاص قسم کا لباس پہنایا جاتا ہے۔ اس لباس کو دھویا نہیں جاتا بلکہ چند روز کے بعد اسے جلا دیا جاتا ہے۔ اور سونا راکھ سے دوبارہ حاصل کر لیا جاتا ہے۔

# دوبئی کے غوطہ خور

جناب محمد ایوب صاحب

بیٹے انور ۔ سلمہ

میں ہر لفافے میں تمھارا خط تلاش کرتا ہوں ۔ نہیں ہوتا تو افسوس ہوتا ہے ۔ تم مجھے باقاعدہ خط لکھا کرو ۔ اس میں کچھ نہیں تو ہندوستان کی اور دوسرے ملکوں کی ہفتے بھر کی خبریں ہی لکھ بھیجا کرو جیسے تم اپنے مستونگ[1] کے اسکول میں سنایا کرتے تھے ۔ میں جواب میں انشاء اللہ اتنا لمبا خط لکھوں گا جتنا تم لکھو گے ۔ آج بھی میں تمھیں دوبئی کے کچھ حالات لکھ رہا ہوں ۔

ذرا پہلے ایران اور عرب کا نقشہ دیکھ لو ۔ دیکھو خلیج فارس میں عرب کے کنارے بندر عباس سے کوئی ۹۰ میل کے فاصلے پر دوبئی واقع ہے ۔ یہاں ۵۰ فی صدی سے زیادہ ایرانی آباد ہیں ۔ یہ لوگ زیادہ تر تجارت پیشہ ہیں تھوڑے سے ایران کے بلوچ بھی ہیں ۔ یہ زیادہ تر محنت مزدوری کرتے ہیں ۔ اُن کی اصل زبان بلوچی ہے جو کران میں بولی جاتی ہے ۔ ان کے علاوہ اور سب عرب ہیں ۔ ان کی گزر اوقات زیادہ تر موتی نکالنے پر ہے ۔

موتی نکالنے کا کام عام طور پر جون سے شروع ہوتا ہے اور اکتوبر کے آخر میں بند کر دیا جاتا ہے ۔ [illegible] کے مہینے میں یہ لوگ کام نہیں کرتے ۔ رمضان [illegible] میں پڑ جائے تو یہ مہینہ ختم کرنے کے بعد موتی [illegible] کام شروع کرتے ہیں ۔ موتی نکالنے کو یہاں غوص [illegible] ہیں اور موتی نکالنے والا غواص کہلاتا ہے ۔

گرمیوں کے شروع میں یہ لوگ بڑی بڑی [illegible] میں کھانے پینے کا سامان لے کر غواصی کے لئے [illegible] ہیں اور چار پانچ مہینے کے بعد لوٹا کرتے ہیں ۔ اگر موتی کافی مقدار میں نکل آئے یا کھانے پینے کا سامان ختم ہو گیا یا کشتیوں کی مرمت کی ضرورت پڑ گئی تو پہلے بھی آجاتے ہیں ۔

یہ کشتیاں چھوٹی بڑی سبھی طرح کی ہوتی ہیں اور ان میں ۲۰ سے لے کر ۰۰ تک آدمی بیٹھ سکتے ہیں

[1] مستونگ بلوچستان میں ریاست قلات کے پاس ایک قصبے کا نام ہے

بڑی کشتیاں کافی بڑی ہوتی ہیں اور ان میں اچھی خاصی گنجائش ہوتی ہے۔ ان کشتیوں کو یہ لوگ جہاز کہتے ہیں۔ یہ کشتیاں یا جہاز خود ہی بناتے ہیں۔ لکڑی ملیبار سے آتی ہے۔ (کشتیوں کے لئے خاص لکڑی کی ضرورت ہوتی ہے۔)

غوّاص جب گرمیوں کے آخر میں [illegible] کشتیوں پر واپس آتے ہیں تو اسے یہاں قفال کہتے ہیں۔ آج کل یہاں قفال کے دن ہیں۔ کل سے غوّاصوں کی کشتیاں واپس آرہی ہیں۔ بڑی کشتیوں میں چھوٹی چھوٹی توپیں بھی ہوتی ہیں۔ کشتی والے دوبئی پہنچتے ہی ایک ایک توپ داغتے ہیں۔ یہ گویا یہاں پہنچنے کا اعلان ہے۔ کل دن بھر وقتاً فوقتاً توپیں چلتی رہیں۔ رات بھی یہی حال رہا۔ جہازوں پر سے جداگانہ جھنڈے بھی لہراتے رہے۔

اب دو تین دن یہ جہازوں کا سامان اور سیپیے وغیرہ نکالیں گے اور سیپیوں میں سے موتی نکال کر فروخت کریں گے۔ پھر نو دس دن تک [illegible] بازاروں میں گھومیں پھریں گے۔ [illegible] چہل پہل ہو جاتی ہے [illegible] کیونکہ یہ سب لوگ دوبئی کے نہیں ہیں۔ کچھ لوگ پاس کے دیہات کے بھی ہیں۔

جہاز کے مالک کو ناخدا کہتے ہیں۔ انھیں موتیوں کی قیمت کا آدھا حصہ دینا پڑتا ہے۔ کچھ حصہ یہاں کے رئیس یعنی شیخ دوبئی کو بھی دیا جاتا ہے۔ باقی آپس میں بانٹ لیتے ہیں۔ فقط۔ تمہارا

محمد ایوب

## "غنچہ" سال گرہ نمبر

بچوں کے ہفتہ وار رسالہ غنچہ (بجنور) نے اس سال اپنا سال نامہ کھیل کود نمبر کے نام سے شائع کیا ہے۔ اس میں نظمیں، مضمون، کہانیاں، لیتھو اور بلاک کی تصویریں غرض سب چیزیں کھیل کود سے متعلق ہیں اور بہت خوب ہیں۔ مضمون نگاروں میں جناب مولانا شفیع الدین صاحب نیر۔ محمد احمد صاحب سبزواری۔ نکہت خاص صاحب ام اے۔ سیّد وحید احمد صاحب۔ عارف صاحب۔ فیض لدھیانوی صاحب اور ارشد تھانوی صاحب۔ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ کوئی چھ سات مضمون خود فاضل ایڈیٹر نے لکھے ہیں۔ ہمیں اُمید ہے کہ بچوں میں یہ نمبر بہت مقبول ہوگا۔ ہم شاغل فخری صاحب کو اس کامیابی پر مبارک باد دیتے ہیں۔

قیمت سالانہ سے۔ سال گرہ نمبر ۸۔ ملنے کا پتہ: مدینہ منزل بجنور۔




کبھی تم نے دلی کی سیر کی ہے۔ پرانے زمانے کی کیسی کیسی شاندار عمارتیں ہیں۔ قطب صاحب کی لاٹ، جامع مسجد، ہمایوں اور صفدر جنگ کے مقبرے۔ اور فیروز شاہ کا کوٹلہ وغیرہ اور ہاں فوارے سے آگے بڑھ کر لال لال رنگ کی کیسی شاندار عمارت ہے۔ بھئی تم سمجھ گئے! ہاں یہی لال قلعہ ہے۔ اس کے اندر بھی کبھی گئے ہو؟ کیسی اچھی عمارتیں ہیں۔ دیوانِ خاص دیوانِ عام۔ اور موتی مسجد۔ ان عمارتوں کے گرداگرد کس قدر زبردست اور مضبوط دیوار ہے اور باہر کی طرف اس دیوار سے لگی ہوئی کیسی چوڑی خندق ہے۔ یہ خندق اور دیوار اندر کی عمارت یا قلعے کی حفاظت کے لئے ہیں۔ خندق اب تو خشک پڑی ہے۔ پہلے اس میں پانی بھرا جاتا تھا۔ تاکہ دشمن اسے پار کر کے قلعہ کو فتح نہ کر سکے۔

یہ قلعہ کوئی تین سو برس ہوئے شاہ جہاں بادشاہ نے بنوایا تھا۔ پرانے زمانے کے سبھی قلعے اسی طرح بنوائے جاتے تھے۔ اندر عمارت، اس کے چاروں طرف چوڑی دیوار یا فصیل اور پھر گہری خندق۔

مگر جوں جوں لڑائی کے فن اور طریقے میں تبدیلی اور ترقی ہوتی گئی ان قلعوں کا وجود بیکار ہوتا گیا۔ پہلی بڑی لڑائی (۱۹۱۴ء ۱۹۱۸ء) میں پہلے تو کھلے میدانوں میں فوجوں کا مقابلہ ہوتا رہا۔ بعد میں دونوں طرف کی فوجوں کے لئے خندقیں بنوائی گئیں۔ گولہ باری انہی خندقوں میں بیٹھ کر کی جاتی تھی۔ یہ خندقیں پرانے قلعوں کی خندقوں سے بہت چھوٹی۔ بس سپاہی کے رہنے بھر کے لئے بنائی جاتیں۔ یہ خندقیں یا تو مشین کھودتی۔ یا سپاہیوں کے دستے اس کام کو انجام دیتے۔

خندق سے نکلی ہوئی مٹی دشمن کے [illegible] سے حفاظت کے لئے سامنے کے حصے میں ڈھیر

کردی جاتی۔ کلدار توپیں اور بندوقیں بھی اسی پر رکھ کر چلاتے۔

خندق کھودنے سے پہلے زمین کی خاصیت معلوم کی جاتی۔ برسات میں خندق کے دھنس جانے کا اندیشہ رہتا۔ اس لئے دیواروں کو چوڑا کرکے نالے کی طرح بناتے۔ یہ خندقیں سلسلے دار نہ بناتے بلکہ جدا جدا سمتوں اور الگ الگ مقامات پر، تاکہ دشمن ایک خندق پر قبضہ کرلے تو دوسری خندقیں محفوظ رہیں۔ اس کے علاوہ ایک سیدھ میں بھی نہ بناتے بلکہ ٹیڑھی ترچھی تاکہ مخالف فوج کو گولہ باری کے لئے ٹھیک سمت معلوم کرنے میں دقت ہو۔

خندقیں عموماً دو ہوتیں۔ اگلی خندق والے لڑائی میں مصروف رہتے۔ پچھلی خندق میں سامانِ رسد اور مدد کے لئے تازہ دم فوج ہوتی۔ ان میں سامان رسد اور گولہ بارود کے علاوہ بستر اور چارپائی وغیرہ کا بھی انتظام ہوتا۔ روشنی کے لئے بجلی کے لیمپ ہوتے۔ دور کے مقامات سے بات چیت کرنے کے لئے ٹیلی فون کا سلسلہ بھی ملا دیا جاتا۔ بعض ایسی توپیں بھی ایجاد ہوئیں جو خندق کے اندر سے مخالف فوج کی خندقوں پر گولہ باری کرسکیں۔

پچھلی بڑی لڑائی میں بعض بعض اہم مقامات پر زمین دوز خندقیں بھی بنائی گئیں۔ ان بند خندقوں میں کھلی خندقوں کے مقابلے میں مخالف کے حملے سے بہت کم نقصان ہوتا تھا۔ انھی زمین دوز خندقوں سے زمینی قلعے بنانے کا خیال پیدا ہوا۔ سب سے پہلے یہ خیال ایک فرانسیسی سپاہی ماژینو کے دل میں پیدا ہوا۔ یہ پچھلی بڑی لڑائی میں خندقوں میں کام کرچکا تھا۔ اور ترقی کرتے کرتے وزیر جنگ ہوگیا تھا۔ فرانس کے مشہور زمین دوز قلعے اسی کی اسکیم کے مطابق تیار ہوئے۔ مقصد یہ تھا کہ جرمنی سے دوبارہ لڑائی ہو تو ان کے حملوں کو روکا جائے۔ اور دوسری طرف ملک میں مقابلے کی تیاری کی جائے۔ ماژینو کا خیال ایک حد تک صحیح بھی نکلا موجودہ جنگ میں جرمن حملہ پچھلی بڑی لڑائی جیسا تیز نہیں رہا۔ پھر بھی لڑائی چھڑنے کے ایک عرصے کے بعد جرمنی ان مضبوط قلعوں کو توڑنے میں کامیاب ہوگیا۔ حالانکہ انھیں فتح کرنا ایک ناممکن بات سمجھی جاتی تھی اور ابھی تک دنیا اسی حیرانی میں ہے۔ کہ قلعہ کیوں کر فتح کیا گیا کہتے ہیں۔ فرانسیسیوں کے ہارنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ بہت عیش و آرام میں پڑ گئے تھے۔ انھیں ماژینو لائن پر اتنا بھروسہ ہوگیا تھا کہ انھوں نے اندرونی طور سے شہروں کو مسلح

نہیں کیا تھا۔

یہہ ماژینو لائن یا زمین دوز قلعے فرانسیسی سرحد پر سوئستان سے لکسمبرگ تک بنائے گئے بعد میں شمالی سمندر کے کنارے اور جنوب میں روم کے سمندر تک اور قلعے بنائے گئے۔ ان قلعوں کے عین مقابل جرمنوں نے بھی زیگفریڈ لائن کے نام سے ایسے ہی زمین دوز قلعے بنائے دوسری حکومتوں نے بھی اپنی اپنی سرحدوں کے بچاؤ کے لئے اسی قسم کے قلعے تیار کرائے مثلاً فنستان کی مانرھم لائن۔ روسی حملہ اس کی وجہ سے جلد کامیاب نہ ہو سکا۔

یہ قلعے کیا تھے، زندہ طلسمات تھے۔ ان کے لئے فرانسیسی سرحد کی ہر پہاڑی کو کام میں لانے کی کوشش کی گئی۔ جگہ جگہ پانی کا بہاؤ بدل دیا گیا۔ کہیں تالاب بنا دئے گئے تاکہ نمی سے قلعے کی دیواروں کو نقصان نہ پہنچے۔ بعض جگہ قلعوں کی توپیں چھپانے کے لئے اُگے ہوئے درختوں سے کام لیا گیا۔ یا درخت اگائے گئے کہیں مٹی کا بھراؤ ڈالا گیا، تو کہیں سے مٹی نکالی گئی۔ ہر توپ کے ساتھ نقشے رکھے گئے کہ وہ کہاں سے گولا باری کر سکتی ہے اور کس حد تک دشمن کی فوج کو نقصان پہنچا سکتی ہے۔ بعض توپیں دبابوں اور بڑھتی ہوئی فوج کے روکنے لئے تھیں۔ ایسی توپیں بھی رکھی گئیں جو مخالف فوج کا سایہ پڑتے ہی کام کرنے لگیں۔

ان توپ گھروں سے نیچے توپچیوں کے لئے آرام گاہیں بنوائی گئیں۔ آرام گاہوں سے مقررہ مقامات تک جانے کے لئے زمین دوز راستے بنوائے گئے۔ قلعوں کی دیواریں کنکریٹ اور فولاد سے بنائی گئیں تاکہ مسلسل گولا باری کا بھی کوئی اثر نہ ہو۔ اس کا بھی انتظام کیا گیا کہ کسی وجہ سے قلعے پر دشمن کا قبضہ ہو جائے تو بارود کے ذریعے قلعے کو اُڑا دیا جائے یا پانی سے [illegible] دیا جائے۔ جہاں دشمن کے حملے کا خطرہ زیادہ تھا وہاں کنکریٹ اور فولاد کی دیواریں بھی موٹی بنائی گئیں۔ قلعہ کے سامنے خاردار تار لگوائے گئے کہ مخالف سپاہی آگے نہ بڑھ سکیں۔ جگہ جگہ سرنگیں بچھائی گئیں۔ دبابوں کو گرانے کے لئے کمزور لکڑی سے پٹے ہوئے گڑھے بنائے گئے۔ رکاوٹ کے لئے کھڑے نوکدار لوہے یا پتھروں کے ٹکڑے یا مثلث نما لوہے کے ڈھانچے رکھے گئے۔

ان قلعوں میں ضرورت اور آرام کی چیز مہیا کی گئی۔ بجلی کی روشنی، پنکھے، آرام کے کمرے، کھیل اور ورزش کے میدان۔ قلعے سے دوسرے قلعے تک پہنچنے کے زمین دوز

ریلیں بنائی گئیں۔ ایک منزل سے دوسری منزل پر پہنچنے کے لئے بجلی کے لفٹ لگائے گئے۔ سامان بھی بجلی کے ذریعے نیچے اوپر یا ادھر ادھر آتا جاتا تھا۔ قلعے میں آگ لگنے کے اندیشے سے میز، کرسیاں، پلنگ اور دوسرا سامان ایسی چیزوں سے بنایا گیا تھا جس پر آگ اثر نہ کر سکے۔ زہریلی گیس کے خوف سے ایسا انتظام کیا گیا کہ ہوا باہر سے بالکل نہ آ سکے۔ اور اندر بجلی کے پنکھوں کے ذریعے تازہ ہوا پیدا ہوتی رہے قلعوں کے اندر بات چیت کے لئے ٹیلی فون کے دوہرے تار لگوائے گئے۔

ہر قلعے میں کئی برج بنوائے گئے اور ہر برج کا انتظام الگ الگ رکھا گیا۔ مقصد یہ تھا کہ ایک برج پر دشمن کا قبضہ ہو جائے تو اس کے دروازے بند کر کے دشمن کے لئے راستہ بند کر دیا جائے۔ پھر دوسرے برجوں سے اس پر حملہ کر دیا جائے۔ برج کے اوپر ہر توپ میں ایک دوربین لگی ہوتی۔ اس میں برج کے نزدیک آنے والے کی تصویر نظر آ جاتی۔ برج والے توپچی اس عکس کی مدد سے نشانہ جماتے۔

ہر قلعے کی فوج کا نام اور لباس الگ الگ ہوتا تھا۔ اور ہر پندرھویں دن پندرہ دن کے لئے سپاہیوں کو چھٹی دی جاتی تھی۔ معلوم نہیں اب جرمنی نے ان زمین دوز قلعوں کا کیا حشر کیا ہے۔

## سالنامے پر ایک رائے

پیام تعلیم بچوں کا پرچہ ہے جو مدت سے شائع ہوتا ہے اسے اتنی محنت اور توجہ سے مرتب کیا جاتا ہے کہ اس کا ہر عام پرچہ بھی خاص نمبر معلوم ہوتا ہے۔ اس وقت ہمارے ہاتھ میں پیام تعلیم کا سالگرہ نمبر ہے اسے بہت کاوش سے مرتب کیا گیا ہے اس میں مختلف قسم کے مضامین اور نظمیں درج ہیں۔ شفیع الدین نیر کی نظمیں اور کہانیاں خاص طور پر پسند ہیں علاوہ اس کے اور دوسرے اچھے مضمون نگاروں کے نام بھی نظر آتے ہیں مثلاً پروفیسر محمد مجیب صاحب۔ سعدالدین انصاری صاحب۔ آپا جان۔ فضل الدین کی تصویریں، کارٹون اور نئے نئے کھیل وغیرہ تو بہت ہی خوب ہیں۔ غرض یہ سالنامہ ہر لحاظ سے کامیاب ہے۔

سعادت لاہور

## بچوں کی کوشش

# کہانی

کہتے ہیں کسی زمانے میں دہلی کے قریب کے ایک گاؤں دوبہار میں للن نامی ایک دھنا رہتا تھا۔ مزدوری کے لئے وہ دہلی جایا کرتا تھا۔ ایک دن وہ دہلی جارہا تھا راستے میں گیدڑ سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ اب تو میاں للن بہت گھبرائے۔ سمجھے کوئی درندہ ہے کہیں پھاڑ نہ کھائے۔ چھپنے کی کوشش کرنے لگے۔ مگر ڈر کی وجہ سے ہاتھ پاؤں کانپ رہے تھے کچھ کرتے نہ بنتی تھی۔ گیدڑ بھی ان کے ہاتھ میں کمان وغیرہ (دھننے کا سامان) دیکھ کر ڈرا۔ سمجھا کوئی شکاری ہے۔ دونوں ایک دوسرے سے ڈرے سہمے کھڑے تھے اور اپنی اپنی جان بچانے کی فکر میں تھے۔ مگر کوئی ترکیب سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔ آخرکار گیدڑ اس سوچ بچار کی دوڑ میں آگے نکل گیا۔ ایک ترکیب اس کی سمجھ میں آئی کہ کسی طرح للن میاں کو دوست بنانا چاہیئے اس نے پہلے للن میاں کو سلام کیا اور کہا۔

"کاندھے دھنش ہاتھ میں بانا ٭ کہاں چلے دلی پترانا"

للن میاں نے جب یہ سنا تو اُن کی بھی ہمت بندھی جواب میں کہا۔

"بن کے راؤ جگت کے رانا ٭ بڑوں کو بڑوں نے پہچانا"

اس بات چیت کے بعد ایک دوسرے کو معلوم ہوگیا کہ وہ آپس میں دشمن نہیں ہیں اور دونوں نے اپنا اپنا راستہ لیا دہلی پہنچ کر یہ قصہ للن صاحب دوستوں کو کئی دن تک سناتے اور اپنی بہادری اور گیدڑ کی عقل مندی کی تعریف کرتے پھرے

(محمد سلیم۔ حیدرآباد دکن)

# ایک تاجر کی دلیری

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ کوئی تاجر کسی ملک کو مال فروخت کرنے جارہا تھا۔ چلتے چلتے وہ ایک بہت گھنے جنگل میں پہنچا۔ یکایک بہت زور کا دھماکا ہوا ............ اور ایک بہت ہی لمبا اور کالا دیو سامنے آگیا۔ یہ دیکھ کر تاجر بہت گھبرایا دیو کہنے لگا "بہت دنوں کے بعد تازہ شکار ہاتھ آیا۔ تاجر دل میں سوچنے لگا اس وقت اگر میں بھاگ جاؤں تو جان بچنا مشکل ہے ہمت سے کام لینا چاہیئے یہ سوچ کر اس نے ایک قہقہہ لگایا۔ یہ دیکھ کر دیو کو بہت حیرت ہوئی وہ بولا "اے آدم زاد مجھے تعجب ہوتا ہے کہ انسان مجھے دیکھتے ہی گھبرا جاتا ہے لیکن تو ہنس رہا ہے" تاجر پھر ایک زور کا قہقہہ لگا کر کہنے لگا "تیرے جیسے ایک کو تو میں نے قید کر رکھا ہے۔ دوسرے کی ضرورت تھی۔ اسی کی تلاش میں پھر رہا تھا خوش قسمتی کہ تو خود میرے سامنے

[illegible] تو ایک آئینہ دیکھ میں اپنی صورت دیکھی معلوم ہوا [illegible] کر دیو کے آگے رکھ دیا۔ دیو آئینہ دیکھ کر گھبرا گیا [illegible] کرنے لگا کہ یہ شخص مجھے بھی قید کرے گا اس لئے نہایت عاجزی سے رہائی کی التجا کرنے لگا مگر ناجا [illegible] کر گیا۔ آخر بڑی منت کے بعد اُسے بہت سے ہیرے، جواہرات دے کر اُسے چھوڑ دیا۔

## بے وقوف جاٹ

(سراج سلطانہ - بمبئی)

ایک جاٹ کا لڑکا کسی کالج میں پڑھتا تھا اس نے اپنے باپ کو خط لکھا کہ میرے لئے ایک جوتا بنوا کر پارسل سے بھیج دیجئے۔ جاٹ نے سوچا پارسل پہنچنے میں دیر لگے گی اگر تار کے ذریعے بھیجیں تو جلدی پہنچ جائے گا۔ تار خط سے پہلے پہنچتا ہے۔ یہ سوچ کر اس نے ٹیلیگراف کے تار سے جوتا باندھ دیا اور خود گھر چلا آیا۔

ادھر سے ایک راہ گیر جا رہا تھا۔ اس نے دیکھا کہ نیا جوتا تار پر لٹک رہا ہے اس نے اپنے پرانا جوتا وہیں باندھ دیا اور نیا جوتا پہن کر چلا گیا۔

دوسرے دن جاٹ نے سوچا ذرا جا کر دیکھ آؤں جوتا گیا یا نہیں ؟ وہاں پہنچا تو نئے جوتے کی جگہ پرانا جوتا بندھا پایا۔ جاٹ بہت خوش ہوا کہ میرا بیٹا بہت ہی سمجھ دار ہو گیا ہے۔ نیا جوتا خود پہن لیا اور پرانا میرے پاس بھیج دیا کہ وہ باپ کے کام آئے گا۔

## ریچھ اور چھوٹے پرندے

زاہدہ خاتون۔ رام نگر

کسی جنگل میں ایک ریچھ رہتا تھا۔ یہ بہت مغرور تھا ایک مرتبہ یہ ریچھ اور تیندوا ساتھ ساتھ جا رہے تھے راستے میں انھوں نے ایک پرندے کا گھونسلا دیکھا۔ پرندہ کہیں چلا گیا تھا بس چھوٹے چھوٹے بچے تھے۔ ریچھ نے کہا دیکھو میں ایک مذاق کرتا ہوں۔ میں درخت پر چڑھ کر چھوٹے چھوٹے بچوں کو ڈراؤں گا "تیندوے نے کہا" ایسا مت کرو۔ تمام جنگل کے پرندے تمہارے دشمن ہو جائیں گے ریچھ نے کہا مجھے اس کی بالکل پروا نہیں ہے وہ درخت پر چڑھ گیا۔ اپنی ناک گھونسلے میں ڈال دی اور بہت زور سے غرّایا۔ چھوٹے بچے بہت ڈرے دو منٹ بعد وہ درخت سے اُترا آیا اس نے تیندوے سے کہا میں ایسا مذاق اکثر کرتا رہتا ہوں" مگر تیندوے کو اس مذاق میں بالکل لطف نہیں آیا جب بچوں کے ماں باپ اپنے گھونسلے کو واپس آئے تو ان کے بچوں نے کہا آج ہم کو [illegible] دنوں بعد جنگل میں دو شکاری آئے وہ تمام دن جنگل میں شکار کی تلاش میں پھرے لیکن ان کو کوئی [illegible] لوٹتے وقت انھوں نے دیکھا کہ چڑیاں ایک جگہ چکر لگا رہی ہیں وہ اس عجیب و غریب نظارے کو دیکھنے کے لئے قریب [illegible] تو شکاریوں کو دیکھ کر اُڑ گئیں اور ایک شکاری نے ریچھ کو بندوق سے مار لیا (ترجمہ) (سعیدا اختر۔ بھوپال)



# مضمون لکھنے کی ترکیب

عائشہ سلطانہ، ماتا پدر

آپ تو یہ سمجھے ہوں گے کہ میں آپ کو مضمون لکھنے کا طریقہ بتا رہی ہوں۔ بات ایک اور ہے۔ سنئے۔ ایک ہیں ہماری چچی اماں۔ وہ اپنے آپ کو ہر فن میں طاق سمجھتی ہیں۔ جانے کیوں؟ اصل میں انھیں آتا کچھ بھی نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو بھلا میں یہ مضمون ہی کیوں لکھتی۔

چچی اماں کو مجھ سے اور میری سہیلیوں سے خاص طور پر عداوت ہے۔ جب وہ شیخی بگھارتے بگھارتے حد سے بڑھ جاتی ہیں تو پھر مجھ سے نہیں رہا جاتا۔ میں ان کی بات میں کوئی نہ کوئی نقص نکال ہی دیتی ہوں اور کبھی کبھی میری سہیلیاں بھی۔ بس پھر خباب اللہ دے اور بندہ لے۔ وہ وہ طوفان اٹھاتی ہیں کہ توبہ ہی بھلی۔ ہاں تو سنئے، ایک روز ہم مضمون لکھنے بیٹھے مگر چچی اماں کی غیر موجودگی میں۔ اگر وہ ہوتیں تو مضمون تو مضمون، شاید اپنا نام بھی دماغ میں نہ آتا۔ میں ذرا سا لکھ پائی تھی کہ چچی اماں نہ جانے کہاں سے ٹپک پڑیں اور بولیں "کیوں بیٹی عائشہ کیا ہو رہا ہے؟"

میں نے سہمی ہوئی آواز میں جواب دیا "چچی اماں مضمون لکھ رہی ہوں"۔ چچی اماں طنزیہ مسکرا کر اور میری نقل اتار کر اٹھلائی ہوئی زبان میں بولیں "چچی اماں مضمون لکھ رہی ہوں"۔ خدا کی شان یہ بھی مضمون لکھنے لگیں۔ اسی نگوڑے پیام تعلیم میں چھپواؤ گی! کیوں؟ اچھا ہاں ذرا دکھاؤ تو کیا لکھا ہے؟"

میں نے کانپتے ہاتھوں سے چچی اماں کو مضمون دیا اور وہ رعب جمانے کے لئے اسے زور زور سے پڑھنے لگیں۔

"زاہدہ نے ڈرتے ڈرتے آپا کے کمرے میں قدم رکھا اور سہمی ہوئی آواز میں رک رک کر کہنے لگی: "آپا"

آپا۔ کیا ہے۔

زاہدہ۔ آپا آپ کا...... (رک جاتی ہے)

[illegible]

زاہدہ مسکرا [illegible]

آپا: پریشان ہو کر "یا خدا کیا میرا بچہ گر گیا؟"

زاہدہ: جی ہاں۔

آپا: چوٹ تو نہیں آئی۔

[illegible]

اتنے میں آپا کا بچہ رشید دوڑتا ہوا آیا اسے دیکھ کر آپا کی جان میں جان آئی۔ اور زاہدہ سے ڈانٹ کر پوچھا "کیوں یہ کیا شرارت تھی۔ میرا لال تو یہ رہا!" زاہدہ نے جواب دیا۔ "میں نے خدا نخواستہ ننھے کو تھوڑا کہا۔ میں نے تو آپ کے ہرن کے......" چچی اماں اتنا پڑھ کر بولیں "اونہ مضمون لکھا ہے بغیر ہاتھ پاؤں کا۔ مضمون لکھنا کوئی آسان سمجھ لیا ہے۔ لوہے کے چنے ہیں لوہے کے۔ اگر تمہیں سیکھنا ہے تو ہم سے سیکھو ہم سے!"

میں نے ذرا دھیمی آواز میں کہا "مگر یہ ابھی پورا کہاں ہوا ہے۔" چچی اماں مسکرا کر بولیں "لے پورا ابھی کر لو گی تو کون سا تیر مارو گی۔ اس کی تو بسم اللہ ہی غلط ہوئی ہے" یہ بات مجھے بری [illegible] نے بہت ہی خوشامدانہ لہجے میں کہا "تو پھر چچی اماں آپ ہی مضمون لکھنا سکھا دیجئے" اب تو چچی اماں بہت سٹپٹائیں۔ مضمون تو مضمون انہیں تو اردو بھی صحیح لکھنا نہیں آتی تھی۔ لیکن آسانی سے ہار بھی ماننے والی نہیں تھیں۔ جھٹ قلم دوات لے کر کرسی پر بیٹھ گئیں۔ سر کو دونوں ہاتھوں میں رکھ کر بہت دیر تک سوچتی رہیں، پھر چارپائی پر آبیٹھیں تھوڑی دیر میں وہاں سے اتر کر فرش پر بیٹھ گئیں۔ دماغ میں کوئی مضمون ہی نہیں آ رہا تھا۔ میں چپکے سے وہاں سے کھسک آئی اور چھپ چھپ کر چچی اماں کو دیکھتی رہی کوئی پندرہ منٹ کے بعد وہ بھی کمرے سے نکلیں غصّے میں لال پیلی۔ قسمت کی ماری رشیدہ سامنے آ گئی۔ کوئی بات نکال کر اسی پر برس پڑیں۔ میں وہاں سے نو دو گیارہ ہوئی۔ تھوڑی دیر بعد کمرہ میں آئی تو بس کباڑی کی دکان معلوم ہوتا تھا۔ مگر میں آج بہت خوش تھی چچی اماں آج شکست کھا گئی تھیں۔ اور چچی اماں کا مضمون؟ ارے! ابھی تو انھوں نے بس مضمون کا عنوان ہی لکھا تھا

"مضمون لکھنے کی ترکیب"

پیامی اس صفحے (نمبر ۱۴) کے بارے میں اپنی رائے لکھ کر بھیجیں۔ جس کی رائے سب سے اچھی سمجھی جائے گی [illegible] جائے گی۔ اور اُسے آئندہ صفحے کے چار حل بھیجنے کا حق ہو گا [illegible] کم سے کم آٹھ سطر والی ہو [illegible]

# برادری

ایڈیٹر

عزیز بچیو اور بچو۔ خوش رہو اور تندرست۔

پچھلے دو مہینے بات کہتے میں گذر گئے۔ سردیاں ختم ہوگئیں۔ درختوں میں نئی نئی کونپلیں نکلنے لگیں نہ زیادہ سردی ہے نہ گرمی کیسا خوش گوار موسم ہے۔

یورپ کی لڑائی اب بھی جاری ہے۔ انگریز اب پہلے سے بہت زیادہ مضبوط ہوگئے ہیں۔ اُنھوں نے افریقہ میں اٹلی کی کمر توڑ دی ہے بے چارا ہر جگہ ہار رہا ہے۔ اِدھر یونان جیسے ملک سے شکست پر شکست کھا رہا ہے۔ جرمنی کو اپنے ایک ساتھی کے کمزور پڑ جانے سے بہت دھکا لگا ہے۔ اِس کے علاوہ انگلستان کو فتح کرنے میں اُسے سخت ناکامی ہوئی ہے۔ پھر بھی اس کی غرض وہی ہے۔ سُنا ہے اس نے انگلستان پر بہت بڑے حملے کی پوری تیاری کی ہے۔ اس حملے میں زہریلی گیس بھی استعمال کی جائے گی۔ رومانیہ کے ملک پر تو گویا اس نے قبضہ کر لیا ہے۔ انگریزوں کا سفیر بھی وہاں سے واپس آ رہا ہے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ جرمنی اب بلقان کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کا ہاتھ صاف کرنا چاہتا ہے۔ ٹرکی اور دوسرے ملک اپنے بچاؤ کی تدبیریں کر رہے ہیں۔

ہندوستان میں اس عرصے میں کوئی خاص بات نہیں ہوئی۔ حکومت کے خلاف ستیہ گرہ اسی طرح جاری ہے۔ ہندوستان کے بہت بڑے لیڈر سوبھاش بابو یکایک اپنے مکان سے غائب ہوگئے اور اب تک اُن کا پتہ نہیں چلا ہے۔ لڑائی کے سامان کی تیاری کے سلسلے میں یہاں بھی بہت سے کارخانے کھل رہے ہیں۔ ہوائی جہاز کا کارخانہ بھی کھلا ہے اور سُنا ہے ۱۹ جولائی تک اس کارخانے سے پہلا ہوائی جہاز تیار ہوگا۔

لکھنؤ کی شاخ کے پیامی ہر مہینے جاگو کے نام سے اپنا ایک قیمتی رسالہ نکالتے ہیں۔ کسی پچھلے پرچے میں اس کا ذکر آچکا ہے۔ اس مرتبہ پیامِ تعلیم کے سالنامے کے ساتھ انھوں نے اپنے رسالے کا سالنامہ بھی چھاپ کر شائع کیا ہے۔ اس سالنامے کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ پیامیوں نے اس کے لئے سب کام خود ہی کیا ہے۔ مضمون

[illegible] ہر صفحہ پر چھپی ہوئی ہے [illegible] یہاں تک [illegible]
بھی انہی کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ مضمون بھی خاصے دلچسپ ہیں۔ اس مفید کام کے سلسلے میں ان بچوں کو بہت سی نئی نئی باتیں معلوم ہوئیں۔ جیسے کتابت کی روشنائی کیا ہوتی ہے۔ کتابت کس کاغذ پر کی جاتی ہے۔ پتھر پر کاپی کیسے جمتی ہے۔ چھپائی کیسے ہوتی ہے۔ چھپائی کا کاغذ کہاں سے ملتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ ہم اس کامیابی پر اپنے عزیز پیامیوں کو مبارکباد دیتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ دوسری شاخوں کے پیامی بھی لکھنو والوں کی طرح آگے بڑھیں۔

اس سال مکتبے نے تمہارے لئے بہت اچھا تحفہ تیار کیا ہے۔ یہ تصویروں کا البم ہے اور اس کا نام ہے "بچوں کا البم" اردو زبان میں ہمارے خیال میں یہ سب سے پہلی کوشش ہے۔ البم میں ہر قسم کی تصویروں کو تیرہ بابوں میں تقسیم کیا ہے۔ مثلاً پھول، پھل، درخت، ترکاریاں، سواریاں، منظر، عمارتیں وغیرہ ہر صفحہ پر نو خانے ہیں ایک خانے میں نمونے کے لئے تصویر دی گئی ہے۔ باقی خالی ہیں۔ ہر خانے کے نیچے لکھ دیا گیا ہے کہ یہاں کس چیز کی تصویر ہونی چاہیے۔

پیام تعلیم نے ٹکٹوں کے علاوہ بچوں میں ہر قسم کی تصویریں جمع کرنے کا شوق بھی پیدا کر دیا ہے۔ ان بچوں کے لئے خاص طور پر یہ چیز مفید ہوگی۔ اب کے معما نمبر ۱۰ کے صحیح حل ان بچوں نے بھیجے ہیں

صحیح حل — اوّل انعام — فی کس ۱۲؍

(۱) سید ماجد علی زیدی۔ دہلی (۲) سید عمادالدین۔ بہاولپور (۳) مقبول احمد خاں۔ جلگاؤں
(۴) فضا احمد۔ دہلی (۵) عطاء الرحمٰن بہاری۔ دہلی (۶) رحیم الدین۔ دہلی

ہر ایک کے حساب میں کل ۱۲؍ پڑتے ہیں۔ ان سب کو انعام بھیج دیا گیا۔

ان بچوں کے حل میں ایک غلطی ہے — انعام فی کس ۱۲؍

(۱) آصفہ خاتون، ہردوئی (۲) عباس خان۔ دہلی (۳) محمد اسلم انصاری ٹرھل گنج (۴) احمد نور۔ اجین (۵) شیخ محمد طویل۔ جبل پور۔ (۶) سید منصور حسن۔ دہلی (۷) بلقیس اختر، انبالہ (۸) محمد حسن۔ لکھنؤ (۹) احمد حسن لکھنؤ (۱۰) ریاض احمد خاں اجین (۱۱) اقبال عزیز۔ دہلی (۱۲) خورشید مصطفےٰ۔ بجنور (۱۳) عنایت احمد خاں شیروانی۔ اجین (۱۴) جمیل اختر۔ دہلی (۱۵) منہاج حسین میرٹھ (۱۶) میر یوسف الزماں سنبھل (۱۷) عطاء الرحمٰن۔ دہلی (۱۸) محمد مسلم انصاری۔ ٹرھل گنج۔ (۱۹) شمس العارفین۔ دہلی (۲۰) عبدالوحید۔ دہلی۔

اس مرتبہ معما بھیجنے کی آخری تاریخ ۱۸ مارچ ہے اس کا خیال رکھنا

تمہارا۔ محمد حسین حسان

## خوب صورت ٹکٹ — ٹکٹ — جدید ٹکٹ

| | | | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|---|---|
| ۴ مختلف ارجنٹائن | ار | ۴ مختلف رومانیا یادگاری | ۲ر | ۴ مختلف نکاراگوا خوب صورت | ۴ر | ۴ مختلف لتھونیا | ۴ر |
| ۲۵ ” ” | ۴ر | ۱۰ ” پیرو خوب صورت | ۳ر | ۳ ” گوئٹی مالا یادگاری | ۲ر | ۳۰ ہنجز | ۴ر |
| ۵ ” آسٹریلیا | ار | ۱۰ ” سویڈن | ار | ۴ ” ” خوب صورت | ۲ر | ۱۰۰۰ ” | ۲ر |
| ۱۰ ” مع یادگاری | ۵ر | ۱۰ ” اسٹونیا | ۲ر | ۹ ” ” ” | ۴ر | ۱۰۰۰ ” بڑھیا قسم | ۴ر |
| ۲ ” آسٹریا ” | ار | ۵ ” مصر | ار | ۲ ” جاپان یادگاری | ۴ر | ۱۰۰ مختلف ٹکٹ | ۴ر |
| ۲ ” بوسنیا ” | ار | ۳ ” میکسیکو یادگاری | ۳ر | ۴ ” بولیویا خوب صورت | ۴ر | ۳۰۰ ” ” | ۴ر |
| ۲ ” چین ... | ار | ۳ ” ” ” | ۳ر | ۳ ” کینیڈا یادگاری | ۲ر | ۵۰۰ ” ” | ۴ر |
| ۱۰ ” ڈنمارک | ار | ۴ ” نکاراگوا ” | ۴ر | ۲۵ ” اسپین | ۲ر | ۵۰ اسپین | ۲ر |

محصول ڈاک بذمہ خریدار۔ ایک روپے سے کم کا وی پی روانہ نہیں کیا جاتا جواب طلب امور کے لئے جوابی کارڈ یا پانچ پیسے کا ٹکٹ روانہ کریں۔ اگر قیمت پہلے بھیج دی جائے تو ہم ہر قسم کا مال پسند کے لئے روانہ کر سکتے ہیں۔

شیخ غلام رسول ۶۳ ریلوے روڈ ۔ لاہور

SH. GHULAM RASUL 63, RAILWAY ROAD LAHORE

## جدید ٹکٹ

| | | | |
|---|---|---|---|
| ۲ چین شہیدان وطن | ۳ر | ۹ ایران دہ سالہ ترقی مکمل | ۱۲ر |
| ۲ چیکوسلواکیا کے مشاہیر | ۲ر | ۸ فرانسیسی مراکو خوب صورت | ۶ر |
| ۲ چیکوسلواکیا یادگار فارن لیجن | ۳ر | ۲ موزمبیک نخوبی نہایت ” | ۱۰ر |
| ۲ ” ” سالگرہ کی یادگار کے | ۳ر | ۳ ایکویڈر خوبصورت دور نگے | ۳ر |
| ۱۰ رومانیا | ۲ر | ۵۰ ہوائی مختلف | ۶ر |
| ۳ ” ہوائی | ۲ر | ۲۵ ” ” | ۶ر |
| ۱ سوئیزرلینڈ صرف ولیم ٹل کی تصویر کے | ۱۴ر | ۱۰ جلبین ، کانگو خوبصورت | ۴ر |

خرچ ڈاک ہر حال میں خریدار کے ذمے تفصیلی مطبوعہ فہرست ایک آنہ کا ٹکٹ بھیج کر منگا لیجیے۔ گذشتہ اشتہار کے ٹکٹ بھی مل سکتے ہیں۔

صدیقی برادرس سیف آباد ۔ حیدرآباد دکن

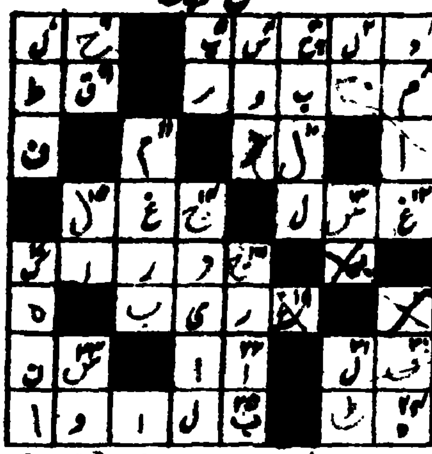
## بالکل مفت منگائیں

صرف ۵ ر کے ٹکٹ برائے محصول ڈاک بھیج کر پانچویں سے آٹھویں جماعت تک کے طلبا رحساب و الجبرا و اُقلیدس میں ہمیشہ اوّل درجے میں کامیاب کرنے والی کتاب "زبدۃ الحساب" مفت منگائیں کیونکہ اس کا ہر ایک سوال نہایت ضروری ، امتحانی اور حل شدہ ہے کم نصور سے کم تر طلباء بھی ایک ہفتے میں لائق بن سکتے ہیں۔ نیز چیر بھیج کر رسالہ ناشر العلوم بھی جاری کرائیں جس میں علاوہ دیگر دلچسپ مفید مضامین کے کمزور طلباء کی خاطر اردو ، فارسی ، انگریزی ، ریاضی اور تاریخ جغرافیہ میں کامیابی کے اصلی گُر درج ہوتے ہیں اور جس کے خریداروں کو ہزار کی کتب مفت اور ہر ماہ نقد انعامات بھی تقسیم ہوتے ہیں۔

ناظم دفتر رسالہ ناشر العلوم کوچہ محمد تقی ۔ لاہور

# معمہ نمبر ۱۶

مشقی کوپن



M. S. Mashhud

## پہلا اِنعام ...... سے ر
## دوسرا اِنعام ...... للعہ ر

## اشارات

### دائیں سے بائیں

(۱) معما خالی اوقات کا ایک ...... مشغلہ ہے
(۶) مزا تو جب ہی ہے کہ معما صحیح ...... ہو۔
(۸) موجودہ حالات نے ہر حکومت کو ...... کر دیا ہے کہ وہ جنگی تیاری کرے۔
(۹) قلم میں اگر قسط نہ ہو تو اچھا نہیں لکھا جا سکتا۔
(۱۰) اگر ...... سے کوشش کی جائے تو معمے میں انعام آنا مشکل نہیں (الٹا)
(۱۲) روزانہ ...... کرنا صحت کے لئے بہت مفید ہے۔
(۱۴) ...... خور آدمی ذلیل نظر سے دیکھا جاتا ہے۔
(۱۶) تندرست رہنا چاہتے ہو تو سادہ ...... کھاؤ۔
(۱۹) جو شخص ...... ہو تو اس سے ہمدردی کرنا اخلاقی فرض ہو جاتا ہے۔
(۲۰) آج کا کام ...... پر مت چھوڑو۔
(۲۱) ایک اور ایک گیارہ۔
(۲۳) بے گانگی میں حالی یہ رنگ آشنائی
...... سن کے سر دھنیں گے قال اہل حال تیرا
(۲۴) بالک ...... مشہور ہے
(۲۵) شادی کے موقع پر دیا جاتا ہے۔

### اُوپر سے نیچے

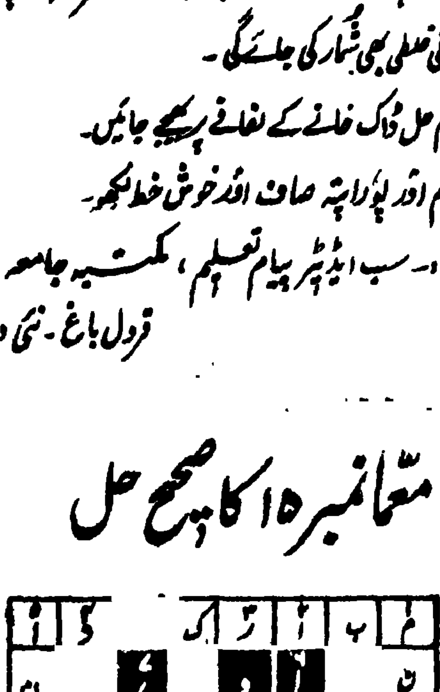
(۱) معما حل کرتے وقت ذرا ...... بھی زور دینا چاہیے
(۲) گنگا ...... کو ہندو پاک سمجھتے ہیں۔ (الٹا)
(۳) منی شرارت (بے ترتیب)
(۴) مسلمانوں کے ہاں اس کا کھانا حرام ہے۔
(۵) برسات میں چیونٹی کے بھی ...... نکل آتے ہیں۔
(۶) ہمیشہ ...... بات کہنی چاہیے۔
(۷) سچ بتاؤ کہ معما حل کرنے میں تمہیں ...... آتا ہے یا نہیں۔
(۱۱) سورج مشرق سے نکل کر ...... میں ڈوبتا ہے۔
(۱۳) بے ...... لوگ کسی کی مصیبت میں کام ہی کیا آ سکتے ہیں۔ (الٹا)
(۱۴) ایک قسم کا ساگ (بے ترتیب)
(۱۵) نہیں
(۱۷) ...... صحبت سے بچنا ہی اچھا ہے۔
(۱۸) غیر سے راز کی بات ...... نادانی نہیں تو کیا ہے۔
(۱۸) ...... میں خدا کو یاد رکھو۔
(۲۱) زلف
(۲۲) ایک انار ...... بیمار

(۱) معمّا بجائے پندرہ کے ۱۰ ؍ مارچ تک بھیج سکتے ہو۔
(۲) ایک ہی لفافے میں کئی حل بھیجے جا سکتے ہیں۔
(۳) لفافے کی قیمت اب پانچ پیسے ہو گئی ہے۔

# قواعد

(۱) تمام مدرسوں کے بچے حل میں حصہ لے سکتے ہیں۔ استاد یا سرپرست کی تصدیق ضروری ہے صرف دستخط کافی ہیں۔ عبارت لکھنے کی ضرورت نہیں۔
(۲) ایک حل کے ساتھ ایک آنے کا ٹکٹ آنا ضروری ہے۔
(۳) ایک سے زیادہ حل بھی بھیجے جا سکتے ہیں۔ چار حلوں کی رعایتی فیس صرف آٹھ حلوں کی ہر ہے۔
(۴) دونوں انعام تقسیم کر دئے جائیں گے قرعہ اندازی نہ ہوگی
(۵) تمام حل ۸ ؍ مارچ ۱۹۵۸ء تک دفتر پیام تعلیم مکتبہ جامعہ دہلی پہنچ جانے چاہئیں۔
(۶) ایڈیٹر کا فیصلہ قطعی ہوگا۔
(۷) پیام تعلیم میں چھپے ہوئے کوپن کے علاوہ اور کوئی نہیں لیا جائے گا۔
(۸) کوپن کے چاروں طرف جو نقطے والی لائن ہے وہاں سے کاٹ کر بھیجو۔
(۹) کسی کوپن میں کوئی حرف کٹا یا مٹا ہوا ہوگا یا پنسل سے بھرا ہوا ہوگا تو مقابلے میں شامل نہ کیا جائے گا۔
(۱۰) ایک لفافے میں صرف ایک نام سے معمے آنے چاہئیں۔
(۱۱) علاوہ کوپن اور ٹکٹ کے لفافے میں کوئی خط وغیرہ نہ ہونا چاہئے
(۱۲) معما حل کرنے سے پہلے اشارے غور سے پڑھو۔
(۱۳) ایک خانے میں دو حرف نہ ہوں۔
(۱۴) دال اور ڈال کا فرق نمایاں ہو۔ (د ۔ ڈ)
(۱۵) چھوٹی اور بڑی ے کا فرق لازمی ہے (ی ۔ ے)
(۱۶) جہاں جہاں نقطے کا استعمال ہو وہاں نقطہ ضرور ہونا چاہئے۔
(۱۷) املا کی غلطی بھی شمار کی جائے گی۔
(۱۸) تمام حل ڈاک خانے کے لفافے پر بھیجے جائیں۔
(۱۹) نام اور پورا پتہ صاف اور خوش خط لکھو۔
(۲۰) پتہ :- سب ایڈیٹر پیام تعلیم، مکتبہ جامعہ قرول باغ - نئی دہلی۔

## معمّا نمبر ۱۵ کا صحیح حل



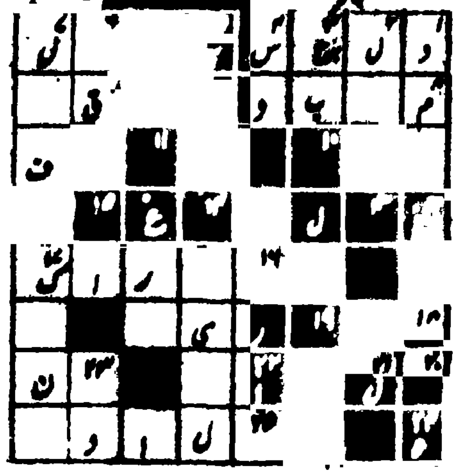
# ...کتابیں

| | |
|---|---|
| ...عبدالواحد صاحب | قیمت ۱۰؍ |
| " " | ۸؍ |
| مولینا اسلم صاحب جیراجپوری | " ۲؍ |
| " " | ۱۲؍ |
| سید نواب علی صاحب | " ۲؍ |
| فتح محمد صاحب جالندھری | " ۲؍ |
| خواجہ عبدالحیٰ صاحب فاروقی | " ۲؍ |
| سعدالدین صاحب انصاری | " ۸؍ |
| " " | " ۳؍ |
| جناب خواجہ عبدالحیٰ صاحب فاروقی | " ۵؍ |
| جناب الیاس احمد صاحب مجیبی | " ۵؍ |
| مولوی مقبول احمد صاحب سیوہاری | ۴؍ و ۵؍ |
| اعجاز الحق صاحب قدوسی | ۸؍ |
| حسان صاحب ایڈیٹر پیام تعلیم | ۸؍ |

معم...

...، لکھنؤ، بمبئی

معما نمبر ۱۶ کوپن نمبر



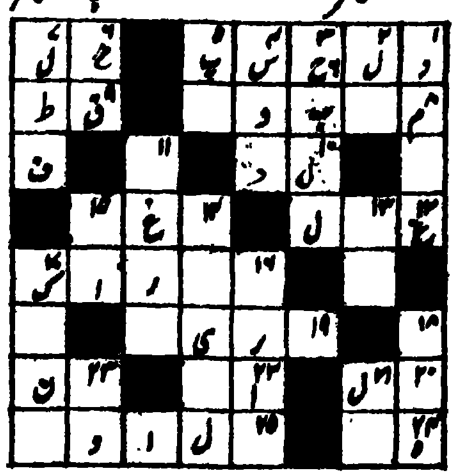
نام ..................

پتہ ..................

تصدیق ..................

محکمہ ..................

معما نمبر ۱۶ کوپن نمبر



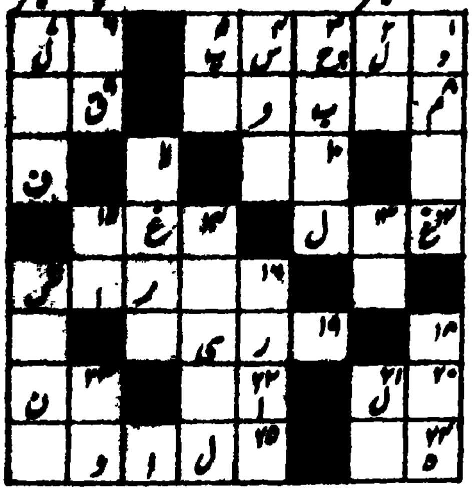
نام ..................

پتہ ..................

تصدیق ..................

محکمہ ..................

معما نمبر ۱۶      کوپن نمبر



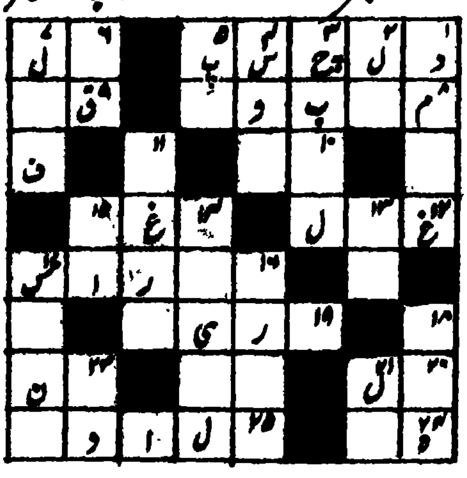
نام ..................................

پتہ ..................................

تصدیق ..................................

ٹکٹ ..................................

معما نمبر ۱۶      کوپن نمبر



نام ..................................

پتہ ..................................

تصدیق ..................................

ٹکٹ ..................................

# بچوں کی مذہبی کتابیں

| | | |
|---|---|---|
| قرآن پاک | مصنفہ جناب عبدالواحد صاحب | قیمت ۱۰؍ |
| اسلام کیسے شروع ہوا ؟ | " " " " | " ۱۲؍ |
| عقائد اسلام | " جناب مولینا اسلم صاحب جیراجپوری | " ۲؍ |
| ارکان اسلام | " " " " | " ۱۰؍ |
| ہمارا دین | " جناب سید نواب علی صاحب | " ۲؍ |
| الورد و الریحاں | جناب فتح محمد صاحب جالندھری | " ۲؍ |
| چالیس حدیثیں | جناب خواجہ عبدالحیٔ صاحب فاروقی | " ۴؍ |
| محاسن اسلام | " جناب سعدالدین صاحب انصاری | " ۸؍ |
| اچھی باتیں | " " " " | " ۳؍ |
| نبیوں کے قصے | " جناب خواجہ عبدالحیٔ صاحب فاروقی | " ۵؍ |
| دس جنتی | " جناب الیاس احمد صاحب مجیبی | " ۵؍ |
| بی بی عائشہ | " جناب مولوی مقبول احمد صاحب سیوہاری | ۴؍۵؍ |
| مسلمان بیبیاں | " جناب اعجاز الحق صاحب قدوسی | ۸؍ |
| ناموران اسلام | " جناب حسین حسان صاحب ایڈیٹر پیام تعلیم | ۱۲؍ |

## مکتبہ جامعہ

دہلی ، نئی دہلی ، لاہور ، لکھنؤ ، بمبئی

# اسلامی تاریخ کی کہانیاں



مکتبہ جامعہ
دہلی - نئی دہلی - لاہور

قیمت حصہ اول ۵/-
،، دوم ۵/-

# پیام تعلیم

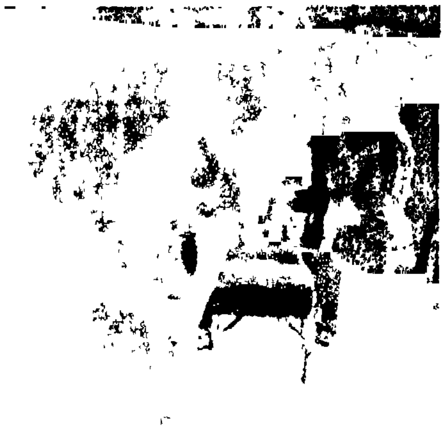
۳



مکتبہ جا



اردو ڈراما ستت جی کا ایک منظر



اردو ڈراما ماسٹر صاحب کا ایک منظر



انگریزی ڈراما پولش جیو کا ایک منظر



ارے !

مرسلہ عبدالواحد بمبئی



ڈراما کلب کے بچوں کی مشغلوں کی مانٹر

# پیامِ تعلیم دہلی

ایڈیٹر محمد حسین حسان

| فی پرچہ | قیمت سالانہ |
|---|---|
| ۳ر | عاؔر |

| نمبر ۴ | اپریل ۱۹۴۱ء | جلد ۲۴ |
|---|---|---|


## فہرست مضامین

پچھلے پرچے میں ٹائٹل کی تصویر کے بارے میں ہم نے جو کچھ لکھا تھا بعض پیامیوں نے اِس کا مطلب غلط سمجھا۔ ہم ٹائٹل پر بہت ہی خاص خاص تصویریں شائع کرنا چاہتے ہیں۔ مثلاً کسی تاریخی عمارت کی۔ کسی بہت اچھے منظر کی، کسی ننھے بچّے کی جو کھیل رہا ہو یا شرارت کر رہا ہو۔ یا کسی بہت مشہور شخصیت کی۔ بعض پیامیوں نے خود اپنی تصویریں ٹائٹل پر شائع کرنے کے لئے بھیج دی ہیں۔ یہ ہم اگلے پرچوں میں اندر کے صفحوں پر چھاپ دیں گے۔

---

اس پرچے کے ٹائٹل پر سر شاہ سلیمان مرحوم کی تصویر شائع کی جا رہی ہے۔ یہ خاص تصویر ہمیں مرحوم کے پرسنل اسسٹنٹ صاحب کی نوازش سے ملی ہے ان کی اس عنایت کا دِلی شکریہ۔ مرحوم کے حالات اگلے صفحوں پر شائع کئے گئے ہیں۔

---

پٹنے کے بچوں نے ہمارے پرانے پیامی اور مضمون نگار محمد یحیٰی صاحب کی نگرانی میں ایک ڈراما کلب قائم کیا ہے۔ اِس کلب کے چھوٹے چھوٹے ممبر اب تک کئی ڈرامے کر چکے ہیں اِن کھیلوں کے چند منظروں کی تصویریں اِس پرچے میں چھپ رہی ہیں۔ کسی اگلے پرچے میں اُن کے دو ایک ڈرامے بھی شائع کئے جائیں گے۔

---

ایک پرانے پیامی عزیزی محمد اسمٰعیل دسگاہی کالونی کے ایک خط سے یہ معلوم کر کے دِلی افسوس ہوا کہ اُن کے والد جناب محمد غوث صاحب نے یکایک دِل کی حرکت بند ہو جانے سے اِنتقال کیا۔ ہمیں اور تمام پیامیوں کو اِس حادثے میں عزیزی اسمٰعیل سلمہٗ سے دِلی ہمدردی ہے۔

پچھلی ۱۹ر فروری کو ہمارے ایک پرانے جامعی جناب ملک محمد اسلم صاحب بیرسٹر لاہور کی والدہ کا اِنتقال ہو گیا۔ خدا مرحومہ کو جنّت میں جگہ دے اور اُن کے عزیزوں کو صبر کی توفیق عطا فرمائے۔

مینجر صاحب مکتبہ کو شکایت ہے کہ بعض بچے وی۔ پی۔ کی صورت میں صرف کتاب کی قیمت بھیجتے ہیں۔ محصول ڈاک نہیں بھیجتے۔ ڈاک کا محصول کتاب کی قیمت کے علاوہ ہوتا ہے اور خریدار کو دینا پڑتا ہے۔

اُمید ہے کہ آیندہ پیامی اس بات کا خیال رکھیں گے ؛

---

# سر شاہ سلیمان مرحوم

۱۴ مارچ کی صبح کو اخبار پڑھتے وقت بڑی بڑی سرخیوں میں سر شاہ سلیمان کے مرنے کی خبر دیکھی دل دھک سے ہو گیا۔ سر شاہ سلیمان بہت بڑے آدمی تھے۔ ہندوستان ہی کے نہیں دنیا کے بڑے آدمیوں میں اُن کا شمار تھا۔ آج کل یہ ہندوستان کی سب سے بڑی عدالت فیڈرل کورٹ کے جج اور مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے وائس چانسلر تھے۔

سر شاہ سلیمان ۳ فروری ۱۸۸۶ء کو جون پور کے ایک معزز گھرانے میں پیدا ہوئے جون پور کے ایک بزرگ نے فلسفے پر ایک مشہور کتاب لکھی تھی "شمس بازغہ" یہ کتاب اب بھی عربی مدرسوں میں پڑھائی جاتی ہے۔ شاہ سلیمان مرحوم انہی بزرگ کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔

سر شاہ سلیمان بچپن ہی سے بہت محنتی اور ذہین تھے۔ اُنھوں نے جون پور ہائی اسکول سے میٹرک کا امتحان بہت نمایاں کامیابی کے ساتھ پاس کیا۔ پھر میور سنٹرل کالج الہ آباد سے بی اے کی ڈگری کی۔ امتحان میں اول آنے والوں میں اُن کا نمبر سب سے پہلا تھا۔ اسی لئے حکومت نے انھیں ولایت میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے وظیفہ دیا۔ انگلستان میں بھی اُنھوں نے قانون اور حساب کے امتحانوں میں شاندار کامیابی حاصل کی۔

ولایت سے واپسی کے بعد کوئی ۱۹۱۲ء میں وہ الہ آباد میں بیرسٹری کرنے لگے۔ تھوڑے ہی دنوں میں اُن کی بیرسٹری خوب چلنے لگی۔

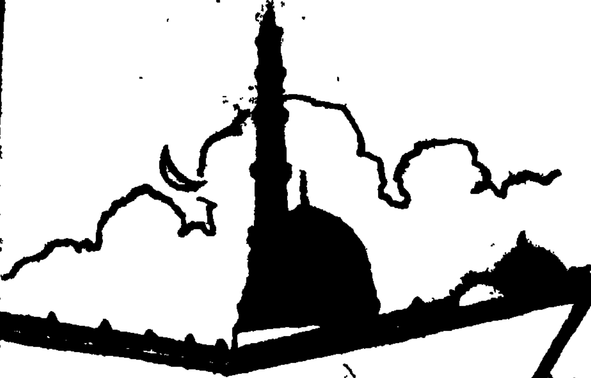
آٹھ سال بعد وہ الہ آباد ہائی کورٹ کے جج بنا دئے گئے۔ تین سال بعد الہ آباد ہائی کورٹ کے مستقل جج ہو گئے۔ آخر ۱۹۳۲ء میں ہائی کورٹ کے چیف جسٹس یعنی سب سے بڑے جج بنا دئے گئے سر سلیمان دوسرے ہندوستانی تھے جنھیں یہ بڑا عہدہ ملا تھا۔

اس کے پانچ سال بعد جب ہندوستان میں سب سے بڑی عدالت فیڈرل کورٹ کے نام سے قائم کی گئی تو اس کے ایک جج سر سلیمان منتخب ہوئے اُن کی قانونی قابلیت کا لوہا بڑے بڑے جج مانتے تھے

اپنی قانونی مصروفیتوں کے ساتھ وہ دوسرے قومی کاموں کے لئے بھی وقت نکال لیتے تھے۔ انھوں نے الہ آباد میں ایک اِسکول جاری کیا۔ بدایوں اور علی گڑھ کی ایجوکیشنل کانفرنسوں کی صدارت کی الہ آباد کے مشہور عربی مدرسہ مدرسہ سبحانیہ کے بہت دنوں تک صدر رہے۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے دو بار وائس چانسلر بنائے گئے۔

ان کا علمی شغل بھی برابر جاری رہتا تھا۔ سائنس اور حساب میں ان کی قابلیت کو دُنیا کے بڑے بڑے لوگ مانتے تھے۔ اپنی مادری زبان اُردو سے بھی انھیں بہت محبّت تھی۔ خود بھی بہت بڑے ادیب تھے۔

مرحوم کی عمر ابھی کل پچپن برس کی تھی تندرستی اچھی خاصی تھی بس کوئی دو ہفتے بیمار رہے گلے میں کوئی خرابی پیدا ہوگئی تھی یہی جان لیوا ثابت ہوئی۔ جنازے میں کیا انگریز کیا ہندوستانی ہندوستان کے سب بڑے بڑے لوگ شریک تھے حضرت نظام الدین اولیاء کے قبرستان میں دفن ہوئے اور اب یہی اُن کی آخری آرام گاہ ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ اُن کے مرنے سے قوم میں جو جگہ خالی ہوگئی ہے وہ بھر نہیں سکتی اس وقت تو یہ بات ٹھیک ہی معلوم ہوتی ہے۔ لیکن خدا نہ کرے کہ ہمیشہ کے لئے ٹھیک ہو اور خدا کرے کہ ہمارے نونہالوں میں بہت سے سلیمان پیدا ہوں



# ہمارے نبیؐ

از حضرت مولانا محوی صدیقی لکھنوی

زمانے میں پھیلی ہوئی تھی برائی
ہمارے نبیؐ نے وہ آکر مٹائی
بری عادتیں جو پڑی تھیں، چھڑائیں
جو تھی راہ سیدھی وہ سب کو بتائی
جو تھے خواب غفلت میں اُن کو جگایا
جو مجبور تھے اُن کی ہمت بڑھائی
جو بیہودہ رسمیں تھیں اُن سے بچایا
جو تھی کام کی بات سب کو سکھائی
جو تھے نیک کام اُن کا خوگر بنایا
گناہوں کی باتوں سے نفرت دلائی
جو ٹوٹے تھے رشتے انھیں پھر سے جوڑا
محبت بڑھائی، عداوت گھٹائی
جو بھٹکے ہوئے راہِ حق کھو چکے تھے
اُن اندھوں کی دن رات کی رہنمائی
خدا کا پیام آکے سب کو سنایا
جو دشمن تھے باہم ہوئے بھائی بھائی
ہوئے رہنما وہ زمانے کے آخر
سمجھتے نہ تھے جو بھلائی برائی
ہزاروں ہی کیں نیکیاں ہر کسی سے
مگر کوئی نیکی نہ اپنی جتائی
کچھ ایسا کیا ذوق سینوں میں پیدا
طبیعت بُری راہ پر پھر نہ آئی
دیے قوم نے دکھ مگر جی نہ چھوٹا
بھلا کس کے دل میں ہے ایسی سمائی
عزیز اور احباب راحت اٹھائیں
خود اس کے لیے ہر مصیبت اٹھائی

درود و سلام اس نبیؐ پر خدا کا
جو رحمت کا پیکر تھا پُتلا وفا کا

صلعم

# سونا چھوڑو بھائی

شجاعت سندیلوی

جاگو بھائی جاگو بھائی — رات گئی ہے صبح ہے آئی
ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا ہے چلتی — دل کی کلی ہے جس سے کھلتی
پھولوں کی ہے خوشبو پھیلی — چھائی چمن میں ہے رنگینی
چڑیوں نے ہے گانا گایا — میٹھا پیارا گیت سنایا
مرغے بانگیں اب ہیں دیتے — کاؤں کاؤں کوے کرتے
لو وہ اذانیں اب ہیں ہوتی — اور نمازیں بھی ہیں ہوتی
پوجا کرنے پجاری نکلے — ہر ہر کرتے، مالا جپتے
اللہ اللہ کرتا کوئی — پیارا قرآں پڑھتا کوئی
بھشتی پانی بھرنے نکلے — مہتر جھاڑو دینے نکلے
تن پہ چھوٹی دھوتی باندھے — ہلواہا نکلا ہل لے کے
کاہل، غافل دولت والے — اب بھی پڑے ہیں دیکھو سوتے
ان کو دیا ہے سکھ یہ جس نے — ہائے اسی کو سکھ میں بھولے
ناشکرے ہیں سب یہ بندے — تن کے اجلے من کے گندے
جھلمل جھلمل کرکے تارے — ہو گئے رخصت سب بے چارے

بات یہ اس دم مانو بھائی
سونا چھوڑو جاگو بھائی

بھلائی اور شرافت کی بہت تعریف کی۔ اور ان کو بہت سی دُعائیں دیں اس نے اپنی ڈاڑھی کے کچھ بال بھی دئے کہ اگر آپ کو کبھی میری مدد کی ضرورت ہو تو ان کو آگ پر رکھ دیجئے۔ میں اسی وقت مدد کو آجاؤں گا۔ ٹلّوں میاں یہ مال و دولت لے کر اپنے گھر آئے۔ ماں باپ اپنے بچوں کے غم میں سوکھ کر کانٹا ہو گئے تھے۔ اُنھیں دیکھ کر باغ باغ ہو گئے انھوں نے دوڑ کر سب کو گلے لگایا اور بہت پیار کیا۔ ٹلّو میاں نے ساری دولت ماں باپ کے قدموں میں ڈال دی۔ اور اپنی ساری کہانی کہہ سُنائی۔ اُس دوا کا ذکر بھی کیا جو پری کے باپ نے انھیں دی تھی۔ اور جو وہ اپنے ساتھ لایا تھا۔ بہن نے اُسی وقت وہ دوا نکالی اور کھالی دیکھتے دیکھتے اس کا قد بڑھ گیا۔ اور وہ بھی دوسرے بچوں کی طرح ٹھیک ہو گیا۔

اب تو ماں باپ اور بھی خوش ہوئے اُنھوں نے خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا۔

ٹلّو میاں نے ایک شان دار مکان بنوایا۔ گھر کا سامان خریدا۔ یہ سب ماں باپ اور بھائی خوشی اور چین سے زندگی بسر کرنے لگے۔ ٹلّو میاں کے پاس اتنی دولت تھی کہ ان سب کی ساری زندگی بڑے آرام سے بسر ہوئی۔

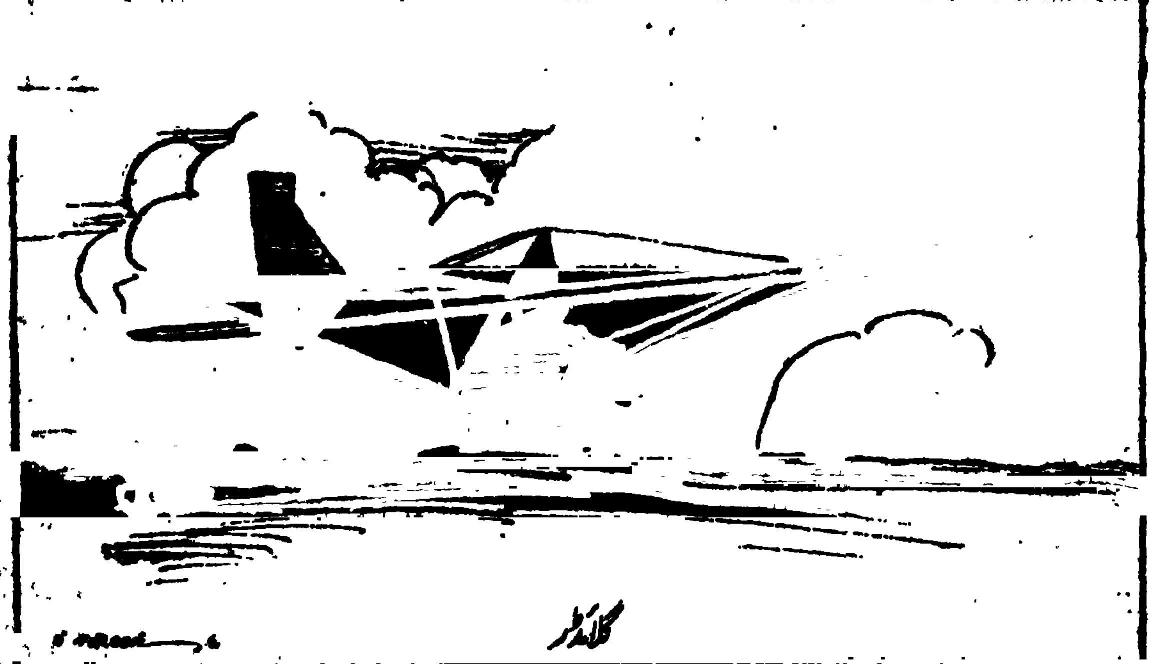
دیبہ صفیہ [illegible]

# ہوائی جہاز

(۲)

نورالحسن صاحب ہاشمی

اچھا اب ایک بات اور سنو! اب تک تو جتنے طریقے ہوا میں اڑنے کے بتائے گئے ان سب میں یہ بات پیش نظر تھی کہ کوئی چیز ہوا سے ہلکی ہو۔ ہوا کے ذریعے ہم اوپر اٹھ سکتے ہیں اور یہ کسی طرح ممکن نہیں ہے لیکن جب سائنس دانوں نے یہ سوچنا شروع کیا کہ آخر چیلیں گدھ، عقاب، سارس جتنی بڑی بڑی چڑیاں ہیں سب ہوا سے بھاری چڑیاں ہیں۔ آخر یہ کیسے اڑ لیتی ہیں۔ اگر یہ اڑ سکتی ہیں تو انسان بھی اڑ سکتا ہے۔ صرف انسان کے لئے پروں کی کمی ہے۔ اور اڑنے کا طریقہ جاننے کی کسر ہے۔ لوگوں نے ان سائنس دانوں کی اس بات



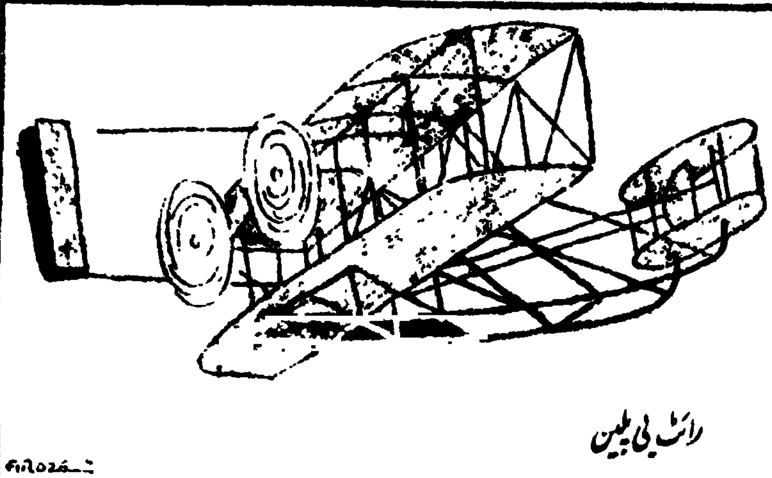
گلائڈر

کا بڑا مذاق اُڑایا اور کہا یہ کسی طرح ممکن نہیں ہے۔ صرف ہوا سے ہلکی چیزوں کے ذریعے ہی اُڑا جا سکتا ہے۔
مگر سائنس دان ان مذاق کرنے والوں سے بالکل نہیں جھجکے۔ امریکہ میں دو بھائیوں نے جن کا نام رائٹ تھا یہ ترکیب کی کہ بڑے بڑے صندوق پتنگ کے نمونے پر بنائے۔ ان پتنگ نما صندوقوں کو کسی پہاڑی پر سے نیچے کی طرف زور سے دوڑا کر پھسلاتے تھے۔ جب اس کے پروں کے نیچے ہوا کا دباؤ زیادہ ہو جاتا تو یہ بکس ہوا میں معلق ہو کر ہوا میں تیرنے لگتے۔ بالکل اسی طرح جیسے تم کاغذ کے ہوائی جہاز بنا کر ہوا میں پھینکو تو وہ بھی اسی طرح ہوا میں تیریں گے۔
کچھ دنوں بعد ان بھائیوں نے اس میں کچھ اور جدتیں کیں اور اسی پتنگ نما صندوق کو ترقی دے کر ایسی چیز بنائی جسے عام طور گلائیڈر کہتے ہیں۔ اس میں کوئی انجن نہیں ہوتا تھا۔ ایک بھائی اس گلائیڈر کو پہاڑی پر زور سے دوڑاتا۔ اس کے نیچے پھسلنے والی لکڑی لگی ہوتی تھی اس لئے یہ خوب آسانی سے آگے پھسلتا تھا جب خوب ہوا کا اس کے نیچے دباؤ ہو جاتا تو وہ بھائی اس کے اندر اچک کر بیٹھ جاتا تھا اور گلائیڈر بجائے اس کے بوجھ سے نیچے گر جانے کے اس کو ہوا میں اڑائے جاتا۔ اور آہستہ آہستہ تھوڑی دیر میں زمین پر گر جاتا۔
گویا اس طرح انسان نے پروں کے ذریعے اپنی پہلی اُڑان کر لی۔ لیکن ابھی تک وہ دور نہ جا سکتا تھا۔ ضرورت تھی کہ اس میں کوئی انجن لگایا جائے تاکہ وہ ہوا کو کاٹ کر جہاز کو دور تک لے جا سکے۔ چنانچہ ۱۸۹۶ء میں پروفیسر لینگلے نے ایک گلائیڈر بنایا جس میں ایک چھوٹا سا انجن لگا دیا۔ یہ مشین بغیر کسی مدد کے آدھ میل تک اُڑتی رہی۔ یہ ایک بڑا کام ہوا اور لینگلے نے خوش ہو کر اسے اور ترقی دینا شروع کی۔ اب کے ایک ایسا چھوٹا سا جہاز بنایا جس میں خود بخود چلنے والا انجن لگایا اور ایک آدمی کو بھی اس میں بٹھایا۔ ایک ہزار کا مجمع اس عجیب تماشے کو دیکھنے کے لئے اکٹھا ہوا۔ لیکن افسوس مشین میں نہ جانے کیا خرابی ہو گئی کہ مشین تھوڑی دور اُڑ کر زمین پر گر گئی اور یہ جہاز ٹوٹ پھوٹ گیا۔ لوگوں نے خوب مذاق اُڑایا خوب ہنسے۔ اور اس جہاز کا نام "لینگلے کی حماقت" رکھا۔
لیکن پروفیسر کے اسی خیال کو لے کر انہی دو بھائیوں نے کام کرنا شروع کیا جن کا نام رائٹ تھا اور لینگلے کے جہاز کے ٹوٹنے کے نو دن بعد دسمبر ۱۹۰۳ء میں ایک ایسی مشین (چھوٹے ہوائی جہاز کو بھی مشین کہتے ہیں۔) اُڑائی جس میں ایک چھوٹا سا انجن لگا تھا۔ (انجن اس کو کہتے ہیں جس سے کوئی چیز چلے جیسے ریل کا انجن موٹر کا انجن وغیرہ) جو موٹر کی طرح پٹرول سے چلتا تھا۔ اس میں ایک پائلٹ (ہوائی جہاز کا ڈرائیور۔ جس کو ہوا باز بھی کہتے ہیں) بھی بٹھایا۔ یہ

مشین ایک گھنٹے تک اِدھر اُدھر اُڑتی رہی۔

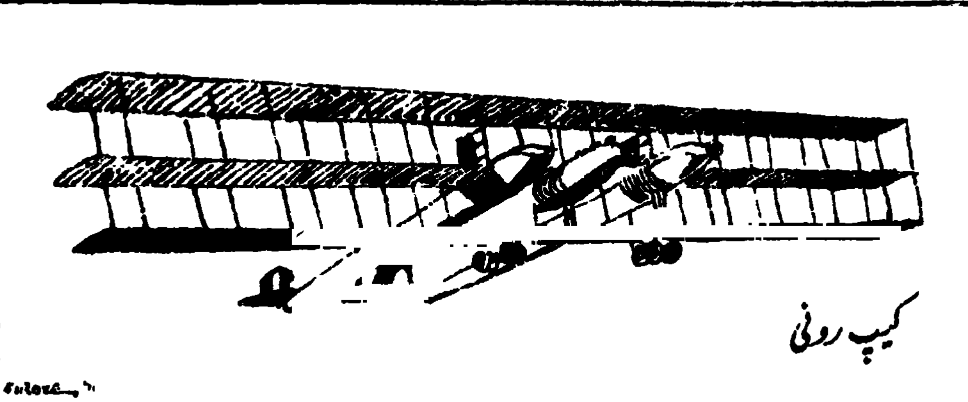
آدمی بھی اُڑ سکے آخرکار پوری ہو گئی۔

اس کے بعد سے تو پھر ہوائی جہاز میں بڑی تیزی سے ترقیاں ہونے لگیں۔ دو پروں والے۔ ایک پر والے سمندر پر اُترنے والے ہر طرح کے ہوائی جہاز بننے لگے۔ اور خصوصاً جنگِ عظیم کے بعد تو اس میں بڑی بڑی



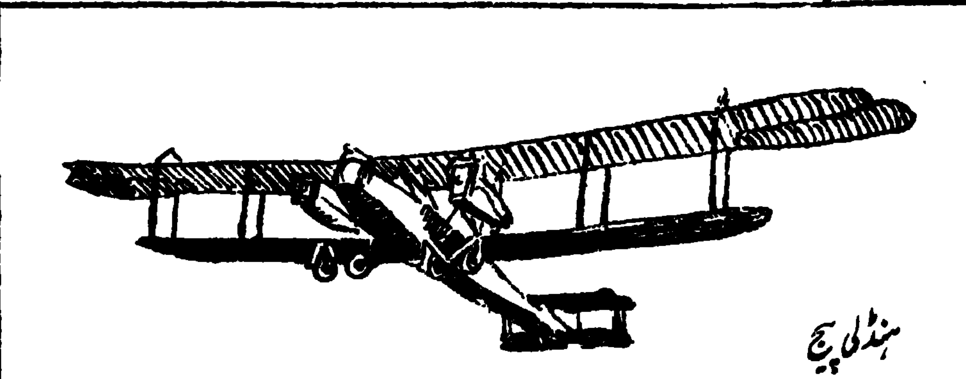
رائٹ بی پلین

ان دونوں بھائیوں کے دل خوشی سے کس قدر بھر گئے ہوں گے جب اُنھوں



کیپ رونی

ترقیاں ہوئیں اور فوراً ہی لندن سے پیرس تک لوگ اس کے ذریعے سفر کرنے لگے۔ اس قسم کے

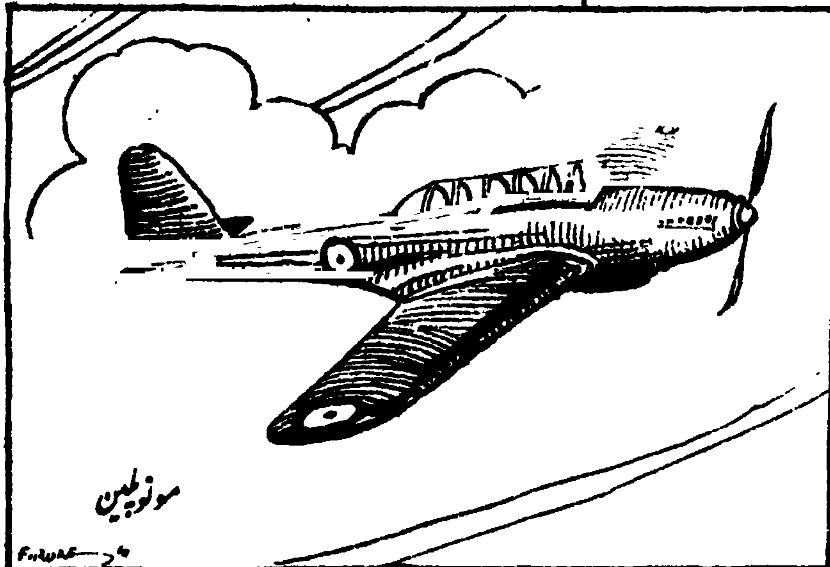


ہنڈلی پیج

نے یہ پہلی اُڑان کی ہوگی یہ دونوں بھائی گویا پہلے انسانی پرندے تھے۔ اور انسانوں کی وہ پرانی آرزو کہ کاش

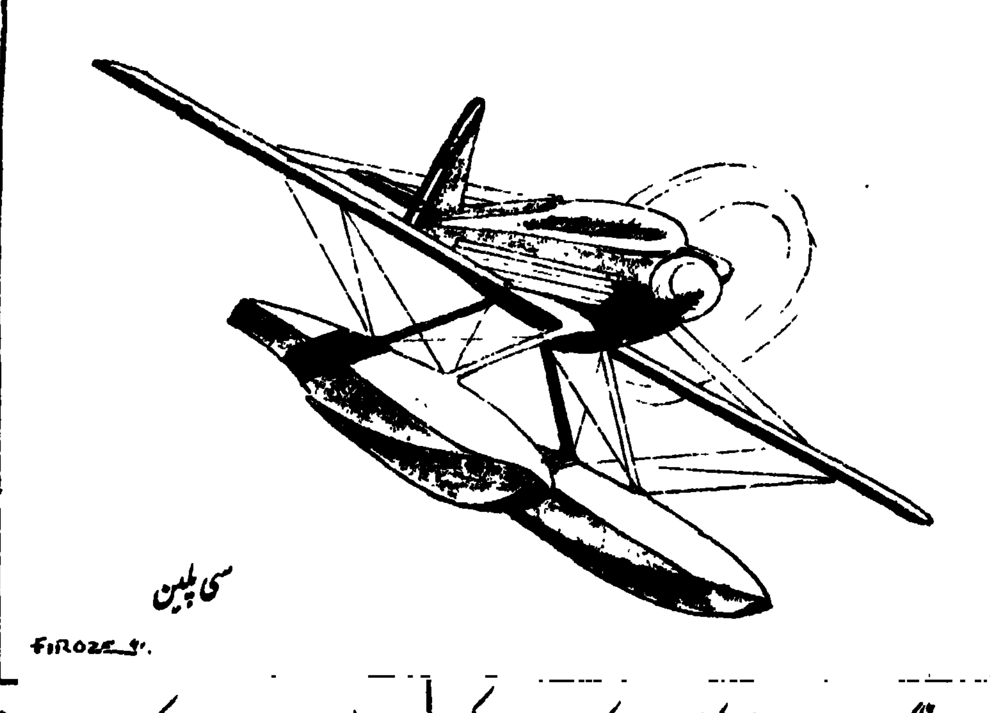
چھوٹے سفروں کے علاوہ یہ بھی سوچا جانے لگا کہ بڑے بڑے سفر بھی ہوائی جہاز سے کئے جائیں۔ چنانچہ

تین ہوا بازوں نے سنہ ۱۹۱۹ء میں نیویارک سے لندن کی طرف اڑے اُن کے نمبر تھے این سی نمبر۱ ۔ این سی نمبر۳ ۔ این سی نمبر۴ ۔ پہلا تو طوفان کی وجہ سے تھوڑی ہی دور جاسکا۔ دوسرا سمندر میں انجن کی خرابی کی وجہ سے گر گیا۔ تیسرا البتہ نیوفاؤنڈ لینڈ اور ازورس رکتا ہوا آئرلینڈ ۲۰ گھنٹوں میں پہنچ گیا۔ اس سے بڑھ کر کارنامہ کپتان جان الکاک اور لفٹیننٹ آرتھر براؤن نے دکھایا یہ دونوں بغیر کہیں رکے ہوئے ۱۹۰۰ میل کا سفر طے کرکے نیوفاؤنڈ لینڈ (امریکہ سے ملا ہوا انگریزوں ایک



مونوپلین

جزیرہ ہے۔) سے آئرلینڈ ۱۶ گھنٹے اور ۱۲ منٹ میں پہنچ گئے۔ ذرا خیال تو کرو کولمبس یورپ سے امریکہ کئی مہینوں میں جاکر پہنچا تھا اور ابھی پچاس ساٹھ برس پہلے بھی امریکہ پہنچنے میں پانچ، چھ ہفتے لگتے تھے اب گھنٹوں میں پہنچ جاتے ہیں۔ خود اپنے ہندوستان کو دیکھو۔ پہلے انگریز یہاں سال بھر بعد پہنچا کرتے تھے



سی پلین

جب سے نہر سوئز کھلی اور انجن والے جہاز چلنے لگے تب بھی ایک مہینہ لگ جاتا تھا۔ آج کل ہم ہندوستان سے ولایت جو ہزاروں میل کے فاصلے پر ہے دو یا ڈھائی دن میں پہنچ جاتے ہیں۔ ابھی چند سال ہوئے فرانس سے آسٹریلیا تک ایک اُڑان کا مقابلہ ہوا تھا یہ راستہ ۱۵، ۱۶ ہزار میل کا ہے لیکن سب سے اوّل جو جہاز آیا تھا ۔۔ گھنٹوں میں وہاں پہنچ گیا تھا۔

خدا نے آدمی کو بھی عجیب عقل عطا کی ہے۔ اسی عقل کی بدولت ہم وقت اور فاصلے پر قابو پا سکتے ہیں۔ یعنی تھوڑی دیر میں جاہے جتنا فاصلہ ہو پہنچ جاتے ہیں۔ پہلے جو سفر برسوں میں طے ہوتے تھے اب گھنٹوں میں طے ہوتے ہیں۔ دوسرے ملک والے لوگوں سے ملتے ہیں۔ اس طرح آپس میں ایک دوسرے سے میل جول بھی بڑھتا ہے۔ عقل کا استعمال کرنا شرط ہے اس کی بدولت کوئی کام ایسا نہیں جو نہ ہو سکے۔

---

# بچہ اور دریا

خالد حسن قادری - آگرہ

## بچہ

ارے ننھے دریا کہاں جا رہا ہے
بتا دے مجھے بھی یہ کیا گا رہا ہے
کنارے پہ کیوں تو چڑھا آ رہا ہے
چٹانوں سے کیوں سر کو ٹکرا رہا ہے
روانی میں تیری تسلسل ہے کیسا
یہ کیوں ہلکے ہلکے چلا جا رہا ہے
کہاں تک اسی طرح بہتا رہے گا
بہت ہلکے ہلکے یہ تو جا رہا ہے
ذرا تیز چل راستہ جلد طے کر
مصیبت میں کیوں تو پھنسا جا رہا ہے

## دریا

مرے پیارے بچے ذرا غور سے سن
پہاڑوں سے میں اب چلا آ رہا ہوں
بہت دور ہے اس جگہ سے مرا گھر
وہیں پر میں بہتا چلا جا رہا ہوں
نہ ٹکرا رہا ہوں چٹانوں سے سر کو
حقیقت یہ ہے دل کو بہلا رہا ہوں
میں آہستہ آہستہ چلتا ہوں یوں ہی
تمھیں چند باتیں یہ سمجھا رہا ہوں
نہ جلدی کرو تم کسی کام میں بھی
سبق تم کو ہمت کا سکھلا رہا ہوں
پڑے راستے میں جو تم پر مصیبت
سہو جس طرح میں سہے جا رہا ہوں
جو ہو مقابل ہوں دشمن تمھارے
تو ٹکراؤ جیسے میں ٹکرا رہا ہوں
کیے جاؤ یوں کام تم بھی برابر
برابر میں جیسے بہا جا رہا ہوں
کرو گے جو محنت تو پاؤ گے پھل بھی
یہی درس تم کو دیے جا رہا ہوں

اسی میں ہے عزت اسی میں ہے راحت
اسی میں مسرت میں سب پا رہا ہوں

# روسی بچوں کو مشینی تعلیم

ابو محمد امام الدین - رام نگری

یوروپ میں بچوں کو کتابی تعلیم کے ساتھ ساتھ صنعت، کاشتکاری اور کل پرزوں کی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔ روس میں اس کا تمام ملکوں سے زیادہ خیال رکھا جاتا ہے۔

ایک ہندوستانی مسٹر ڈی جی تینڈولکر روس گئے تھے۔ وہاں انھوں نے بچوں کو صنعت اور مشینری کا کام کرتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔

## سنٹرل چلڈرنس ورک شاپ

روس میں بچوں کی صنعت و حرفت اور کل پرزوں کی تعلیم کے لئے جگہ جگہ ورک شاپ قائم ہیں۔ ان کا مرکز روس کے دارالسلطنت "ماسکو" میں ہے۔ اس کا نام "سنٹرل چلڈرنس ورک شاپ" ہے۔ مسٹر تینڈولکر ماسکو میں یہ ورک شاپ دیکھنے کی غرض سے وہاں کے منتظم سے ملے تو اس نے کہا "آپ ہمارے بچوں کا ورک شاپ دیکھنا چاہتے ہیں؟ اگر آپ بچوں کی نظر سے دیکھیں گے تو آپ کو اس کا فائدہ اچھی طرح معلوم ہو جائے گا۔"

"ہمارے بچے جب کوئی کھلونا دیکھتے ہیں تو انھیں یہ جاننے کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کا پہیا کیسے چلتا ہے؟ اور اس کے دوسرے حصے کیسے حرکت کرتے ہیں؟ پھر ان بچوں کے دل میں یہ شوق پیدا ہوتا ہے کہ وہ بھی ویسا ہی کھلونا بنائیں۔"

ہر چیز خود بنانے کے شوق نے روسی بچوں میں مشینری سے گہری دلچسپی پیدا کر دی ہے۔ ۱۹۲۳ء میں حکومت کے محکمہ تعلیم نے ایک ورک شاپ قائم کیا تھا۔ اس کا خاص مقصد بچوں میں کل پرزوں کے کام سے دلچسپی پیدا کرنا تھا۔

## ضلع ورک شاپ

سب سے پہلے ۱۹۲۳ء میں سوویٹ حکومت کے محکمہ تعلیم نے بچوں کو کل پرزوں کی تعلیم دینے کے لئے ایک ورک شاپ قائم کیا۔ اب تو روس کے قریب

قریب ہر ضلع میں بچوں کے لئے ورک شاپ قائم ہو گئے ہیں۔ ان کی تعداد ساڑھے سات سو سے بھی زیادہ ہے۔ یہ تمام ورک شاپ حکومت کے تعلیمی محکمے کی طرف سے چلائے جاتے ہیں، جو ورک شاپ کارخانوں اور کلبوں کی جانب سے قائم ہیں وہ ان کے علاوہ ہیں۔ ان ورک شاپوں کی تعداد بھی کئی سو ہے۔ ان ورک شاپوں میں ایک لاکھ سے زیادہ کاریگر اور انجینیر بچے کام کرتے ہیں۔

## ینگ کمیونسٹ لیگ

ان ورک شاپوں کا انتظام ایک خاص انجمن کے ہاتھ میں ہے۔ اس کا نام "ینگ کمیونسٹ لیگ" ہے۔ اس انجمن کی بہت سی شاخیں ہیں جو عام چندے اور سرکاری امداد سے چلتی ہیں۔

یہ انجمن برابر بڑے بڑے ماہر فن انجینیروں کو اپنے یہاں بلاتی رہتی ہے تاکہ وہ کل پرزوں کے متعلق بچوں کی الجھنوں اور شبہوں کو دور کرتے رہیں، اور انھیں نئی نئی باتیں بتاتے رہیں۔ ہر کام کے لئے علیحدہ ورک شاپ ہیں۔ مثلاً

(۱) انجینیری کے کام کے لئے۔

(۲) بڑھئی کے کام کے لئے۔

(۳) ہوائی جہازوں کے ماڈل بنانے کے لئے۔

(۴) موٹروں کے ماڈل بنانے کے لئے۔

(۵) کشتی سازی کے لئے۔

(۶) بجلی کے لئے۔

(۷) ریڈیو کے لئے۔

(۸) فوٹو گرافی کے لئے۔

## جہازوں کے ماڈل

مسٹر تینڈولکر میورمسک بھی گئے تھے۔ اس شہر کے بچے جہاز سازی سے خاص دلچسپی رکھتے ہیں۔ وہاں انھوں نے بچوں کے بنائے ہوئے بہت سے ماڈل دیکھے۔ ان میں سے تین خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں

(۱) اوشن لائنر۔ (بحر اعظم میں چلنے والے جہاز) کا ماڈل۔

(۲) بیس توپوں والے جنگی جہاز کا ماڈل۔

(۳) باربرداری کے جہاز کا ماڈل۔

مسٹر تینڈولکر نے کراسنوڈار میں بھی بچوں کے بنائے ہوئے جہازوں کے ماڈل دیکھے تھے وہ بیان کرتے ہیں کہ کراسنوڈار کے دو اسکول [illegible] بچوں نے مجھے ریڈیو کی لہروں سے چلنے والے [illegible] کا ماڈل دکھایا میں یہ دیکھ کر دنگ رہ گیا [illegible] پانی میں ریڈیو کی لہروں کی مدد سے اصلی [illegible] طرح چلنے لگا۔

پہلے جہاز کے پل کی بجلی روشن ہو [illegible]

اس کے مستول پر سوویٹ روس کا نشان (ہنسیا ہتھوڑا) اُڑنے لگا۔ اس کے بعد خود بخود جہاز کا لنگر اُٹھ گیا۔ اور ریڈیو کے اشارے سے رفتہ رفتہ جہاز آگے بڑھا۔

## بچوں کا جہازی بیڑہ

دریائے نیپر کے ساحل پر بچوں کا ایک چھوٹا سا جہازی بیڑہ بھی ہے۔ پہلے یہ شاہی محل کے قریب ایک چھوٹا سا جہازی اڈا تھا۔ جو اب ایک بڑے اسکول کی شکل میں تبدیل ہو گیا ہے۔ اس درسگاہ میں عام جہاز بنانے، اندر کے حصے کی بناوٹ اور خبر رسانی کے مختلف طریقوں کی تعلیم دی جاتی ہے۔

اس درس گاہ میں وہی بچے داخل کئے جاتے ہیں جو عقل مند، ذہین اور زیادہ عمر کے ہوتے ہیں۔ اکثر نوجوان یہاں کام سیکھنے کے بعد بحری زندگی اختیار کرتے ہیں۔ چنانچہ سینکڑوں لڑکے جو کبھی اس اسکول میں ملّاح تھے۔ آج بڑی بڑی جہازی کمپنیوں میں کام کر رہے ہیں۔

یہاں کے طلبا کو دریائے نیپر میں کشتی رانی کی معقول تعلیم دی جاتی ہے۔ اس فن میں انھیں اتنی مہارت حاصل ہو جاتی ہے کہ یہاں سے نکلنے کے بعد وہ سرکاری بیڑے میں بڑے بڑے عہدوں پر مقرر ہوتے ہیں۔

"وول چانسک" کا ورک شاپ ۱۹۳۵ء سے قائم ہے۔ اس کے ماتحت انیس ورک شاپ اور بھی جاری ہیں۔ اس میں کھیتی باڑی کا بھی ایک شعبہ ہے۔ اس شعبے کا ایک اپنا باغ ہے کھیت ہیں اور ایک چڑیا خانہ ہے۔

کچھ عرصہ ہوا چودہ سال کی ایک لڑکی نے جس کا نام "وایا" تھا۔ ایک خاص قسم کا "پٹیلا" (زمین برابر کرنے کا آلہ) بنایا تھا۔ یہ پٹیلا اتنا مفید اور کارآمد ثابت ہوا کہ آج تمام روس میں اسی کا رواج ہے۔ حکومت نے اس کا نام "وایا پٹیلا" رکھ دیا ہے۔

روسی سائنس داں اور انجینیر بچوں کو برابر مدد دیتے رہتے ہیں۔ وہ ان کے بنائے ہوئے ماڈل کا معائنہ کرتے ہیں۔ ان کو مفید اور ضروری مشورے دیتے ہیں اور اُن کی کانفرنسوں میں شریک ہوتے ہیں۔

ماسکو کا سنٹرل چلڈرنس ورک شاپ بھی ماتحت ورک شاپوں کے بچوں کی مدد کرتا رہتا ہے۔ بچے خط کتابت کے ذریعے بھی مرکزی ورک شاپ سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ چنانچہ اس ورک شاپ سے سالانہ تیس چالیس ہزار جواب ماتحت ورک شاپوں کے بچوں کے پاس بھیجے جاتے ہیں۔

بچوں کو ماڈل بنانے کے لئے سامان کی فکر

نہیں کرنی پڑتی، کنوس، کاغذ، سلک، موٹر وغیرہ تمام چیزیں انھیں ورک شاپ سے مل جاتی ہیں۔

ماسکو میں ایک محکمہ سنٹرل ایرپلین ماڈل لیبوریٹری کے نام سے قائم ہے۔ یہ ہر طرح کے مفید مشورے اور ضروری آلات سے بچوں کی امداد کرتا ہے۔ ایسے اور بہت سے محکمے ہیں جو تمام روس میں پھیلے ہوئے ہیں۔

ابھی حال ہی میں لینن گراڈ کے ایک بچے "میشا" نے ہوائی جہاز کا ایک ماڈل تیار کیا ہے۔ اس ماڈل نے دنیا میں ایک خاص ریکارڈ قائم کر دیا ہے۔ بین الاقوامی ہوائی فیڈریشن نے اس کی رجسٹری کی ہے۔ یہ ماڈل ۴۰ منٹ ۳۰ سکنڈ تک ہوا میں قائم رہا۔

ماسکو کے ایک اسکولی بچے نے ہوائی جہاز کا ایک ماڈل بنایا تھا۔ اس میں ½ گھوڑے کی طاقت کی ایک گیسولین موٹر فٹ تھی۔ اس موٹر کو بھی لڑکے نے خود ہی تیار کیا تھا۔ اس ماڈل نے بھی ریکارڈ قائم کیا تھا۔ یہ ماڈل ۱۳۰ میل سے بھی بلند ہوا میں اڑا تھا۔

## بچوں کی ریلیں

سوویٹ یونین کی جانب سے روس کے مختلف شہروں میں بچوں کے لئے گیارہ ریلیں جاری ہیں اور تین اور تیار ہو رہی ہیں۔ بچوں کی یہ سب سے پہلی ریل ۱۹۳۵ء میں ٹفلیس میں جاری ہوئی تھی یہ شہر سوویٹ جارجیا کا پایہ تخت ہے۔ اب وہاں دو ریلیں اور چل رہی ہیں۔ ایک بجلی سے چلتی ہے اور دوسری بھاپ سے۔

یہ ریلیں اصلی ریلوں کا چھوٹا سائز ہیں۔ ان ریلوں کے منتظم بھی بچے ہیں۔ اور ان کے ڈرائیور بھی بچے ہی ہیں۔ ان ریلوں میں ۱۲ سے ۱۶ برس تک کے بچے کام کرتے ہیں۔ یہی بچے انجن چلاتے ہیں۔ ٹکٹ چیک کرتے ہیں۔ سگنل دیتے ہیں اور اسٹیشن ماسٹر کا کام کرتے ہیں۔

سوویٹ حکومت ان ریلوں کی خاص طور پر سرپرستی کرتی ہے ۱۹۳۶ء میں حکومت نے ان ریلوں کے خرچ کے لئے تیس لاکھ روبل منظور کئے تھے (ایک روبل آٹھ آنے کے برابر) گویا پندرہ لاکھ روپئے۔ ان ریلوں میں تین سے پانچ برس تک کے بچے سفر کرتے ہیں، ۱۲ برس کی عمر کا کنڈکٹر ان کی دیکھ بھال کرتا ہے اور تقریباً اسی عمر کے دو لڑکے انجن چلاتے ہیں۔

ان ریلوں کے ڈبے چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں۔ ۱۲ سیٹیں ہوتی ہیں۔ ڈبے صاف ستھرے ہوتے ہیں۔ جگہ جگہ سرنگیں بنی ہوئی ہیں جن کے اندر

سے ریلیں گزرتی ہیں۔ یہ زیادہ تر بڑے بڑے پارکوں میں بنائی گئی ہیں۔ ان ریلوں کی سڑکیں اکثر سوا میل لمبی ہوتی ہیں۔ ان کی پٹری ڈھائی فٹ چوڑی ہوتی ہے۔ ایک ٹرین میں چھ ڈبے ہوتے ہیں۔ گاڑیاں پلیٹ فارموں پر ٹھہرتی ہوئی چلتی ہیں۔ ہر اسٹیشن پر ٹکٹ گھر، اسٹیشن ماسٹر کا دفتر (جس میں ٹیلی فون بھی ہوتا ہے) اور تار آفس ہوتے ہیں۔ ریلوں کا ٹائم ٹیبل بھی لگا رہتا ہے۔ تمام چیزیں خوب صاف ستھری ہوتی ہیں۔ بڑی ریت پر بچھی ہوتی ہے۔ بچوں کو باری باری کام کرنا پڑتا ہے۔ ہر بچہ چھ روز میں صرف ۲ گھنٹے کام کرتا ہے۔

مسٹر تینڈولکر نے ان تمام چیزوں کے دیکھنے کے بعد ماسکو کے "سنٹرل چلڈرنس ورک شاپ" کے ڈائرکٹر سے سوال کیا۔ "آپ کی اس زبردست جد وجہد کا کیا نتیجہ برآمد ہوگا؟"

ڈائرکٹر نے جواب دیا۔ "ہماری کوششوں کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ ہمارے بچوں کو ابتدا ہی سے کل پرزوں سے دلچسپی ہو جائے گی۔ اسی لیے ہم ہر طرح کے کاموں میں اپنے بچوں کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔"

آج سوویٹ روس میں سینکڑوں بڑے بڑے انجینیر، ڈیزائنر، ریڈیو آپریٹر، سائنس دان، ہوائی جہاز اور دوسری چیزوں کے ماہر اور صناع موجود ہیں۔ انھوں نے مشینری کی ابتدائی تعلیم بھی چھوٹے چھوٹے ورک شاپوں میں پائی ہے۔ روسی بچے کھیل بھی کھیلتے ہیں تو مشین اور آلات کا۔ ایم ایم گروموف روس کا ایک مشہور ہوا باز ہے۔ اس نے اپنے بچپن میں ایک ہوائی جہاز دیکھا جو مسٹر نیسٹ روف کا بنایا ہوا تھا۔ اس جہاز کو دیکھ کر گروموف کو بھی ہوائی جہاز کے بنانے کا شوق ہوا۔ اور اس نے اپنے باپ کے کمرے کی کھڑکی کی چق، کاغذ اور ربر سے ہوائی جہاز کا ماڈل تیار کر لیا۔ جو اڑانے پر اڑا بھی۔

گراموف کے باپ کو معلوم ہوا تو اس نے اس ماڈل کو منگا کر دیکھا اور باقی چقوں سے باپ بیٹوں نے مل کر ایک اور ماڈل تیار کیا۔ اس حوصلہ افزائی کا نتیجہ یہ ہوا کہ گراموف بڑا ہو کر ایک مشہور ہوا باز بنا۔






ایک عرب کے پاس ایک خوب صورت عربی گھوڑا تھا۔ ایک مال دار یہ گھوڑا عرب سے خریدنا چاہتا تھا۔ اس نے عرب سے کہا "دو اونٹوں کے بدلے میں مجھے یہ اپنا گھوڑا دے دو۔" لیکن عرب نہ مانا۔ مال دار دس اونٹ دینے لگا۔ پھر بھی عرب نہ مانا۔ آخر وہ دس اونٹ کے علاوہ بہت سا روپیہ بھی دینے لگا لیکن عرب گھوڑا دینے پر رضامند نہ ہوا۔

مال دار نے دل میں سوچا کہ یہ عرب بڑا ضدی معلوم ہوتا ہے، یوں راضی نہ ہوگا۔ کسی حکمتِ عملی سے اس کا گھوڑا لینا چاہیے۔

بہت دنوں بعد ایک بار اس عرب کو کسی گاؤں کو جانا پڑا۔ اس مال دار نے یہ پتہ چلا لیا کہ کب اور کس راہ سے جانے والا ہے۔ وہ بھکاری کا لباس پہن کر اس کے رستے میں ایک جگہ بیٹھ گیا۔ اور کراہنے لگا۔

عرب گھوڑے پر سوار چلا جا رہا تھا کہ اس نے دیکھا۔ کوئی غریب پڑا ہوا کراہ رہا ہے۔ یہ دیکھ کر اسے رحم آیا۔ وہ فوراً گھوڑے سے اُتر کر قریب آیا اور کہا۔ "تم یہاں کیوں بیٹھے کراہ رہے ہو؟"

مال دار نے آواز بدل کر کہا: "کیا کروں بابا! مجھے ایک گاؤں کو جانا ہے۔ لیکن چلتے چلتے پیٹ میں سخت درد اُٹھ کھڑا ہوا۔ جس کی وجہ سے اُٹھا بھی نہیں جاتا، چل کیسے سکتا ہوں۔ شاید خدا نے میری موت یہیں لکھ دی ہے۔"

یہ سُن کر عرب کو اس پر بڑا ترس آیا۔ اور کہنے لگا۔ "تم سے کھڑا نہیں ہوا جاتا! اچھا تم میرے گھوڑے پر بیٹھ کر چلو، میں پاؤں پاؤں چلتا ہوں۔"

یہ کہہ کر عرب نے اُسے گھوڑے پر چڑھا دیا۔ گھوڑے کی لگام اُس کے ہاتھ میں دے دی اور خود ساتھ چلنے لگا۔

گھوڑے کی لگام ہاتھ میں آتے ہی مال دار نے گھوڑے کو ایڑ لگائی، گھوڑا بھاگا اور

ہوا ہوا کہ ذرا کی ذرا میں نظروں سے اوجھل ہونے لگا۔ عرب فوراً پہچان گیا کہ دھوکا ہوا۔ اُس نے زور سے آواز دے کر کہا :- "ارے بیمار آدمی میں کچھ کہنا چاہتا ہوں، میری بات سُنتا جا پھر گھوڑا دوڑا کر چلے جانا"۔

مال دار کچھ فاصلے پر ٹھہر گیا۔ عرب نے کہا۔ "میں سمجھ گیا، تم نے میرے گھوڑے پر اس ترکیب سے قبضہ کیا ہے۔ خیر کوئی بات نہیں۔ لیکن دیکھو یہ بات کسی سے کہنا مت کہ میں نے اس ترکیب سے گھوڑا پایا ہے۔ تم نے مجھے دھوکا دیا ہے اور یہ بات ظاہر ہو گئی تو کوئی مُسافر کبھی کسی کے کام نہ آئے گا"۔

اِس عرب کی یہ بات سُن کر مال دار کو بڑی شرم آئی۔ اُس نے اُسی وقت عرب کا گھوڑا عرب کو واپس کر دیا اور معافی مانگی۔

(ترجمہ)

اپنے پیامیوں سے

# ضروری باتیں

۱۔ پیام تعلیم ہر ماہ کی ۲۸ تاریخ کو شائع ہوتا ہے اور تمام خریداروں کے پاس ۸ تاریخ تک ضرور پہنچ جاتا ہے۔ جن صاحب کے پاس رسالہ نہ پہنچے وہ ۱۰ تاریخ تک خط لکھ کر دفتر سے دوبارہ منگالیں۔ ۱۵ کے بعد ہم رسالہ نہ بھیج سکیں گے۔

۲۔ تمام خریداروں کے نمبر خریداری تبدیل ہو گئے ہیں نیا نمبر خریداری سب کے رسالے پر پتے کے ساتھ لکھا ہوا ہے۔ تمام خریدار پیامی اپنے اپنے پتوں کی چٹ سے نمبر خریداری نوٹ کرلیں۔

۳۔ خریدار پیامی خطوں پر اور منی آرڈر کوپن پر اپنا نمبر خریداری مع نام و پتہ ضرور لکھا کریں۔ جو خط بغیر نمبر خریداری کے ہمارے پاس آئیں گے ان کی ہم تعمیل نہ کر سکیں گے۔

منیجر رسالہ "پیام تعلیم"۔ دہلی

# دریائے ایمزن کی کہانی

(۳)

محمد عظیم اللہ صاحب

کنارے پر پہنچنے کے بعد بٹیس اور ایک ہندوستانی بندوقیں لے کر جنگل میں گھسے۔ جنگل کے اندر بٹیس کا پیر ایک ریٹل اسنیک کے اوپر پڑ گیا۔ جو راستے میں پڑا ہوا تھا۔ یہ سانپ جب تک چھیڑا نہ جائے حرکت نہیں کرتا اور چھیڑنے پر وہ اپنی دُم ہلاتا ہے جس سے ترتراہٹ کی آواز پیدا ہوتی ہے۔ بٹیس نے اس کو گولی سے مار ڈالا۔

ایک مرتبہ ایک اناکونڈا (ANACONDA) (پانی کا سانپ) نے بٹیس کو پریشان کر دیا۔ اس کی کشتی کنارے پر بندھی ہوئی تھی اور وہ اکیلا اس میں سو رہا تھا۔ آدھی رات کے قریب کشتی میں زور کا دھکا لگا..... ......جیسے ہی وہ جاگا اس کو دریا میں ایک دھماکے کی آواز سنائی دی۔ اب بٹیس نے اُٹھ کر چاروں طرف دیکھا مگر کہیں کچھ دکھائی نہ دیا۔ چاروں طرف خاموشی تھی۔ صرف پنجرے کی چڑیاں چہچہا رہی تھیں۔ یہ پنجرا کشتی کے ایک کنارے لٹک رہا تھا۔ بٹیس ہر طرف ایک مرتبہ پھر دیکھ کر سو گیا۔ صبح کو کیا دیکھتا ہے کہ چوزے کشتی میں اِدھر اُدھر پھر رہے ہیں۔ پنجرے میں ایک سوراخ بنا ہوا ہے اور دو چڑیاں غائب ہیں اسی طرح اور لوگوں کی چڑیاں غائب ہو چکی تھیں۔ اب ہندوستانیوں نے اور بٹیس نے مل کر چور کا پتہ لگانا چاہا۔ اُن کو معلوم ہو گیا تھا کہ چور کوئی پانی کا سانپ ہے تلاش کرتے کرتے وہ لوگ پریشان ہو گئے لیکن اس کا پتہ نہ لگا۔ آخرکار وہ لوگ ایک نالے میں پہنچے اور دیکھا کہ یہ سانپ ایک لٹھے پر لیٹا ہوا ہے۔ ہندوستانیوں نے اس کو اپنے اپنے ہارپون کے ذریعے مار ڈالا۔ بٹیس نے اس کی پیمائش کی تو معلوم ہوا ۱۹ فیٹ لمبا تھا اس طرح کے اور بہت سانپ مارے گئے جن میں اکثر ۱۲ فیٹ لمبے اور ۲ فیٹ موٹے تھے۔

دریائے ایمزن خطِ اِستوا کے قریب سے ہو کر بہتا ہے۔ یہاں بارش بہت زیادہ ہوتی ہے۔ [illegible] ہوا گرم اور مرطوب اور تندرستی کے [illegible] یہ مقام مسافروں کے لئے موزوں نہیں ہے [illegible] وجہ سے بٹیس یہاں بہت سخت بیمار ہو گیا [illegible]

بہت زیادہ بڑھ لی۔ اور آگے بڑھنے کی ہمت نہ رہی تو ۱۸۵۹ء میں انگلینڈ واپس چلا گیا۔ اتنے عرصے میں بیٹس نے تقریباً پندرہ ہزار (۱۵۰۰۰) نمونے جانوروں، چڑیوں اور کیڑے مکوڑوں کے جمع کئے۔ ان میں آٹھ ہزار (۸۰۰۰) سے زیادہ یورپ والوں کے لئے نئے تھے۔

بیٹس تو اب گھر پہنچ گیا۔ آئیے ہم لوگ اب ویلس کو دیکھیں اس کی کیا حالت ہے۔ اسے ہم لوگوں نے دریائے نگرو میں جاتے ہوئے چھوڑا تھا۔ ویلس نے صرف ۴ سال تک دریائے نگرو اور اس کے معاون دریاؤں کا سفر کیا اور پھر انگلینڈ واپس چلا گیا۔ جو کچھ اس نے دیکھا اور بیان کیا ہے وہ بھی کافی پر لطف ہے۔

وہ لکھتا ہے کہ دریائے نگرو کے معاون دریا اوپیس (UAUPES) کے کنارے ہندوستانیوں کی ایک قوم ملی جو ننگی پھرتی تھی۔ ان کا بدن لال، پیلے اور کالے رنگ میں رنگا ہوا تھا۔ ان میں مردوں کے بال لمبے اور ان کی چوٹیاں گندھی ہوئی تھیں۔ یہ پیچھے کی طرف پیٹھ سے نیچے دُم کی طرح لٹک رہی تھیں ان کے سر کے بالوں میں ایک کنگھی لگی ہوئی تھی جو چڑیا کے پروں سے مزین تھی۔

یہ ہندوستانی اپنی زندگی شکار کرکے اور مچھلی پکڑ کے بسر کرتے تھے۔ تیر کمان اور تفنگ کے بڑے ماہر تھے۔ چپکے سے درخت کے نیچے پہنچ جاتے تھے اور تیر کمان کے ذریعے چڑیوں کو مارتے جاتے تھے اور اس طرح مارتے تھے کہ دوسری چڑیوں کو خبر بھی نہ ہوتی تھی۔ اس لئے وہ اڑتی بھی نہیں تھیں ان کی امداد سے ویلس نے کافی نمونے جمع کر لئے۔

اس زمانے میں کشتیوں میں غلام پکڑنے والی جماعتیں چلا کرتی تھیں اور ہندوستانیوں کو پکڑ کر غلام بنالیتی تھیں ویلس نے ایک جماعت کو دیکھا جس میں ۲۰ ہندوستانی گرفتار تھے۔ ان میں زیادہ تر عورتیں اور بچے تھے۔ ہندوستانیوں کے لئے یہ زمانہ بہت خوفناک تھا۔ اس لئے ویلس کو کشتی کے لئے ہندوستانی ملاح بڑی مشکل سے ملتے تھے۔ اب ویلس کو بڑی مشکل کا سامنا کرنا پڑا۔ اور مانا اوزنک واپس آنے میں بڑی بڑی دقتیں پیش آئیں۔ جو ملاح ملتے بھی تھے وہ دور تک نہیں جاتے تھے کچھ دور جاکر واپس چلے آتے تھے۔ ویلس ہندوستانیوں کو کلہاڑی، چاقو اور آئینے انعام میں دے دے کر کسی طرح مانا اوزنک پہنچا۔ یہاں سے وہ ایک جہاز میں بیٹھ کر انگلینڈ کو روانہ ہوگیا۔ یہ جہاز ۱۲ جولائی ۱۸۵۲ء میں پارا سے روانہ ہوا تھا۔ تین ہفتے تک جہاز نے کافی سفر طے کیا۔ ایک صبح کو جہاز کے ایک حصے میں سے جس میں سامان رکھا ہوا تھا دھواں اٹھنا شروع ہوا۔ ملاح فوراً سامان ہٹانے اور آگ تلاش کرنے میں مشغول ہوگئے۔ اور نچلے حصے میں ایک سوراخ کر دیا گیا تاکہ پانی آکر آگ کو

بجھا دے۔ لیکن تمام کوششیں بے کار گئیں اور آگ بھڑک اٹھی۔ آخر کار کپتان نے لوگوں کو حکم دیا کہ جہاز چھوڑ کر کشتی پر سوار ہو جائیں۔ اور سب کے بعد میں خود بھی کشتی میں آگیا۔

ایک مصیبت ابھی ختم بھی نہ ہوئی تھی کہ دوسری نے آگھیرا۔ کشتی عرصے سے پانی میں نہیں آئی تھی۔ دھوپ کی وجہ سے تختے سوکھ کر سکڑ گئے تھے اور ان میں دراز پڑ گئے تھے۔ ان درازوں کے ذریعے کشتی میں پانی آنا شروع ہو گیا۔ تمام آدمی اور تمام سامان جو کشتی کے اندر تھا بھیگ گیا۔ ملاحوں کی تمام رات کشتی سے پانی باہر نکالنے میں کٹی۔ صبح کو کپتان نے قریب کے ملک کی طرف رخ کیا۔ مگر بدقسمتی سے ہوا موافق نہ تھی ملاحوں کو بڑی تکلیف ہوئی۔ پینے کا پانی بھی ختم ہو گیا اور سورج کی گرمی قیامت ڈھا رہی تھی۔ پیاس سے آدمیوں کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ لوگ گھر پہنچنے اور زندہ بچنے سے نا امید ہو گئے تھے۔ ہر ایک دوسرے کا منہ تکتا تھا اور اپنی بے چارگی پر آٹھ آٹھ آنسو بہاتا تھا۔ سوائے خدا کے اور تمام امیدیں ختم ہو چکی تھیں۔ ان کی آنکھیں آسمان کی طرف جمی ہوئی تھیں۔ گویا ہر ایک خدا کی درگاہ میں دعائے خیر مانگ رہا تھا۔ آخر خداوند عالم نے جو ہر کم زور کا مددگار اور بے چاروں کا چارہ گر ہے۔ اپنا کرشمہ دکھلایا اور دور سے ایک جہاز آتا دکھائی دیا۔ تھوڑے ہی عرصے میں لوگ اس جہاز میں عافیت کی سانس لینے لگے۔ اب ویلس کو اپنی محنت و مشقت سے جمع کئے ہوئے ذخیرے کے نقصان کا صدمہ ہوا۔ جنگلوں کی خاک چھان کر اور دریاؤں کی دقتوں سے دوچار ہو کر جو کچھ اس نے جمع کیا تھا اس میں سے ایک چیز بھی نہ بچی جس کو انگلینڈ پہنچ کر وہ لوگوں کے سامنے پیش کرتا۔ اب بھی یہ لوگ آرام سے نہیں رہے سمندر میں طوفان اٹھ رہا تھا اور موجیں جہاز کو ہلا ہلا دیتی تھیں۔ ایک عجیب پریشانی کا عالم تھا۔ ابھی سفر بھی کافی دور دراز کا تھا۔ اس جہاز میں بھی کافی کھانے پینے کا سامان نہیں تھا دوسرے آدمیوں کے بڑھ جانے سے اور کمی پڑ گئی۔ لوگوں کی خوراک نصف کر دی گئی دوسرے جہازوں سے کھانے کا سامان خریدا گیا۔ مگر پھر بھی آسودگی نہ ہوئی آخر کسی نہ کسی طرح جہاز انگلینڈ پہنچ گیا اور ویلس یہاں سے چلنے کے ۰۰ دن بعد اپنے وطن پہنچ گیا۔ ایک مرتبہ پھر اپنے وطن کی زمین پر اس کو بے حد خوشی ہوئی۔

# بچّوں کی نظمیں

محمد شفیع الدین صاحب نیّر
کی
اصلاح کے بعد

## ہمارا باغیچہ

ننھّا مُنّا سا باغیچہ
سبزی کا گویا غالیچہ

آئیے صاحب آئیے دیکھئے
منظر دیکھتے جائیے صاحب

چھوٹی چھوٹی، پیاری پیاری
الگ سے ایک جدا ہی کیاری

کہیں ہے جوہی کہیں چنبیلی
جیسے دُلہن نئی نویلی

دیکھئے یہ ہے رات کی رانی
سب کی ہے جانی پہچانی

رنگ برنگے پھول کھلے ہیں
ہم سب کی محنت کے صلے ہیں

دیکھئے پھولوں کی رنگینی
سونگھئے خوشبو بھینی بھینی

باغیچہ ہے یہ چھوٹا سا
ہم نے مگر سب کچھ ہے بویا

پالک، میتھی، گاجر، مولی
سویا، دھنیا، آلو، گوبھی

شلجم، لوکی، سیم، چقندر
جو کھائے ہو مست قلندر

مرکز کی تعلیم نرالی
آتش قومی باغ کا مالی

نفیس الدین احمد متعلم ابتدائی چہارم۔ تعلیمی مرکز نمبر ۱
(عمر ۱۱ سال)

# تتلی

پیاری تتلی، پیاری تتلی
اماں دیکھو ہماری تتلی
تتلی اڑتی پھرتی آئی
پھول پھول پہ گرتی آئی
باغ میں آئی در میں آئی
اُڑتے اُڑتے گھر میں آئی
گھر میں آئی ہم نے دیکھی
ہم نے دیکھی فوراً پکڑی
بھیا بولا "ہم کو دے دو"
میں بولا "لو اس سے کھیلو"
اُس نے جونہی ہاتھ بڑھایا
ہم دونوں نے دھکا کھایا
چٹکی کو کچھ ڈھیلا پاکر
فوراً بیٹھی پھول پہ جاکر

اپنے ہنر میں فائق وہ تھی
آزادی کی شائق وہ تھی

ملک ابرار احمد متعلم جماعت ششم شاہجہانپور

# برکھا رُت

چھم چھم کرتی بوندیں آئیں
ساتھ میں بجلی بادل لائیں
بادل گرجے بجلی چمکی
بوندوں کی بوچھار لگی تھی
لڑکیوں نے جھولے ڈلوائے
بیٹھ کے اُن پر گیت سنائے
سب نے پھر پکوان پکائے
پھر وہ سب نے مل کر کھائے

دِل پر خوب خوشی تھی چھائی
راضیہ نے یہ نظم سنائی

راضیہ خاتون علی گڑھ (عمر ۹ سال)

# اِسپنج

محمد عبدالحبیب۔ خلدآبادی

ارے یہ کس چیز سے تم اپنی سلیٹ صاف کر رہے ہو؟ گندے کپڑے سے! توبہ توبہ! اسپنج کیوں نہیں استعمال کرتے۔ واہ بھئی واہ اسپنج نہیں جانتے یہ تو بہت ہی پرانی چیز ہے۔ اب سے ہزاروں برس پہلے لوگ اسے جانتے تھے ایک بہت ہی پرانے شاعر ہومر نے اپنی نظموں میں اس کا ذکر کیا ہے۔ اس زمانے میں اسے خود کے اندر کے حصے میں لگاتے تھے۔

یہ اصل میں ایک دریائی کیڑا ہے اور سمندر کی تہ میں رہتا ہے۔ اس کا جسم بہت نرم ہوتا ہے بالکل ریشم کی طرح۔ اور بالکل ہلکا پھلکا۔ اپنے جسم کا نیچے کا حصہ تہ میں کسی نہ کسی چیز سے پھنسائے رکھتا ہے۔ ورنہ پانی کی ذراسی حرکت سے اِدھر سے اُدھر بہتا پھرے۔ اس میں شہد کے چھتے کی طرح کے خانے بنے ہوتے ہیں یہ سب گویا اس کے مُنہ ہیں اِنھی سے کھاتا اور اِنھی سے سانس لیتا ہے یہ مُنہ وہ جب چاہے کھول سکتا اور بند کرسکتا ہے مُنہ کا باہر کا حصہ بڑا ہوتا ہے اور پھر چھوٹا ہوتا جاتا



اِسپنج یوں سمجھو کہ سوراخوں کا ایک مجموعہ ہے اور سمندر کا پانی اِس میں سے آتا جاتا رہتا ہے۔ جہاں جہاں تیر کا نشان ہے وہاں اِسی قسم کے سوراخ ہیں۔

ہے۔ تہہ کے اندر کے کیڑے مکوڑے اُس کی غذا ہیں۔ اس کی غذا کہیں بیس گھنٹوں میں ہضم ہوجاتی ہے۔ جہاں آب و ہوا اچھی ہوتی ہے اور غذا افراط سے ملتی ہے وہاں پل کر خوب بڑا ہو جاتا ہے۔ لیکن جہاں غذا کم ملتی ہے وہاں زیادہ بڑا نہیں ہونے پاتا۔ اس کے جسم میں خون نہیں ہوتا۔ اور کوئی چیز اسے چھوتی ہوئی گذر جائے تو اسے ذرا احساس نہیں ہوتا۔

دوسرے جانداروں کی طرح یہ انڈے بھی نہیں دیتا۔ بلکہ ایک خاص عمر کے بعد اسپنج اپنے جسم کے کئی ٹکڑے کر لیتا ہے۔ یہی ٹکڑے نئے اسپنج ہیں جو تھوڑے دنوں بعد پانی کی گہرائیوں میں رہنے لگتے ہیں۔

بہاماس، فلوریڈا۔ لپوانٹ اور جنوبی کیارولین میں اسپنج زیادہ پیدا ہوتا ہے۔ موسمی حالات گرمی، سردی کی کمی یا زیادتی اور پانی کی گہرائی کے اعتبار سے ان کا استعمال بھی الگ ہوتا ہے۔ مثلاً نرم اسپنج نہانے کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں۔ ذرا سخت قسم کے سلیٹ وغیرہ صاف کرنے اور مالش کرنے کے لئے۔ یہ لچک دار بھی بہت ہوتا ہے۔ اس لئے گدی دار کرسیوں اور بستروں وغیرہ میں بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ بعض اسپنج ناکارہ بھی ہوتے ہیں۔ ان میں معدنیات کا جز زیادہ ہوتا ہے۔ جیسے:۔ چاک وغیرہ

---

# بی لومڑی

گنگا موہن رائے - بریلی

بہت دنوں کی بات ہے۔ ایک جنگل میں لومڑی کا ایک جوڑا رہتا تھا۔ نر لومڑی کے نو دُمیں تھیں۔ ایک دن میاں لومڑے مُردہ بن کر چارپائی پہ لیٹ گئے۔ وہ یہ جاننا چاہتے تھے کہ بی لومڑی وفادار ہیں یا نہیں۔

بی لومڑی کو اپنے میاں کے مرنے کی خبر ہوئی تو چھت پر گئیں اپنے کمرے میں تالا لگایا اور لومڑے کے کمرے میں جاکر رونے لگیں۔ تھوڑی دیر میں سب کو معلوم ہوگیا کہ بی لومڑی کے میاں اللہ میاں کے یہاں سدھارے ان کی ماما بڑی بلی باورچی خانے میں کھانا پکا رہی تھیں اتنے میں کسی نے دروازہ کھٹ کھٹایا اور کہا:-

پوسی پوسی باہر آؤ
مجھ کو تم یہ بات بتاؤ
آج ہے کیوں خاموشی چھائی
لومڑی دیتی نہیں دکھائی

بڑی بلی نے جاکر دروازہ کھولا تو دیکھتی ہے کہ ایک جوان لومڑا کھڑا ہے۔ اس نے کہا کہ

میاں لومڑے فوت ہوئے ہیں
چھت پر دیکھو مرے پڑے ہیں
بی بی لومڑی اوپر جاکر
روتی ہیں آواز بناکر

لومڑے نے کہا: "اوپر جاؤ اور بی لومڑی سے کہو ایک لومڑا آیا ہے اور ان سے شادی کرنا چاہتا ہے" بڑی بلی اوپر گئیں اور بولیں:-

بی بی میں اک بات بتاؤں
تم کو اک خوش خبری سناؤں
ایک لومڑا سجا سجایا
تم سے بیاہ رچانے آیا

لومڑی بولی:-

اس سے جاکر یہ پوچھو تم
کے رکھتا تو اپنے دُم
نو اس لومڑے کے ہیں دُمیں اگر
کروں گی شادی خوش ہوکر

بڑی بلی بولی کہ اُس کے صرف ایک دم ہے
لومڑی بولیں۔" تو میں اس سے شادی نہ کروں گی

بلّی نیچے گئی اور اُس سے انکار کر دیا۔ رفتہ رفتہ بہت سے لومڑے آئے کسی کے ایک دُم تھی کسی کے دو، کسی کے پانچ۔ آخرکار ایک لومڑا آیا جس کے نو دُمیں تھیں۔ جب بی لومڑی کو نو دُموں والے کے آنے کی خبر ہوئی تو وہ خوشی کے مارے اُچھل پڑیں۔ اور بولیں:۔

اس بڈھے کی لاش کو پھینکو
گھر کے باہر جاکر دیکھو
جاؤ بی بی بلّی جاؤ
دوستوں کو دعوت دے آؤ

لیکن جب شادی کا سب سامان تیار تھا اور بھانوریں پڑنے والی تھیں کہ یکایک میاں لومڑے اُٹھ بیٹھے اور بھری برات کو اپنے موٹے ڈنڈے سے مار بھگایا۔

کچھ دنوں بعد میاں لومڑے سچ مچ بیکنٹھ سدھارے۔ پھر ایک بھیڑیا آیا اور بڑی بلّی سے بولا "آداب عرض! آج آپ کیا پکا رہی ہیں"

بڑی بلّی۔ "آج میں گوشت روٹی پکا رہی ہوں۔ کیا آپ کھانے کے وقت تک رُکیں گے یا میں ایک گلاس شربت پلاؤں"

بھیڑیا۔ "شکریہ! شاید بی لومڑی ہیں نہیں۔"

بڑی بلّی۔ "ہیں تو مگر لومڑے میاں انتقال فرما گئے لہٰذا وہ ماتم کر رہی ہیں"

بھیڑیا۔ "جاؤ کہو بھیڑیا آیا ہے اگر آپ شادی کرنا چاہیں تو حاضر ہے"

بڑی بلّی۔ "میں ابھی اوپر جاتی ہوں۔ آپ تشریف رکھیے"

بڑی بلّی نے ایک کرسی بھیڑے کے بیٹھنے کو دی اور کان ہلاتی مونچھیں چاٹتی اوپر گئی۔ اوپر جاکر اس نے دروازہ کھٹ کھٹایا اور بی لومڑی سے پیغام کہا۔ بی لومڑی بولیں "کیا اس کے پنجے میاں لومڑے کی طرح لال ہیں"۔ بلّی بولی "نہیں" لومڑی بولی "تو میں شادی نہیں کروں گی"۔ اس کے بعد بہت سے جانور آئے مگر بی لومڑی نے سب کو یہی جواب دیا۔ بالآخر ایک لومڑا آیا جس کے پنجے لال تھے تب بی لومڑی بلّی سے بولیں:۔

سارے گھر کو صاف کراؤ
اور مخمل کا فرش بچھاؤ
بڈھا مرا جوان کو پایا
کیا ہو تیرا شکر خدایا
لومڑی کو پھر دلہن بنایا
لومڑے کو بھی خوب سجایا
مولوی آئے پنڈت آئے
دونوں کے پھر ہاتھ ملائے

نامی نے یہ قصہ سُنایا ۔ جو بچّوں کے من کو بھایا

(ترجمہ)




آج عید کا دن ہے ۔ سب بچے صبح سویرے خوش خوش اُٹھے ۔ نہائے دھوئے کپڑے بدلے اور خوشیاں منانے لگے۔ ہم سب اس خوشی میں مصروف تھے کہ ہمارے ملازم نے آواز دی "ڈاک لے جاؤ"۔ اس ڈاک میں پیام تعلیم کا سال گرہ نمبر بھی تھا میں نے اُسے لے لیا اور پڑھنے لگا اتنے میں سب بچے میرے ارد گرد جمع ہو گئے اور ہر بچہ یہ کوشش کرنے لگا کہ سب سے پہلے میں سال گرہ نمبر کو دیکھوں ۔ ہماری آپا جان بھی اس چھینا جھپٹی کو دیکھ رہی تھیں ۔ وہ بولیں "لاؤ میں تم سب کو پڑھ کر سنا دوں"۔ سب بچوں نے اس تجویز کو پسند کیا اور انھوں نے سنانا شروع کیا۔ سب بچے کبھی ہنستے کبھی کودتے، کبھی اُداس بیٹھ جاتے یعنی جب اُنھوں نے "ٹلّو میاں کے مضمون میں یہ سُنا کہ "ٹلّو میاں مع اپنے بھائیوں کے جنگل میں راستہ بھول گئے ہیں تو انھیں بہت افسوس ہوا۔ لیکن اُن کا یہ افسوس فوراً ہی "آؤ ڈراما کریں" مضمون کو سن کر خوشی میں تبدیل ہو گیا اور بولے "ہم بھی ایسا ڈراما کریں گے"۔ اس کے بعد جب اُنھوں نے "منہ کی کھائی" نظم سُنی تو ہنستے ہنستے لوٹ گئے۔ سال گرہ نمبر کے سب سے آخر میں یہ پڑھا گیا کہ ہر بچہ پیام تعلیم کے سال گرہ نمبر کے متعلق اپنی رائے بھیجے، میرا چھوٹا بھائی "محبوب" جو اس وقت یہاں بیٹھا تھا بولا کہ "ہمیں تو لدو کا ترا اتا لگا" (لڈو کا ٹکڑا اچھا لگا) ہر بچے نے اپنی اپنی رائے ظاہر کی۔ حالانکہ ان میں بہت سے بچے ایسے ننھے تھے جو پڑھنا لکھنا تو درکنار ٹھیک سے بولنا بھی نہیں جانتے تھے ۔

اس سے صاف یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سال گرہ نمبر میں چھوٹے سے چھوٹے اور بڑے سے بڑے لڑکوں کی دلچسپی کا سامان مہیا کیا گیا ہے۔ یہ تو وہ عام پسندیدگی ہوئی جو ہر بچے نے پیام تعلیم کے سال گرہ نمبر کے متعلق ظاہر کی تھی۔ اب میری ذاتی رائے سُنئے جو میں نے پیام تعلیم کے اس سالنامے کو دیکھ کر قائم کی ہے ۔

سالنامے تو اور بہت سے بچوں کے رسالوں کے نکلے مگر ہمارے پیام تعلیم کے اس خاص نمبر میں کئی خصوصیتیں ہیں جو اور کسی بچوں کے رسالے میں نہیں پائی جاتیں۔

ہمارا پیام تعلیم ہندستانی زبان کے تمام دوسرے بچوں کے رسائل پر فوقیت رکھتا ہے اور یہ ہمارا خاموش رہبر اور اچھا اُستاد ہے۔ ویسے تو ہر مہینے یہ ہم کو اپنے اچھے اچھے اور مفید مضامین سے مستفید کرتا رہتا ہے مگر سال گرہ نمبر کے مضامین دلچسپ، مفید اور بہت کام کے ہیں۔ ہر مضمون کے پڑھنے سے ہمیں نیا مزا آتا ہے اور اچھے اچھے سبق حاصل ہوتے ہیں۔ مضامین اور نظموں کے ساتھ ایسے عمدہ عمدہ کارٹون اور تصاویر دی گئی ہیں جن کو دیکھ دیکھ کر نہ صرف ہماری دلچسپی میں اضافہ ہوتا ہے بلکہ ہمارے دماغوں میں ایسا نقشہ جم جاتا ہے جن سے ہم ان مضامین کی یاد ایک عرصے تک تازہ رکھ سکتے ہیں۔

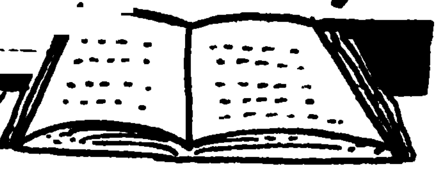
زیادہ تر مضمون اور نظمیں بالکل نئی اور سلیس اُردو میں لکھی ہوئی ہیں۔ جن کو چھوٹے بچے بھی آسانی سے پڑھ اور سمجھ سکتے ہیں۔

اب رہا مضامین کا معیار تو وہ اس سے ظاہر ہے کہ ان کے لکھنے والے بڑے بڑے اہل قلم اور ادیب ہیں۔ جن پر سارا ہندوستان نازاں ہے اور ان پر رائے زنی کرنا ہم جیسے چھوٹے اور کم لیاقت بچوں کا کام نہیں۔ "چھوٹا مُنہ بڑی بات"!

ہم سب پیامیوں کو یہ دعا کرنا چاہیے کہ ہمارا پیام تعلیم دن دونی رات چوگنی ترقی کرے اور اس کے کارکن ہمیشہ خوش رہیں اور اس کو اسی شان و شوکت کے ساتھ ہمیشہ جاری رکھیں۔ مگر یہ سب کچھ جبھی ہوگا جب اس کے پڑھنے والے بھی پیام تعلیم کی مدد کریں اور اپنے دوستوں کو اس کا خریدار بنائیں ٭

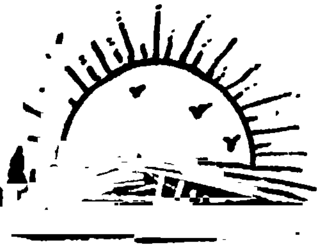
ختم

# بچوں کی کوششیں





## ایک نیک لڑکا



وقت ۔۔۔۔۔۔ دوپہر

جگہ ۔۔۔۔۔۔ اسکول کے سامنے

### اشخاص

| | |
|---|---|
| اکرام | ایک نیک لڑکا |
| بابا مُظفر | ایک فقیر |
| یوسف | فقیر کا لڑکا |
| سعید، ذاکر، محمود | تین شریر لڑکے |
| پروفیسر سلیم | اکرام کا والد |

### پہلا منظر

(اسکول کی چھٹی ہوتی ہے۔ سب لڑکے خوش خوش باہر نکلتے ہیں۔ دو تین شریر لڑکوں کی ایک ٹولی کی نظر ایک فقیر پر جا پڑی۔)

سعید:۔ اس اندھے فقیر کے ساتھ کچھ مذاق کرنا چاہئے

ذاکر:۔ ہاں سعید اسے اس میدان میں چھوڑ آئیں۔

محمود:۔ بابا ہم اسکول سے آرہے ہیں۔ ہمارے پاس پیسہ نہیں ہے۔ ہمارے گھر چلو۔ ہم تمھیں کھانا کھلائیں گے

(وہ اُسے بہکا کے میدان میں لے گئے۔ اکرام ملتا ہے۔)

اکرام:۔ یار آج تم اتنے خوش کیوں ہو؟

ذاکر:۔ ہم ایک بڈھے فقیر کو میدان میں چھوڑ آئے ہیں۔

## دوسرا منظر

وقت :- سورج ڈوبنے کے قریب ۔ ۔ ۔ ۔ جگہ :- میدان

اکرام :- جو تمھیں بھگا کر یہاں لائے ہیں وہ تین شریر لڑکے ہیں۔ چلو میرے گھر چلو۔ وہاں میں تمھیں کھانا کھلاؤں گا۔

فقیر :- تمھیں خدا بہت دیر تک زندہ رکھے۔ (اُسے اپنے گھر لے جاتا ہے)

## تیسرا منظر

وقت :- شام کا ۔ ۔ ۔ ۔ جگہ :- اکرام کا گھر

اکرام :- ابّا جان ہمارے اسکول کے تین چار لڑکوں نے اس اندھے فقیر کو میدان میں چھوڑ دیا۔ میں اسے یہاں لے آیا ہوں۔

پروفیسر سلیم :- شاباش۔ بیٹا نیک بچوں کا یہی کام ہوتا ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ تم بڑے ہو کر نیک بنو گے

(کھانا کھلا کر اکرام اُسے اس کے گھر پہنچا آیا۔)

(ممتاز ظفر درجہ دوم عمر ۹ سال)

# انجن کیسے بولتے ہیں ؟

ایک دفعہ ایک پہلوان ایک بُڈھے آدمی سے لڑ رہا تھا۔ اِدھر سے ایک ہاتھی آیا۔ ہاتھی نے جب دیکھا کہ ایک پہلوان ایک بُڈھے آدمی سے لڑ رہا ہے تو اس نے پہلوان سے کہا "لڑنا ہو تو مجھ سے لڑ"۔ جب پہلوان نے یہ سُنا تو اس کی جان نکلنے لگی۔ بھاگا دم دبا کر۔ سامنے ایک چنے کا کھیت تھا۔ پہلوان جھٹ پٹ چنے کے ایک پیڑ پر چڑھ گیا۔ ہاتھی دیکھتا کا دیکھتا ہی رہ گیا خیر پیڑ کے نیچے بیٹھ گیا کہ جب اُترے تو پکڑوں گا۔ تھوڑی دیر بعد پہلوان کو بہت پسینہ آیا اور بہنے لگا۔ ہاتھی پسینے کی دھا... پیڑ کے اوپر چڑھ گیا۔ پہلوان پھر بھاگا۔ ہاتھی بھی اُس کے پیچھے ہو لیا۔ سامنے ایک لوٹا رکھا تھا پہلوان ... میں گھ... نکل گیا۔ ہاتھی نکل تو گیا لیکن بے چارے کی دُم اٹک گئی۔ لوٹا بھی اُس کے ساتھ ساتھ چلنے لگا ... اس ... ساتھ لوٹا بھی ہلتا تھا۔ چلتے چلتے دریا پر پہنچے۔ اتفاق سے وہاں ایک ہی کشتی تھی۔ پہلوان ملّاح کے پاس پہنچا اور ... پہنچا دے۔ تجھے اچھی مزدوری دوں گا مگر شرط یہ ہے کہ اس کنارے پر کشتی نہ لائیو۔" ملّاح نے یہ شرط ... پہنچا دیا اور ہاتھی بے چارہ پھر رہ گیا۔ جہاں پہلوان تھا وہاں کچھ دھوبی کپڑے دھو رہے تھے۔ اور چھپوا ... پہلوان بھاگا بھاگ وہاں گیا اور دھوبیوں سے ہاتھ جوڑ کر کہا "مہربانی فرما کر چھپوا چھوڑ نہ کرو۔ کہیں وہ ہاتھی ... آ جائے"۔ دھوبیوں نے کپڑے دھونے بند کر دئے اب پہلوان اِدھر سے اُدھر پھرنے لگا۔ آخر ... سے کہا "ٹلی لی لی جھر"۔ ہاتھی نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اسی ٹلی لی لی جھر پر چڑھ کر آ گیا۔ پہلوان پھر بھاگا اور ... ایک انجن کھڑا تھا۔ پہلوان اس میں سے ہو کر چمنی میں سے نکل کر بھاگ گیا۔ ہاتھی بھی گیا لیکن چمنی میں اَٹک ... اب جب انجن سیٹی دیتا ہے تو اصل میں وہ اس ہاتھی کے رونے کی آواز ہوتی ہے۔

مہیشور دیال ...

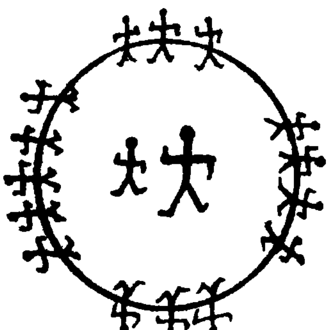
# نئے نئے کھیل

# سب کے سب ہرن

الطاف علی صاحب نگراں ورزش جسمانی جامعہ نگر

**تعداد:-** ۵ تا ۳۰

**جگہ:-** میدان، کمرہ یا صحن۔



**طریقہ:-** سب کھلاڑی دائرہ بناکر کھڑے ہوجائیں کھلانے والا پہلے یہ اعلان کرے کہ وہ ہر کھلاڑی کا نام کسی نہ کسی جانور پر رکھے گا۔ پھر وہ ہر کھلاڑی کے کان میں آہستہ سے ایک ہی جانور کا نام کہے۔ فرض کرو وہ جانور ہرن ہے۔ اس طرح ہر کھلاڑی کا نام ہرن ہوگا۔ مگر اپنی جگہ ہر کھلاڑی یہی خیال کرے گا کہ اس کا نام دوسرے سے جُدا ہوگا۔ اس کے بعد کھلانے والا سب کھلاڑیوں کو ہدایت کرے کہ جب وہ کسی جانور کا نام لے تو وہ دوڑ کر دائرے کے بیچ میں رکھی ہوئی چیز کو پکڑے۔ اور یہ چیز دائرے کے بیچ میں رکھ دے۔ جب یہ ہوچکے تو کسی جانور کا نام پکارے ظاہر ہے کہ اس نام پر کوئی کھلاڑی آگے نہ آئے گا۔ پھر کسی اور جانور کا نام پکارے۔ اس پر بھی کوئی کھلاڑی آگے نہیں آئے گا۔ تیسری بار "ہرن" کا نام لے۔ اس پر سب کے سب کھلاڑی دائرے کے بیچ میں رکھی ہوئی چیز پر ٹوٹ پڑیں گے۔ وہ نظارا دیکھنے کے قابل ہوگا۔

**احتیاط:-** (۱) کوئی کھلاڑی اپنا نام دوسرے کو نہ بتائے۔

(۲) کھیل سے پہلے کسی کھلاڑی کو کھیل کے متعلق کچھ نہ بتایا جائے۔ ورنہ کھیل کا مزا کرکرا ہوجائے گا۔

(۳) دائرے کے اندر ایسی چیز رکھی جائے جس کے خراب ہونے کا اندیشہ نہ ہو۔

# معلومات

عابد مسیح

دنیا میں سب سے چھوٹی چڑیا جزیرہ کیوبا میں پائی جاتی ہے۔ وہاں کی زبان میں اس چڑیا کو "پہارو موسکا" کہتے ہیں۔ اس نام کے معنی ہیں "مکھی چڑیا"۔ یہ چڑیا افریقہ کی مشہور چڑیا "ہمنگ برڈ" کے خاندان سے ہے۔ لیکن قد میں "ہمنگ برڈ" سے بہت چھوٹی ہوتی ہے۔ یعنی کوئی ایک انچ کے برابر ہوتی ہے۔

اکثر ترکاریوں اور پھلوں کا تین چوتھائی حصہ پانی میں ہوتا ہے اور ان کی قدر و قیمت کا اصلی سبب وہ معدنی نمک ہوتا ہے جو اُن کے اندر پایا جاتا ہے یہ نمک خون کا صاف کرنے والا اور ہڈیوں کی نشو و نما کا باعث ہوتا ہے۔

لکڑی کی ایک مستطیل ڈبیہ تیار کرکے اُس کا آدھا ڈھکنا سُرخ رنگ کے شیشے کا بنایئے اور آدھا نیلے رنگ کے شیشے کا۔ پھر اس ڈبیہ کے اندر کیچوے بند کیجئے تو وہ سب کے سب اُس نصف حصے میں جمع ہو جائیں گے جس کے اوپر سُرخ رنگ کا شیشہ ہے۔ اسی طرح بعض اور کیڑے بھی نیلے رنگ سے نفرت رکھتے ہیں۔

# پیام برادری

(ایڈیٹر)

پیاری بچیو اور بچو، خوش رہو اور تندرست۔ بھائی دلّی میں تو گرمی آہستہ آہستہ بڑھ رہی ہے۔ دوسری جگہوں پر بھی یہی حال ہوگا۔ اب جون تک اس کا مقابلہ کرنا ہے۔ بعض بعض جگہوں پر سالانہ امتحان بھی شروع ہوگئے ہیں اور کہیں امتحان کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ ہم ان سب پیامیوں کی کامیابی کے لئے دل سے دعا کرتے ہیں۔

یورپ کی لڑائی میں ابھی تک برطانیہ اور اس کے ساتھی یونان کا پلّہ بھاری ہے۔ افریقہ میں انگریزی فوجیں اٹلی والوں کو شکست پر شکست دے رہی ہیں۔ ادھر یونانی فوجیں اٹلی کی فوج کو ہر جگہ ہرا رہی ہیں۔ سُنا ہے یونان سے لڑنے والی فوج کی کمان مسولینی نے خود اپنے ہاتھ میں لے لی ہے اور اس کا مقصد یہ بتایا جاتا ہے کہ جرمنی یونان پر حملہ کرنے والا ہے۔ اس سے پہلے اٹلی کی فوجیں یونانیوں کو البانیہ سے نکال دیں تاکہ کچھ تو اٹلی کی عزت باقی رہ جائے۔ ادھر بلقان کی چھوٹی چھوٹی ریاستیں کچھ عجیب کش مکش میں ہیں۔ بلغاریہ پر تو یوں سمجھو کہ جرمنی کا قبضہ ہوگیا۔ یوگوسلاویہ سے بھی جرمنی کا کچھ معاہدہ ہو رہا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ چھوٹی سی ریاست بھی جرمنی کی طاقت کے سامنے جھکنے پر مجبور ہوگئی۔ ادھر ترکی و جرمنی میں بات چیت جاری ہے مگر راز میں ہے۔ دیکھئے اس کا نتیجہ کیا نکلتا ہے۔ بظاہر تو ترکوں کا میلان انگریزوں کی طرف ہے

امریکہ نے آخر برطانیہ کی امداد کا بل پاس کردیا۔ اس سے اگر ایک طرف انگریزوں نے اطمینان کا سانس لیا تو دوسری طرف جرمنی میں بہت پریشانی پھیل گئی ہے۔ امریکہ ۷ ارب ڈالر انگریزوں کی امداد میں خرچ کرے گا۔

ہم نے پچھلے پرچے میں پیامیوں سے درخواست کی تھی کہ وہ معمّا نمبر ۱۶ کے بارے میں اپنی رائے لکھیں بہت سے پیامیوں نے اس کی بس تعریف ہی تعریف لکھ بھیجی۔ ہم چاہتے ہیں کہ پیامی یہ بتائیں کہ اس معمّے میں کیا خوبی یا برائی ہے کس چیز کے گھٹانے یا بڑھانے سے معمّا زیادہ آسان اور دلچسپ ہوسکتا ہے۔ بہرحال وہ بچوں کی رایوں کا

خلاصہ یہاں لکھا جاتا ہے۔ عزیزی محمد اسماعیل نئی دہلی سے لکھتے ہیں "......... اس کے اشارے ہی سے بڑے صداقت آ رہی ہے۔ اور کامیابی فتح کا جھنڈا ہاتھ میں لئے ہوئے پیامیوں کو دکھلا رہی ہے ......... اس کے ریشم پر دلوں میں سے حمدِ خدا اور یادگار حالی کا عکس بھی جگمگاتا ہوا نظر آ رہا ہے۔ علاوہ ازیں محبت و ہمدردی نصیحت و دلچسپی کے سبق اس کے اشارات میں موجود ہیں جنھیں معلوم کرنے کے لئے ضرور تھوڑی سی کوشش کافی ہے .........."

عزیزی میر صادق علی خاں حیدرآباد دکن سے لکھتے ہیں: "بعض حضرات کا خیال ہے کہ معما حل کرنا وقت اور پیسوں کا برباد کرنا ہے۔ مگر میرے خیال میں یہ بالکل غلط ہے ....... معما حل کرنا اپنے معلومات میں اضافہ کرنا ہے، معما جتنا مشکل ہو لڑکوں کے لئے بہترین اور مفید ہے ......." معما نمبر ۱۷ کے بارے میں بھی پیامی اپنی رائے لکھ کر بھیجیں مگر خوب سوچ سمجھ کر۔

معما نمبر ۱۶ کا صحیح حل صرف ایک آیا اور وہ یہ ہے

(۱) رحیم الدین دہلی۔ انعام ........ ۲ روپے

ایک غلطی والے حل:۔ فی کس ۸ آنے

محمد اسماعیل خاں دہلی۔ محمد احمد عظیم، دہلی۔ ایم نور الرحمٰن، بھاگل پور۔ نور احمد، دہلی۔ سید مصور حسن۔ دہلی۔ محمد شاہد پٹنہ۔ مشتاق احمد، پٹنہ۔ محمد فصیح احمد، پٹنہ۔ سید عطار الرحمٰن بہاری، دہلی۔ محمد ظفر الہدیٰ، دہلی۔ سید ماجد علی دہلی۔ عبد الوحید، دہلی۔ خلیل الرحمٰن، بارہ بنکی۔ اقبال مرزا دہلی۔ وارث رشید، دہلی۔ جملہ اخراجات ۔ (۹)

معما جانچنے والے صاحب نے اس سلسلے میں ایک نہایت ضروری بات ہمیں لکھ کر بھیجی ہے۔ وہ فرماتے ہیں "کوپنیں دیکھنے کے بعد یہ اندازہ ہوا کہ اکثر حل کرنے والے بچے الفاظ تو معلوم کر لیتے ہیں۔ لیکن ان الفاظ کو مختلف کوپنوں میں ترتیب سے لکھنا نہیں جانتے اگر اس بات کا خیال رکھا جائے تو زیادہ حل کرنے والوں کو انعام ملے۔ جن کوپنوں پر ٹکٹ نہیں ہوتے یا تصدیق نہیں ہوتی وہ جانچ میں شامل نہیں کئے جاتے۔ اس مرتبہ یہ کوپنیں بغیر ٹکٹ یا بغیر تصدیق آئی ہیں۔

بغیر ٹکٹ:۔ محمد سعید اختر، پورنیہ۔ افضال الحق، دہلی۔ انوار العمر، دہلی۔ سید اشفاق حیدر، میرٹھ۔

بغیر تصدیق:۔ عزیز اختر، جھانسی۔ سعیدہ اودھمی، بستی۔

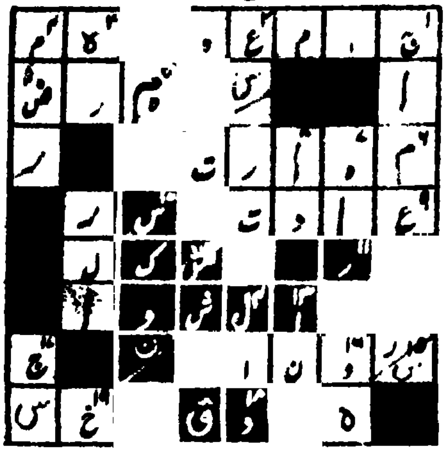
ہمیں امید ہے کہ عزیز پیامی معما جانچنے والے صاحب کی بات کو غور سے سنیں گے اور آئندہ اس پر عمل کی کوشش کریں گے ہاں ایک بات اور کہنی ہے اور وہ یہ ہے کہ چار کوپنوں کی فیس ۳ر ہے لیکن دو کوپنوں کے ساتھ ۱ر کے نہیں بلکہ دو ٹکٹ ۱ر کے بھیجنے پڑیں گے علاوہ اس کے کسی ریاست کا ٹکٹ قبول نہ کیا جائے گا۔ اچھا اب رخصت۔ تمھارا۔ محمد حسین حسان

# معمّہ نمبر ۱۷

## پہلا اِنعام ......۲۵ ر

## دُوسرا اِنعام ......۱۸ ر

## مشقی کین



## اِشارات

### دائیں سے بائیں

۱- جمبیا: ی قومی تعلیم کی دُوسری کانفرنس ۱۱ اپریل سے ...نگر میں ہورہی ہے

۳- اگر ہندو کی (ہ) اور مسلمان کی (م) مِل جائے تو... آباد ہوجائیں گے

۵- معمولی ... کی طرف بھی توجہ کرنا ضرُوری ہے

۶- مناسب مشق سے ہر کام میں ..... پیدا ہوسکتی ہے۔

۹- بُری ... ڈالنا تو آسان ہے لیکن چھوڑنا ذرا مشکل ہے۔

۱۰- ۲۰ مارچ کی رات کو ڈاکٹر ... شاہ سلیمان کا دہلی میں انتقال ہوا۔

۱۱- بے وقوف آدمی کو ... کہتے ہیں۔ (اُلٹا)

۱۲- صرف ... دیکھ کر بھی مجرم پہچانا جاسکتا ہے۔

۱۳- بمعنی منور (بے ترتیب)

۱۵- بچّوں کا خلافِ عادت و خلافِ معمول زیادہ .... والدین کی فکر کا باعث ہوجایا کرتا ہے۔

۱۸- سُنا جاتا ہے کہ بناسپتی کے استعمال کی وجہ سے .... کے مریض زیادہ ہونے لگے ہیں۔

۱۹- گرمیوں میں بعض لوگ اس کا استعمال کرتے ہیں۔

### اُوپر سے نیچے

۱- دہلی کی ... مسجد شاہ جہاں نے بنوائی تھی۔

۲- انتہائی ... کی زندگی رفتہ رفتہ آدمی کو گناہ کی طرف متوجہ کردیتی ہے۔

۳- ... جان دار موت کا مزہ چکھتا ہے۔

۴- کھانا کھاتے ہی پڑھنا آنکھوں کے لئے ... ہے

۷- کھلاڑی وہی ہے جو ... میں ہمت نہ ہارے۔

۸- پُرانے طرز کے مکانوں میں عام طور پر .... ضرُور ہوتے ہیں۔ (بے ترتیب)

۱۰- محنتی طلبا پڑھنے کے لئے ایسے مقام کی تلاش میں رہتے ہیں۔

۱۲- چھید۔

۱۴- سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائے گا جب ... چلے گا بنجارہ۔

۱۶- ہم تم اور ....

۱۷- ... کھیت سے دہقاں کو میسّر نہیں روزی
اس کھیت کے ہر خوشۂ گندم کو جلادو
(اقبال)

(۱) معما بجائے پندرہ کے اٹھارہ اپریل تک بھیج سکتے ہو۔
(۲) ایک ہی لفافے میں کئی حل بھیجے جا سکتے ہیں۔
(۳) معما نمبر ۱۷ کے ہر صحیح حل بھیجنے والے کو ایک خاص انعام بھی دیا جائے گا۔

## قواعد

(۱) تمام مدرسوں کے بچے حل میں حصہ لے سکتے ہیں۔ اُستاد یا سرپرست کی تصدیق ضروری ہے۔ صرف دستخط کافی ہیں۔ عبارت لکھنے کی ضرورت نہیں۔

(۲) ایک حل کے ساتھ ایک آنے کا ٹکٹ آنا ضروری ہے۔

(۳) ایک سے زیادہ حل بھی بھیجے جا سکتے ہیں۔ چار حلوں کی رعایتی فیس ۳ ر۔ آٹھ حلوں کی ۶ ہے۔[۱]

(۴) دونوں انعام تقسیم کر دیے جائیں گے۔ قرعہ اندازی نہ ہوگی

(۵) تمام حل ۱۸ اپریل سنہ ۱۹۴۲ء تک دفتر پیام تعلیم مکتبہ جامعہ دہلی پہنچ جانا چاہیئں۔

(۶) ایڈیٹر کا فیصلہ قطعی ہوگا

(۷) پیام تعلیم میں چھپے ہوئے کوپن کے علاوہ اور کوئی نہیں لیا جائے گا۔

(۸) کوپن کے چاروں طرف جو نقطے والی لائن ہے وہاں سے کاٹ کر بھیجو۔

(۹) کسی کوپن میں کوئی حرف کٹا یا مٹا ہوا ہوگا یا پنسل سے بھرا ہوا ہوگا تو مقابلے میں شامل نہ کیا جائے گا۔

(۱۰) ۔ صرف پیامیوں کے لیے تصدیق ضروری نہیں ہے۔

(۱۱) علاوہ کوپن اور ٹکٹ کے لفافے میں کوئی خط وغیرہ نہ ہونا چاہیے۔

(۱۲) معما حل کرنے سے پہلے اشارے غور سے پڑھو۔

(۱۳) ایک خانے میں دو حرف نہ ہوں۔

(۱۴) دال اور واؤ کا فرق نمایاں ہو۔ (دٌ۔ وٌ)

(۱۵) چھوٹی اور بڑی ے کا فرق لازمی ہے (یٌ۔ ےٌ)

(۱۶) جہاں جہاں نقطے کا استعمال ہو۔ وہاں نقطہ ضرور ہونا چاہیے۔

(۱۷) املا کی غلطی بھی شمار کی جائے گی۔

(۱۸) تمام حل ڈاک خانے کے لفافے پر بھیجے جائیں۔

(۱۹) نام اور پورا پتہ صاف اور خوش خط ہو۔

(۲۰) سب ایڈیٹر پیام تعلیم، مکتبہ جامعہ
قرول باغ۔ نئی دہلی۔

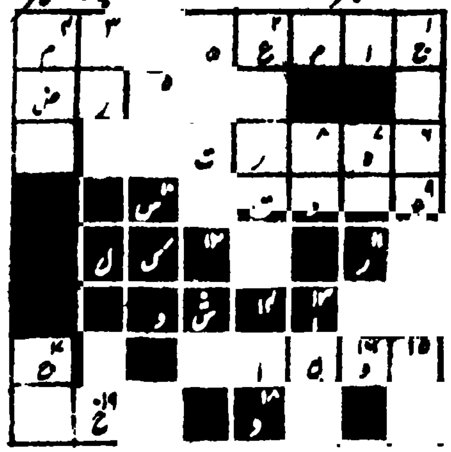
## معما نمبر ۱۶ کا صحیح حل

| | | | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|---|---|
| ل | ۶ ح | | ۵ پ | ۴ س | ۳ ج | ۲ ل | ۱ د |
| ط | ۹ ق | | ر | و | ب | ۃ | ۸ م |
| ن | | م | | د | ۱۰ ل | | ا |
| | ۱۴ گ | غ | ۱۳ ج | | ل | ۱۲ س | ۱۱ غ |
| ۱۸ ک | ا | ر | د | غ | | ح | |
| ہ | | ب | ی | ر | ۱۹ ق | | ۱۵ س |
| ن | ۲۰ س | | ا | ا | | ل | ک |
| ا | د | ا | ل | ۲۵ پ | | ٹ | ہ |

[۱] چار حلوں کی رعایتی فیس داخلہ ۳ر ہے لیکن دو کوپنیں بھیجنے میں ۱ر نہیں۔ ۲ر کا ٹکٹ لگانا پڑے گا۔ کسی ریاست کا ٹکٹ قبول نہیں کیا جائے گا۔

معما نمبر ۱۷

کوپن نمبر



نام ..........

پتہ ..........

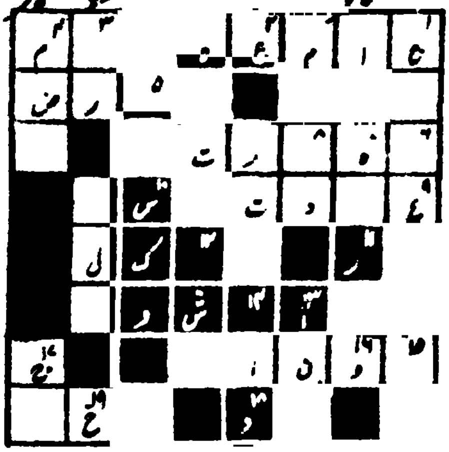
تصدیق ..........

ٹکٹ ..........



معما نمبر ۱۷

کوپن نمبر



نام ..........

پتہ ..........

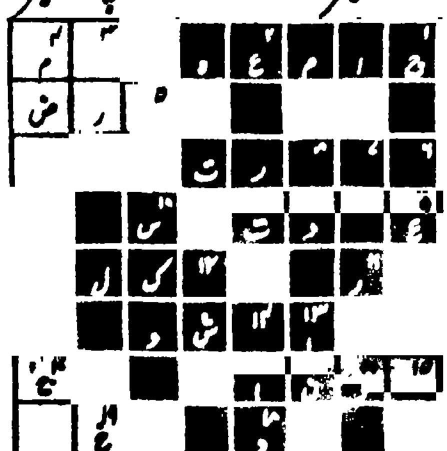
تصدیق ..........

ٹکٹ ..........



معما نمبر ۱۷

کوپن نمبر



نام ..........

پتہ ..........

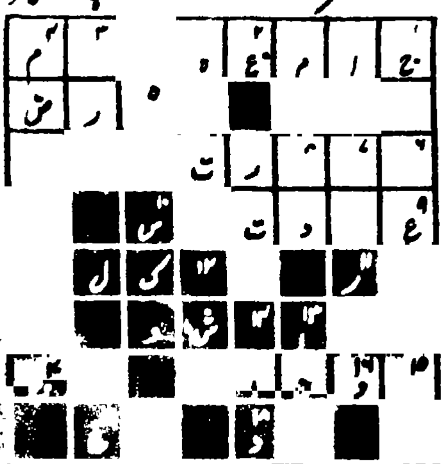
تصدیق ..........

ٹکٹ ..........



معما نمبر ۱۷

کوپن نمبر



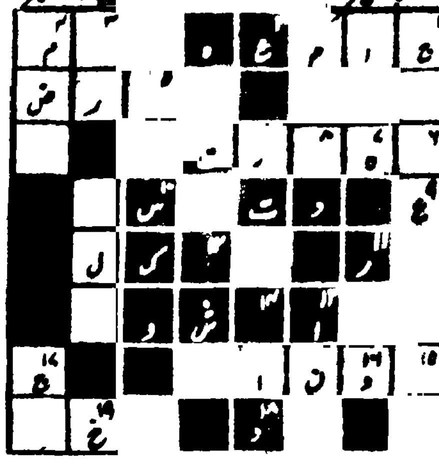
نام ..........

پتہ ..........

تصدیق ..........

ٹکٹ ..........

معما نمبر ۱۷ کوپن نمبر



نام ..................................

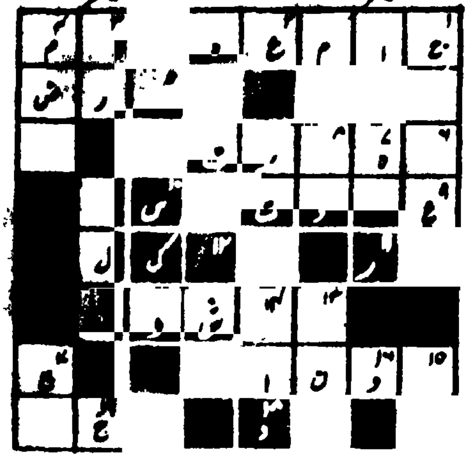
پتہ ..................................

تصدیق ..................................

محث ..................................



معما نمبر ۱۷ کوپن نمبر



نام ..................................

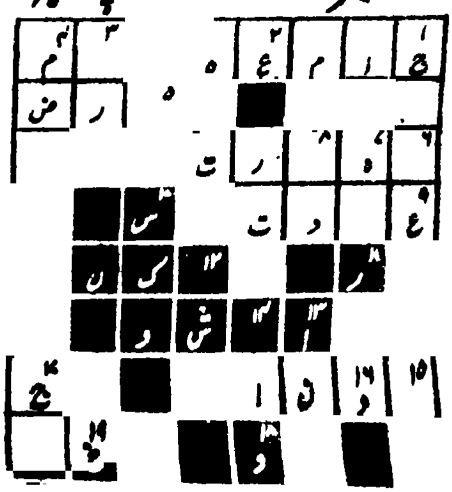
پتہ ..................................

تصدیق ..................................

محث ..................................



معما نمبر ۱۷ کوپن نمبر



نام ..................................

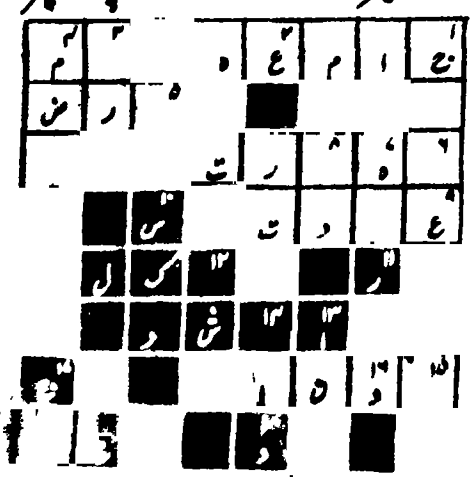
پتہ ..................................

تصدیق ..................................

محث ..................................



معما نمبر ۱۷ کوپن نمبر



نام ..................................

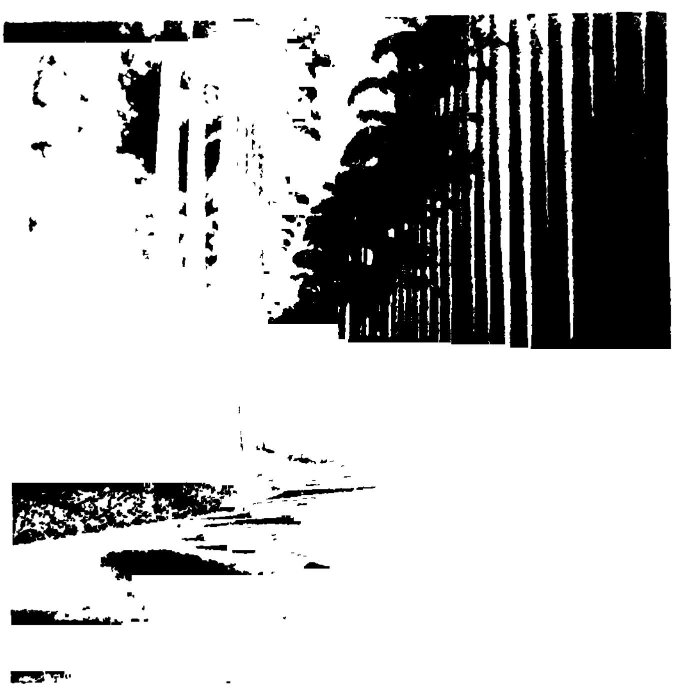
پتہ ..................................

تصدیق ..................................

محث ..................................



ہندوستان میں ایک دوڑ    مرسلہ غنی عزیز محمد



ایک خوبصورت سڑک (مرسلہ عبدالوحید بمبئی)



محمد شاہد (عمر ۹ سال) کان پور

Regd. L. No. 1961




قیمت دو آنے مع محصول ڈاک پونے تین آنے





بمبئی میونسپلٹی کا دفتر
(موہن ڈرائو)



راجہ بھائی کلاک ٹاور
(موہن ڈرائو)



وکٹوریہ ٹرمینس
(موہن ڈرائو)

سپاہی دستی بم پھینک رہا ہے

# پیامِ تعلیم

ایڈیٹر
محمد حسین حسّان

جلد ۲۴ نمبر ۵

## فہرست مضامین

مئی سنہ ۱۹۴۸ء



قیمت سالانہ عہ
فی پرچہ ۳

پرنٹر پبلشر ڈاکٹر سید عابد حسین ایم اے پی ایچ ڈی ۔ محبوب المطابع پریس دہلی

# بچّوں سے باتیں

اڈیٹر

دو تین مہینے سے ہم نے بچّوں کی نظموں کے علاوہ بچّوں کی نثر کے لئے بھی دو صفحے مخصوص کر دیے ہیں۔ بہت سے بچّوں کو شکایت تھی کہ اُن کی نظمیں اور مضمون دیر میں شائع ہوتی ہیں۔

---

اِس مرتبہ ہم نے نظموں کے صفحوں کی لکھائی باریک کر دی ہے۔ اس کی وجہ سے پہلے سے دوگنی نظمیں اس پرچے میں آگئی ہیں۔ لیکن نثر کے مضمونوں کی مشکل اب بھی رہ جاتی ہے۔ اس کے لئے یہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ کچھ صفحے بڑھا دیے جائیں۔ کم سے کم ایک صفحہ۔

---

بعض بچّوں نے ہمیں لکھا ہے کہ اب پیامِ تعلیم میں ملکوں کی خبریں نہیں چھپتیں تو بھئی بات یہ ہے کہ نئے نئے ملک تو زیادہ تر یورپ ہی میں چھپتے تھے اور وہ آج کل لڑائی کی پریشانی میں مبتلا ہے۔ اِس لئے یہ خبریں تو اب لڑائی کے بعد ہی چھپ سکیں گی۔

---

کچھ دنوں سے خط کتابت کا صفحہ بھی پیامِ تعلیم میں نہیں ہوتا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ بچّوں نے اس عرصے میں ایسے خط ہمیں بہت کم بھیجے ہیں۔ ایک اور شکایت ہے اور وہ یہ کہ اکثر بچے ہمیں بہت لمبے لمبے خط لکھتے ہیں اگر اُن کے یہ خط شائع کر دیے جائیں تو خط کتابت کا پورا صفحہ بھر جائے۔

---

پیامی اپنے خط پیامِ تعلیم میں چھپوانا چاہتے ہیں تو ہر مہینے کی زیادہ سے زیادہ ۸ تاریخ تک ہمارے پاس بھیج دیا کریں۔ یہ خط جتنے مختصر ہوں گے اتنے ہی جلد چھپ سکیں گے۔ لمبے خط تو شاید چھپ ہی نہ سکیں۔

---

پیامی ہمیں خط لکھتے وقت اپنا پورا پتہ صاف اور خوش خط لکھا کریں۔ صرف خریداری نمبر لکھنا کافی نہیں ہے۔ ہاں منیجر صاحب کے خط میں نمبر خریداری کافی ہے۔

---

# آگے بڑھتے ہی رہو

پیام تعلیم کے خاص شاعر جناب مولوی محمد شفیع الدین صاحب صاحب کے صاحب زادے عزیزی محمد صالح سلمہٗ تعلیمی مرکز جامعہ میں پڑھتے ہیں۔ اِس سال اُنھوں نے دوسرے درجے کا اِمتحان پاس کیا ہے اِس خوشی میں عزیزی صالح نے اپنے ہیچے کے ساتھیوں اور اُستادوں کی دعوت بھی کی۔ صالح میاں کے نانا جناب ڈاکٹر سعید صاحب۔ بریلوی۔ نے اِس دعوت میں چند اچھی اچھی رباعیاں پڑھیں یہ رباعیاں اُنھوں نے اپنی نوازش سے پیام تعلیم کو مرحمت فرمادیں۔ اِنھیں ہم نیچے نقل کرتے ہیں۔ (ایڈیٹر)

دُنیا ہے کتاب اِس کو پڑھتے ہی رہو  
زینہ ہے یہ علم اِس پہ چڑھتے ہی رہو  
پیچھے نہیں ہٹتا کبھی مردوں کا قدم  
اب آگے بڑھے تو آگے بڑھتے ہی رہو

---

دریا کی جو گہرائی سے ڈر جاتے ہیں  
بدبخت ہیں عمر بھر وہ پچھتاتے ہیں  
بکھرے ہوئے تہ میں ہیں کروروں موتی  
غوطہ جو لگاتے ہیں وہی پاتے ہیں

---

ماں باپ کی آنکھوں کا ہے تارا صالح  
اُستادوں کو بھی ہے دل سے پیارا صالح  
چمکے اُفقِ قوم پہ سورج بن کر  
ہم فخر سے یوں کہیں ہمارا صالح

---

# شام کی سیر

رتی۔ م طاہر صدیقی
حیدرآبادی

شام ہوئی اب سیر کو جائیں
باغ میں جاکر جی بہلائیں
غنچۂ دل کو اپنے کھلائیں سیرِ چمن کا لُطف اُٹھائیں
کھیلیں کودیں شور مچائیں
شام ہوئی اب سیر کو جائیں
رنگ چمن کا کتنا پیارا دل کش ہے ہر ایک نظارا
ندی کنارے ٹھنڈی ہوائیں
شام ہوئی اب سیر کو جائیں
چھائے بادل پیلے پیلے گائیں چڑیاں گیت رسیلے
ہم بھی مِل کر نغمے گائیں
شام ہوئی اب سیر کو جائیں
مینہہ کی ہلکی ہلکی پھواریں لائیں چمن میں تازہ بہاریں
آؤ جھولیں پینگ بڑھائیں
شام ہوئی اب سیر کو جائیں
ہنس ہنس کر کلیوں کا کھلنا ڈالیوں کا بھی جھوم کے ہلنا
دل کو یہ بھائیں پیاری فضائیں
شام ہوئی اب سیر کو جائیں
اچھی صحت گر ہم چاہیں کھائیں چمن کی تازہ ہوائیں
مانیں رتی کی نیک صلاحیں
شام ہوئی اب سیر کو جائیں



# اڈیپس

ساجدہ حلیمی - پٹنہ

یہ آج سے کئی ہزار سال پہلے کی بات ہے۔ یونان کے شہر تھیبس THEBES میں ایک راجہ راج کرتا تھا۔ ایک دن دربار کے ایک نجومی نے یہ پیشین گوئی کی کہ راجہ اپنے بیٹے ہی کے ہاتھوں سے مارا جائے گا۔ راجہ کو یہ سُن کر بڑا دُکھ ہوا۔ سچ پوچھو تو یہ دُکھ کی بات بھی تھی۔

تھوڑے ہی دِنوں کے بعد سچ مچ راجہ کے گھر ایک لڑکا پیدا ہوا۔ لڑکا بڑا خوب صورت اور تندرست تھا لیکن راجہ نجومی کی پیشین گوئی بھولا نہ تھا۔ اُس نے اپنے ایک وفادار نوکر کو حکم دیا کہ بچے کو دور کسی جنگل میں چھوڑ آئے۔ مگر تقدیر کا لکھا کون مٹا سکتا ہے؟ ایک لکڑہارے نے اس جنگل میں ایک دودھ پیتے بچے کو دیکھا۔ پہلے تو اُسے بڑا اچنبھا ہوا، لیکن چونکہ اس کے کوئی اولاد نہ تھی اس لیے بہت خوش ہوا۔ خوشی خوشی اُسے اپنے وطن کورنتھ (CORINTH) لے گیا۔ یہ لڑکا وہیں پلا اور پل کر جوان ہوا۔ یہ بڑا بہادر طاقت ور اور تلوار کا دھنی تھا۔ لکڑہارے نے اس کا نام اڈیپس رکھا۔

اُس زمانے میں یہ دستور تھا کہ ایک آدمی، جسے بھی چاہتا لڑنے کی دعوت دے سکتا

تھا۔ اڈیپس تو بڑا بہادر اور من چلا نوجوان تھا۔ اُس کے دل میں خود راجہ سے لڑنے کا حوصلہ پیدا ہوا۔ ایک دن تھیبس جا کر اُس نے راجہ کو لڑنے کی دعوت دی۔ اس لڑائی میں یہ جیت بھی گیا۔ ایک دو روز کے بعد سُنا گیا کہ راجہ مرگیا۔ لیکن اُسے کیا معلوم تھا کہ یہ راجہ خود اس کا باپ تھا نجومی کی پیشین گوئی پوری ہوئی۔

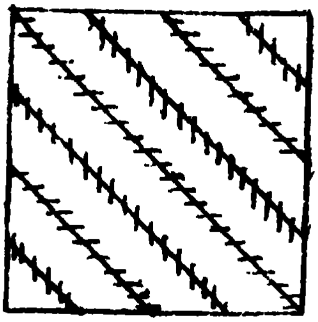
تھیبس کے لوگوں نے یہ فیصلہ کیا کہ تھیبس کا راج اب اُسے دیا جائے گا جو اسفنکس (SPHINX) کے سوال کا جواب دے دے۔

اسفنکس ایک عجیب مخلوق تھی۔ اس کا سر تو عورتوں کا سا تھا لیکن جسم شیر کی طرح تھا۔ یہ تھیبس کے پاس ہی ایک پہاڑی پر رہتی تھی۔ یہ تھیبس کے لوگوں پر بڑا ظلم کرتی تھی۔ پہاڑی کی طرف سے جو شخص بھی گذرتا تھا اُس سے وہ ایک سوال کرتی۔ لیکن کوئی بھی جواب نہ دے پاتا۔ اور اس لئے وہ اسے پہاڑی سے گرا کر ہلاک کر دیتی۔ اڈیپس نڈر اور دلیر تو تھا ہی اس نے سوچ لیا تھا کہ مجھے تھیبس کا راج جیتنا ہے۔ وہ بڑی دلیری سے اسفنکس کے پاس پہنچا۔ اسفنکس نے کہنا شروع کیا "ایک عجیب مخلوق ہے جس کی مثال دُنیا میں نہیں ہے۔ پہلے وہ چار پیروں سے چلتی ہے۔ پھر دو پیروں سے اور پھر تین پیروں سے۔ مجھے تم اس عجیب مخلوق کا نام بتاؤ؟ اڈیپس بڑا ذہین تھا۔ فوراً بولا "وہ عجیب مخلوق آدمی ہے"۔ اسفنکس نے کہا کہ ثابت کرو"۔ اڈیپس نے ثابت کیا کہ آدمی بچپن میں دونوں پیر اور دونوں ہاتھوں سے چلتا ہے جیسے تم نے چار پیروں سے چلنا کہا ہے پھر آدمی

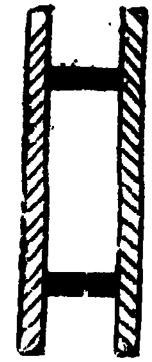
جوان ہو جاتا ہے تو ہاتھوں کو پیر نہیں بناتا۔ صرف پیروں ہی سے چلتا ہے۔ اور جب یہ بوڑھا ہو جاتا ہے تو تین پیروں سے چلتا ہے اور یہ اس طرح کہ دو پیروں کے علاوہ ایک لاٹھی بھی استعمال کرتا ہے۔ جو ٹانگ ہی کا کام دیتی ہے۔

اسفنکس کو اپنے سوال کا جواب مل گیا۔ اس نے سوچا کہ اب دنیا میں میرا کام ختم ہو گیا تو جینے سے کیا فائدہ؟ اس نے اپنے کو پہاڑوں سے گرا کر ہلاک کر دیا۔

تھیبس کی رعایا بہت خوش ہوئی۔ یہ خوشی اور بھی بڑھ گئی جب ایڈیپس جیسے بہادر، نڈر، قوی اور اولوالعزم جوان کو تاج پہنا کر لوگوں نے راجہ مان لیا۔



# آنکھ کے دھوکے



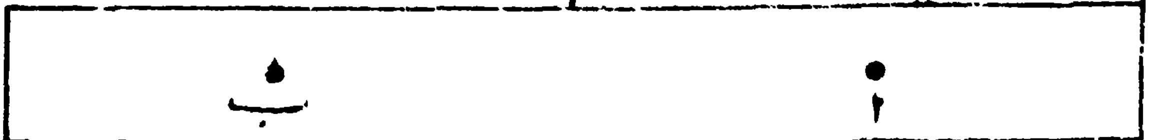
برکت علی صاحب فراق

(ڈی اے جانسن)

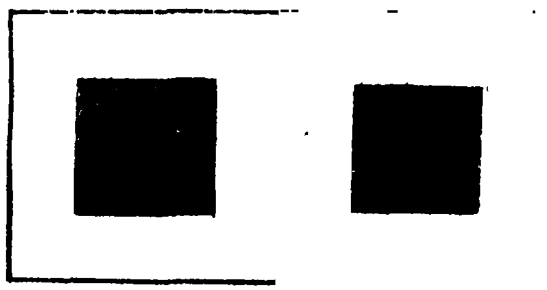
میاں اَفن کو سوالات کرنے کا مرض ہے۔ کبھی کبھی تو میں گھبرا جاتا ہوں اور بڑی مشکل سے جان چھڑاتا ہوں۔ ایک دن شام کے وقت میں انھیں ساتھ لے کر سیر کے لئے نکلا۔ چلتے چلتے ہم ریل کی پٹری کے پاس پہنچ گئے۔ اَفن میاں نے ریل کی پٹری کو بہت غور سے دیکھا اور کہنے لگے "چچا میاں یہ پٹریاں یہاں تو اتنی چوڑی ہیں۔ مگر وہ دیکھئے آگے جا کر جیسے مل گئی ہیں پھر ریل کیسے چلتی ہوگی؟" میں نے ہنس کر کہا "واہ بھئی واہ یہ سوال تم نے خوب کیا! اچھا ایک بات بتاؤ جو کچھ تم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہو وہ سب صحیح ہوتا ہے؟" اَفن میاں چمک کر بولے "جی اور کیا آنکھوں دیکھی بات بھی غلط ہو سکتی ہے؟" میں نے کہا اچھا تم اس جگہ کوئی نشان مقرر کر دو جہاں ریل کی پٹریاں ملی ہوئی معلوم ہوتی ہیں اور یہاں پٹریوں کی چوڑائی ناپ لو" کہنے لگے جی ہاں میں نے نشان مقرر کر لیا وہ جو بجلی کا کھمبا سا نظر آ رہا ہے نا؟ بس وہ۔" اَفن میاں کو اپنی بات کا یقین تھا دوڑ کر کھمبے کے نشان تک پہنچ گئے۔ اب وہاں بھونچکے اور پریشان کھڑے ہیں۔ وہیں سے چیخ کر بولے "ارے چچا میاں جلدیے کیا بات ہے یہاں تو اتنی ہی چوڑائی ہے جتنی وہاں تھی" میں نے ہنس کر کہا "آپ کو میری بات پر یقین نہ آتا تھا اب آپ پھر آگے کی طرف دور تک دیکھئے کیوں آگے جا کر پھر مل گئی ہیں نا پٹریاں! جناب یہ پٹریاں نہیں ملی ہیں۔ آپ کی آنکھیں آپ کو دھوکا دے رہی ہیں" اَفن میاں کچھ اکتائے ہوئے لہجے میں بولے "آنکھیں دھوکا کیوں دے رہی ہیں اللہ بتا دیجئے چچا" میں نے کہا ابھی نہیں گھر چل کر۔ پہلے تو آپ ایسی اور بہت سی چیزیں بتاؤں گا جنھیں دیکھ کر آپ کی نظر دھوکا کھائے گی اور عقل چکرا جائے گی۔

اب اَفن میاں کی بے تابی دیکھنے کے قابل تھی مجھ سے دو چار قدم آگے ہی رہتے تھے۔ گھر پہنچے تو کھانے میں کچھ دیر تھی۔ اَفن میاں پیچھے پڑ گئے کہ جب تک کھانا تیار ہو آپ وہ بات بتا دیجئے۔ میں نے ایک کاغذ پر دو گول نقطے بنا دیے۔ اَفن میاں ...

"اچھا اپنی داہنی آنکھ موند لیجئے اور بائیں آنکھ سے (ا) والا نقطہ دیکھتے رہئے تھوڑی دیر میں آپ کو ایک ہی نقطہ نظر آئے گا" میں آہستہ آہستہ کاغذ




کو اُن کے پاس لے گیا جب کاغذ میں اور اُن کی آنکھوں میں کوئی ۱۰ انچ کا فاصلہ رہ گیا تو چیخ کر کہنے لگے "ارے چچا دایاں نقطہ تو غائب ہو گیا۔ جانے کیا بات ہے کچھ سمجھ میں نہیں آتا" میں نے کہا "بات وات کچھ نہیں ہے آپ کی آنکھیں آپ کو دھوکہ دے رہی ہیں۔ اچھا اور دیکھئے" کتاب میں دو مربعے (تصویر نمبر ۲) بنے ہوئے تھے۔ ایک کالی زمین پر سفید اور ایک سفید زمین پر کالا۔ کالا مربع سفید سے تھوڑا سا بڑا

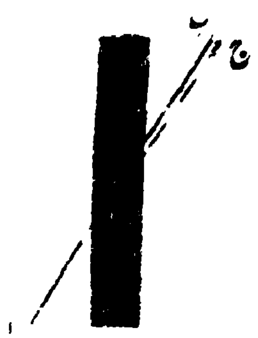


۲

تھا مگر سفید ہی بڑا معلوم ہوتا تھا۔ میں نے کہا "اچھا بتائیے کہ کون سا مربع بڑا ہے" افن میاں بے ساختہ بولے "یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے سفید مربع بڑا ہے" میں نے پیمانہ اُن کے ہاتھ میں دے دیا۔ دونوں کو ناپ

کر ان کی حیرانی اور بھی بڑھ گئی" میں نے کہا "ٹھہرئیے ابھی اور تماشا دکھاتا ہوں" میں نے اوپر سے نیچے ایک موٹی لکیر کھینچی اور اس لکیر پر کوئی ۳۰ درجے

کا زاویہ بناتے ہوئے ایک پتلی سی لکیر موٹی لکیر کے دونوں طرف کھینچ دی۔ اوپر کی طرف اس پتلی لکیر سے ذرا فاصلے پر ایک لکیر اور کھینچ دی اور افن میاں سے کہا "بتائیے (ا، ب) ایک سیدھ میں ہے یا (ا، ج)" (تصویر نمبر ۳) کہنے لگے (ا، ج)، میں نے کہا

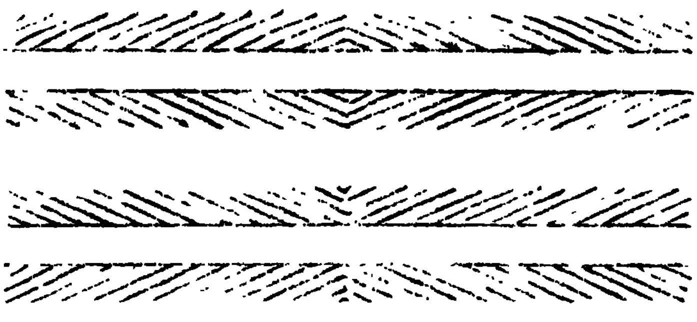



۳

"جی نہیں جناب۔ (ا، ب) ذرا ناپ کر دیکھئے۔ اچھا اور لیجئے۔

اب میں نے دو متوازی لکیریں دو جگہ کھینچ دیں اور ان دونوں کے دونوں طرف مچھلی کے کانٹوں جیسی چھوٹی چھوٹی لکیریں بنا دیں اور افن میاں سے کہا" دیکھئے یہ دونوں متوازی لکیریں

ہیں ........ (شکل نمبر ۴) اَفّن میاں بات کاٹ

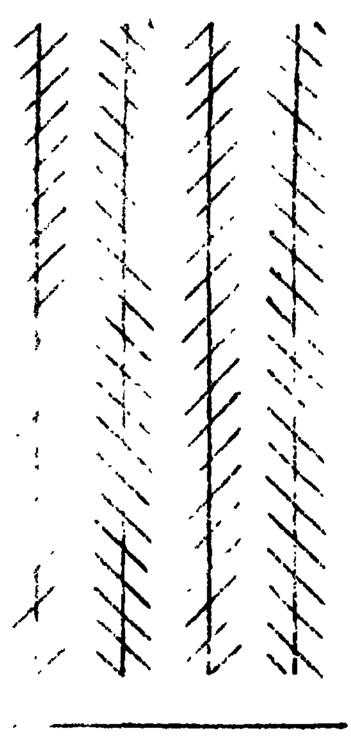


کر بولے "واہ چچا میاں۔ متوازی لکیروں میں تو فاصلہ ہر جگہ برابر ہوتا ہے اور یہاں (شکل ۱) میں بیچ میں دونوں لکیریں کھنچی ہوئی ہیں اور (ب) میں دونوں پھیلی ہوئی ہیں۔ میں نے کہا "اچھا ذرا "سٹ اسکوائر" سے ناپ کر دیکھیے۔ ہیں دونوں برابر؟ اچھا اب ان تصویروں کو دیکھیے۔ ٹیڑھی نظر آ رہی ہیں مگر ہیں سب متوازی۔ (شکل نمبر ۵)"

سٹ اسکوائر تو آپ کے پاس ہے ناپ کے دیکھ لیجیے۔ اَفّن میاں کی حیرانی اور اچنبھا بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ میں نے اُنھیں زیادہ ستانا اچھا نہیں سمجھا۔ اور اصلی بات بتا دی۔ میں نے کہا "دیکھو یہ سب تماشا تمھاری آنکھ کی پتلی کے سیاہ دانے کی بدولت ہے۔ یہ سیاہ دانہ اندھا ہوتا ہے۔ اِس کی سیدھ میں جو چیز آ جاتی ہے وہ نظر نہیں آتی۔ دونوں نقطوں میں جو ایک غایب ہوا تھا اور یہ سیدھی اور

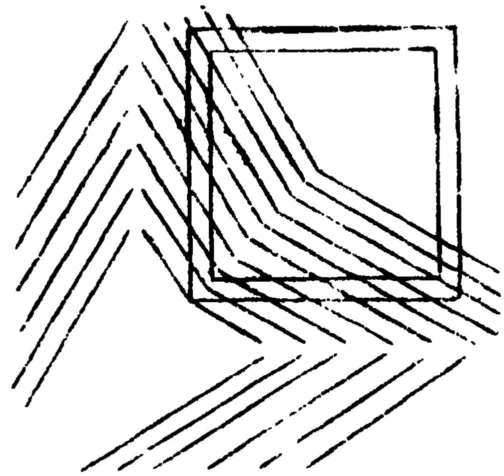
متوازی لکیریں جو تمھیں ٹیڑھی نظر آئیں سب اسی دانے کی بدولت "

اَفّن میاں اب قائل ہو گئے تھے



اُنھیں دو تین چیزیں اور د...

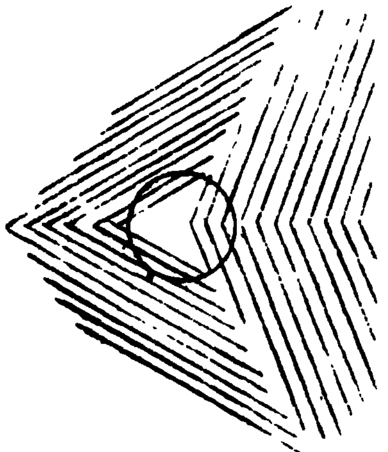
تعجب تو ہوا مگر میری بات مان گئے۔ آؤ تمھیں بھی دو ایک چیزیں دکھائیں مگر افن میاں کی طرح تم بھی دھوکا نہ کھانا۔ دیکھو یہ نیچے کا مُربع صحیح ہے یا غلط۔ واہ بھئی تم بھی افن میاں کی طرح دھوکا کھا گئے



(۶)

[illegible] شکل ٹھیک ہے۔ کیونکہ [illegible] بایاں کونا

جُھکا ہوا ہے۔ ذرا اس دائرے کو دیکھو۔ ارے یہ بھی غلط! نہیں بھائی ذرا اس پرکار سے ناپ کے دیکھو اچھا اب نیچے کی شکل دیکھو جو مثلث ہے۔ تمھیں یہ مثلث سیدھے نظر نہ آتے ہوں گے بلکہ جہاں جہاں یہ دائرے کی



لکیریں چھوٹی ہیں: ہاں یہ ٹیڑھے معلوم ہوں گے مگر یہ [illegible] یہ [illegible] یقین نہ آئے تو ناپ کر دیکھ لو۔

# پہیلیاں[1]

(۱) اندر تھا تو بوتا تھا۔ باہر ہوا تو بوتا نہیں۔

(۲) آدھا [illegible] میں رہنا، اور آدھا میخانہ میں [illegible] بشری [illegible] آدھا آنہ میں

(۳) چھم چھم کرکے شور مچائے۔ سوتوں کو وہ آن جگائے ۔ ایک پل میں نشان نہ کھائے۔ روتوں کو وہ آن ہنسائے

(۴) سیدھی ہے بہشت میں اور الٹی تیرے پاس سیدھی تجھ کو جب ملے جب تو ہو خدا شناس

(۵) ایک ڈبے میں بتیس دانے۔ بوجھنے والے بڑے سیانے۔

(۶) گھر گھر تالیاں بجیں۔

(عقیلہ بانو)

[1] جواب:- (۱) ناریل (۲) جم اقد جام (حمام) (۳) بارش (۴) خود، روح (۵) دانت (۶) روٹیاں

# چھاما

از سید تجمل صاحب
استاد تعلیمی مرکز جامعہ

اپنے عزیز پیامیوں کے لئے ہم جو کہانی لکھ رہے ہیں یہ چھاما کی بہت سی کہانیوں سے میں سے ایک ہے۔ اگر تمھیں یہ پسند آئی تو سب کہانیاں ایک چھوٹی سی کتاب کی شکل میں چھاپ دیں گے۔

چھاما کا اصلی نام سلمہ ہے۔ پیار میں لوگ اسے چھاما چھاما کہتے ہیں۔ یہ لڑکی بھولی بھالی اور بہت پیاری پیاری ہے۔ اس کے ابا اماں چاہتے ہیں کہ سلمہ بہت اچھی لڑکی بن جائے۔ وہ اُسے طرح طرح کی کہانیاں سُناتے ہیں۔ چھاما اچھی بات کو بہت جلد سمجھ جاتی ہے۔ اور اس پر عمل بھی کرتی ہے۔ اچھا اب نیچے ہم وہ کہانی لکھتے ہیں جو چھاما نے اپنی ماں کو سُنائی۔

چھاما:۔ "امی"

ماں:۔ "کیوں؟"

چھاما:۔ "امی یہ شاعر بھی بڑے پاگل ہوتے ہیں۔"

ماں:۔ "کیوں، کیا ہوا۔ شاعر تو بڑے اچھے ہوتے ہیں۔"

چھاما:۔ "نہیں امی پاگل ہوتے ہیں۔ نرے بدھو۔"

ماں:۔ "بیٹی خیر تو ہے۔ تم بے چارے شاعر پر کیوں اس قدر خفا ہو۔ کچھ بات تو بتاؤ۔"

چھاما:۔ "میں نے آج ایک اور کہانی پڑھی ہے میں ایک شاعر کا قصہ ہے۔ بڑا پاگل [illegible] چھاما کی کچھ سمجھ نہ سکیں۔ [illegible] سنیں وہ کہانی۔" چھاما کہنے لگی: "جہاں ہمارے نبی پیدا ہوئے تھے کیا نام ہے اُس ملک کا [illegible]"

ماں:۔ "عرب۔ عرب میں پیدا ہوئے [illegible] ہمارے [illegible]"

چھاما:۔ ہاں ہاں عرب۔ تو عرب میں ایک [illegible] تھا۔ بڑا پاپی، مطلبی، ظالم، مسلمانوں [illegible] کافر تھا کافر۔ بتوں کو پوجتا تھا۔ اس [illegible] امی۔ میرے اللہ۔ سال [illegible] مقرر کیا تھا [illegible] اس دن [illegible] دیکھ لیتا۔ اُسے پکڑوا [illegible] پھانسی پر چڑھا دیتا [illegible] اس کے [illegible]

اُسے بہت مانتا تھا۔ مگر شاعر دل ہی دل میں بادشاہ کو کوستا تھا۔ وہ لوگوں پر ظلم ہوتے دیکھتا تو اسے بہت تکلیف ہوتی۔ جب اس سے یہ ظلم نہ دیکھا گیا تو اُس نے بادشاہ کے دربار میں جانا چھوڑ دیا۔ پھرتے پھراتے وہ ایک دوسرے ملک میں پہنچا۔ وہاں کا بادشاہ بہت نیک تھا۔ شاعر اُس کے دربار میں چلا گیا۔ نیک بادشاہ نے بہت عزت کے ساتھ اپنے دربار میں رکھا۔

کچھ عرصے کے بعد دونوں بادشاہوں میں کچھ جھگڑا ہو گیا۔ نیک بادشاہ نے شاعر سے کہا "تم اس پاجی بادشاہ کے پاس جاؤ اور کہو کہ صلح کر لے کیوں ناحق لڑائی پر تُلا ہوا ہے۔ اُس کا تو کچھ نہیں بگڑے گا۔ بے چارے سپاہیوں کا خون ہوگا۔"

شاعر ڈرتا تو تھا ہی، پہلے جانے سے انکار کیا۔ مگر جب بادشاہ نے بہت کہا تو تیار ہو گیا۔ بادشاہ نے کہا "دیکھو جلد آنا۔ میں تمھاری راہ دیکھوں گا۔"

چلا چل، شاعر جب ظالم بادشاہ کے شہر میں پہنچا تو رات ہو چکی تھی۔ سیدھا اپنے گھر آیا۔ کئی دنوں کا تھکا ماندہ تھا۔ پہلے نہا دھو کر صاف کپڑے پہنے کھانا کھایا۔ اپنے بچوں سے ملا پیار کیا اور سو گیا اگلے دن صبح ہی صبح اُٹھا۔ ہاتھ مُنہ دھویا اور بادشاہ سے ملنے پہنچ گیا۔ شاعر اُس کے انتظار میں محل کے باہر کھڑا تھا۔ بادشاہ باہر نکلا۔ شاعر نے اُسے سلام کیا۔ مگر اُس نے ڈانٹ کر کہا "تجھے معلوم ہے آج کون سا دن ہے؟" شاعر یہ سُن کر کانپنے لگا۔ وہ سمجھ گیا کہ آج بادشاہ کے قہر و غضب کا دن ہے۔ ہاتھ جوڑ کر بولا "ہاں سرکار معلوم ہے آج آپ جس کو سب سے پہلے دیکھیں گے اُسے پھانسی پر چڑھا دیں گے۔" یہ کہہ کر رونے لگا۔

کچھ دن چڑھے بادشاہ نے دربار کیا۔ سارے شہر کے لوگ جمع ہوئے۔ پھانسی دینے والا پہلے ہی سے موجود تھا۔ پھانسی پر چڑھانے سے پہلے بادشاہ نے اس سے کہا "تو میرا پُرانا دوست ہے مرنے سے پہلے کچھ کہنا ہو تو کہہ لے۔ تیری بات پوری کی جائے گی۔" شاعر نے کہا "حضور سے صرف ایک سال کے لئے رحم مانگتا ہوں تاکہ جس کام سے آیا تھا، وہ پورا ہو جائے۔"

بادشاہ نے اُسے چھوڑ دیا اور کہا "یاد رکھ، اگر تو ایک سال کے بعد حاضر نہ ہوا تو تیرے تمام بچوں کو قتل کرا دوں گا۔"

شاعر نے اور کوئی بات تو کی نہیں۔ دربار سے چلا اور سیدھا نیک بادشاہ کے دربار میں پہنچا اور سارا حال اُسے کہہ سنایا۔ نیک بادشاہ یہ سُن کر بہت غصہ ہوا اور لڑائی کی تیاریاں کرنے لگا۔ سال کے ختم ہونے میں صرف دو دن باقی رہ گئے تھے کہ شاعر

کو اپنا وعدہ یاد آیا۔ اس نے نیک بادشاہ سے کچھ کہا سُنا بھی نہیں اور گھوڑے پر سوار ہو ظالم بادشاہ کے شہر کی راہ لی۔

راستہ بہت لمبا تھا۔ دو دن راستے ہی میں لگ گئے۔ شاعر بہت دوڑا۔ اس کے ننھے منے سے بچے اُس کو رہ رہ کر یاد آ رہے تھے۔ وہ رنج سے نڈھال ہو رہا تھا مگر ابھی ہمت نہیں ہاری تھی گھوڑے کو برابر دوڑاتا رہا نہ کچھ کھایا نہ پیا لیکن پھر بھی ایک منزل باقی تھی کہ صُبح ہو گئی اور وہ دن آن پہنچا۔

صُبح ہو گئی تھی لیکن شاعر ابھی دربار میں نہیں پہنچ سکا تھا۔ بادشاہ کی آنکھیں غصّے سے لال ہو گئیں اُس نے اُس کے تمام بچّوں کو پکڑوا منگایا۔ ماں روتی چلّاتی دربار میں آئی۔ ننھے مُنّے بچّے ماں کو روتے دیکھ کر اور بھی جی چھوڑے دے رہے تھے۔ دربار لگ چکا تھا۔ بادشاہ غصّے سے کانپ رہا تھا۔ چلّا کر کہنے لگا۔ "جو وعدہ کر کے پھر جائے اس کی سزا موت ہے۔ کہاں ہے جلّاد "۔

اُس نے کہا ہی تھا کہ ایک کالا بھجنگ شیطان کی شکل کا آدمی ہاتھ میں تلوار لئے حاضر ہوا۔ بادشاہ نے اُسے حکم دیا "شاعر کے ایک بچّے کو یہیں ذبح کر ڈالو"۔ حکم پاتے ہی جلّاد شاعر کے بڑے بیٹے کو گھسیٹتا ہوا لایا اور اُسے قتل ہی کیا چاہتا تھا کہ دور سے گرد اُڑتی ہوئی دکھائی دی۔ لوگوں نے شور مچایا ٹھہرو! کوئی آرہا ہے، ہو نہ ہو یہ شاعر ہی ہے"۔ تھوڑی دیر کے بعد گھوڑا نظر آنے لگا۔ پھر ایک غل ہو لو وہ شاعر آگیا۔ جہاں پناہ! شاعر آگیا"۔

شاعر کے جسم اور کپڑوں پر خاک اَٹ رہی تھی۔ دو دن سے اُس نے نہ کچھ کھایا تھا نہ پیا تھا۔ بھوک پیاس سے بے جان ہو رہا تھا۔ گھوڑے سے اُترتے ہی بے ہوش ہو کر گرا اور مر گیا۔ اس کی زبان سے صرف اتنی بات سنائی دی "میں نے اپنا وعدہ پورا کر دیا ہے۔ اب میرے بچّے بے قصور ہیں"۔

"دیکھا امّی تم نے وہ پاگل نہیں تھا تو کیا عقل مند تھا مُفت میں اپنی جان دے دی اور اپنے بچّوں کو بے سہارا چھوڑ گیا"۔

ماں :۔ "تو کیا کرتا بھلا"۔

چھاما :۔ "ارے امّی! تم بھی نہ سمجھیں۔ اچھا اُسے چھٹی تو مل گئی تھی نا؟ وہ چپکے سے آتا اپنے گھر اور بیوی بچّوں کو لے کر نیک بادشاہ کے مُلک کی راہ لیتا"

ماں نے اپنے کانوں پر ہاتھ دھرے اور بولیں "توبہ توبہ اللہ" تو کیا شاعر دھوکا دیتا۔ پگلی پھر اُسے جھوٹا نہیں کہتے لوگ؟"

چھاما :۔ تو وہ بادشاہ ہی کون سا سچّا اور نیک تھا امّی۔

ماں :۔ بادشاہ بُرا تھا تو کیا شاعر بھی اس کے

بُرا بن جاتا۔ اور ہمارے نبی کی نصیحت تو تو بھول ہی گئی۔ جو اپنے وعدے کو پورا کرتا ہے وہ بہت نیک اور اچھا آدمی ہے۔"

چھاما نے پیارے نبی کی بات سُنی تو ایسی چپ ہوئی جیسے گونگی ہو گئی ہو۔ ماں نے اُسے گلے سے لگا لیا۔

## پیام تعلیم

# چند ماہرین تعلیم کی رائیں

عالی جناب خان صاحب مولوی سید علی احمد صاحب جعفری بی۔اے۔ ایل۔ٹی سپرنٹنڈنٹ تعلیمات مونسپل کمیٹی دہلی تحریر فرماتے ہیں "میں آپ کو ایک بہت دلچسپ اور جاذب نظر سالنامے کی اشاعت پر مبارک باد دیتا ہوں۔ مضامین کا انتخاب اور اُن کی ترتیب بہت صحیح ہے

مضامین ہر قسم اور ہر نوع کے ہیں: ذہانت ہنسی مذاق کی خبریں، کھیل معلومات عامہ، تعلیم۔ غرض بچوں کی دلچسپی کی ہر چیز فراہم کی گئی ہے۔ زبان شروع سے آخر تک سلیس ہے۔ اگر بعض لوگوں کے زندگی کے حالات اس میں اور ہوتے تو بچوں کے لئے اور زیادہ مفید کار آمد اور ولولہ انگیز ہوتے۔

---

عالی جناب مولوی سید ساجد علی صاحب۔ بی۔اے۔ بی۔ٹی مہتمم تعلیمات ضلع بیدر تحریر فرماتے ہیں:۔۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔ آپ نے پیام تعلیم کو جس قدر مفید اور دلچسپ بنا دیا ہے۔ وہ قابلِ تحسین ہے۔ یہ نہ صرف بچوں کی معلومات میں اضافہ کرتا ہے اور اُنھیں اپنی فرصت کو مفید طور سے گذارنے میں مدد دیتا ہے۔ بلکہ یہ اساتذہ صاحبان کے لئے بھی فائدہ بخش ہے۔

# بمبئی کی سیر

محمد نور کھکھمے ۔ بمبئی

بمبئی ہمارے دیس کا بہت خوب صورت شہر ہے شان دار اور خوب صورت عمارتیں، ہوٹل، سینما گھر کلب گھر اور پر فضا سیر گاہیں۔ ایک بار جو اس شہر کی سیر کر جاتا ہے اسے دوبارہ دیکھنے کی آرزو رہتی ہے۔

بمبئی کے رہنے والوں کو سیر و تفریح سے بہت دلچسپی ہے۔ یہاں سیر گاہیں بھی دوسرے شہروں کے مقابلے میں زیادہ ہیں۔ شام کے وقت بمبئی کی کسی سیر گاہ پر جائیے، بے شمار لوگ سیر و تفریح کرتے دکھائی دیں گے۔ ان میں بچے بھی ہوں گے، بڑے بھی ہوں گے، بوڑھے بھی ہوں گے اور ............ گئے بھی ہوں گے!

میں بمبئی کا رہنے والا ہوں، مجھے بھی سیر و تفریح سے اتنی ہی دلچسپی ہے جتنی یہاں کے دوسرے لوگوں کو ہو سکتی ہے۔ اس لئے آج میں بمبئی کی ایک خوب صورت اور نئی بنی ہوئی سیر گاہ کے متعلق کچھ لکھوں گا۔ امید ہے کہ پیامی اس کو دلچسپی سے پڑھیں گے اور خود بھی اپنے شہر کی کسی سیر گاہ کا حال "پیام تعلیم" میں چھپوانے کے لئے بھیجیں گے۔

بمبئی میں ایک نئی سیر گاہ اور بنی ہے۔ شہر کے مغربی حصے میں سمندر کے کنارے چوپاٹی سے قلابہ تک ایک چوڑی دیوار تعمیر کی گئی ہے۔ لمبائی میں یہ دیوار کوئی ڈھائی میل ہوگی۔ بمبئی والے اس دیوار کو (SEA WALL) یعنی سمندری دیوار کہتے ہیں۔ دیوار سے ملی ہوئی ایک بہت چوڑی فٹ پاتھ ہے۔ اور فٹ پاتھ کے ساتھ ہی موٹر کی ایک وسیع [illegible] سڑک ہے۔ سڑک کے بیچوں بیچ چھوٹے پودوں کی ایک قطار لگائی گئی ہے۔ اس کے ایک طرف سے موٹریں آتی ہیں اور دوسری طرف سے چلی جاتی ہیں اس طرح سے ان موٹروں کے ٹکرانے کا خوف بالکل نہیں رہا۔ موٹروں کی سڑک کے اس طرف جانے کے لئے ان پودوں کے درمیان کچھ کچھ فاصلے پر جگہ چھوڑی گئی ہے۔ پیدل چلنے والوں کے لئے علیحدہ جگہ چھوڑی گئی ہے۔ جہاں پر شام کے وقت پولیس کا ایک سپاہی کھڑا رہتا ہے۔ اور

سے آدمی سڑک پار کرنے لگتے ہیں تو یہ ہاتھ کے اشارے سے موٹروں کو روک دیتا ہے۔ اگر ایسا نہ کیا جائے تو معلوم نہیں کتنے آدمی موٹر کے نیچے آکر اپنی جان کھو بیٹھیں۔ کیونکہ شام کے وقت یہاں پر موٹروں کی آمدورفت بہت زیادہ رہتی ہے اور ان کی رفتار بھی بہت تیز رہتی ہے۔ چونکہ یہ سڑک سمندر کے کنارے بنائی گئی ہے اس لئے اس کا نام میرین ڈرائیو MARINE DRIVE یا سمندری سڑک رکھا گیا ہے۔

میرن ڈرائیو موٹر کی سیر کے لئے بمبئی کی بلکہ ہندوستان کی بہترین سڑک ہے۔ تین میل تک سمندر کے کنارے موٹر میں بیٹھ کر سیر کرنا بہت اچھا معلوم ہوتا ہے اور جی خوش ہو جاتا ہے۔ اگر آپ کے پاس موٹر نہیں ہے تو بس کے ذریعے اس شوق کو پورا کر سکتے ہیں۔ پورے میرن ڈرائیو کی موٹر بس سے سیر کی جائے تو صرف چھ پیسے خرچ ہوں گے۔

شام کے وقت مرین ڈرائیو پر بے شمار لوگ ہوا خوری کے لئے آتے ہیں اور سمندری دیوار پر بیٹھ کر سمندر کی ٹھنڈی اور تازہ ہوا سے اپنی دماغی اور جسمانی تھکن دور کرتے ہیں۔ کسی تعطیل کے دن تو اکثر یہ تین میل لمبی دیوار لوگوں سے پُر ہو جاتی ہے۔ اور بیٹھنے کے لئے مشکل سے جگہ ملتی ہے۔ اُس وقت دور سے دیوار پر بیٹھے ہوئے لوگ ایسے معلوم ہوتے ہیں جیسے بجلی کے تار پر کووں کی قطار۔ فٹ پاتھ پر چہل قدمی کرنے والے ہجوم کا تو کچھ پوچھنا ہی نہیں۔

مرین ڈرائیو کی خوب صورتی میں اور اضافہ کرنے کی غرض سے حال ہی میں ناریل کے پودے اس کی فٹ پاتھ پر ایک قطار میں لگائے گئے ہیں۔ جب یہ پودے پورے قد کے درخت بنیں گے مرین ڈرائیو کی رونق اور خوب صورتی دوبالا ہو جائے گی۔ سمندر کے کنارے ایک قطار میں یہ درخت دیکھنے والوں کے لئے ایک خوش نما اور دلفریب منظر پیش کریں گے۔

اب سے چند سال پہلے جب یہ خوب صورت سیرگاہ تعمیر نہیں ہوئی تھی یہاں پر سمندر ہی سمندر تھا اور اس کے دوسری طرف جہاں اب کئی نئی سڑکیں اور بیسیوں خوب صورت عمارتیں تعمیر ہو چکی ہیں سمندر سے ملا ہوا ذرا سا میدان تھا۔ جو ناریل کے درختوں، پتھروں اور لمبی لمبی گھاس سے بھرا ہوا تھا۔ اس میدان کے بیچ سے بی، بی اینڈ سی آئی کی لوکل ٹرین آیا جایا کرتی تھی۔ مگر اب تو اس کا گمان بھی نہیں ہوتا ہے کہ کبھی یہاں بھی ریلوے ٹرین کی آمدورفت تھی۔

مرین ڈرائیو کا خاکہ سنہ ۱۹۱۵ء میں بنایا گیا، آہستہ آہستہ کام ہوتا رہا۔ سب سے پہلے سمندر کا ایک حصہ بڑے بڑے پتھر، مٹی اور ریت ڈال کر پاٹ دیا گیا۔ پھر وہ دیوار بنائی گئی جس کا ذکر میں اوپر کر چکا

ہوں۔ ۱۹۳۹ء تک یہ خاکہ پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا اور شہر کا یہ حصّہ جہاں پہلے سمندر ہی سمندر تھا موٹر کی ایک بے مثال سڑک اور ایک ایسی خوب صورت سیرگاہ اور صحت گاہ کی شکل میں تبدیل ہوگیا جس کی مثال مشرقی شہروں میں ملنا مشکل ہے۔

مرین ڈرائیو کے نصف حصّے میں ۳۰، ۴۰ کے قریب نئی وضع کی خوب صورت عمارتیں سمندر کے سامنے تعمیر کی گئی ہیں۔ سوائے دو چار عمارتوں کے اونچائی اور لمبائی سب عمارتوں کی ایک ہی جیسی ہے۔ رنگ بھی ایک دوسرے سے ملتے جلتے رکھے گئے ہیں۔ دور سے دیکھنے پر سب عمارتیں ایک سی معلوم ہوتی ہیں مگر قریب سے دیکھنے پر ہر عمارت آپ کو الگ الگ نمونے کی نظر آئے گی۔

مسلم جم خانہ، ہندو جم خانہ، پارسی جم خانہ اور دوسرے کلب گھر بھی یہیں پر ہیں۔ بمبئی کا مشہور بربورن اسٹیڈیم (BRABOURNE STADIUM) یہاں ہر سال پنج رنگی کرکٹ اور دوسرے کھیلوں کے میچ ہوا کرتے ہیں۔ مرین ڈرائیو کے جنوبی حصّے میں واقع ہے۔

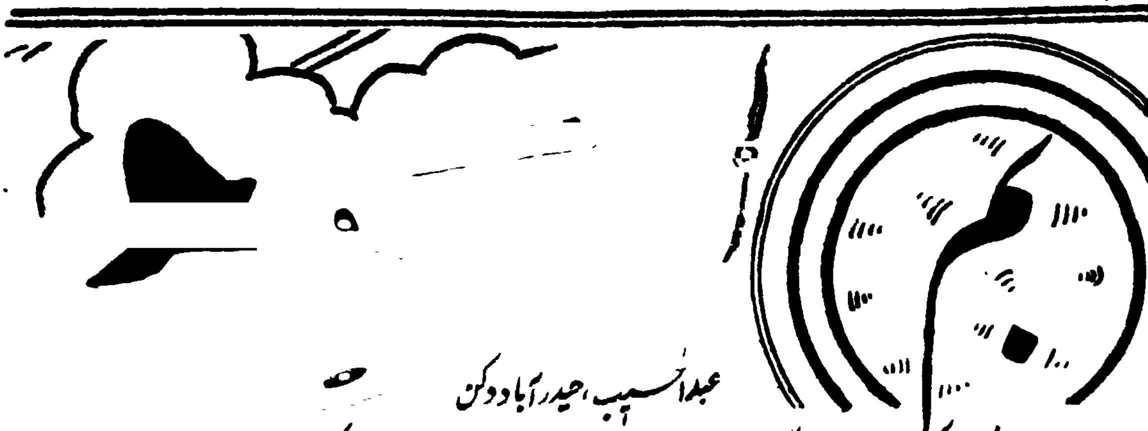
جو شخص آج سے ۵ سال پہلے بمبئی سے غیر حاضر رہا ہو اگر اب بمبئی آئے گا تو اس کو اندازہ ہوگا کہ بمبئی نے اس قدر مختصر عرصے میں کتنی ترقی کر لی ہے۔ اور اپنے رہنے والوں کے لئے مرین ڈرائیو کی صورت میں کتنا اچھا تحفہ پیش کیا ہے کیونکہ شہر کا یہ حصّہ ہندوستانی شہروں سے کوئی نسبت نہیں رکھتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے الٰہ دین کے چراغ کی مدد سے یورپ یا امریکہ کے کسی شہر کے ایک حصّے کو جنوں کے ذریعے منگوا کر بمبئی میں لا کھڑا کیا ہے۔

اُمید ہے کہ آپ نے بمبئی کی اس خوب صورت سیرگاہ کا حال پسند کیا ہوگا۔ اگر واقعی ایسا ہے تو پھر کسی اور سیرگاہ کا حال لکھنے کی کوشش کروں گا۔ فی الحال اب تو اجازت دیجیے ٭

---

# احمد آباد میں
# جامعہ اور پیامِ تعلیم کے سول ایجنٹ

مسرز آفتاب بک ڈپو (سول ایجنٹس اخبارات) محمد علی روڈ بمبئی سے ہر مہینے رسالہ حاصل کیجیے۔




عبد الحسیب، حیدر آباد دکن

پہلے دو دشمن ملکوں میں لڑائی اگر ہوتی تھی تو بس دونوں کی فوجوں میں ہوتی تھی۔ شہری اور کاروباری لوگوں سے اسے کچھ مطلب نہ تھا۔ لیکن اب لڑائی کی شکل بدل گئی ہے۔ اب تو دشمن کے ہوائی جہاز زنزناتے ہوئے شہر کی طرف آتے ہیں اور شہری آبادی پر اپنے بازوؤں کے نچلے حصے سے ہزاروں بم گراتے ہیں۔ ہزاروں آدمی زخمی اور ہلاک ہوتے ہیں۔ اور بے شمار عمارتیں تباہ و برباد ہوتی ہیں [illegible] اس کا مقصد یہ ہے کہ شہری آبادی میں بدحواسی پھیلے اور اس طرح ملک کو فتح کرنے میں آسانی ہو۔

یہ ہوائی جہاز سے گرنے والے لمبوترے بم بہت خطرناک ہوتے ہیں۔ ان کا وزن ۵۰ پونڈ سے لے کر ۲۰۰۰ پونڈ تک ہوتا ہے۔ کبھی اس سے بھی زیادہ۔ ان بموں میں زہریلا دھواں یا آگ پھیلانے والا مادہ بھرا ہوتا ہے۔ زہریلے دھوئیں والے بم بہت ہی خطرناک ہوتے ہیں۔ خصوصاً جہاں لوگ اس سے حفاظت کی تدبیریں نہ جانتے ہوں۔ آگ پھیلانے والا بم بھی بہت خطرناک ہوتا ہے۔ یہ عموماً دو پونڈ سے زیادہ وزنی نہیں ہوتا۔ ایک بم پھینکنے والے بڑے جہاز میں اس وزن کے چار ہزار بم لے جانے کی گنجائش ہوتی ہے۔ ایسے بم تمام گنجان آبادی میں آگ لگا دینے کے لئے کافی ہیں۔

جو بم ہوائی جہاز کے اڈوں فوجی بارکوں اور سمندری جہازوں کو تباہ کرنے کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں ان میں ایک مشہور قسم کی بارود ٹی۔ این۔ ٹی ہوتی ہے۔ ایک اور قسم کے بم فوجوں کو زخمی کرنے کے لئے ہوتے ہیں۔ ان بموں کے پھٹنے پر دھاتوں کے ٹکڑے تیزی کے ساتھ بکھر جاتے ہیں یہ چھوٹے ٹکڑے بندوق کی گولیوں کا اثر رکھتے ہیں۔ فوج کی نقل و حرکت کو چھپانے کے لئے دھوئیں کے بم خود ان کی اپنی فوج چھوڑتی ہے۔ ایک بے ضرر بم ہے اس میں گھنٹی کی اور چیخنے کی نعرہ دار آواز نکلتی ہے۔ ان بموں میں گھڑیوں کے سے کل پرزے لگے ہوتے ہیں۔ ایسے بموں سے شرارت

اور لوگوں کا پریشان کرنا مقصود ہوتا ہے۔

بم بجلی کی مدد سے گرائے جاتے ہیں۔ ہاتھ سے جلد اور ٹھیک نشانے پر نہیں پھینکے جا سکتے۔ علاوہ اس کے بموں کو منہ کے بل گرانا پڑتا ہے ورنہ بم اپنا کام نہ کرنے پائیں۔ منہ کے بل گرنے سے بارود سُلگ جاتی ہے اور بم پھٹ جاتا ہے۔ بعض بم ہوائی جہاز سے گرتے ہی یا مقررہ وقت کے بعد پھٹتے ہیں۔ بم جتنی بلندی سے پھینکا جائے اتنی ہی تیزی سے زمین پر گرتا ہے۔ مثلاً ۱۶ ہزار فٹ کی بلندی سے پھینکا جائے تو پہلے سکنڈ میں ۱۶ فٹ نیچے آئے گا۔ دوسرے سکنڈ میں ۳۲ فٹ۔ اسی طرح نیچے آتے آتے اُس کی رفتار بہت تیز ہو جاتی ہے اور بم زور دار آواز کے ساتھ پھٹ جاتا ہے۔

کسی خاص نشانے پر بم پھینکنا مشکل اور خطرناک کام ہوتا ہے۔ ہوائی جہاز کو ایک ہی بلندی پر اُڑنا پڑتا ہے جس سے خطرہ رہتا ہے کہ کہیں ہوا مار توپیں جہاز کو نیچے نہ گرا لیں۔ بم پھینکنے سے پہلے ہوائی جہاز کی رفتار، بلندی اور ہوا کی رفتار معلوم کرنی پڑتی ہے۔ اگر ہوا تیز ہو تو بم سیدھا نشانے پر نہ گرے گا بلکہ کچھ دور ہٹ کر گرے گا۔ اس لئے بم گرانے سے پہلے ٹھیک طور پر آلات کے ذریعے معلوم کر لیا جاتا ہے کہ بم کہاں گرے گا۔ جب ایک خاص جتّے کو ... ہوائی جہاز نشانہ بناتے ہیں تو ایک ہوائی جہاز بم پھینک کر آگے بڑھ جاتا ہے اور دوسرا ہوائی جہاز دوسرا بم گراتا ہے۔ اس طرح ایک کے بعد دوسرا اسی مقام پر واپس آکر بم گرا جاتا ہے۔

اگر کسی خاص چیز کو نشانہ بنانا نہیں ہے تو اندھا دُھند بم برسائے جا سکتے ہیں اور ہوائی جہاز جس سمت اور جتنی بلندی پر چاہے رہ سکتا ہے۔ بڑے بم گراتے وقت جہاز نشانے کے قریب آئے تو بم کے پھٹنے سے جہاز نیچے گر سکتا ہے۔ بموں کو ایک مقررہ بلندی ہی سے پھینکا جاتا ہے۔ ہاں بلندی سے غوطہ لگا کر بم گرائے جاتے ہیں تاکہ جہاز ہوا مار توپوں کا نشانہ نہ بنایا جا سکے۔

بم ٹھیک نشانے پر گرانے کے لئے بہت مشق کی ضرورت ہے۔ پہلے تو ایک نقشے پر مصنوعی بم گرانے کی تعلیم دی جاتی ہے اور پھر بلا بارود کے بم جہاز میں لگا دئے جاتے ہیں اور ایک نشانے پر گرانے کی مشق کرائی جاتی ہے۔

دستی بم بہت زمانے سے رائج ہیں۔ یہ موجودہ زمانے میں بھی ضروری ثابت ہوئے ہیں۔ اسپین کی آپس کی لڑائی میں یہ بہت کام آئے۔ ایک ... دستی بموں کو تیس گز تک پھینک سکتا ہے۔

دستی بم انار کی شکل کا ہوتا ہے۔ اس کا وزن ۱½ پونڈ ہوتا ہے۔ بم کے بیچوں بیچ ایک اسپرنگ ہوتا ہے۔ اسے لوہے کا ٹکڑا دبائے رکھتا ہے۔ بم استعمال کرتے وقت لوہے کا ٹکڑا نکال کر اسپرنگ کو ہاتھ سے

دبائے رکھتے ہیں۔ بم ہاتھ سے چھوٹتے ہی اسپرنگ کھل جاتا ہے اور ایک بتی اسپرنگ کھلنے سے سُلگ جاتی ہے۔ اس سے بارود کا ایک چھوٹا حصہ پھٹ جاتا ہے تو پہلے ایک چھوٹی آواز آتی ہے اور پھر ایک زور دار آواز سنائی دیتی ہے۔ بم کے دو الگ حصے صرف بم پھینکنے والے کی حفاظت کے لئے بنائے جاتے ہیں۔ دستی بم رائفل میں رکھ کر ایک خاص ترکیب سے چھوڑے جاتے ہیں ؛



# جاگو

متین سرمست حیدرآبادی

عرش بریں کے اچھے نظارے | چھلکے چھلکے چاند ستارے
سورج کے معصوم شرارے | کرتے ہیں چھپ چھپ کے اشارے
جاگو نیند کے ماتو جاگو

متوالی ہر ایک کی ادا ہے | مندر میں ٹن ٹن کی صدا ہے
دور سے آتی ایک ندا ہے | کوئی تمھارا بھی تو خدا ہے
جاگو نیند کے ماتو جاگو

خود ہی رسوا ہوتے ہو تم | ہنستے ہیں سب روتے ہو تم
پاتے ہیں سب کھوتے ہو تم | دنیا جاگی سوتے ہو تم
جاگو نیند کے ماتو جاگو

توپ کے منہ پر اڑنا سیکھو | طوفانوں سے لڑنا سیکھو
گرنا، اٹھنا، بڑھنا سیکھو | جینا ہو تو مرنا سیکھو
جاگو نیند کے ماتو جاگو

جا کے فلک سے تارے لاؤ | دھرتی کو آکاش بناؤ
پرچم آزادی لہراؤ | اپنے متین کے نغمے گاؤ
جاگو نیند کے ماتو جاگو

رُوم کے افسانے

# فیبوئس

حضرت سالک لکھنوی

بہت دن ہوئے میں نے تمھیں رُوم کے تین چار قصّے سُنائے تھے۔ یہ بھی ایک ویسا ہی قصّہ ہے اگر تم ان قصّوں کو بھول چکے ہو تو اپنے رسالہ "پیامِ تعلیم" کے پچھلے نمبر اُٹھا کر دیکھ لو۔

اس سے پہلے تم پڑھ چکے ہو کہ ہنی بال نے اپنی جان توڑ کوششوں سے "گال" اور "اتروریہ" کو فتح کر لیا تھا۔ اس فتح سے رُومی ہنی بال سے بہت ڈرنے لگے۔ اور رُوم کے بڑے بوڑھوں کو یہ فکر ہوئی کہ کوئی ایسا سپہ سالار ڈھونڈا جائے جو ہنی بال سے مقابلہ کر سکے۔ ان دنوں فیبوئس میکسموئس کی بہادری کا بڑا شہرہ تھا اور رُوم والے اس کا نام بڑی عزت سے لیتے تھے بس انھوں نے فیبوئس ہی کو ہنی بال سے لڑنے کے لئے چُن لیا۔ اور وہ فوراً رُومی فوجوں کا سپہ سالار بنا دیا گیا۔

فیبوئس کو اپنے وطن اور وطن والوں سے بڑی محبت تھی۔ اور وہ دل سے چاہتا تھا کہ کسی طرح رُوم کو ہنی بال کے چنگل سے بچائے۔ اور جب فیبوئس نے یہ سُنا کہ رُوم کی دو بڑی فوجیں کھیرے ککڑی کی طرح کاٹ دی گئیں تو اسے بڑا دُکھ ہوا اور ایک بہادر انسان کی طرح اس نے قسم کھائی کہ وہ اپنے وطن [illegible] غلام نہ ہونے دے گا۔ پھر اس نے [illegible] سے دعا کی کہ وہ اس کے وطن پر [illegible] کریں اس کے ارادوں میں برکت دیں تاکہ [illegible] حاصل ہو۔

فیبوئس نے ایک بہت بڑی فوج [illegible] ہنی بال سے لڑنے کا ایک نرالا طریقہ سو[illegible] یہ کہ خود کبھی پہل نہ کرے بلکہ دشمن کی فوجوں کا [illegible] کرتا رہے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ یہ ترکیب تھی بھی [illegible] مناسب۔ چنانچہ جہاں کہیں ہنی بال کی فوج [illegible] وہ خود بھی اپنی فوج کے ساتھ وہیں [illegible] "کارتھیجیہ" والے پڑاؤ کرتے تو فی[illegible] وہیں ڈیرا ڈال دیتی۔ اگر وہ آگے [illegible] فوج بھی آگے بڑھتی۔ لیکن فی[illegible] کو دو بدو نہیں لڑوایا کیونکہ [illegible]

نقصان کے کوئی فائدہ نہیں۔

مگر رفتہ رفتہ فیبوس کے سپاہیوں کو یہ بات بُری معلوم ہونے لگی۔ اُن کا جی تو یہ چاہتا تھا کہ کھُلے میدان میں دشمن کا مقابلہ کریں اور اپنی بہادری دکھائیں۔ فیبوس کے ماتحت افسر آپس میں چہ میگوئیاں کرتے اور کہتے کہ اگر وہ دو بدو لڑ کر ہنی بال کو شکست دیتے تو ان کا اور اُن کے وطن روم کا کتنا نام ہوتا؟ یہی سوچ سوچ کر انھیں غصہ آتا اور وہ خون کے گھونٹ پی کر رہ جاتے۔ فیبوس کی اس ترکیب کے خلاف جو شخص سب سے آگے تھا وہ تھا سالار مینی کوس۔ جس کے ماتحت پوری فوج تھی اور خود صرف فیبوس کے ماتحت تھا۔

مینی کوس ہر وقت فیبوس کے خلاف زہر اُگلا کرتا کبھی وہ اسے "بڑھی عورت" کہتا، کبھی بزدل۔ کبھی کچھ کبھی کچھ۔ یہاں تک کہ رفتہ رفتہ سپاہیوں کے دل میں فیبوس کی عزت کم ہونے لگی اور مینی کوس کو سپہ سالار بنانے کی تمنا کرنے لگے

مینی کوس نے جب فوج کے سپاہیوں کو اپنی طرف مائل پایا تو اُس کے غرور کا پارہ اور چڑھ گیا۔ اور وہ اب کھُلے بندوں فیبوس کی برائیاں کرنے لگا فیبوس کا ہمیشہ یہ طریقہ تھا کہ اپنی فوج کو کسی اونچے ٹیلے یا پہاڑی پر ٹھہراتا تاکہ اس کی فوج پر پیچھے سے حملہ ہونے کا ڈر نہ ہو۔ مینی کوس نے فیبوس کے دوستوں سے کہا اگر لڑنے کی ہمت نہیں تھی تو فیبوس کو کیا ضرورت تھی کہ ہنی بال کے مقابلے پر آئے؟

فیبوس نے جب یہ سُنا تو جواب دیا۔

"یہ سچ ہے کہ میں ہنی بال سے ڈرتا ہوں لیکن میں اس سے اپنی ذات کے لئے نہیں ڈرتا بلکہ اپنے وطن کے لئے ڈرتا ہوں۔ اپنے مُلک کے لئے ڈرتا ہوں اپنی قوم کے لئے ڈرتا ہوں تاکہ میری غفلت یا جلدبازی کی وجہ سے کہیں کوئی بڑی آفت نہ آجائے۔ میں اپنی قوم کو تباہی سے بچانا چاہتا ہوں اور اس لئے اس میں کوئی شرم کی بات نہیں۔ اگر ایک سپہ سالار دشمن کی فوجوں کو تھکا کر جیتنا چاہتا ہو۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ جوں جوں وہ آگے بڑھتا آتا ہے۔ اس کی طاقت کم ہوتی جاتی ہے؟ اس میں شک نہیں کہ وہ شہر دل اور گاؤں پر قبضہ کرتا آ رہا ہے۔ لیکن ہر بار ہر شہر، ہر گاؤں کی فتح کے بعد اُس کے آدمی کم ہوتے جا رہے ہیں۔ اگر ہم صبر سے کام لیں تو ایک دن ہم اُس کی فوج کو پریشان پائیں گے اور پھر وہ موقع ہوگا کہ ایک بارگی حملہ کر دیں اور فتح حاصل کر لیں۔ یاد رکھو کوئی سپہ سالار کتنا ہی بہادر اور روشن دماغ کیوں نہ ہو بغیر فوج اور سروسامان کے نہیں جیت سکتا۔"

(باقی)

# بچّوں کی نظمیں

محمد شفیع الدین صاحب نیّر
کی
اصلاح کے بعد

## کبوتر

محمد صالح۔ درجہ دوم جامعہ عمر ۹ سال ۹ ماہ

ہم نے ایک کبوتر پالا — بھولا بھالا پیارا پیارا
پنجرا ہم نے ایک خریدا — اچھا اچھا پیارا پیارا
کھانے کو دیتے تھے دانا — کھا لیتا تھا اپنا کھانا

## برسات کی بہار

پران ناتھ سیٹھی موڈرن ہائی اسکول ۱۱ سال

کالے کالے بادل آئے — چاروں طرف سے گھر کر چھائے
کوئل کُو کُو کُو کرتی — گانا گا کر جی بہلاتی
مینڈک ٹر ٹر ٹر ٹر کرتے — بھونرے چاروں طرف سے آتے
آؤ ہم سب سیر کو جائیں — سیر کو جا کر جی بہلائیں
اے لو ابر نے مینہہ برسایا — کوئل نے پھر گیت سُنایا
پہلے ایک ایک قطرہ آیا — پھر بوندوں نے تار لگایا
خُوب ہی زور کی بارش آئی — ہر جانب ہریالی چھائی
چھتری لے کر سب چھپتے ہیں — بجلی گرنے سے ڈرتے ہیں
ندّی نالے بھرے ہوئے ہیں — سارے دریا چڑھے ہوئے ہیں
دھنک کماں سے نکلی کیسی — رنگ برنگی پیاری پیاری
ہم نے یہ نظم بنائی — اپنے پرچے میں چھپوائی

## حمد

سارہ بی

مالک ہے تُو ہمارا خالق ہے تُو ہمارا
تُو ہی ہمارا داتا تُو ہی ہمارا والی
پیدا کیا ہے یا رب تُو نے یہ سارا عالم
خاکی بدن بنا کر پھر اُس میں جان ڈالی
لازم ہے حمد تیری اے دو جہاں کے والی
اے بے نیاز خالق درجہ ہے تیرا عالی
آنکھوں میں نور آیا دل نے سرور پایا
کیا صبح کی ہوا میں تاثیر تُو نے ڈالی
دُنیا کا کارخانہ کیسا بنایا تُو نے
اک ذرّہ بھی نہیں ہے حکمت سے تیرے خالی
سارہ کی یہ دُعا ہے اُس کی یہ التجا ہے
ہاں بخش علم ہم کو تُو ہے ہمارا والی

## بچپن کی یاد

بنیاد حسین احمر صدیقی۔ اناؤ

آتا ہے یاد مجھ کو بچپن کا وہ زمانہ
ہمجولیوں سے مِل کر ہر سمت غُل مچانا

ننھے کا پاؤں چلنا اور لڑکھڑا کے گرنا
آپا کے پاس جاکر آپا کا منہ چڑھانا
باجی کا جھنجھنا کو ٹھے پہ جا بجانا
اماں کی جھڑکیوں پر میرا وہ کھلکھلانا
گھر سے چلے مدرسے لیکن سڑک پہ رک کر
بستہ زمیں پہ رکھ کر دل کھیل میں لگانا
لڑتے جھگڑتے آخر پہنچے جو مدرسے میں
استاد کا ادب کر چپکے سے بیٹھ جانا
استاد ہٹ گئے تو آفت اٹھائی ہر سو
لڑنے لگے سبھی سے اک دم سے غل مچانا
ناصر کی روشنائی چپکے سے جا گرائی
ننھی سلیٹ پے کر حرف اس کے سب مٹانا
اسکول سے چلے جب پاکر وہاں سے چھٹی
بازار میں پہنچ کر آلو کی چاٹ کھانا
بچپن کا چلبلا پن باقی نہیں رہا اب
اس واسطے کہ میں اب کچھ ہو گیا سیانا
احمر کو بے کلی سی ہوتی ہے اس گھڑی جب
آتا ہے یاد اس کو بچپن کا وہ زمانا

---

## پیاری چڑیا

محمد اکرام۔ لاہور

جب جب تو اے پیاری چڑیا
گھر میں ہمارے آتی ہے
اپنی ننھی چونچ سے گا کر
میٹھے گیت سناتی ہے
اس دم کیا بتلاؤں
کیسی میرے دل کو بھاتی ہے
آتا ہوں میں دوڑ کے تجھ تک
تو بھی دوڑی آتی ہے
لیکن جب ہم پاس ہیں آتے
تو پھر سے اڑ جاتی ہے
ڈرتی ہے کیوں پیاری ہم سے
خوف اتنا کیوں کھاتی ہے

---

## صبح کا گیت

محمد اقبال، دہلی۔ عمر ۱۰ سال

چڑیوں کا چہچہانا
پھولوں کا مسکرانا
پیڑوں کی ڈالی ڈالی
ان کی ادا نرالی
سورج کا بھی نظارا
منظر سحر کا پیارا
دل کو ہے یہ لبھاتا
مجھ کو ہے خوب بھاتا
اقبال تم بھی اٹھو
منظر سحر کا دیکھو

# گیارہ دن کا نقصان

ریاض الاسلام صاحب بی اے

یہ عجیب واقعہ اب سے کوئی دو سو سال پہلے کے انگلستان سے تعلق رکھتا ہے۔ اس زمانے میں انگلستان اور یورپ کے دوسرے ملکوں کی تاریخوں[1] میں گیارہ دن کا فرق رہتا تھا یعنی انگلستان میں جب پہلی تاریخ ہوتی تو اٹلی اور فرانس میں ۱۲ ہوتی، جب انگلستان میں ۲ ہوتی تو دوسرے ملکوں میں ۱۳ ہوتی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ یورپ کے بیشتر ملکوں نے اب سے کوئی ساڑھے تین سو سال پہلے ایک نیا کیلنڈر اختیار کر لیا تھا، اس لئے ان کے یہاں سال مہینہ اور تاریخوں کی ترتیب بدل گئی تھی۔ انگلستان والے ہمیشہ سے پرانی لکیر کے فقیر رہے ہیں۔ انھوں نے اپنے یہاں کا کیلنڈر نہیں بدلا اور پرانا کیلنڈر ہی قائم رکھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انگلستان اور دوسرے ممالک کی تاریخوں میں فرق رہنے لگا۔

اس کے سمجھنے کے لئے ایک بہت آسان مثال ہندوستان کے کیلنڈروں کی ہے۔ ہندوستان میں بہت سے کیلنڈر جاری ہیں ان میں سے عیسوی[2]، ہجری[3] اور ہندی کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ تینوں کا حساب الگ الگ ہے اور تینوں کی تاریخ میں فرق رہتا ہے اور یہ فرق گھٹتا بڑھتا ہے۔ ہجری مہینے چاند کے حساب سے ہوتے ہیں۔

عیسوی کیلنڈر میں

قاعدہ یہ ہے کہ وہ سورج کی گردش کے حساب [illegible] ہے۔ اس لئے موسم ہمیشہ ایک ہی مہینوں [illegible] ہیں۔ دسمبر میں ہمیشہ جاڑا ہوتا ہے اور مئی میں ہمیشہ گرمی پڑتی ہے۔ ہجری یا چاند کے حساب میں [illegible] نہیں ہوتی۔ چنانچہ کبھی رمضان شریف گرمیوں میں

---

[1] جس سے تاریخوں، دنوں، مہینوں اور سالوں کا حساب لگایا جاتا ہے۔

[2] اسے شمسی بھی کہتے ہیں کیونکہ اس کا حساب سورج (شمس) کی گردش سے لگایا جاتا ہے۔ عام بول چال میں اسے انگریزی حساب بھی کہا جاتا ہے۔

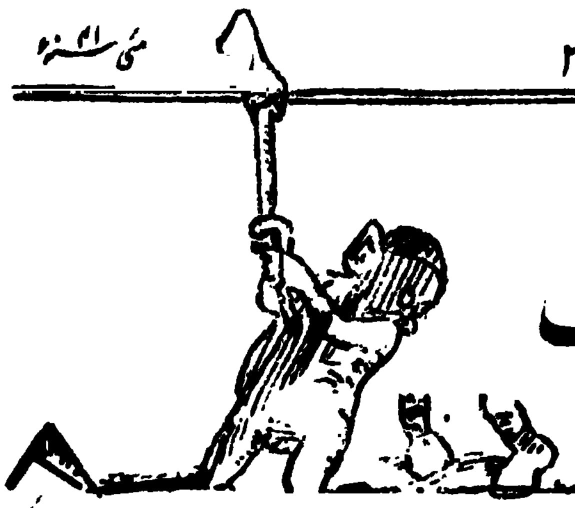
[3] ہجری میں اسے قمری بھی کہتے ہیں کیوں کہ اس کا حساب چاند (قمر) کی گردش کے مطابق رہتا ہے۔

آتے ہیں اور روزے بڑے ہو جاتے ہیں اور کبھی جاڑے میں میں آتے ہیں اور روزے اتنے چھوٹے ہو جاتے ہیں کہ چھوٹے بچے بھی آسانی سے رکھ لیتے ہیں۔ ہندو لوگ بہت ہوشیار ہیں، وہ نہ چاند کو چھوڑنا چاہتے ہیں اور نہ سورج کو۔ دونوں دیوتا۔ اُن میں سے کسی کو ناراض کرنا نہیں چاہتے۔ اس لئے انھوں نے یہ ترکیب رکھی ہے کہ تاریخیں چاند کے اعتبار سے شمار کرتے ہیں لیکن جب بھی اُن کے اور سورج کے (یعنی عیسوی) حساب میں زیادہ فرق پڑ جائے تو لوند کا مہینہ لگا کر حساب برابر کر لیتے ہیں۔

سورج اور چاند کا حساب بتاتے بتاتے میں کہاں سے کہاں پہنچ گیا۔ ان سب باتوں کے بتانے سے میرا مطلب یہ تھا کہ تاریخوں میں فرق پڑ جانے کا معمہ آسانی سے سمجھ میں آجائے۔

تو انگلستان اور دوسرے ملکوں کی تاریخوں میں فرق رہتا تھا اور اس فرق سے لین دین کے معاملات اور خط کتابت میں گھپلا پڑتا تھا، اور طرح طرح کی دقتیں پیش آتی تھیں۔ مثلاً کوئی شخص ۲۵ جنوری کو فرانس سے انگلستان روانہ ہوا۔ وہاں دوسرے دن پہنچ کر معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ابھی ۱۵ جنوری ہے ان سب دقتوں کو دور کرنے کے لئے انگلستان کے وزیر نے یہ ترکیب سوچی کہ انگلستان بھی وہی کیلنڈر اختیار کرے جو یورپ کے دوسرے ملکوں میں جاری ہے لیکن اس کے لئے اپنے یہاں کی تاریخوں کا بدلنا ضروری تھا لہٰذا اس وزیر نے ایک مشہور حساب دان مسٹر بریڈلے (Mr. BRADLEY) کی مدد سے ایک نیا قانون تیار کرایا اور پھر اُسے پارلیمنٹ میں پاس کرا دیا۔ نئے قانون کی رو سے انگلستان کی تاریخ گیارہ دن آگے بڑھا دی گئی یعنی جس تاریخ کو پہلے حساب کے مطابق ۳ ستمبر ہونا چاہیے تھی، اُسے ۱۴ ستمبر کر دیا گیا۔

لیکن لوگ اس قانون سے خوش نہیں ہوئے۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ اس تبدیلی سے واقعی ان کا گیارہ دن کا نقصان ہو گیا اور اُن کی عمر میں سے گیارہ دن کم ہو گئے اس کے علاوہ نئے حساب سے تیوہاروں میں بھی فرق پڑ گیا، کیونکہ ہر تیوہار پچھلے حساب کے مقابلے میں گیارہ دن پہلے ہونے لگا لوگ کہتے ہیں کہ تیوہاروں میں اس طرح گڑبڑ کرنا گناہ کی بات ہے اس سے اللہ میاں خفا ہو جائیں گے۔ غرض نئے قانون کے خلاف کچھ عرصے لوگوں نے خوب شور مچایا۔ جب پارلیمنٹ کے نئے ممبروں کے چناؤ کا زمانہ آیا تو لوگوں نے اُمیدوار ممبروں سے مطالبہ کیا کہ "ہمارے گیارہ دن واپس دلاؤ" کئی سال گذرنے پر جب مسٹر بریڈلے کا بہت دنوں بیمار رہنے کے بعد انتقال ہوا تو بہت سے لوگوں نے کہا کہ اللہ میاں نے اُنھیں اُن کے کئے کی سزا دی۔



# ہماری شرارت

محمد الدین صاحب۔ بدایونی

خدا کے فضل سے اب تو ہم ساتویں درجے میں پڑھتے ہیں۔ اور ہمارا شمار بڑے لڑکوں میں ہے۔ مگر ابھی کوئی دو برس گذرے ہوں گے ہم پانچویں درجے میں پڑھتے تھے۔ اسکول بیچ بازار میں تھا۔ ہمارے مولوی صاحب جو ہمیں درجے میں اردو پڑھاتے تھے ہمارے محلے سے تھوڑی دور رہتے تھے،

ہمارے درجے میں مولوی صاحب کا اردو کا پہلا گھنٹہ ہوتا تھا۔ اس لئے سب سے پہلے ہم لوگوں کی ملاقات مولوی صاحب قبلہ ہی سے ہوتی تھی۔ مولوی صاحب کی عمر اس وقت کوئی ۵۰ سال سے اوپر ہوگی گورے چٹے آدمی تھے۔ قد میانہ جسم اتنا موٹا کہ کرسی پر ذرا مشکل ہی سے آتے تھے۔ پرانی قسم کا بند دار انگرکھا، سرخ نری کی جوتی۔ دو پلی ٹوپی، ایک لمبی مگر گول، وائیٹ نما ڈاڑھی۔ آنکھوں پر چشمہ چڑھا ہوا دانت سب برقرار مگر آنکھ صرف ایک تھی۔ پان بہت کثرت سے کھاتے۔ سیدھی طرف کی آنکھ بے کار تھی اتفاق سے ہم سیدھے ہاتھ کی طرف بیٹھتے تھے جس سے ہم کافی امن میں رہتے تھے۔ مولوی صاحب قبلہ الٹے ہاتھ کو بیٹھنے والے لڑکوں کی طرف زیادہ متوجہ رہتے تھے ہم سیدھے ہاتھ کی بنچ پر نمبر اول پر بیٹھتے تھے اس لئے مولوی صاحب ہم سے بہت قریب تر رہتے تھے۔ دوسرے یہ کہ اردو میں ہم قابل لڑکوں میں شمار کئے جاتے تھے۔ مولوی صاحب کو نہ ہمیں کبھی اردو پڑھانے کی ضرورت ہوئی اور نہ کبھی اردو کے گھنٹے میں ہم نے پڑھا۔ اور یہ سمجھ کر کہ ہمیں اردو پڑھنے کی زیادہ ضرورت نہیں ہے مولوی صاحب نے ہمارے ذمے ایک نجی کام کر دیا تھا۔ یہ روز کا معمول تھا کہ مولوی صاحب جوں ہی ہمارے درجے میں داخل ہوئے انھوں نے ہمیں کچھ پیسے اور ایک پرچے پر سودے کی فہرست لکھی ہوئی دے دی۔ اسکول تو بازار میں تھا ہی۔ ہم اسکول کے پھاٹک سے باہر آئے سودا لیا اور ماسٹر صاحب کے گھر کی طرف چل دئے۔ ملانی صاحبہ کو سودا سلف دیا اور کچھ باتیں بنائیں اگر مولوی صاحب جلدی میں گھر سے پان لے جانا بھول گئے یا بٹوے میں چھالی کم تھی تو

اُن کو دے کر اور ذرا اِدھر اُدھر گھومتے ہوئے گھنٹے
کے آخر تک درجے میں پہنچ گئے۔ مولوی صاحب نے
خیریت دریافت کی اور ہم بیٹھ گئے اب ہمیں نہ یہ معلوم
ہوا کہ مولوی صاحب نے کیا پڑھایا اور نہ یہ کہ کل ہمیں
کیا پڑھنا ہوگا۔ ہم بہت دنوں تک اس خدمت کو انجام
دیتے رہے خیال تھا کہ شاید مہینہ دو مہینے میں ہماری
ڈیوٹی بدلے۔ مگر مولوی صاحب کا خیال تھا کہ ہمیں
اُردو پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ دوسرے ہم سودا اچھا
اور مناسب داموں پر خریدتے تھے اور پان چھالیا
بغیر کسی دست بُرد کے اُن تک پہنچا دیتے تھے۔ ایسی
حالت میں ہماری ڈیوٹی کیوں کر بدل سکتی تھی اور ہم
ہیں کہ اِس کام سے اُکتائے ہوئے۔ ہماری حالت یہ
کہ جب تک گھر میں ہیں بازار تو بازار پلنگ سے اُٹھنا
دُشوار۔ پیاس لگی آس پاس کسی کو نہ دیکھا تو ہلکی سی
ایک چیخ ماری۔ قریب ہی کے دالان سے آپا جان
دوڑ پڑیں "کیا ہوا" ہم نے ہنس کر ہاتھ بڑھا دیا کہ ہم
کو کھینچ کر گھڑونچی تک پہنچا دو۔ "بڑی پیاس لگی ہے" وہ
سینکڑوں سناتی ہوئی گئیں اور پانی پلا دیا۔ ہم اس قسم
کے تو سُست آدمی ٹھہرے۔ پھر بھلا ہم سے مولوی
صاحب کا یہ کام کب تک ہوتا۔ آخر ایک دن ہم نے اپنے
چھٹکارے کی تدبیر سوچ ہی لی۔ سنیچر کا دن تھا۔ اسکول
چار دن کو بند ہونے والا تھا۔ مولوی صاحب نے
ہمیں پیسے اور پرچہ دیا۔ ہم بازار میں آئے اور کچھ
مٹھائی اور میوہ خریدا۔ دو چار دوستوں نے
خوب کھایا۔ جب کھا پی کر چنت ہوگئے۔ تب مولوی
صاحب کے پاس آئے اور بہت مغموم صورت
بنائی۔ مولوی صاحب نے وجہ پوچھی تو ہم نے کہا کچھ
نہیں۔ آپ نے جو پیسے دئے تھے وہ جیب سے گر گئے
یہ سُن کر مولوی صاحب بہت ناخوش ہوئے۔ اور
نصیحت آمیز باتیں کر کے ہم سے کہنے لگے۔ جاؤ گھر
سے دام لاکر ہمیں سودا لا کر دو۔ اُن کا مطلب تو یہ تھا
کہ ہم اپنے گھر سے دام لائیں۔ مگر یہ فقرہ سُنتے ہی ہم وہاں
سے اُٹھے اور مُلانی صاحبہ سے جا کر کہا مولوی صاحب
نے سودے کے لئے دام مانگے ہیں آج اُن کے پاس
کچھ ہے نہیں۔ مُلانی صاحبہ نے ہمیں ایک معتبر قاصد
سمجھ کر ایک روپیہ نکال کر دے دیا۔ ہم فوراً بازار
آئے اور سودا خرید کر مولوی صاحب کے پاس
اطلاع دینے پہنچے کہ سودا خرید لائے ہیں سودا دیکھ
کر فرمانے لگے "بیٹا آج دیر ہو جانے سے گوشت تو
ملا نہ ہوگا کہیں مرغی مل جائے تو لے کر دیتے آنا ہمارے
پاس کوئی ۱۱،۱۱ر بچے تھے۔ وہیں پڑوس سے ایک
مرغی خرید کر مُلانی کو دے دی اور کہہ دیا کہ مولوی صاحب
نے مرغی کا حکم دیا تھا۔ بہت عمدہ پکائیے گا۔ ہم تو اس
کے بعد مدرسے آ گئے۔ مولوی صاحب شام کو گھر پہنچے
تو انہیں یہ قصہ معلوم ہوا بہت غصہ ہوئے اور
بولے "سودے کے پیسے تو گئے ہی تھے ایک روپیہ اور

گھر سے گیا۔ بیوی کو ڈانٹا ہمارے گھر آئے ہم تو پہلے ہی سے تاڑ گئے تھے۔ مولوی صاحب کے ہاتھ آنے والے کب تھے مدرسے میں چوتھے روز ملاقات ہوئی تو غصہ ٹھنڈا ہو چکا تھا اور ہم سے مدرسے میں لڑکوں کے سامنے زیادہ صاف صاف کہہ بھی نہیں سکتے تھے کچھ دبی زبان سے کہا تو ہم نے نہایت ادب سے جواب دے دیا کہ آپ نے تو ایسا حکم دیا تھا ہم کیا کریں اس روز سے انھوں نے پھر ہم سے کبھی نہ سودا منگایا اور نہ کسی اور کام سے بازار بھیجا۔ دل میں ہم سے ناراض رہتے تھے اور جب کبھی ان کے گھنٹوں میں لڑکوں نے شور کیا تو انھوں نے بجائے اس کے کہ مجرم کو سزا دیں ہم پر ہاتھ صاف کرنا شروع کر دیا۔ ہم نے کہا بھی کہ ہماری کیا خطا ہے تو فرماتے کہ ہم کچھ نہیں جانتے ہمارے درجے میں کوئی شرارت یا شور کرے گا تو جو ہمارے قریب ہوگا ہم اُسے ماریں گے"۔ چنانچہ اس کا نتیجہ یہ ہوا ہم اُن کے گھنٹے میں لڑکوں کو چپ اور خاموش رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ مولوی صاحب کا سزا دینے کا یہ اصول بالکل نیا تھا۔ افسوس کہ ان کا انتقال ہو گیا۔ خدا مغفرت کرے۔

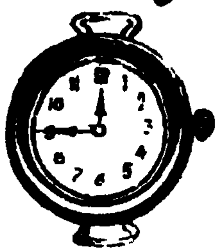
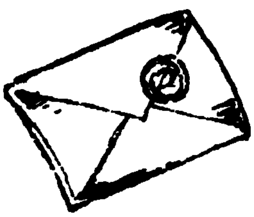
# رتن کرن نمبر

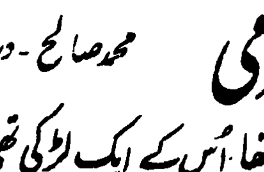
بچوں کا ماہوار رسالہ رتن (جموں)، ہر سال شری یوراج کرن سنگھ بہادر ولی عہد ریاست کشمیر کی سال گرہ کے موقع پر کرن نمبر کے نام سے اپنا ایک خاص نمبر نکالتا ہے۔ اس مرتبہ یہ خاص نمبر اُس نے نہایت اہتمام سے شائع کیا ہے۔ مضمون۔ نظمیں۔ کہانیاں، سب دلچسپ اور مفید ہیں۔ مضمون نگاروں میں بعض اچھے اچھے لکھنے والوں کے نام نظر آتے ہیں۔ مثلاً پنڈت ولتہ پرشاد فدا۔ جناب محمد شفیع الدین صاحب نیر، شانتی سروپ، شاستری رائے صاحب۔ لالہ رگھوناتھ سہائے وغیرہ۔ رسالے کی لکھائی چھپائی بھی بہت اچھی ہے۔ ٹائٹل دو رنگا ہے اور اس پر شری یوراج کرن سنگھ بہادر کی تصویر ہے۔ ان کی ایک خوب صورت تصویر اندر بھی ہے۔ اس کے علاوہ بلاک کی اور بہت سی تصویریں ہیں ضخامت ۱۵۲ صفحے ہے۔ ہندی کے ۶۰ صفحے اس کے علاوہ ہیں۔ ہم اس کامیابی پر رتن کے ایڈیٹر اور ڈائرکٹر دونوں کو مبارک باد دیتے ہیں۔ رتن کی سالانہ قیمت عا ہے اور غالباً کرن نمبر کی قیمت بھی اسی میں شامل ہے۔ پتہ:۔ دفتر رتن۔ دربار گڑھ روڈ جموں (کشمیر)

# بچوں کی کوشش

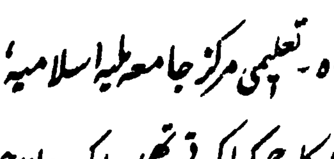
## دلچسپ خط

مرزا اسد بیگ عمر ۱۰ سال

پیارے دوست  احمد۔ السلام علیکم  بجے جب کہ میں بیٹھا  کھا رہا تھا  نے تمھارا  لاکر دیا۔

تمھارے لیے 

بھیج رہا ہوں۔ امید ہے کہ تمھیں پسند آئے گی۔

تمھارا دوست
مرزا  بیگ

---

## ایک آدمی

محمد صالح - درجہ دوم ۔ عمر ۵ سال ۹ ماہ ۔ تعلیمی مرکز جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی۔

ایک آدمی تھا۔ اُس کے ایک لڑکی تھی۔ وہ اُس کا سب کام کاج کیا کرتی تھی۔ ایک دن جب وہ اپنے کام سے گھر واپس آیا تو اُس نے دیکھا کہ لڑکی مُردہ پڑی ہے۔ اُسے بہت اچنبھا ہوا اس نے کہا کہ میری لڑکی مرگئی اب مجھے کون روٹی سالن پکا کر دے گا۔ کہ پھر لڑکی زندہ ہوگی۔ اور کہا میں تو یہ ہوں

ہیں تو مُردہ بن گئی تھی۔ اب آدمی کو بہت اچنبھا ہوا کہ ابھی تو وہ مردہ تھی اور ابھی زندہ ہو گئی۔ لڑکی بولی ہیں نے تو سانس روک لیا تھا آپ نے تو مردہ ہی سمجھ لیا۔

# صحرا

محمد خلیق الزماں۔ اِندور

خشک اور جلی ہوئی زمین جہاں نہ ندی نالے ہوں نہ لہلہاتے کھیت بلکہ جہاں تک نظر کام کرے ریت ہی ریت دکھائی دے۔ چھوٹے چھوٹے درخت یا ذرا ذرا سی جھاڑیاں کہیں کہیں ہوں بس یہی صحرا ہے۔

دُنیا میں بہت سے صحرا ہیں۔ سب سے بڑا صحرا افریقہ میں ہے۔ آسٹریلیا میں بھی ایک وسیع صحرا ہے۔ عرب میں بھی اور ہندوستان میں بھی سندھ اور راجپوتانہ کا صحرا مشہور ہے۔

صحرا بنجر کیوں ہوتے ہیں؟ اس کی وجہ ہے کہ بارش بالکل نہیں ہوتی۔ زمین تپ کر بالکل خشک ہو جاتی ہے اور صحرا بن جاتی ہے۔ صحرا کو ریت کا سمندر کہتے ہیں۔ ریت کے سمندروں کو عبور کرنا دشوار کام ہے۔ سوائے صحرائی جہاز کے کسی چیز سے اُسے عبور نہیں کر سکتے۔ صحرائی جہاز کون ہے؟ اونٹ خدا نے اُسے اس طرح بنایا ہے کہ بلا تکلف صحراؤں کو طے کر جاتا ہے۔ صحرا میں بعض بعض جگہ درخت اُگے ہوتے ہیں۔ وہاں پانی بھی ملتا ہے۔ وہاں جاندار رہ سکتے ہیں ایسے مقامات کو نخلستان کہتے ہیں۔ قافلہ والے ایسے ہی مقامات پر منزل کرتے ہیں یہاں آدمیوں اور جانوروں کے لئے کھانے پینے اور آرام کرنے کا سامان قدرت کی طرف سے مہیا ہوتا ہے۔

اس ترقی کے زمانے میں صحرا میں رہنے والے لوگ ایک ترکیب سے جہاں چاہتے ہیں نخلستان بنا لیتے ہیں۔ بُرمے کی طرح کا اوزار سے کر زمین میں سوراخ کر لیتے ہیں اس میں سے پانی نکل آتا ہے۔ پانی سے زمین کو سیراب کر کے زرخیز بنا لیتے ہیں۔ پھر بھی زمین آہستہ آہستہ نخلستان بن جاتی ہے۔ صحرائے بلوچستان میں اس قسم کا نخلستان ہے۔

صحرا میں سخت آندھیاں آتی ہیں۔ ان کو صحرائی طوفان کہتے ہیں۔ اس سے قافلے کے قافلے تباہ و برباد ہو جاتے ہیں۔ مسافروں کے لئے سب سے زیادہ خطرناک چیز بادِ سموم ہے۔ جب بادِ سموم چلتی ہے۔ قیامت آجاتی ہے۔ ریت کے بادل کے بادل اُٹھتے ہیں۔ آسمان میں اندھیرا چھا جاتا ہے۔ اونٹ زمین پر لیٹ جاتے ہیں۔ نتھنے بند کر لیتے ہیں۔ آدمی چادر سے مُنہ ڈھک کر بیٹھ جاتے ہیں۔ راستے کا نشان میلوں تک نظر نہیں آتا۔ صحراؤں میں ایک اور عجیب بات ہے مسافر دور سے دیکھ کر خوش ہوتا ہے کہ سامنے کھجور کے درخت ہیں اور پانی لہریں مار رہا ہے مگر جب اُس کی طرف جاتا ہے۔ تو وہ نظارہ نظر سے غایب ہو جاتا ہے اور ریت کے سوا کچھ نہیں ملتا۔



# بہار

سید علی عباس زیدی

دُور جنگل کے ایک کنارے ایک جھونپڑا کمان کی طرح جھکی چھت کو اُٹھائے کھڑا تھا فرش پر آگ جل رہی تھی۔ ایک عجیب شکل کا بڈھا آگ کے قریب اپنی چٹائی سمیٹے بیٹھا تھا۔ اس کے بال پالے کی طرح سفید تھے چہرے پر جھرّیاں پڑی ہوئی تھیں اور پیٹھ میں ایک چھوٹا سا کُبھ نکلا ہوا تھا۔

بوڑھے نے ایک لکڑی گٹھر میں سے اُٹھائی اور آگ میں رکھ دی۔ جنگل کی تیز ہوا ننگے درختوں سے ٹکراتی گذر رہی تھی۔

بوڑھا ساری رات آگ کے پاس بیٹھا رہا۔ اس نے اپنی چٹائی اور آگ کے قریب کرلی۔ اُسے سردی لگ رہی تھی۔ صبح ہونے سے پہلے وہ اپنی آخری لکڑی بھی جلا چکا تھا۔ "یہ میری آخری لکڑی ہے۔ اب میں کیا کروں گا۔ جب یہ بھی جل جائے گی۔ آگ ٹھنڈی پڑ جائے گی۔"

اُس نے اپنا سر اپنے بازو پر رکھ لیا۔ آنکھیں بند کرلیں۔ اُس کے سفید بال اس کے چہرے پر گر پڑے اور اُسے ڈھانپ لیا۔ آگ ختم ہو رہی تھی۔

ہو۔۔۔و۔۔۔و۔۔۔و۔۔۔ ہوا دیو کی طرح چلاتی چیختی پھر رہی تھی۔ شاید کوئی آرہا ہے۔ اُس نے اپنا سر اوپر اُٹھایا۔ دروازے پر ایک خوب صورت لڑکی کھڑی تھی۔ اُس کے کالے بال ایڑیوں تک پڑے تھے پھولوں سے سارا سر چھپا تھا۔ بوڑھے نے اُس سے جھجکتے ہوئے اندر آنے کو کہا۔ اور کپکپاتے ہونٹوں سے پوچھا: "کون ہو تم؟ میں تو جاڑا ہوں اور سردی لاتا ہوں۔" لڑکی مسکرائی اور جھونپڑے میں آکر کہنے لگی "میں بہار ہوں، میرے آنے سے پھول کھلنے لگتے ہیں۔" "چلی جاؤ!" بوڑھے نے کڑک کر کہا "میں تمھیں ابھی سردی سے ٹھٹھرا دوں گا۔" اُس نے اپنی چلم بھری۔ دھوئیں کے چھوٹے چھوٹے بادل ہوا میں اُڑاتے ہوئے کہنے لگا "میں جب آتا ہوں تو ......... برف گرنے لگتی ہے! کُہرا پڑنے لگتا ہے! اور سمندر، جھیل، دریا برف سے پٹ جاتے ہیں! دُنیا سنسان ہو جاتی ہے!" لڑکی

نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "میری سانس سے ہوا سُہانی ہو جاتی ہے۔ دریاؤں سے برف گھلنے لگتی ہے۔ چڑیاں چہچہانے لگتی ہیں۔ پھولوں کی بارش ہونے لگتی ہے"۔

بوڑھا غصّے سے کانپنے لگا۔ اُس نے غصّے میں بھر کر جواب دیا "میں جب چلتا ہوں تو سرد ہوائیں چلنے لگتی ہیں۔ درختوں سے پتّیاں گرنے لگتی ہیں۔ گھاس برف سے دب جاتی ہے۔ یہ سب کیوں؟ اس لئے کہ جاڑا آجاتا ہے"۔ لڑکی بگڑ کر کہنے لگی "جب میں آتی ہوں سورج چمکنے لگتا ہے درختوں کی کونپلیں نکل آتی ہیں۔ پھول کھلنے لگتے ہیں۔ ہوا سُہانے گیت گانے لگتی ہے کیوں کہ بہار آجاتی ہے"۔ یہ کہتے ہی اُس نے بڈھے کو چھوا۔ اُس کا سر جھک گیا۔ آنکھیں بند ہوگئیں اور وہ فرش پر گر پڑا۔ اس کے منہ سے پانی بہنے لگا۔ بال پگھل کر بہ گئے جھونپڑا گر پڑا۔ لڑکی چلی گئی۔

سُہانی ہوائیں چلنے لگیں درختوں نے جھومنا شروع کیا۔ پھولوں نے اس کا یہ استقبال کیا کہ جہاں جاتی پھول کھلتے۔

(ترجمہ)

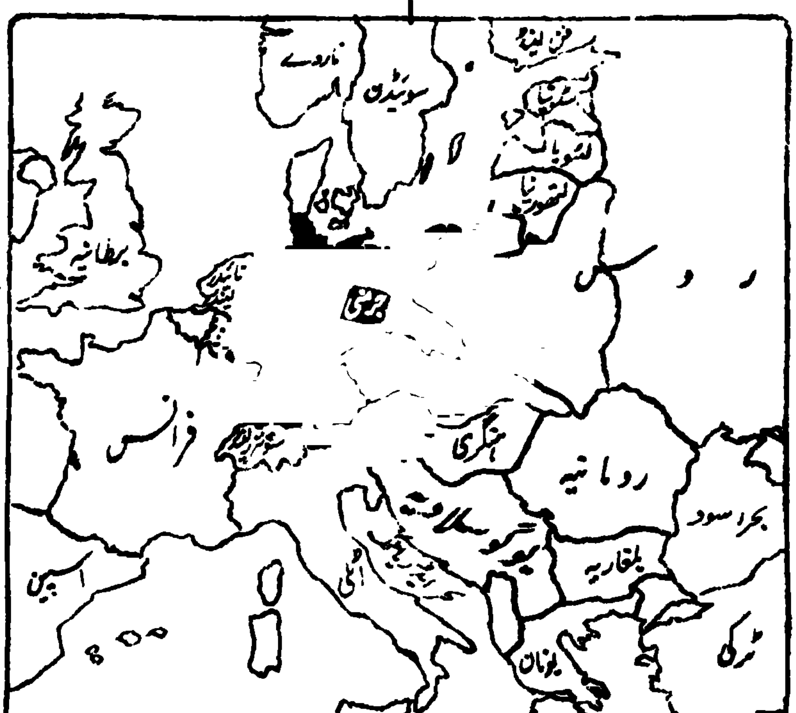
| خوب صورت ٹکٹ | | نئی قسم کے ٹکٹ | | جدید ٹکٹ | |
|---|---|---|---|---|---|
| ۹ مختلف ارجنٹائن | ۱/ | ۵۰ مختلف اسپین | ۶/ | ۴ مختلف پیراگی خوب صورت | ۸ |
| ۱۰ " ڈنمارک | ۱/ | ۳ " مکسیکو یادگاری | ۳/ | ۹ " رومانیا " خوردسال بادشاہ | ۵ |
| ۱۰ " پیرو خوب صورت | ۲/ | ۳ " لیٹویا۔ خوب صورت | ۲/ | ۱۰۰ " ٹکٹ | ۸ |
| ۲۴ " ارجنٹائن خوب صورت | ۴/ | ۳ " جیکوسلیویا یادگاری مکمل سٹ | ۴/ | ۵۰۰ " " | ۲ |
| ۱۰ " اسٹونیا " " | ۴/ | ۳ " رومانیا یادگاری | ۲/ | ۱۰۰۰ اہنجر | ۱۲ |
| ۱۰ " آسٹریلیا " مع یادگاری | ۵/ | ۳ " گوٹی مالا خوب صورت | ۲/ | | |
| ۲۵ " برازیل " | ۴/ | ۶ " " " " | ۴/ | البم برائے ۳۰۰ ٹکٹ | ۸ |
| ۲۵ " اسپین | ۲/ | ۳ " ہنگری " جوبلی | ۴/ | (محصول ڈاک ۲/ علیحدہ) | |

ڈاک خرچ بذمہ خریدار۔ ایک روپیہ سے کم مالیت کا وی پی ارسال نہیں کیا جاتا۔ تھوڑی رقم کے لئے ٹکٹ ڈاک سنے ارسال کریں (Perforation Gauge) ہر خریدار کو مفت ارسال کی جائے گی۔

| | |
|---|---|
| شیخ غلام رسول<br>۶۳ ریلوے روڈ۔ لاہور | Sh. Ghulam Rasul<br>63. Railway Road, Lahore. |

# یوگوسلاویہ

پچھلے[۱] مہینے کئی ہفتوں سے اخباروں میں یوگوسلاویہ کی خبریں موٹی موٹی سرخیوں کے ساتھ اخباروں میں آرہی تھیں۔ بلقان کی ریاستوں میں یہ ہے تو ایک چھوٹی سی ریاست مگر ایسی جگہ واقع ہے کہ موجودہ لڑائی میں اسے بہت اہمیت حاصل ہوگئی ہے۔ یوگوسلاویہ اصل میں ایک ملک نہیں ہے نہ اس کا یہ نام کوئی پرانا نام ہے۔ بلکہ اب سے کوئی بیس سال پہلے اور پچھلی بڑی لڑائی کے بعد سربیا اور مانٹی نگرو دو پرانی ریاستوں اور ان کے علاوہ آسٹریا ہنگری کے کئی صوبوں کروشیا، بوسینیا۔ دلماشیا و دادیا کو ملا کر ایک ملک بنا دیا گیا اور اس کا نام رکھا گیا "سرب کروٹ اور سلاوی قوموں کی سلطنت۔" اس کا موجودہ نام یعنی یوگوسلاویہ بہت بعد (۱۹۲۹ء) میں رکھا گیا۔




یوگوسلاویہ کا رقبہ پچانوے ہزار مربع میل ہے۔ اور آبادی ایک کروڑ چھپن لاکھ۔ دارالسلطنت بلگریڈ ہے۔ اس ملک میں مختلف قومیں آباد ہیں۔

۱؎ یورپ کا پورا نقشہ اس لئے دیا گیا ہے کہ تمھیں آسانی سے معلوم ہو جائے کہ یورپ میں یوگوسلاویہ کس جگہ ہے۔

۶۵ لاکھ تو سرب ہیں۔ ۴۰ لاکھ کروٹ۔ ۱۰ لاکھ سلاو ۵ لاکھ ۵۰ ہزار ہنگری کے رہنے والے۔ ۴ لاکھ جرمنی البانیہ، بلغاریہ، میسیڈونیا وغیرہ کے رہنے والے اور کوئی ۱۵ لاکھ مسلمان۔ ان قوموں کی عادتیں، رہنے سہنے کے طریقے (یعنی تہذیب و تمدن) الگ الگ ہیں۔ اور شاید اسی لئے ان مختلف قوموں میں ہمیشہ لڑائی جھگڑا رہتا ہے۔ اس آپس کے جھگڑے کی وجہ سے آج سے بارہ برس پہلے وہاں کے بادشاہ نے حکومت کے تمام اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لئے۔ اور ملک کا نام یوگوسلاویہ رکھ دیا۔

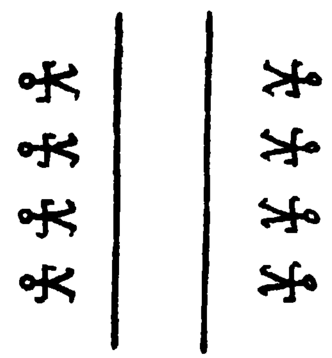
یوگوسلاویہ کوئی ایسا بڑا ملک تو ہے نہیں۔ نہ کچھ ایسا دولت مند ہے۔ لوگ زیادہ تر کھیتی باڑی کرتے ہیں۔ ابھی تھوڑے دن ہوئے سیسے اور تانبے کی کانیں بھی دریافت ہوئی ہیں۔ مگر ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ آج کل کی لڑائی میں اسے خاص اہمیت حاصل ہو گئی ہے۔ اس اہمیت کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ اس کے اور اٹلی کے درمیان بس بحرِ ایڈریاٹک حائل ہے۔ جرمنی بحرِ ایڈریاٹک سے بہت آسانی کے ساتھ بحرِ روم میں اپنے دوست اٹلی کے پاس پہنچ سکتا ہے۔ دوسرے جرمنی یوگوسلاویہ کے راستے سے یونان پر بڑی آسانی سے حملہ کر سکتا ہے۔ تیسرے جنوبی اور شمالی یوگوسلاویہ کی سرحدیں جرمنی کی سرحدوں سے ملتی ہیں۔ اور جرمنی بڑی سہولت سے اپنی فوجیں اور فوجی سامان اِدھر سے اُدھر لا اور لے جا سکتا ہے۔ اسی لئے انگریز اور جرمنی دونوں اس کوشش میں تھے کہ یا تو یوگوسلاویہ کو غیر جانبدار رکھا جائے یا اُسے اپنے ساتھ ملا لیا جائے۔ جرمنی نے کسی نہ کسی طرح ساز باز کر کے یوگوسلاویہ کو اپنی طرف ملا بھی لیا۔ مگر ملک کے لوگ جرمنی کے خلاف تھے انہوں نے اس بات کی سخت مخالفت کی۔ آخرکار وہاں کی حکومت کو استعفیٰ دینا پڑا۔ اور اس کی جگہ عام لوگوں کی مرضی کے مطابق نئی حکومت بنی۔ جرمنی اپنے بنے ہوئے کام کو یوں بگڑتے ہوئے دیکھ کر بہت جھلایا اور اس نے پوری طاقت سے یوگوسلاویہ پر حملہ کر دیا۔ یوگوسلاویہ کی فوج نے جرمنی کا بڑی بہادری سے مقابلہ کیا ... ہی سوچو ایک تو اس ننھے سے ملک کی جرمنی کے مقابلے میں بساط ہی کیا۔ پھر آج کل کی لڑائی تو سامان کی لڑائی ہے۔ اور یوگوسلاویہ کے پاس لڑائی کا ... سے نیا سامان نہیں ہے جو جرمنی کے پاس ہے ... ہوا کہ جرمنی نے زبردستی اُس کے ملک پر قبضہ ... اب بھی یوگوسلاویہ کی فوجیں جہاں موقع پاتی ... جرمنی کی فوجوں پر حملہ کر دیتی ہیں اور جرمنی کی فو... کو بہت نقصان پہنچاتی ہیں ٭

# نئے نئے کھیل

## قدم احتیاط سے رکھو

الطاف علی صاحب نگراں ورزش جسمانی جامعہ نگر۔ اوکھلا

تعداد :- ۱۰ تا ۵۰



جگہ :- ایک کشادہ کمرہ۔ صحن۔ کھیل کا میدان

طریقہ :- ۲، ۴، ۶ یا ۸ کھلاڑیوں کو کمرے سے باہر نکال کر دروازہ بند کر لیا جائے۔ باقی کھلاڑیوں کو دو قطاروں میں آمنے سامنے کھڑا کر لیا جائے۔ اس طرح کہ ایک کھلاڑی کے ٹھیک سامنے دوسرا کھلاڑی ہو۔ پھر بیچ میں کم از کم ۴ فٹ کا فاصلہ ہو۔ آمنے سامنے کے کھلاڑی اپنا ایک ایک پاؤں آگے بڑھائیں اور انگوٹھوں کو ملا لیں۔ اس کے بعد دروازہ کھول کر ایک باہر کے کھلاڑی کو اندر بلایا جائے۔ قطاروں کے ایک سرے پر جاکر اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی جائے اور اس سے کہا جائے کہ وہ دونوں قطاروں کے بیچ میں سے اس طرح گذرے کہ کسی کے پاؤں پر اس کا پاؤں نہ آئے۔ اس کے بعد قطار کے کھلاڑیوں سے اشارے سے کہا جائے کہ وہ اپنے اپنے پاؤں کو بیچ میں سے ہٹا لیں۔ جب آنکھوں پر پٹی والا کھلاڑی ان کے بیچ میں سے گذرے گا تو وہ قدم پھونک پھونک کر رکھے گا۔ اس طرح باہر کے تمام کھلاڑیوں کو باری باری اندر بلا کر کھیل کو جاری رکھا جائے اور لطف اٹھایا جائے۔

### احتیاط :-

(۱) کسی کھلاڑی کو یا کم از کم باہر والے کھلاڑیوں کو کھیل کے متعلق پہلے سے کسی قسم کا علم نہیں ہونا چاہیئے۔

(۲) پاؤں ہٹانے کا اشارہ کرنا چاہیئے۔ زور سے نہیں کہنا چاہیئے۔ بہتر یہ ہے کہ قطاروں والے کھلاڑیوں کو پہلے ہی سے ہدایات دی جائیں کہ وہ فلاں موقع پر اس طرح کریں۔ تاکہ اشارہ کرنے کی ضرورت بھی پیش نہ آئے۔

# پیام برادری

[illegible]

[illegible] جرمنی کی فوجوں [illegible]

[illegible] جرمنی نے یوگوسلاویہ کو پورے طور پر فتح کرنے کا انتظار بھی نہیں کیا [illegible]

یونان میں بہت سخت لڑائی ہورہی ہے۔ انگریز بھی یونانیوں کی پوری مدد کررہے ہیں [illegible]

کو بہت دقت پیش آرہی ہے۔ بے شمار جرمن سپاہی اب تک کام آچکے ہیں۔ باوجود اس کے ملک [illegible]

کرپائے ہیں۔ آج ۲۸ اپریل تک کی خبر ہے کہ لڑائی بہت شدت سے جاری ہے۔ یونان کا [illegible]

سے کریٹ چلا گیا ہے

افریقہ میں انگریزوں نے اٹلی کو ہر جگہ بُری طرح شکست دی ہے۔ حبشہ سے اٹلی کی فوجیں [illegible]

لہ یوگوسلاویہ والے مضمون میں یورپ کا نقشہ شائع کیا گیا ہے اُسے ضرور دیکھ لینا۔

گئی ہیں۔ اس لئے کہ اب بہت تھوڑی سی جگہ باقی رہ گئی ہے۔ جہاں اٹلی والوں کا قبضہ ہے اور جب تک پیامِ تعلیم تمہارے پاس پہنچے گا حبش اٹلی والوں سے پاک ہو چکا ہوگا۔ ہیل سلاسی شاہ حبش حبشہ کے دار السلطنت ادیس ابابا میں داخل ہو گئے ہیں اور ملک کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے۔

دوسری طرف جرمنی اٹلی کی مدد کو پہنچ گیا ہے۔ دونوں نے مل کر ایک مقام بن غازی پر قبضہ کر لیا ہے۔ انگریز اور ہندوستانی فوجیں بڑی بہادری سے دشمن کے حملے کو روک رہی ہیں۔ ادھر بلقان کی ریاستوں میں ترکی ابھی تک غیر جانب دار ہے۔ جرمنی اور برطانیہ سے بات چیت کا سلسلہ مدتوں سے جاری ہے۔ بظاہر تو اس کا جھکاؤ انگریزوں کی طرف ہے۔ لیکن آخری فیصلے کا انتظار ہے۔

ادھر ہندوستان کے پورب میں جاپان نے بہت گڑبڑ مچا رکھی ہے۔ چینیوں کو وہ برابر دبا رہا ہے۔ وہ جرمنی کا ساتھی ہے۔ روس سے بھی اس کا معاہدہ ہو گیا ہے۔ اس معاہدے سے شاید ایک فائدہ تو یہ ہوگا کہ روس اب چین کی زیادہ مدد نہ کر سکے گا۔ دوسرے امریکہ اور برطانیہ سے اس کی لڑائی ہوئی تو اطمینان سے لڑ سکے گا۔ امریکہ اور برطانیہ بھی اس بات سے بے خبر نہیں ہیں۔ برطانیہ نے سنگاپور میں پورا انتظام کر لیا ہے۔ برما میں بھی پورا انتظام ہو رہا ہے۔ انگلستان اور جرمنی پر ہوائی حملے برابر ہو رہے ہیں۔ کبھی کبھی یہ بہت شدید ہو جاتے ہیں۔ ان دونوں ملکوں کے شہریوں کے جان و مال کو ان حملوں سے بہت نقصان پہنچ رہا ہے۔

ادھر ہندوستان میں ستیہ گرہ برابر جاری ہے۔ حکومت اور ہندوستانیوں میں سمجھوتہ کرانے کی کوششیں بھی ہو رہی ہیں۔ بمبئی میں اسی لئے ایک کانفرنس بھی ہو چکی ہے۔ لیکن نتیجہ کچھ نہیں نکلا ہے۔ ڈھاکہ اور احمد آباد میں ہندو مسلمانوں میں بہت سخت فساد بھی ہو چکے ہیں۔ بہت سے لوگ بے قصور مارے گئے۔ بہت سے زخمی پڑے ہیں اور ہزاروں، لاکھوں کا مالی نقصان ہو چکا ہے۔ ہم سوائے اس کے اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ خدا ہندو مسلمانوں کو سمجھ دے۔

پچھلے مہینے جامعہ نگر دہلی میں دوسری بنیادی تعلیمی کانفرنس کامیابی کے ساتھ منعقد ہوئی۔ مشہور قومی لیڈر بابو راجندر پرشاد نے اس کا افتتاح کیا۔ ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب مجلس استقبالیہ کے صدر تھے۔ تمام ہندوستان کے صوبوں سے زیادہ نمائندے شریک ہوئے۔ ان سب نے بچوں کو پڑھانے کے بارے میں بہت اچھی اچھی تجویزیں سوچیں۔ تعلیمی نمائش بھی ہوئی اس میں مختلف صوبوں کے مدرسوں کی بنائی ہوئی چیزیں تھیں۔ یہ نمائش بھی بہت اچھی تھی۔

معما نمبر ۱ کے حل ان بچوں کے صحیح ہیں[۱]۔

## صحیح حل | اوّل انعام | فی کس عہ

(۱) مبارک زماں خاں - قائم گنج | محمد صدیق قریشی - نئی دہلی

[۱] شوالہ بہت سے بچوں نے الف سے لکھ کر بھیجا ہے۔ معما بنانے والے صاحب نے اسے ہ سے لکھا تھا۔ مگر آج کل الف سے لکھنے کا بھی رواج ہو گیا ہے اس لئے انہوں نے اسے غلطی شمار نہیں قرار دیا

(۳) سید عطاء الرحمٰن بہاری۔ دہلی
(۴) سید مصور حسین۔ دہلی
(۵) صالحہ خاتون۔ دہلی

ان بچوں کے حلوں میں ایک غلطی ہے۔

(۱) احمد ابراہیم صدیقی۔ دیوکنڈہ
(۲) خلیل الرحمٰن قدوائی۔ بارہ بنکی
(۳) ماسٹر روی ٹھکرال۔ سیتاپور
(۴) محمد عبد السبحان۔ بلند شہر
(۵) عتیق الرحمٰن۔ بڑا گاؤں
(۶) وارث رشید قدوائی۔ تعلیمی مرکز، دہلی
(۷) محمد مسعود۔ علی گڑھ
(۸) سرتاج بیگم۔ دہلی
(۹) بقاء اللہ عثمانی۔ جامعہ نگر
(۱۰) سید محمد عمر دربھنگہ۔
(۱۱) عبد الجلیل۔ بہار شریف۔
(۱۲) احسن حسن علوی۔ لکھنؤ

## انعام فی کس ۲ر

(۱۳) جمیل احمد۔ بہار شریف
(۱۴) سید عطاء الرحمٰن۔ دہلی
(۱۵) سراج المحسن۔ جامعہ نگر
(۱۶) نوُر احمد۔ دہلی
(۱۷) عبد المالک۔ دہلی
(۱۸) جمشید اختر۔ سائکلی اسٹریٹ
(۱۹) احمد حسن۔ دہلی
(۲۰) محمد عزیز الحسن۔ مرزاپور
(۲۱) محمد اسماعیل خان۔ حیدرآباد دکن
(۲۲) عثمان بیگ۔ حیدرآباد دکن
(۲۳) محمد لئیق احمد صدیقی۔ دہلی
(۲۴) ماجد علی زیدی۔ دہلی

پچھلے پرچوں میں پیامیوں سے ہم نے خواہش کی تھی کہ معمے کے بارے میں اپنی رائے اور تنقید ضرور بھیجا کریں۔ مگر بہت کم بچوں نے اس طرف توجہ کی ہے۔ اُمید ہے کہ معما نمبر ۱۸ میں بچے اپنی رائے ضرور بھیجیں گے

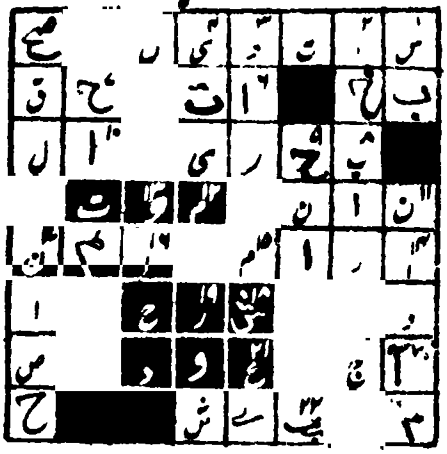
تمھارا محمد حسین حسان

# معمہ نمبر ۱۸

## پہلا انعام ...... ۶ر

## دوسرا انعام ...... للعہ

### مشقی کوپن



### دائیں سے بائیں

(۱) ۱۷ اپریل سے تعلیمی مرکز جامعہ میں ...... جماعت بھی کھل گئی ہے۔

(۲) اسی تک (الٹا)

(۷) ہمیشہ .. بات کہنی چاہیے۔

(۸) برطانیہ کے پاس اگر... طاقت نہ ہوتی تو موجودہ جنگ میں رکنا ذرا مشکل ہی تھا۔

(۱۰) اولاد

(۱۱) سچ ہے کہ ... نہیں تو جان نہیں۔

(۱۲) سب کو آتی ہے۔

(۱۳) چاہتا تو ہر شخص یہی ہے کہ .... سے زندگی بسر کرے

(۱۴) آج کل دنیا کے ... کو خطرے میں ڈالنے کی ذمہ داری زیادہ تر ہٹلر پر ہے۔

(۱۸) حسرت موہانی نے غالب کے کلام کی بہت اچھی ... لکھی ہے۔

(۲۰) .. نقد کل ادھار

(۲۱) ایک خاص لکڑی کا نام جو سیاہ رنگ کی ہوتی ہے۔

(۲۲) بعض اوقات انسان انتہائی.... میں بھی اپنے کام بگاڑ لیتا ہے۔

### اوپر سے نیچے

(۱) .. کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں
غالب

(۲) ہندوستان میں شاید ہی کوئی ایسا... ہو جو جنگ کی صحیح خبر دیتا ہو۔

(۳) جو پہلے ... کرے اسی کی جیت ہے۔

(۴) دنیا کے اکثر بڑے آدمی بچپن ہی میں .... ہو گئے ہیں۔

(۵) بچے کے ہر کام میں کچھ نہ کچھ اس کا دخل بھی ہوتا ہے

(۶) ایک سمت کا نام ہے۔

(۹) اس کا عطر مشہور ہے۔

(۱۱) ایسے شخص کو لوگ ذرا مشکل ہی سے دوست بناتے ہیں۔

(۱۳) اللہ .... ہے۔

(۱۵) شمع کی جمع (بے ترتیب)

(۱۶) اگر بچے کو ابتدا ہی میں اچھا .... مل جائے تو کیا ہی اچھا ہو

(۱۸) مشہور نوجوان شاعر

معمّا بنانے والے صاحب کا خیال تھے کہ اب کے صحیح حل بہت کم آئیں گے اِس لئے اُنھوں نے ہر صحیح حل پر انعام کا اِعلان کیا تھا۔ لیکن اُن کا خیال غلط نکلا اور بہت سے لڑکوں کے حل صحیح آئے اس کا مطلب یہ ہے کہ بچّے اس کو سمجھ گئے ہیں کہ معمّا کس طرح حل کرنا چاہیئے۔ اور معمّا بنانے والے صاحب کو اِس بات کی بہت خوشی ہے۔

# قواعد

(۱) تمام مدرسوں کے بچّے حل میں حصّہ لے سکتے ہیں۔ اُستاد یا سرپرست کی تصدیق ضروری ہے، صرف دستخط کافی ہیں۔ عبارت لکھنے کی ضرورت نہیں۔

(۲) ایک حل کے ساتھ ایک آنے کا ٹکٹ آنا ضروری ہے۔

(۳) ایک سے زیادہ حل بھی بھیجے جا سکتے ہیں۔ چار حلوں کی رعایتی فیس ۳ ر آٹھ حلوں کی ۶ ر ہے۔

(۴) دونوں انعام تقسیم کر دئے جائیں گے۔ قرعہ اندازی نہ ہوگی۔

(۵) تمام حل ۲۰ مئی تک دفتر پیام تعلیم مکتبہ جامعہ دہلی پہنچ جانے چاہئیں۔

(۶) ایڈیٹر کا فیصلہ قطعی ہوگا۔

(۷) پیام تعلیم میں چھپے ہوئے کوپن کے علاوہ اَور کوئی نہیں لیا جائے گا۔

(۸) کوپن کے چاروں طرف جو نقطے والی لائن ہے وہاں سے کاٹ کر بھیجو۔

(۹) کسی کوپن میں کوئی حرف کٹا یا مٹا ہوا ہوگا یا پنسل سے بھرا ہوا ہوگا تو مقابلے میں شامل نہ کیا جائے گا۔

(۱۰) ایک لفافے میں صرف ایک نام سے معمّے آنے چاہئیں۔

(۱۱) علاوہ کوپن اَور ٹکٹ کے لفافے میں کوئی خط وغیرہ نہ ہونا چاہیئے

(۱۲) معمّا حل کرنے سے پہلے اشارے غور سے پڑھو۔

(۱۳) ایک خانے میں دو حرف نہ ہوں۔

(۱۴) دال اَور ڈال کا فرق نمایاں ہو (د۔ ڈ)

(۱۵) چھوٹی ی اَور بڑی ے کا فرق لازمی ہے۔ (ی۔ ے)

(۱۶) جہاں جہاں نقطے کا استعمال ہو وہاں نقطہ ضرور ہونا چاہیئے۔

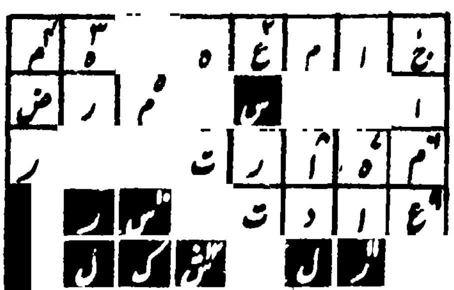
(۱۷) اِملا کی غلطی بھی شمار کی جائے گی۔

(۱۸) تمام حل ڈاک خانے کے لفافے پر بھیجے جائیں۔

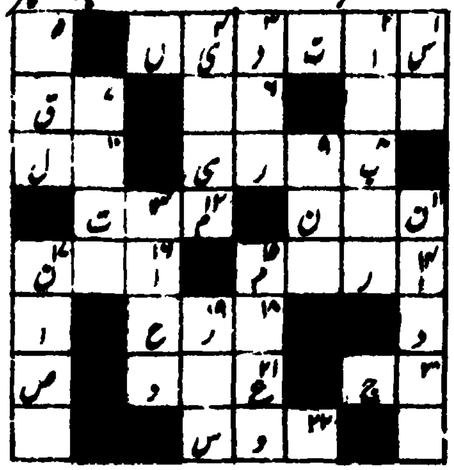
(۱۹) نام اَور پورا پتہ صاف اَور خوش خط لکھو۔

(۲۰) پتہ :- سب ایڈیٹر، پیام تعلیم، مکتبہ جامعہ قرول باغ، نئی دہلی

## معمّا نمبر ۱۷ کا صحیح حل



معما نمبر ۱۸ کوپن نمبر



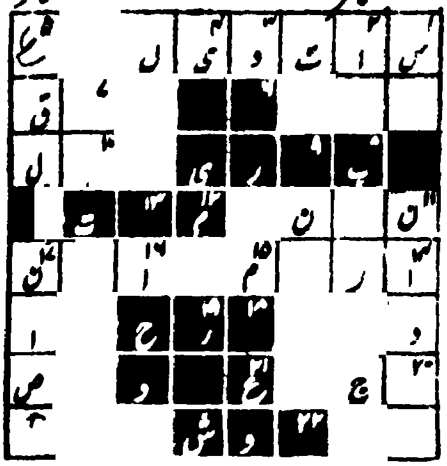
نام ..........................

پتہ ..........................

تصدیق ..........................

ٹکٹ ..........................

معما نمبر ۱۸ کوپن نمبر



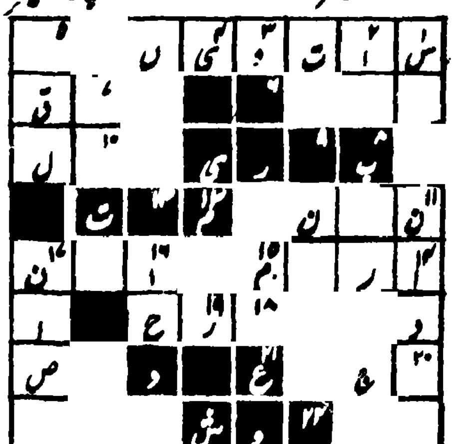
نام ..........................

پتہ ..........................

تصدیق ..........................

ٹکٹ ..........................

معما نمبر ۱۸ کوپن نمبر



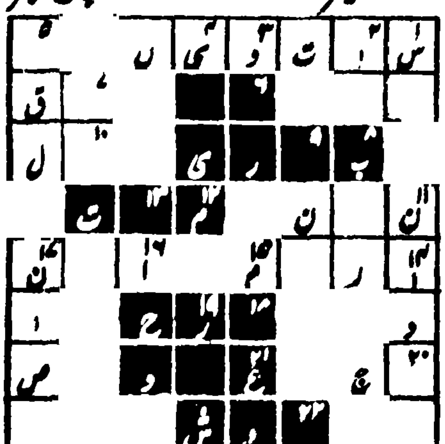
نام ..........................

پتہ ..........................

تصدیق ..........................

ٹکٹ ..........................

معما نمبر کوپن نمبر



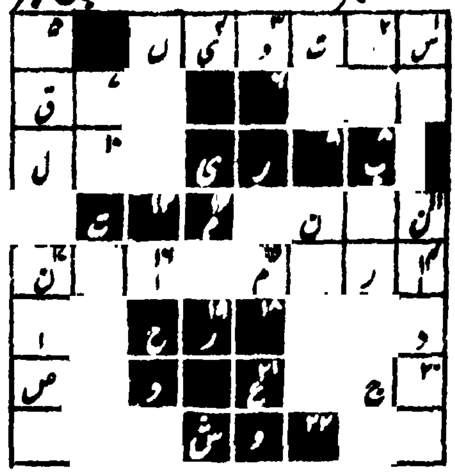
نام ..........................

پتہ ..........................

تصدیق ..........................

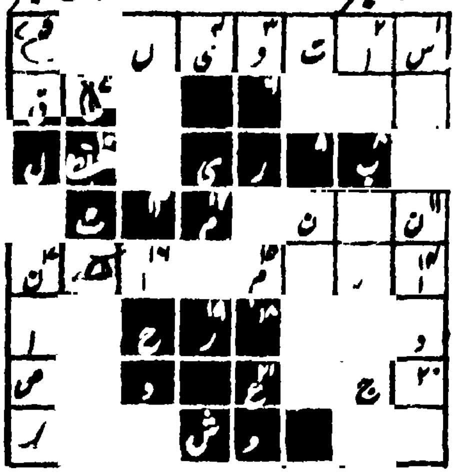
ٹکٹ ..........................

کوپن نمبر
معما نمبر ۱۸



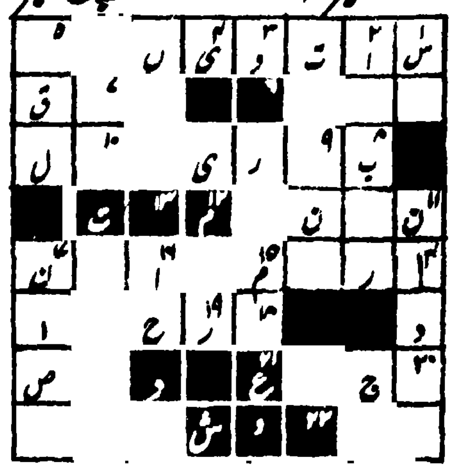
نام ..........................................
پتہ ..........................................
تصدیق ..........................................
ٹکٹ ..........................................

کوپن نمبر
معما نمبر ۱۸



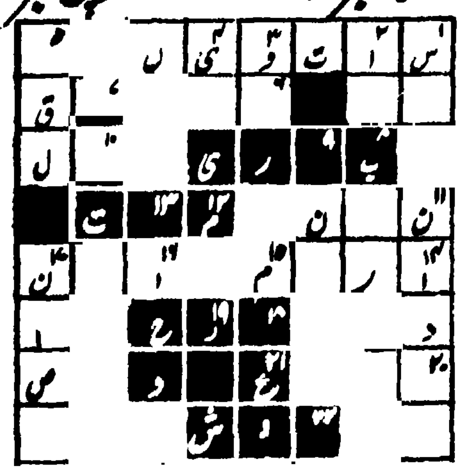
نام ..........................................
پتہ ..........................................
تصدیق ..........................................
ٹکٹ ..........................................

کوپن نمبر
معما نمبر ۱۸



نام ..........................................
پتہ ..........................................
تصدیق ..........................................
ٹکٹ ..........................................

کوپن نمبر
معما نمبر ۱۸



نام ..........................................
پتہ ..........................................
تصدیق ..........................................
ٹکٹ ..........................................



محمد ثناء اللہ چغتائی

نبیرہ اسماعیل خاں

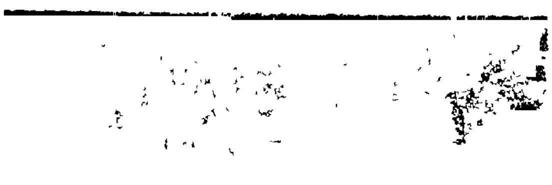


فصیح الدین آگرہ



نہا رہے ہیں

(مرسلہ عبدالوحید بمبئی)



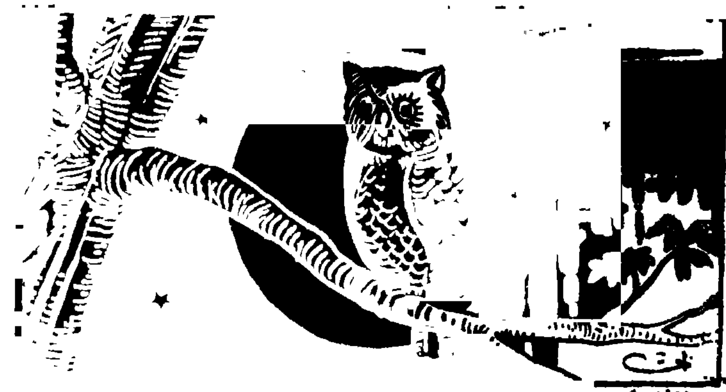
جنگ سائی تالاب کا ایک نظارا

(مرسلہ فضل محمد ٹاٹا نگ

**Regd. L. No. 1961**

بچوں کے لئے یہ دونوں مزے دار کہانیاں ابھی ابھی چھپی ہیں ہر ایک کی قیمت [illegible]

# پرندوں کا ایکا



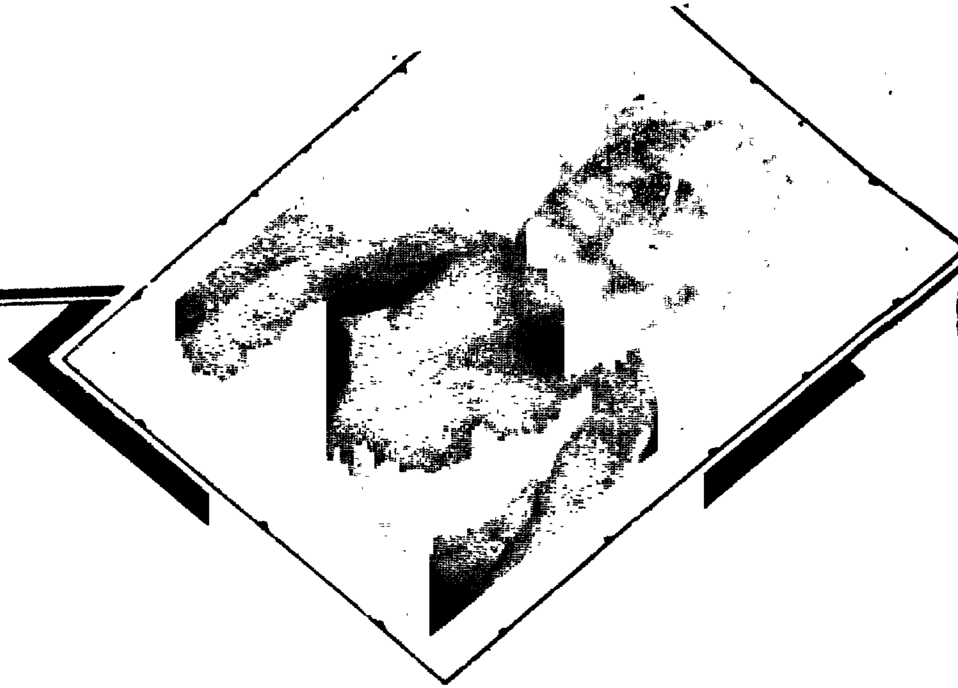


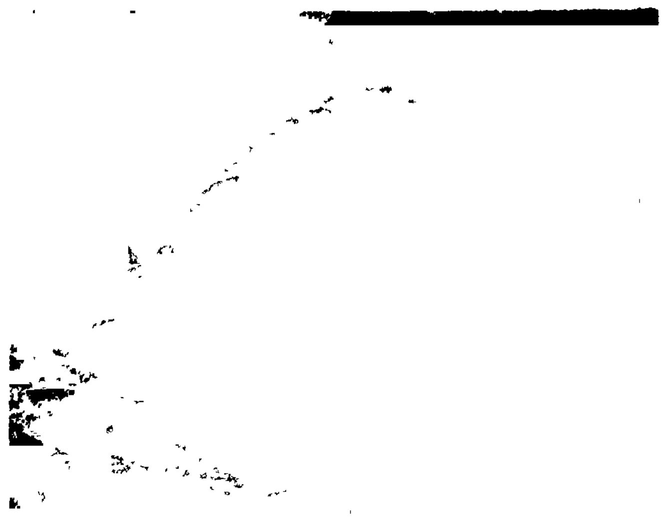
# ننھا ٹٹو



مکتبہ جامعہ دہلی

# پیام





ملٹری ریت کے بوروں کے بنے ہوئے دروازے میں (ہوائی بچاؤ)



ہوا مار توپ
(ہوائی بچاؤ)

نزاکت حسین شکوہ آباد

حقہ

مرسلہ عبدالصمد بمبئی

# پیام تعلیم دہلی

جلد ۲۴ نمبر ۶

ایڈیٹر
محمد حسین حسان


## فہرست مضامین جون سنہ ۴۱ء




پرنٹر و پبلشر ڈاکٹر سید عابد حسین ایم اے پی ایچ ڈی۔ محبوب المطابع پریس دہلی۔

# بچّوں سے باتیں

ایڈیٹر

پچھلے پرچے میں ایک مضمون چھپا تھا مرین ڈرائو
مضمون کے سِلسلے میں دو تین تصویریں بھی چھپی تھیں۔
ان تصویروں کے نیچے مرین ڈرائو لکھ دیا گیا تھا۔ اس کا
مطلب یہ تھا کہ یہ تصویریں اس مضمون (مرین ڈرائو)
کے سِلسلے کی ہیں۔ مگر بعض بچوں کو یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ یہ
عمارتیں بھی مرین ڈرائو ہی میں ہیں۔ حالانکہ یہ شہر کے
دوسرے حصّوں میں ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ اب ان
بچّوں کی غلط فہمی دور ہو جائے گی۔

---

کچھ عرصے سے لڑائی کے ہتھیاروں اور سامان پر عزیزی
عبدالحبیب سلمہ کے مضمون شائع ہو رہے ہیں۔ یہ وقت کی
چیز ہے اور سبھی پیامی اسے بہت پسند کر رہے ہیں۔ ان
مضمونوں کا سلسلہ آیندہ بھی جاری رہے گا۔ ہم عبدالحبیب
صاحب کا دلی شکریہ ادا کرتے ہیں کہ وہ اپنے پیامی بھائیوں
کے لئے ایسے مفید اور دلچسپ مضمون اِس قدر محنت
اور توجہ سے لکھتے ہیں۔

---

اِس پرچے میں یوں تو سبھی مضمون اچھے ہیں۔ مگر
کانٹ۔ ننھی ہمدھن۔ اور اوکھلے سے غازی آباد خاص طور
پر مفید اور دلچسپ ہیں۔ اُمید ہے کہ پیامی انھیں دلچسپی
سے پڑھیں گے۔

---

اِس مرتبہ بچّوں کی کوششوں کے لئے دو ہی صفحے
نکل سکے ہیں اور کئی مضمون باقی ہیں۔ یہ اگلے پرچے میں چھپیں گے
بچّے اپنے مضمون بہت صاف اور خوش خط لکھ کر بھیجیں۔
مضمون جتنا مختصر ہوگا۔ اتنا ہی جلد چھپ سکے گا

---

پیامی تصویریں چھپنے کے لئے برابر بھیجتے رہتے ہیں
یہ عموماً یا تو بہت معمولی درجے کی ہوتی ہیں یا پھر ایسی خراب
چھپی ہوئی ہوتی ہیں کہ ان کا بلاک اچھا نہیں بن سکتا
تصویریں جس قدر گہرے، اکالے اور چمکیلے رنگ کی ہوں
گی اتنا ہی اُن کا بلاک اچھا بنے گا۔

---

ٹائٹل کے لئے تصویر بھیجتے وقت پیامی چند باتوں کا
خیال رکھیں۔ تصویر* ٹائٹل کے تصویر والے حصّے سے
کسی قدر بڑی ہو۔ لمبائی چوڑائی سے بہر حال

---

* تصویر یا تو کسی خاص منظر کی ہو یا کسی خاص تاریخی عمارت کی۔

# مادرِ دکن

حضرت بڑی بیگم صاحبہ قبلہ (مادرِ دکن) والدہ محترمہ حضور نظام مدظلہ العالی کا انتقال بروز یک شنبہ تاریخ ۱۳ اپریل ۱۹۵۱ء مطابق ۶ ربیع المنور ایک بج کر ۴۰ منٹ پر ہوا۔

انّا للہ و انّا الیہ راجعون ط

انتقال پُرملال کے بعد اعلیٰ حضرت حضور نظام مدظلہ العالی کا فرمان جو شائع ہوا اس میں سے کچھ حصّہ یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

"میں بصد دلی قلق یہ اعلان کرتا ہوں کہ میری حقیقی والدہ صاحبہ قبلہ جن کا نام اُمتہ الزہرا بیگم تھا، بہ عُمر ۸۰ سال کم وبیش ۲ ماہ علالت کے بعد قضا کر گئیں۔ اناللہ وانّا الیہ راجعون۔ گذشتہ سال ان پر بیماری کا جو سخت حملہ ہوا تھا۔ اس وقت بھی جاں بری کی توقع کم تھی مگر چونکہ عُمر کے دن ان کے پورے نہیں ہوئے تھے لہذا ان کو صحت نصیب ہوئی۔ مگر ساتھ ہی اس دوَر میں ان کی صحت جیسی چاہیے ویسی نہیں رہی۔ اس کی وجہ کبر سنی واضمحلال قویٰ اور سابق میں اصل مرض ذات الجنب تھا (دوسرے مضر اجزا کی شرکت کے ساتھ) اور اس دفعہ تپ لازم تھی (بوجہ خرابی جگر وگردہ وغیرہ)، مگر حالت دفعتہً جو خطرناک ہوئی تو اس کی وجہ شش پر سردی کا حملہ تھا۔ جو کہ اندروں ایک ہفتہ ہوگیا تھا۔ کسی نہ کسی سبب سے جس کی وجہ سے بخار میں بے انتہا حدت بڑھ گئی تھی۔ جس کی وجہ سے کمزور قلب نے اس حملے کو برداشت نہ کرکے جواب دے دیا یعنی اُن کی روُح نے "اعلیٰ علیین" کی طرف یوم یک شنبہ ۱۵ ربیع الاول شب کے ڈیڑھ بجے پرواز کی۔ اور اس آسانی کے ساتھ اُس نے جسم سے مفارقت کی کہ دیکھنے والوں کو اس کا احساس بھی نہ ہوسکا کہ کب اور کس طرح سے یہ نکل گئی جو کہ نیک بختوں کے حصّے میں ایسی "مرگ سعادت" آتی ہے۔

خیر مضے ما مضے کہ ہر ایک جان دار کو ایک نہ ایک دن موت کا سامنا کرنا ہے کہ بغیر اس کے چارہ کار نہیں۔ دوسری طرف الحمد للہ کہ جملہ مراتب دنیوی ان کو حاصل ہو چکے تھے (دو دورِ حکومت میں) لہٰذا مزید کسی دوسری نعمت کے حصول کی تمنا باقی نہیں رہی تھی اور اگر بالفرض کوئی تمنا تھی تو ایک ہی امر کی کہ جس طرح سے اُن کے بیٹے نے ان کے حین حیات ان کی خدمت کی تھی۔ وہ چاہتی تھیں کہ آخری خدمت بھی (منزلِ مقصود تک کی) وہی انجام دے کہ اکثر اس کی دعا مانگتی رہتی تھیں اور یہ دعا قبول ہوئی۔

محترمہ بڑی بیگم صاحبہ مرحومہ مذہب کی بہت پابند تھیں۔ خیر خیرات بھی زیادہ کرتی تھیں۔ اعلیٰ صفات کی نیک بی بی تھیں۔ اسی وجہ سے عوام آپ کو مادرِ دکن کے نام سے یاد کرتے رہے ہیں۔
انتقال پرانی حویلی میں ہوا۔ اسی میں آپ رہتی تھیں۔ نماز جنازہ بھی وہیں ادا کی گئی۔ تجہیز و تکفین مسجد جودی میں عمل میں آئی۔

جس وقت لوگوں کو یہ خبر پر ملال پہنچی ہر ایک نے اپنا اپنا کاروبار بند کر دیا اور پرانی حویلی کے چاروں طرف جمع ہونا شروع ہوئے۔ ان میں ہر مذہب کے لوگ شامل تھے۔ تقریباً سوا پانچ بجے نماز جنازہ ادا کی گئی۔

ساڑھے پانچ بجے جنازہ پرانی حویلی کے باہر لایا گیا۔ جنازے کے ہمراہ اعلیٰ حضرت بندگانِ عالی اور شہزادہ سر اعظم جاہ بہادر وغیرہ پیدل چل رہے تھے۔ مجمع اس قدر تھا کہ راستہ چلنا مشکل تھا۔ اعلیٰ حضرت بندگانِ عالی کو ایک حلقے میں لے لیا گیا۔ حیدرآباد میں اتنا بڑا مجمع کبھی دیکھنے میں نہ آیا کھوے سے کھوا چھلتا تھا۔ اعلیٰ حضرت بندگانِ عالی نے پیدل چار میل کا سفر طے کیا۔

اعلیٰ حضرت حضور نظام بندگانِ عالی نے والدہ کی خدمت گذاری کا جو عملی نمونہ قائم فرمایا ہے اس کی مثال مشکل سے ملتی ہے۔ آپ روزانہ اپنی والدہ ماجدہ کے پاس جاتے تھے۔ بلکہ والدہ ماجدہ کی بیماری میں روزانہ کئی مرتبہ دن رات میں آپ کے پاس جاتے تھے جو ایک مثال تھی کہ ہر ایک فرزند کو کس طرح ماں کی خدمت بجا لانی چاہیے۔

(عبد الحیٔ - حیدرآباد دکن)

# برائی کا بدلا

جناب کامل صاحب۔ سابق ایڈیٹر شاہد بمبئی

گرمیوں کے تھے مہینے بند تھے کل مدرسے — لو کے ڈر سے اپنے گھر میں تھے چھپے چھوٹے بڑے
تھا مہینہ جون کا ہر اک پریشاں حال تھا — دھوپ کی شدت سے سبزہ باغ کا پامال تھا
شدتِ گرما سے چوپائے نکالے تھے زباں — پیٹ پانی ہی سے بھرتا تھا ہر اک پیر و جواں
پھونکتی تھی سینۂ عالم کو گرمی کی تپش — ہورہی تھی الغرض محسوس ہر دل میں خلش
کوئی بھی باہر نکلنے کا نہ کرتا تھا خیال — ہاں ایازِ شوخ کو تھا گھر میں رہنے کا ملال
فاختہ کے مارنے کا دھیان تھا اس کو بندھا — اور ماں، بھائی بہن کو دل ہی دل میں کوستا
گھر میں چپکے لیٹے لیٹے اس کا جی گھبرا گیا — اور جب وہ سارے گھر والوں کو سوتا پاگیا
چپکے سے پھر اپنی چپل ہاتھ میں لے کر اٹھا — اور دبے پاؤں نکل کر اک طرف کو چل دیا
دوپہر کی وہ ہوائے گرم، شدتِ دھوپ کی — ایسے عالم میں شرارت ایک جانب سے چلی
وہ اچھلتا کودتا محمود کے گھر پر گیا — اور پھر دروازے پہ یوں آکے چلانے لگا
کھول دو دروازہ اے محمود! آیا ہے ایاز — اک خبر اچھی نئی دلچسپ لایا ہے ایاز
سن کے یہ محمود فوراً گھر سے باہر آگیا — اور اس حالت میں اپنے دوست کو پایا کھڑا
تھی غلیل اک ہاتھ میں اور جیب میں غلے پڑے — جانگیہ پہنے ہوئے تھا ہاتھ کانوں پہ دھرے
آنکھوں ہی آنکھوں میں کیا جانے انھوں نے کیا کہا — ہم نہیں سمجھے خدا جانے انھوں نے کیا کہا
ہوگئے تیار چلنے کو وہ دونوں بے گماں — دو قدم آگے بڑھے ہی تھے کہ فوراً ناگہاں
سامنے سے آگئے محمود کے والد نظر — دونوں گھبرائے کہ اب جائیں کہاں بھاگیں کدھر
لائے پھر محمود کو سمجھا کے گھر آخر نیاز — چھٹ گئے اک دوسرے سے آہ محمود و ایاز

ہوکے اب مجبور تنہا باغ کی جانب چلا — غور سے چاروں طرف کچھ دیکھتا تکتا ہوا
بے زباں ننھے پرندے خشک پتوں میں چھپے — پیڑوں پر بیٹھے ہوئے تھے پر کو پھیلائے ہوئے
چپکے چپکے اک شجر کے پاس وہ آکر رُکا — ہاتھ اُس کا تھا تنفّس کی وجہ سے کانپتا
آنکھ بائیں بند کرکے لاکے سینے تک زبر — ایک وانستہ نشانہ اُس نے مارا تاک کر
پھڑپھڑا کر خوف کھا کر ایک دم بے ساختہ — سہمی گھبرائی ہوئی فوراً اُڑی اک فاختہ
چند سوکھے پتّے اُس دم کھڑکھڑا کے گر پڑے — چوٹ سے غلّے کے لوٹے اور نیچے گر پڑے
ایک تو چڑیا کے اُڑ جانے کا تھا اُس کو ملال — دوسرے اپنے زبر کے ٹوٹ جانے کا خیال
ہوکے شرمندہ غرض جب اپنے گھر کو وہ چلا — یعنی یوں کہئے کہ تھا انگور کا کھٹّا ہوا
تھی یہ حالت دھوپ کی ذرّے تھے شعلوں سے سوا — لو کے جھونکے چل رہے تھے یا تھی دوزخ کی ہوا
جل رہا تھا آسماں بھی اور تپتی تھی زمیں — اب ایاز احمد کو اپنی نانی یاد آنے لگیں
باپ کے ڈر سے پریشاں حال گھبرایا ہوا — آرہا تھا گھر کی جانب دل میں شرمایا ہوا
گھر پہ آکر اور دروازے سے پہلے جھانک کر — اپنے گھر والوں کو خوب اچھی طرح سے بھانپ کر
چپکے چپکے دھیرے دھیرے چارپائی پر گیا — دونوں آنکھیں بند کرکے دیر تک لیٹا رہا
لگ گئی تھی لو اُسے اُس کو چڑھا تھا اب بخار — اور اس تکلیف سے وہ ہو رہا تھا بے قرار
جب کہ گھر والوں نے سُن پایا یہ سارا ماجرا — باری باری سب نے اُس کو خوب ہی ڈانٹا بکا
رات بھر وہ اپنی اِس تکلیف سے روتا رہا — اس طرف محمود خوش خوش رات بھر [illegible]

جو کوئی ماں، باپ کا کہنا کبھی سنتا نہیں — اور جو اپنے بزرگوں کا کہا [illegible]
بد دُعائیں بے زبانوں کی جو لیتا ہے کوئی — اور جانداروں کو جو تکلیف [illegible]
اِک نہ اِک دن وہ سزائے سخت پاتا ہے ضرور — اُس کا یہ جور و ستم اُس کو [illegible]

اک مثل ہے ظلم کی ٹہنی میں پھل آتا نہیں
سچ یہ ہے جور و ستم خالق کو بھی بھاتا نہیں

# کانٹ

ریاض الاسلام صاحب
بی۔اے

کانٹ کا نام پڑھ کر بہت سے بچے سوچ رہے ہوں گے یہ کسی جانور کا نام ہے! بعضے شاید یہ سمجھیں گے کہ یہ کوئی کھانے کی چیز ہے۔ لیکن کانٹ نہ جانور ہے اور نہ کھانے کی چیز۔ یہ ایک بہت مشہور فلسفی کا نام ہے جو اب سے کوئی ڈیڑھ سو سال پہلے جرمنی میں رہتا تھا۔ بعض بچے پوچھیں گے کہ فلسفی کسے کہتے ہیں؟ فلسفی اُسے کہتے ہیں جو فلسفے کا ماہر ہو۔ لیکن فلسفہ کسے کہتے ہیں؟ یہ بڑا ٹیڑھا سوال ہے۔ بس یوں سمجھو کہ کسی چیز کی اصلیت کے کھوج لگانے کو فلسفہ کہتے ہیں۔ دنیا میں بہت سے لوگ کھاتے ہیں، پیتے ہیں، کماتے ہیں اور پھر عمر پوری کر کے مر جاتے ہیں اور کبھی کچھ سوچنے کی کوشش نہیں کرتے۔ لیکن کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو سوچتے ہیں کہ ہم کیوں پیدا ہوئے، کس لئے پیدا ہوئے۔ دنیا کس طرح پیدا ہوئی، دنیا کس طرح بنائی گئی وغیرہ وغیرہ۔ اسی قسم کے سوچنے والے لوگوں کو فلسفی کہتے ہیں۔

یورپ کے کسی ملک میں اتنے زبردست فلسفی پیدا نہیں ہوئے جتنے جرمنی میں۔ کانٹ جرمنی کا اور سنئے زمانے کا سب سے بڑا فلسفی سمجھا جاتا ہے۔ اس کا فلسفہ سمجھنا بہت مشکل ہے۔ لیکن اس کی زندگی کے بعض واقعات بہت دلچسپ ہیں۔

کانٹ کا بچپن غریبی میں گذرا۔ اس کو ابتدائی تعلیم حاصل کرنے میں بہت دقتیں پیش آئیں۔ لیکن اس نے ان دقتوں کا مقابلہ بڑی ہمت سے کیا۔ بچپن ہی سے اس نے دو باتیں اپنے دل میں طے کر لی تھیں۔ ایک تو یہ کہ وہ کسی سے مدد نہ مانگے گا، دوسرے یہ کہ وہ ہر ایسا کام کرنے کے لئے آمادہ رہے گا جس سے وہ ایمان داری کے ساتھ روزی کما سکے۔ ان دونوں باتوں پر وہ آخر تک قائم رہا۔

اعلیٰ تعلیم اس نے جرمنی کی ایک بڑی سی یونیورسٹی میں حاصل کی۔ تعلیم حاصل کرنے کے بعد اُسے اسی یونیورسٹی میں ایک اعزازی پروفیسری مل گئی (یعنی نام کو تو پروفیسر ہو گئے لیکن تنخواہ ایک کوڑی نہیں)۔ بڑی مشکل سے ٹیوشن کر کر کے اس نے پانچ سال گذارے۔ اس کے بعد یونیورسٹی سے تنخواہ بھی ملنے لگی۔ لیکن یہ اتنی تھوڑی

تھی کہ کانٹ کا کام بڑی مشکل سے چلتا تھا۔ کانٹ کو قہوے کا بڑا شوق تھا لیکن اس کی تنخواہ اتنی نہ تھی کہ وہ قہوے کا خرچ نکال سکے۔ اس کے لئے اس نے یہ ترکیب کی کہ تین لڑکوں کو نجی طور پر پڑھاتا تھا، اس شرط پر کہ اُن میں سے ایک قہوہ لائے، دُوسرا دودھ اور تیسرا شکر۔ اس طرح کانٹ کا قہوہ تیار ہوتا تھا۔

کانٹ وقت کا بے حد پابند تھا۔ اس کے متعلق یہ قصہ مشہور ہے کہ لوگ اُسے دیکھ کر اپنی گھڑیاں ملایا کرتے تھے۔ وہ رات کو ٹھیک گیارہ بجے بستر پر لیٹ جاتا تھا۔ تین منٹ کے اندر اُسے نیند آ جاتی۔ ٹھیک صبح ۵ بجے اُٹھتا اور ایک پائپ پیتا۔ زندگی بھر اس نے روزانہ صبح کے ایک پائپ کے علاوہ کبھی دُوسرا پائپ نہیں پیا۔ پھر ۹ بجے تک وہ لکچر (سبق) کی تیاری کرتا اور ۹ سے دوپہر کے ایک بجے تک یونیورسٹی میں لکچر دیتا۔ ایک سے ڈیڑھ تک کھانے کا وقت تھا۔ پہلے کانٹ ایک ہوٹل میں کھانا کھایا کرتا تھا۔ لیکن وہاں لوگ اس سے باتیں کرتے اور کانٹ کھاتے وقت بات کرنا پسند نہ کرتا تھا، اِس لئے تنگ آ کر آخر اُس نے گھر پر کھانا شروع کر دیا۔ ڈیڑھ سے ساڑھے تین بجے تک ٹہلنے کا وقت تھا جس سڑک پر وہ ٹہلنے جاتا تھا وہ اب فلسفی کی سڑک کے نام سے مشہور ہے۔ وہ ٹہلنے میں ہمیشہ ۵ میل کا فاصلہ طے کرتا تھا۔ ساڑھے تین سے رات کے گیارہ بجے تک کا وقت سوچ بچار اور پڑھنے کے لئے وقف تھا۔

کانٹ صرف وقت ہی کا پابند نہ تھا بلکہ اور بہت سی عادتوں میں بھی اِسی طرح پابند تھا۔ اِس کے محلّے میں ایک گرجا تھا۔ اس کی بُرجی اس کے مکان کی کھڑکی میں سے نظر آتی تھی۔ کانٹ اس کھڑکی میں بیٹھ جاتا اور بُرجی کی چوٹی پر نظر جما کر سوچ بچار کیا کرتا۔ ۱۵ سال برابر اس کا یہی دستور رہا۔ اس عرصے میں کسی محلّہ دار نے کانٹ کے گھر اور گرجا کے درمیان کچھ درخت بو دئے۔ یہ درخت آہستہ آہستہ بڑھتے رہے اور پندرہ سال میں بہت بڑے ہو گئے۔ ایک روز کانٹ جب اپنی کھڑکی میں سوچنے کے لئے بیٹھا تو اُسے گرجا کی چوٹی نظر نہ آئی۔ درختوں کی ٹہنیوں نے اسے بالکل ڈھانپ لیا تھا۔ کانٹ نے اپنے پڑوسی سے التجا کی کہ خدا کے لئے اپنے درخت کاٹ دو۔ اگر بُرجی مجھے نظر نہ آئی تو میں کچھ بھی نہ سوچ سکوں گا میرا دماغ بے کار ہو جائے گا اور میری زندگی ہو جائے گی۔ پڑوسی کو یہ سُن کر [illegible] لیکن اُس نے کانٹ کی خاطر [illegible] دئے۔ کانٹ اس کے بعد [illegible] کر سوچ بچار کرتا رہا۔

کانٹ کی ایک اور عادت [illegible] لکچر (سبق) دیتا تو کسی طالب علم کے [illegible] بٹن پر نظر جما لیتا تھا ایک روز [illegible] کا وہی بٹن ٹوٹ کر کہیں گر گیا۔ کانٹ [illegible]

کرنا چاہا تو وہ بٹن نہ پایا۔ بٹن کے نہ ہونے سے اُس کے خیالات پریشان ہوگئے اور وہ لکچر نہ دے سکا۔

کانٹ بہت تھوڑے لوگوں سے ملتا تھا۔ اس کا صرف ایک دوست تھا۔ اس کا نام گرین تھا۔ یہ ایک انگریزی تاجر تھا۔ اس نے کانٹ کی اکثر موقعوں پر مدد کی۔ مزے کی بات یہ کہ گرین کانٹ سے بھی زیادہ وقت کا پابند تھا۔ ایک بار گرین نے کانٹ کو ۸ بجے بلایا تاکہ دونوں گرین کی گاڑی میں بیٹھ کر سیر کرنے جائیں۔ ٹھیک ۸ بجے گرین اپنی گاڑی میں روانہ ہوگیا۔ کانٹ کو ۲ منٹ کی دیر ہوگئی تھی، وہ گرین کو رستے میں ملا۔ گرین نے اُسے اپنی گاڑی میں جگہ دینے سے انکار کر دیا۔ لیکن اس بات پر دونوں میں جھگڑا نہ ہوا اور دونوں کی دوستی ویسے ہی قائم رہی۔

کانٹ کا ٹہلنے کا وقت مقرر تھا اور چالیس سال کے عرصے میں صرف دو بار وہ وقت پر ٹہلنے نہ جا سکا۔ ہمیشہ اکیلا جاتا تھا۔ کبھی کسی کو ساتھ نہ لیتا تھا۔ ٹہلنے کے وقت اس کا ملازم لیمپ چھتری لگا کر اس کے ساتھ جاتا۔ کانٹ خود ٹھنگنا اور بدصورت تھا لیکن اس کا ملازم بہت لمبا تڑنگا آدمی تھا۔ لیمپ نے کانٹ کی ۴۰ سال خدمت کی۔ مرنے سے ۲ سال پہلے کانٹ کو معلوم ہوا کہ لیمپ نے اُسے حساب کے معاملے میں ہمیشہ دھوکا دیا ہے۔ اس پر کانٹ نے خفا ہوکر اُسے نکال دیا۔ لیمپ نے کہا "پروفیسر صاحب سب نوکر اپنے آقاؤں کو دھوکا دیتے ہیں۔ میں نے کون سی نئی بات کی ہے؟" لیکن کانٹ اُسے دوبارہ رکھنے کے لئے تیار نہ ہوا۔ لیمپ نے کہا "پروفیسر اگر تم مجھے ملازم نہیں رکھتے تو پھر مجھے پنشن دو۔ ورنہ تم مانو یا نہ مانو میں زبردستی تمہاری خدمت کروں گا۔" آخر کار کانٹ نے اُس کی پنشن مقرر کر دی۔ جو اُسے باقی تمام عمر ملتی رہی۔

کانٹ چالیس سال برابر سوچ بچار کرتا رہا، لیکن اُس نے کوئی کتاب نہ لکھی۔ وہ اپنے دوستوں کو خطوں میں لکھتا رہا کہ اب میں ایک ایسی زبردست کتاب لکھنے والا ہوں کہ اس جیسی کتاب نہ اب تک لکھی گئی ہے اور نہ آئندہ کبھی لکھی جا سکے گی۔ سال پر سال گزرتے چلے گئے۔ لیکن یہ کتاب کانٹ کے دماغ ہی میں رہی۔ آخر کار ۶۰ سال کی عمر میں وہ کتاب لکھنے بیٹھا۔ جو چیز اُس نے ۴۰ سال میں سوچی تھی وہ تین مہینے میں لکھ دی۔ اس کے بعد کانٹ نے چند اور کتابیں لکھیں جن کا سب کام اُس نے ۶ سال میں پورا کر لیا۔ اس کے بعد وہ تقریباً ۱۵ سال اور زندہ رہا لیکن اُس نے کوئی نئی کتاب نہ لکھی۔ یہی نہیں بلکہ اس نے سوچنا بھی چھوڑ دیا۔ اس کے بعد وہ بجائے فلسفے کے معمولی کتابیں دل بہلانے اور وقت گذارنے کے لئے پڑھا کرتا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ فلسفے کا سارا علم میں نے اپنی کتابوں میں لکھ دیا ہے۔ اب اور کوئی نئی بات معلوم نہیں ہو سکتی۔ میرے بعد کے آنے والے

لوگوں کا بس یہ کام ہوگا کہ جو کچھ میں نے لکھ دیا ہے اُسے آسان بنا کر دوسروں کو سمجھائیں۔" یہ دعوے تو غلط ہے لیکن اِس میں کوئی شک نہیں کہ یورپ میں ابھی تک کوئی فلسفی ایسا پیدا نہیں ہوا جس پر کانٹ کے خیالات کا گہرا اثر نہ پڑا ہو۔

# رام پور

# میں

# بچّوں کا میلہ

اسکول کے بچّوں نے فیصلہ کیا کہ وہ رام پور کے بچّوں کی دلچسپی کے لئے عید الضحیٰ کے بعد ۱۱ جنوری کو ایک میلہ کریں گے۔ ۱۰ جنوری تک میلے کی تمام تیاریاں پوری ہو ہی گئیں۔ ۱۱ جنوری کو عالی مرتبت صاحب ہوم منسٹر بہادر نے بچّوں کے میلے کا افتتاح کیا اور اپنی تقریر میں بچوں کے کام کی تعریف فرمائی۔ میلے میں چار دوکانیں اور ایک ہوٹل تھا۔ دو کانوں پر کھلونے، سردی کے موسم میں کام آنے والے موزہ، بنیان، کتابیں اور چاٹ کے بکنے کا انتظام تھا۔ ہوٹل میں چائے کے ساتھ کیک پھل اور میوے وغیرہ کا بھی انتظام تھا۔ اس میلے سے رام پور کے بچّوں نے اس قدر دلچسپی لی کہ اسے ۱۲ جنوری کو بھی جاری رکھنا پڑا۔ اور دوسرے دن تو ہر مدرسے کے بچّے آئے اور میلے کی گرماگرمی میں شریک ہوئے۔

ماڈل اِسکول کے بچّوں نے میلے کے انتظام کے ساتھ اپنا تعلیمی کام بھی جاری رکھا اور میلے کے سلسلے میں انھوں نے جو سوالات کئے تھے، جو تصویریں، مٹی کے کھلونے اور ماڈل بنائے تھے اور عید اور حج کے متعلق جو معلومات حاصل کی تھیں ان کی نمائش بھی کی۔ یہ چیزیں بہت سے مہمانوں اور بالخصوص عالی مرتبت صاحب ہوم منسٹر بہادر کو بہت پسند آئیں۔ عالی مرتبت صاحب ہوم منسٹر بہادر نے بچّوں کی دوکان سے متعدد چیزیں خریدیں اور کھلونوں کی دوکان سے ماڈل اسکول کے تمام بچوں کے لئے ایک ایک کھلونا خرید کر اپنی طرف سے بطور تحفہ پیش کیا۔

(محکمہ تعلیم ریاست ۔ رام پور)

# ننھی سمدھن

سید ابو تمیم - فرید آبادی

وہ بیچاری ایک دن دلہن کے ساتھ آئی۔ وہ دن اور آج کا دن سارا گھر سمدھن کہنے لگا۔ اب تک کہتا ہے۔

میں بھی سمدھن کہتا ہوں۔ مگر مزے دار بات یہ ہے کہ میری سمدھن کی عمر کوئی پانچ سال کی ہے۔ وہ ذرا توتلی ہیں۔ اور کافی عقل مند۔ دل سے بیچاری مجبور ہیں۔ اس دل کی خاطر بہت تکلیف اٹھاتی ہیں۔ بڑا ہی نرم دل ہے۔ ہر ایک سے اُن کو ہمدردی ہو جاتی ہے۔ ہمارے ہاں اکثر آتی ہیں۔ آسیہ خانم سے اُن کا بہنا پا ہے۔ جب آتی ہیں آسیہ کی گڑیوں کی اتنی خدمت کرتی ہیں کہ کیا بتاؤں۔ آسیہ خانم جب ان کے ہاں جاتی ہیں تو کسی گڑیا کی ٹانگ چیر دیتی ہیں یا دوپٹہ پھاڑ دیتی ہیں۔ مگر سمدھن کا دل میلا نہیں ہوتا۔

ایک دن ہمارے ہاں گڑیوں سے کھیلتے کھیلتے اُن کا دل گھبرا گیا۔ آسیہ کا دل تو بہت پہلے سے گھبرا چکا تھا۔ برابر کے مکان میں تفریح کرنے چلیں۔ آسیہ خانم نے منظر میاں کو بھی ساتھ لے لیا۔ یہ منظر میاں بڑے فتنہ ہیں۔ چار سال کی عمر ہے مگر بوٹی بوٹی تھرکتی ہے۔

کچھ دیر تک سب کھیلتے رہے۔ اچانک رونے کا شور اُٹھا۔ شور تو ہمارے گھر میں ماشاء اللہ ۲۴ گھنٹے رہتا ہے مگر یہ شور اس زور کا تھا کہ سب گھر والے گھبرا کر اور بھی شور کرنے لگے۔ "ہائے ہائے مار ڈالا"۔ "ہائے بچی" "دوہی اللہ خونم خون کر دیا" "اے کوئی آنا" کی آوازیں اتنے زور سے آنے لگیں کہ گھر میں بیٹھنا مشکل ہو گیا۔ میں نے صحن کی طرف دیکھا تو کوئی درجن بھر بچے۔ ہر قد اور ہر عمر کے سہمے ہوئے چلے جا رہے تھے اور سمدھن پوری طاقت سے رو رہی تھیں۔ بڑی عمر کی عورتیں پوری طاقت سے چیخ رہی تھیں۔ پڑوسی مہمان، کنجڑن اور بوا جمّن اس طرح بول رہی تھیں جیسے لاکھوں کے مجمع میں تقریر کر رہی ہیں۔ میں نے بھی گلا صاف کر کے اور کھنکار کے پوری طاقت سے چیخ کر پوچھا۔

"کیا بات ہے۔ کیا ہوا؟۔ سمدھن کیوں رو رہی ہیں؟"

گھر کے ہر کونے سے جواب ملنے لگا۔ مگر اتنے جواب آگے پیچھے ملے کہ کچھ پتہ نہ چلا:۔

"تو تم بیٹھے ہو۔ واہ بیٹے شاباش........"

"دوی میاں ظلم کرتے ہو۔ دیکھتے نہیں........"

"چچا جان کیا کہتے ہیں یہ آپ کی سمدھن ہیں نا۔ کیا کہتے ہیں۔ جی ہاں اُن کے......"

"اے بھائی دوڑو۔ خدا کے واسطے، پالی پوسی بچی ہائے ہائے ظلم........"

"میراں جی کی قسم۔ چھوٹے میاں لہولہان کر دیا مٹ جائے اللہ مارا۔

"بھائی میاں، وہ ہے نا چچا مقبول کا کتا، وہ ہمارے کالو کا بیٹا ......"

"مٹ جائے یہ کالو کی اولاد۔ محلہ بھر........"

"نہیں جی کالو کا کیوں ہوتا........"

"بھائی مقبول کا نہیں ہے وہ۔ ظہور کا ہے ہاں اللہ کی قسم........"

"لڑکی کا بُرا حال ہوا جا رہا ہے۔ تم کمرے سے نکلو تو سہی........"

"نہیں نہیں چچا مقبول کا ہے وہ۔ گردن کے نیچے سفید دھاری ہے........"

"کیا سنگ دل مردوا ہے۔ مڑ مڑ دیکھ رہا ہے........"

آخری فقرہ پھپھو کا تھا اور پہلا چچی کا۔ باقی فقروں کا پتہ نہیں کون بولا اور کہاں سے بولا میں نے سوچا کہ اگر ایک منٹ بھی اور ٹھہرا تو پھپھو اپنی لکڑی جس کے بل وہ راستہ طے کرتی ہیں پھینک کر ماردیں گی۔ چنانچہ اس بھیڑ میں جا گھسا۔ سمدھن کا سیدھا کان خون سے بھرا ہوا تھا۔ گردن پر بھی خون تھا۔ اور سر سے بھی خون بہتا نظر آتا تھا۔ روئی کی صدری خوب خون میں تر تھی۔ بچاری کا کان کٹ گیا تھا۔ ابھی میں اس دیکھ بھال سے فارغ نہ ہوا تھا کہ پھر پھپھو اور چچی نے لعن طعن شروع کی:۔

"کیا جب وہ مر جائے گی جبھی تم ہلوگے؟"

"بیٹا کوئی تم ڈاکٹر تو ہو نہیں۔ بس دیکھ چلے سر کو۔"

پڑوسن بولیں۔ "اگر میں نہ پہنچوں تو لڑکی کا خاتمہ تھا۔"

کسی بچے نے کہا۔ "پرسوں ہماری آپا کے بھی اُس نے پکّا بھرا تھا۔"

پھپھو نے پڑوسن کو جواب دیا:۔ "تم نے تو بچا لیا، مگر یہ لڑکا اس بچی کا خاتمہ ہی کروا کے رہے گا۔ دیکھتی نہیں ہو؟"

میں نے سمدھن کو گود میں لیا اور گھر سے دوڑنا شروع کر دیا۔ میرے پیچھے بچے بھاگے۔ گلی سے نکل کر بڑے رستے پر آیا تو مُلا جی ملے۔ پوچھا "خیر تو ہے؟" میں نے کہا "خیر ہے۔" آگے سقہ ملا۔ پوچھا "کیا ہوا

میاں کہاں بھاگ رہے ہو؟" آگے بڑھا ملا "اجی میاں جی ذرا ہم غریبوں کی بھی سُن لو۔" میں نے قدم آہستہ کرکے پوچھا "سُنا بھئی تو بھی سُنا" کہنے لگا "کیا بات ہے۔" میں نے کہا کوئی بات نہیں" اَنڈلا کر بولا "اپنے بنئے سے چھپاتے ہو۔ (خون دیکھ کر) اور رام رام"

غرض ہر قدم پر سوال ہوا۔ جواب کیا دیتا۔ خبر ہی نہ تھی کہ کیا ہوا۔ سمدھن اس طرح رو رہی تھی گویا ریڈیو بج رہا ہے۔ یہ ریڈیو بھی نہیں تھکتا۔ اور سمدھن بھی نہیں تھکیں۔ بارے شفا خانہ آیا۔ ڈاکٹر صاحب غائب تھے۔ دل میں آئی کسی سے لڑ جاؤں۔ مگر لڑائی کا موقع نہ تھا۔ میر صاحب کمپونڈر نظر پڑے میں نے کہا۔ "اجی ذرا لپک کر آؤ۔ بڑا سخت معاملہ ہے۔" وہ اپنی معمولی رفتار ہی سے آئے۔ پہلے تو سمدھن کو دھمکایا پھر مجھ سے کہنے لگے "گھبرانے کی کیا بات ہے۔" میں نے کہا "گھر بھر گھبرا رہا ہے" جواب دیا "اینہہ ان عورتوں کا کیا ہے"۔ مگر جب سمدھن کا کان بیچ میں سے کٹا دیکھا تو سناٹے میں آئے کہنے لگے ٹانکے لگانے پڑیں گے۔ مگر ہمارے ہاں سوئی بہت موٹی ہے۔

میں نے کہا "اتنا سا تو بچاری کا کان ہے۔"

پوچھا "ہوا کیا"

میں نے کہا "خبر نہیں"

سمدھن بولیں "تتے نے کاٹ لیا۔"

میں نے پوچھا "کتے کے پاس تم کیوں گئی تھیں"

بولیں "آچیا تو کاتنے آ رہا تھا۔ ہم نے تجی سے مالا"

کمپونڈر صاحب نے کان دھونا شروع کیا اور سمدھن نے چیخنا۔ روتی جاتی تھیں اور اماں کے پاس جانے کا تقاضا کرتی جاتی تھیں

"میں نے پوچھا "اماں کیا کریں گی۔ وہ تو الٹا تم کو ماریں گی۔"

سمدھن نے روتے روتے کہا: نہیں۔ اماں تتھا لگا دیں دیں۔ (کتھا لگا دیں گی)"

کمپونڈر صاحب ان جھگڑوں قصوں سے بے پروا اپنا کام کرتے رہے۔ جب پٹی کا وقت آیا تو معلوم ہوا شفا خانے میں پٹی ختم ہو چکی ہے۔ ایک ملازم بازار کپڑا لینے دوڑا۔ سمدھن کو اپنا دوپٹہ یاد آ گیا مجھ سے کہنے لگیں "بھائی وان۔ ہمارا دوپٹہ آپ کے دھر میں ہو دا۔ منگا لو۔ اُس کی پٹی باندھ لینا۔"

اتنے پٹی آنے میں نے ساتھ آنے والے بچوں سے پوچھا کہ بھئی یہ کیا قصہ ہوا۔

سمدھن روتے روتے بول پڑیں "ہم تو کھیل رہے تھے۔ آچیا نے اُس تتے تو مالا۔ وہ بھاد نہیں۔ ہم نے اس تو بھدایا تو ہم کو کاٹ لیا۔ دیتھا بھائی دان کان کاٹ لیا۔ اللہ ترے مل جائے وہ تتا۔"

مٹھائیوں کے لالچ سے سمدھن کے آنسو رکے اُن کی اماں کے ہاں بھیجا گیا۔ دوسرے دن ایک اور شفا خانے لے جا کر ٹانکے لگوائے۔ مگر ٹانکوں سے

پہلے سمدھن کی مٹھی میں قلاقند کی پڑیا دی گئی۔ اور جب ان کو لٹایا گیا اور جب تک ٹانکے لگے۔ برابر مٹھائی کا ذکر ہوتا رہا ............" بہت ساری مٹھائی لیں گے۔ بس سارے جی کی ساری اتنی ننھی سی سمدھن کو دیں گے۔ خوب کھانا۔ ہاں؟ اگر بچ جائے تو ہم کو بھی ذراسی دے دینا۔" آخری فقرے کا جواب انھوں نے یہ دیا کہ "نہیں آپ تو نہیں۔ ہم تو آپیا کو دے دیں۔"

میں نے مان لیا۔ بولا "اچھا آسیہ کو دے دینا لیکن پھر بھی بچ جائے تو؟" اس پر وہ راضی تھیں۔ آسیہ کی بچی کھچی دینے پر تیار تھیں۔ بچاری کے تین ٹانکے لگے۔ ہر ٹانکے پر بل بلا جاتی۔ میں فوراً حلوائی کی دکان کا ذکر شروع کر دیتا۔

اس واقعے کا تمام بچوں پر بہت اچھا اثر پڑا۔ اب کوئی بچہ کُتے کے پاس نہیں پھٹکتا۔ اور سمدھن تو کُتے کی صورت دیکھتے ہی دبک جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ بہت نفع کی یہ بات ہوئی کہ کمیٹی نے دو تین کالے کُتے مروا دئے۔

آج تک یہ بات نہ کھلی کہ سمدھن کے کان کا قاتل ظہور کا کُتا تھا یا بھائی مقبول کا کُتا۔ جب اس قصے کا ذکر آتا ہے کانگریس اور مسلم لیگ کی طرح دو پارٹیاں بن جاتی ہیں۔ دونوں پارٹیاں قسمیں کھاتی ہیں۔ دلیلیں دیتی ہیں۔ مگر فیصلہ نہیں ہوتا۔ حالانکہ دونوں کُتے مارے جا چکے ہیں۔

---

کچھ دنوں سے بچوں کا رسالہ پھول اور بچوں کے دوسرے رسالوں میں مولوی شفیع الدین صاحب نیر کی نظمیں دوسرے ناموں سے برابر چھپ رہی ہیں۔ یہ بہت بُرا مرض ہے جو بچوں میں پھیل رہا ہے۔ پھول کے تازہ پرچے میں ایک نظم چھپی ہے "میری اچھی اماں جان" یہ نظم پیامِ تعلیم کے سالگرہ نمبر [illegible] میں چھپ چکی ہے۔ اور شاید خود ایڈیٹر صاحب کی نظر سے بھی گذری ہوگی۔

ہمیں اُمید ہے کہ رسالوں کے ایڈیٹر صاحبان آیندہ زیادہ احتیاط رکھیں گے۔

ایڈیٹر





# ہوائی بچاؤ

محمد عبد الحسیب۔ حیدرآبادی

دشمن کو دھوکا دینے کے لئے آج کل عجیب عجیب دلچسپ طریقے اختیار کئے جاتے ہیں۔ مثلاً برفیلے میدانوں کے سپاہیوں کو سفید لباس پہنایا جاتا ہے۔ عمارتیں ایسے رنگوں سے رنگ دی جاتی ہیں کہ بم برسانے والے ہوائی جہاز دھوکا کھا جاتے ہیں۔ توپ کو چھپانے کے لئے اس پر ایسی جالی ڈال دی جاتی ہے جس پر پتوں کے نشان ہوں۔ فوجی پڑاؤ اور کل دار گاڑیوں کو ایسی ہی بڑی جالیاں اڑھا دیتے ہیں۔ اوپر سے درختوں کی ٹہنیاں، گھاس اور چھوٹی چھوٹی جھاڑیاں ڈال دیتے ہیں۔ ایسی جگہیں دور سے سبزہ زار معلوم ہوتی ہیں اور ہوائی حملے سے بچ جاتی ہیں۔ توپیں گنجان جھاڑیوں میں چھپا دیتے ہیں۔ پگ ڈنڈیوں کو بھی چھپانا پڑتا ہے۔ جھاڑیوں کے قریب پگ ڈنڈی ختم ہو جائے تو ہوا باز سمجھ جاتا ہے کہ یہاں ضرور فوجی ہتھیار چھپے ہوئے ہیں۔ اس لئے ان پگ ڈنڈیوں کو دھوکا دینے والی جالیوں کے ذریعے دوسرے گاؤں کی پگ ڈنڈیوں سے ملا دیا جاتا ہے۔

بڑی بڑی عمارتوں پر تھوڑے تھوڑے فاصلے سے کچھ اس طرح رنگ کر دیا جاتا ہے کہ یہ عمارتیں گاؤں کی جھونپڑیاں معلوم ہوتی ہیں۔ کارخانوں کی چمنیاں بھی اسی طرح چھپا دی جاتی ہیں۔ ایسی جھونپڑیوں اور جنگلوں کا سایہ صبح، شام، دوپہر ہر وقت ایک ہی طرف رہتا ہے۔ اگر ہوائی جہاز دن بھر ایک ہی جگہ اڑتے رہیں تو یہ بھید کھل جاتا ہے۔ انھی ترکیبوں سے بعض دفعہ جھوٹ موٹ کی توپیں اور شہر بنائے جاتے ہیں۔ اور دشمن کے بم خواہ مخواہ برباد ہوتے ہیں۔ ہوائی جہازوں کو چھپانے کے لئے یا تو ہوائی اڈوں کی عمارتیں رنگ دی جاتی ہیں یا شہروں میں ان [illegible] میں کھڑا کر دیتے ہیں۔

رات کے وقت شہروں کی روشنی گل کر دی جاتی ہے تاکہ ہوائی جہازوں کو کچھ پتہ نہ چل سکے۔ بچے، بوڑھے، عورتیں اور وہ لوگ جن کا رہنا شہر میں ضروری نہیں ہے دیہات میں بھیج دئے جاتے

ہیں۔ شہر میں رہنے والی آبادی کے لئے زمین کے اندر پناہ گاہیں بنائی جاتی ہیں۔ ریت کے تھیلوں کے کمرے بھی بنائے جاتے ہیں۔ جب ہوائی حملے کا خطرہ ہوتا ہے تو بھونپو یا گھنٹی بجائی جاتی ہے تاکہ لوگ محفوظ جگہوں میں چلے جائیں۔

شہری اور فوجی لوگوں کے ایسے دستے بنائے جاتے ہیں۔ جو بمباری کے بعد ملبہ اٹھانے آگ بجھانے زہریلے دھوئیں کے اثر کو دور کرنے اور زخمیوں کی امداد کا کام کرتے ہیں۔

شہروں میں ہوائی جہازوں کو نیچے گرانے کے لئے ہوامار توپیں بھی ہوتی ہیں۔ جب تک ہوائی جہاز اڑتے رہتے ہیں یہ ہوامار توپیں برابر ان پر حملے کرتی رہتی ہیں۔

ان توپوں کے چلانے میں بہت سے آلوں سے مدد لی جاتی ہے۔ ایک قسم کا بڑا سا کیمرا ہوتا ہے۔ جب ہوائی جہاز کیمرے میں نظر آتا ہے تو خود بخود جہاز کی اونچائی رفتار اور سمت معلوم ہو جاتی ہے۔ یہ آلہ توپچی کو بجلی کے ایک تار کے ذریعے بتاتا ہے کہ نشانہ کہاں لگنا چاہیئے۔ اس کام میں اس آلے کو ایک اور آلے سے مدد ملتی ہے۔ ان توپوں کی زد سے بچنے کے لئے ہوائی جہاز سیدھا نہیں اڑ سکتا۔ بلکہ اِدھر اُدھر بل کھاتا ہوا اڑان کرتا ہے۔ بعض وقت تو ایک ہی آلہ دو چار ہوامار توپوں سے ملا ہوتا ہے۔ اور اس طرح ایک وقت میں ہوائی جہاز پر چاروں طرف سے گولہ باری ہوتی ہے۔

ایک دوسرے آلے سے ہوائی جہاز کا پتہ لگایا جاتا ہے۔ اسے آواز نما کہتے ہیں۔ آواز سننے کے لئے بڑے دھاتی کٹورے آلے کی اوپری جانب دونوں طرف ہوتے ہیں۔ آواز نما ایک گاڑی پر لگایا جاتا ہے تاکہ جہاں ضرورت ہو لے جایا جائے۔ اس آلے کا رخ جس طرف چاہیں پھیر سکتے ہیں۔ جب دشمن کے ہوائی جہاز آ پہنچتے ہیں تو آلہ اس وقت تک گھمایا جاتا ہے کہ دونوں طرف کے کٹوروں میں سے برابر کی آواز سنائی دے۔ اس کے بعد جہاز کی اونچائی اور اڑان کی سمت خود بخود معلوم ہو جاتی ہے۔ روشنی کے مقابلے میں آواز کی رفتار بہت سست ہوتی ہے۔ اس بات کا خیال ہوامار توپچی رکھتا ہے کہ آواز کی رفتار ہی سے گولا باری میں خلل نہ آئے۔ آواز نما بادلوں کے وقت اور رات کے اندھیرے میں مفید ہے۔ جب کہ کیمرے سے کام نہیں لیا جا سکتا [illegible]
دوربینوں اور میدانی توپوں کو [illegible]
ایک اور قسم کے آواز نما استعمال [illegible]
کھوج لگانے والی روشنی [illegible]
کے وقت استعمال کی جاتی ہے [illegible]
ہو جائے کہ ہوامار توپیں نشانہ [illegible]
روشنی کا لیمپ کام کے دوران [illegible]
ہے۔ اسے کئی طریقوں سے ٹھنڈا کیا جاتا [illegible]

دفعہ ہوائی جہاز اس روشنی کے اندر آجاتا ہے تو لیمپ اس بات کی کوشش کرتا ہے کہ ہمیشہ ہوائی جہاز روشنی کی زد میں رہے تاکہ شکاری ہوائی جہاز یا ہوا مار توپیں اسے نشانہ بنا سکیں۔ اسی قسم کی روشنی سے سمندری جہاز اندھیرے میں ہوائی جہازوں اور آب دوزوں کا پتہ لگایا کرتے ہیں۔

اس سلسلے میں غبارہ کشتی بھی عجیب چیز ہے۔ یہ تقریباً دس ہزار فٹ اونچی اڑ سکتی ہے۔ غبارے ہوائی جہازوں کو اونچی اڑان پر مجبور کرتے ہیں کم بلندی سے یہ جہاز اڑیں تو ہوا مار توپیں انھیں نشانہ نہیں بنا سکتیں۔ اور پھر یہ جہاز بغیر کسی خطرے کے نشانے پر بم پھینک سکتے ہیں۔ یہ غبارے ضرورت کے وقت جلد نیچے اتر سکتے ہیں۔ کچھ کچھ وقفے سے غبارہ معائنہ اور ہائیڈروجن بھرنے کے لئے اتار لیا جاتا ہے۔ غبارے ایسے ہوائی جہاز کی شکل کے ہوتے ہیں جس کے اگلے بازو اور اگلا پنکھا نہ ہو۔ پتنگ کی طرح اس کی ڈوریاں بھی بالکل نیچے ہی ہوتی ہیں۔ اسی لئے کبھی کبھی اونچائی سے اڑنے والے جہاز ان بے دیکھی ڈوریوں میں الجھ کر برباد ہو جاتے ہیں۔

# نیکی کا بدلا

محمد رفیق - ثانوی اوّل - تعلیمی مرکز جامعہ

کسی گاؤں میں ایک غریب لوہار رہتا تھا۔ اُس کی دو بیٹیاں تھیں - بڑی لڑکی کا نام حمیدہ تھا، چھوٹی کا نام سعیدہ - ماں باپ سعیدہ کو بہت چاہتے تھے - یہ رحم دِل اوّر نیک مزاج تھی - ایک دفعہ سعیدہ نے کہا "اماں میں نانی کے یہاں جاؤں گی" ماں بولی "بیٹی شوق سے جاؤ" وہ نانی کے یہاں جا رہی تھی تو راستے میں اُسے دریا ملا - دریا اس سے بولا "بیٹی میری کاہی صاف کرتی جا" اس نے جواب دیا "بہت اچھا" اوّر ساری کاہی صاف کر دی - پھر راستے میں ایک پیپل ملا - بولا "بیٹی کہاں جا رہی ہو" اس نے کہا "نانی کے ہاں جا رہی ہوں" پیپل بولا "میری جڑ میں جھاڑو دیتی جاؤ" اس نے جھاڑو دے دی - چلتے چلتے راستے میں ایک حلوائی کی دکان آئی وہ بولا "بیٹی کہاں جا رہی ہو" سعیدہ نے کہا "نانی کے ہاں جا رہی ہوں" حلوائی کہنے لگا "ذرا آگ جلا دو" اُس نے آگ جلا دی - اوّر نانی کے مکان کی طرف جانے لگی - ابھی زیادہ دوّر نہ گئی تھی کہ ایک بڑھیا ملی" کہنے لگی:- "میرے سر میں جوئیں ہو گئی ہیں ذرا اِن کو نکال دو" سعیدہ نے جوئیں نکال دیں اوّر نانی کے گھر کی طرف روانہ ہو گئی - نانی کے ہاں پہنچ کر نانی کو آداب کیا نانی نے بہت سی دُعائیں دیں - اس نے نانی کے ہر کام میں ہاتھ بٹایا - دو تین دن رہنے کے بعد نانی سے گھر جانے کی اجازت مانگی - اُنھوں نے جواب دیا "آج نہیں کل چلی جانا" نانی نے اس کے ہاتھ پاؤں میں مہندی لگائی، چوڑیاں پہنائیں - دو تین جوڑے کپڑوں کے دے کر رخصت کیا - وہ اپنے گھر جا رہی تھی کہ راستے میں وہی بڑھیا ملی - اوّر بولی "بیٹی اللہ کرے تیرے ماتھے پر چاند اوّر ٹھوڑی پر ستارے" اس کے بعد وہ آگے گئی - راستے میں وہی حلوائی ملا اوّر کہنے لگا "جس قدر جی چاہے مٹھائی لیتی جاؤ" سعیدہ نے بہت سی مٹھائی ساتھ لے لی اوّر بہت سی مٹھائی کھالی - آگے بڑھی تو پیپل ملا - بولا بیٹی میرے نیچے بہت سی دوّلت ہے وہ سب تم نیچے سے لے لو - سعیدہ نے نیچے سے دوّلت نکال لی - آگے دریا

ملا۔ اس نے کہا "یہ ہیرے موتی لے جاؤ" سعیدہ نے وہ ہیرے موتی بھی لے لئے۔ ان سب چیزوں کو لے کر وہ گھر آئی۔ ماں باپ یہ دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ خدا کا شکر ادا کیا اور سعیدہ کو بہت دعائیں دیں۔ یہ دیکھ کر حمیدہ کے دل میں حسد پیدا ہوا اور سوچنے لگی کہ میں نانی کے گھر جاؤں اور اتنی ہی دولت لے کر آؤں۔ حمیدہ نے اپنی ماں سے کہا "اماں میں بھی نانی کے ہاں جاؤں گی" ماں نے کہا "جاؤ" وہ جانے لگی راستے میں اُسے وہی دریا ملا اور کہنے لگا "لڑکی میری کائی صاف کرتی جاؤ" حمیدہ نے جواب دیا "دور پار اتنی دیر میں تو میں نانی کے ہاں پہنچ جاؤں گی" یہ کہہ کر وہ چلی گئی۔ آگے پھر وہی پیپل ملا۔ اور بولا "بیٹی میری جڑ میں ذرا جھاڑو دیتی جاؤ" اُس نے جواب دیا "دور پار اتنی دیر میں تو میں نانی کے ہاں پہنچ جاؤں گی" یہ کہہ کر وہ چلی گئی چلتے چلتے پھر وہی حلوائی ملا۔ اور کہنے لگا "بیٹی میری آگ جلاتی جا" اُس نے جواب دیا "دور پار اتنی دیر میں تو میں نانی کے ہاں پہنچ جاؤں گی" یہ کہہ کر وہ آگے بڑھی کہ وہی بڑھیا ملی۔ کہنے لگی "بیٹی میرے سر کے جوئیں نکال دو" حمیدہ نے جواب دیا "دور پار۔ اتنی دیر میں تو میں نانی کے ہاں پہنچ جاؤں گی" نانی کے ہاں جا کر حمیدہ نے آداب کیا۔ اور نہ کچھ کام کیا۔ بس جا کر پلنگ پر لیٹ گئی۔ دو، تین دن رہی اور کہنے لگی "اب میں جاتی ہوں" نانی نے کہا "اچھا" نہ مہندی لگائی نہ چوڑیاں پہنائیں۔ ویسے ہی رخصت کیا راستے میں وہی بڑھیا ملی۔ اور کہنے لگی۔ خدا کرے تیرے ماتھے پر دو سینگ نکل آئیں۔ اب راستے میں وہ جس جس کے پاس جاتی سب بد دعائیں دیتے گھر جاتے جاتے دو سینگ بھی نکل آئے ماں باپ یہ دیکھ کر بہت گھبرائے جب حمیدہ نے اپنا قصہ سنایا اور سعیدہ نے اپنا قصہ سنایا تو ماں باپ کہنے لگے "نیکی کرو۔ اور نیکی پاؤ۔ برائی کرو۔ برائی پاؤ" سعیدہ نے نیکی کی۔ نیکی پائی۔ تم نے برائی کی برائی پائی۔ بزرگوں نے سچ کہا ہے۔

"جیسا کرو گے ویسا بھرو گے"



# ہندوستانی مہینے

خلیل الرحمٰن مستقیمی۔ سرائے میر

پچھلے پرچے میں تم نے ایک مضمون پڑھا ہوگا "گیارہ دن کا نقصان" بہت دلچسپ اور مفید مضمون تھا۔ اس میں ہندوستانی مہینوں کا ذکر بھی آگیا تھا۔ آج کل تو انگریزی مہینوں کا چلن کچھ اتنا زیادہ ہوگیا ہے کہ بہت سے پیامیوں کو تو ہندوستانی مہینوں کے شاید نام بھی نہ معلوم ہوں۔ اپنے انھی پیامیوں کے لئے ہم ان ہندوستانی مہینوں کا تھوڑا سا حال لکھتے ہیں۔ ان مہینوں کے نام یہ ہیں۔

(۱) چیت (۲) بیساکھ (۳) جیٹھ (۴) اساڑھ (۵) ساون (۶) بھادوں (۷) کنوار (۸) کاتک (۹) اگہن (۱۰) پوس (۱۱) ماہ (۱۲) پھاگن

ان مہینوں کا رواج دیہات میں زیادہ ہے ہمارے کسان انھی مہینوں سے کام لیتے ہیں۔ ان کا سال چیت کے مہینے سے شروع ہوتا ہے۔ جس طرح دوسرے ملکوں میں سال کا پہلا مہینہ مبارک سمجھا جاتا ہے اسی طرح چیت کا مہینہ ہمارا مبارک مہینہ ہے۔ اس مہینے میں جاڑا رخصت ہونے کو ہوتا ہے اور گرمی آنے کے لئے تیار رہتی ہے۔ اس مہینے میں ربیع کی فصل اپنی جوانی پر پہنچ جاتی ہے اور پودوں کی ڈالیاں جھوم جھوم کر عجب سماں پیش کرتی ہیں۔ اس وقت کسانوں کے دلوں کی خوشی کا کیا پوچھنا جب کسان اپنے کھیت کے سامنے سے گذرتا ہے تو کھڑی ہوئی فصل دیکھ کر اس کا دل باغ باغ ہوجاتا ہے۔ اس مہینے میں کچھ دنوں کے بعد کسان اپنی فصل کاٹتے ہیں یہ وقت بھی بہت ہنسی خوشی کا ہوتا ہے۔ ان کی عورتیں گیت گا گا کر اور ان کے لڑکے ناچ کود کر ان خوشیوں میں شریک ہوتے ہیں۔ چیت کے مہینے میں ہر کسان اپنے کو دولت مند اور خوشی کے خزانے کا مالک سمجھتا ہے۔

چیت کے بعد بیساکھ کا مہینہ آتا ہے۔ دیکھنے میں تو یہ بھی سہانا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن لو گرمی اسی مہینے میں تشریف لاتی ہیں۔ سورج کی کرنیں تیز ہو جاتی ہیں۔ کام کرتے وقت بدن پسینے سے تر ہو جاتا ہے۔ کپڑوں سے بدبو آنے لگتی ہے۔ لیکن بھئی! کسان تو ہی

سے گھبراتے نہیں۔ وہ تو برابر کام کئے جاتے ہیں۔

پھر جیٹھ کا مہینہ شروع ہوا اور بھی قیامت آ گئی۔ دن رات ایک بے کلی سی ہے۔ کام کرنے کو جی نہیں چاہتا۔ دوپہر کو گھر سے نکلے تو آنکھوں کی پلکیں بھی جل جائیں۔ میدانوں اور کھیتوں میں آگ سی برس رہی ہے۔ ہر شخص سایہ ڈھونڈتا ہے۔ پیاس بہت لگتی ہے اور ٹھنڈا پانی ایک نعمت ہے۔ ہر وقت یہی جی چاہتا ہے کہ نہایا کرو۔ دن جوں توں کر کے ختم ہوا تو رات آئی۔ مچھروں کی فوج بھن بھن کرتی آ پہنچی۔ ادھر گرمی اُدھر مچھروں کی یورش نیند کیا خاک آئے۔ رات رات بھر کروٹیں بدلتے گذر جاتی ہے۔

اساڑھ کا مہینہ آندھیاں لے کر آیا۔ کچھ دنوں کے بعد کالے کالے بادل بھی دکھائی دینے لگے۔ دل کے کنول کھل گئے۔ کسانوں کی اُمیدیں بر آئیں۔ گرمی کی امس گئی۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں چلنے لگیں لیکن کبھی ان بادلوں کو پُروا ہوا اُڑا لے جاتی ہے تو پھر گرمی آ پہنچتی ہے۔

ساون کا مہینہ برکھا رُت کا پیغام لے کر آیا۔ بادل کی چڑھائی ہوئی۔ چھم چھم چھم چھم پانی برسا۔ دل کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ کسان کندھوں پر پھاوڑا لے کر دھان کی کیاریوں میں پہنچ گئے۔ ہر ایک نے اپنی اپنی کیاری کی مینڈیں ٹھیک کیں۔ اب دھان بوئے جائیں گے۔ جوار، باجرہ اور مکئی، تلی وغیرہ بھی بوئی جانے لگی۔ باغوں میں آم پکنے شروع ہو گئے۔ لال، پیلے اور زرد، سب طرح کے۔ سیندوریا آم دیکھ کر تو منہ میں پانی بھر آتا ہے۔ رکھوالے باغوں میں پھونس کی ایک ایک منڈھی ڈالے ہوئے ہیں۔ آم درختوں سے ٹپ ٹپ گرتے ہیں۔ اُن کے چننے میں بڑا مزا آتا ہے

ادھر گاؤں میں ہر طرف بہار ہی بہار ہے۔ بچے بچیاں، نوجوان اور بوڑھی عورتیں سب مل کر ساون منا رہی ہیں۔ جھولے پڑے ہوئے ہیں اور ان پر ساون گایا جا رہا ہے۔ لڑکوں کی الگ جماعت ہے۔ لڑکیاں الگ ٹولی بنا کر جھولا جھول رہی ہیں۔ کوئل اور پپیہے اپنے رس بھرے گیت سنا رہے ہیں۔ تالابوں میں مینڈکوں کی ٹرٹر سن کر عجب اُمنگ پیدا ہوتی ہے۔ جھینگر نے الگ شور مچا رکھا ہے۔ بھادوں بھی انہیں جھمیلوں میں گذر گیا۔

اب کنوار کا حال سنئے۔ کسانوں نے اپنے کھیت جوتنے کی تیاریاں کیں۔ جس کا کھیت کنوار میں سب سے زیادہ جوتا جائے گا اُس کے یہاں اُس سے زیادہ اناج پیدا ہوگا۔

کاتک کا مہینہ بھی شور مچاتا ہوا پہنچ گیا۔ ایک ہل چل سی مچی ہوئی ہے۔ کھیتوں کی بوائی ہو گئی۔ کتنا اچھا سماں ہے۔ گاؤں کے باہر آدمی ہی آدمی دکھائی دیتے ہیں۔ سب لوگ اپنے کھیتوں کی بوائی میں مصروف ہیں۔

اگھن کا مہینہ آگیا۔ کسان اپنے کھیتوں کو لوکر مطمئن ہیں۔ البتہ خدا پر بھروسہ ہے۔ بار بار اُن کے دل میں خدا کی مہربانیوں کا خیال پیدا ہوتا ہے۔ صرف وہی غلّہ پیدا کرے گا۔ وہی ہر آفتوں سے بچائے گا۔ ہاں اب دھان کی فصل تیار ہوگئی۔ کسان بار بار کیاریوں میں جاکر دیکھتے ہیں۔ آخر دھان بھی کٹنے شروع ہوگئے

آخر پوس آیا اور اپنے ساتھ جاڑا لایا۔ سردی سے ہاتھ، پاؤں ٹھٹھرے ہوئے ہیں۔ لوگ آگ پر گرے پڑتے ہیں۔ کسانوں کو پوال کے بستر پر مزہ آرہا ہے۔ الاؤ بھی لگا ہے۔ چاروں طرف چھوٹے بڑے عورتیں، مرد سب بیٹھے ہوئے ہیں۔ مزے مزے کی باتیں ہو رہی ہیں۔ ہاتھ میں چلم ہے یا نریل کا حقہ پیتے جاتے ہیں۔ باتیں کرتے جاتے ہیں۔

لو اب کھیتوں کی سینچائی کا بھی وقت آگیا۔ صبح صبح جاڑے پالے میں اُٹھ کر کسان کھیتوں میں پانی دے رہے ہیں۔ کنوئیں پر بھیڑ لگی ہے۔ ہنسی مذاق ہو رہا ہے۔ ہر شخص پانی دینے میں ایک دوسرے کی مدد کر رہا ہے۔

ماگھ کا مہینہ اپنے ساتھ برف اور پالا لایا۔ سردی سے نہیں رہا جاتا۔ بدن تھر تھر کانپ رہا ہے۔ دانت بج رہے ہیں۔ ہاتھ، پیر گلے جا رہے ہیں۔ پانی اس قدر ٹھنڈا کہ پیتے ہوئے ڈر لگتا ہے۔

پھاگن اپنے ساتھ خوشبوؤں کو لے کر پہنچا۔ کیا فرحت کا مہینہ ہے؟ سرسوں کے رنگین پھولوں کی بھینی بھینی مہک ہواؤں کے ساتھ ہر طرف پھیلی ہوئی ہے کھیتوں اور میدانوں میں دور دور تک پیلا ہی پیلا دکھائی دیتا ہے۔ جاڑا رخصت ہونے کی تیاریاں کر رہا ہے۔ بدن میں عجیب فرحت سی محسوس ہوتی ہے

# اوکھلے سے غازی آباد تک

یوسف اشفاق متعلم جامعہ

رات کے ۹ بجے ہم بورڈنگ ہاؤس میں داخل ہوئے۔ بورڈنگ کے بڑے دروازے میں داخل ہوتے ہوئے ہم نے ایک زوردار نعرہ لگایا "اللہ اکبر" لڑکے اپنے کمروں سے بھڑوں کی طرح نکل آئے۔

"السلام علیکم"

"وعلیکم السلام" ہم نے تھکی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

"کیوں اچھے تو رہے! کچھ لطف بھی آیا!"

"ہاں بھئی اچھے رہے۔ باقی آیندہ" ہم جملہ پورا کرکے کمرے میں داخل ہو گئے۔ لڑکے بھی ہمارے پیچھے۔

"باقی آیندہ وائندہ کچھ نہیں۔ ہم تو اسی وقت سنیں گے"

"ہم کہتے ہیں ہم اس وقت کچھ نہیں سنائیں گے"

"ہم کہتے ہیں ہم ابھی سنیں گے"

"ہم کہتے ہیں..............."

"ابھی سنیں گے" ایک صاحب نے میرا جملہ پورا کیا۔

"ایک دفعہ کہہ دیا۔ جاؤ نہیں سناتے۔ جو کچھ کرنا ہو کرلو" اور ہم بھاگے۔ لیکن بھاگتے کہاں چارپائی سے لگی ٹھوکر اور ہم چاروں شانے چت۔ جو صاحب ہمارے پیچھے تیزی سے دوڑے تھے وہ ہمارے اوپر اور ان کے پیچھے آنے والے اُن کے اوپر۔ عجیب حالت تھی۔ مارے ہنسی کے پیٹ میں بل پڑ گئے۔ کسی کی ٹانگ میں کسی کی گردن۔ کسی کی گردن میں کسی کی ٹانگ۔ ہمارا غصہ ختم ہوگیا۔ "اچھا سناتے ہیں۔ لیکن مجھ سے کیوں ضد کرتے ہو۔ اور لڑکے بھی تو ہیں"

"ہم تو تم سے سنیں گے" ایک صاحب نے اپنی زخمی کہنی پر پھونک مارتے ہوئے کہا۔

"اچھا تو سنو لیکن خاموش رہنا"

ہم آرام سے چارپائی پر لیٹ گئے اور کہنا شروع کیا۔

دس، گیارہ میل کا پیدل سفر تھا۔ اس لئے

سویرے سورج نکلنے سے پہلے ہی روانگی کا ارادہ تھا لیکن دیر ہوگئی اور صبح کوئی ساڑھے سات بجے ہم اپنی پیٹھ پر ایک ایک کمبل، کچھ ضروری کپڑے اور ہاتھ میں ایک ہاکی اسٹک لے کر روانہ ہوگئے۔

ذرا دور نکل گئے تو ایک صاحب سے گانے کی فرمائش کی گئی۔ گاتے اچھا ہیں اس لئے بڑی خوشامد کے بعد گانا شروع کیا۔ ابھی اُنھوں نے پہلا ہی مصرعہ پڑھا تھا کہ ہمارے ایک ساتھی بیٹھے ہوئے۔ آخ تھو آخ تھو کا وظیفہ پڑھنے لگے۔

"ارے کیا ہوا؟" ہم نے گھبرا کر پوچھا۔

"ہوا کیا ان سے کہو خدا کے لئے گانا بند کردیں آوازیں سُن کر گھن آنے لگی"

گانے والے صاحب شرمندہ ہوکر چپ ہوگئے۔

اس طرح ایک میل کا سفر ختم ہوا۔

یہاں سے یہ طے ہوا کہ کوئی کھیل کھیلتے ہوئے چلیں۔ ایک اچھا سا کھیل چنا گیا[1] اور دو جماعتیں بن گئیں۔ میں آگے جانے والے گروپ میں تھا۔

ہم زمین پہ نشان بناتے چلے جارہے تھے۔ کہیں تو گھاس سے بناتے کہیں پودوں سے اور کہیں ڈھیلے رکھ کر۔

اب ہم میدان میں تھے۔ پیچھے مڑ کر دیکھتے کیا ہیں کہ دوسرا گروپ چلا آرہا ہے حالانکہ وعدے کے مطابق انھیں ۱۵ منٹ کے بعد روانہ ہونا چاہئے تھا۔ اب کیا کیا جائے۔ جلدی سے نشان بنا کر پرچہ لکھا گیا۔

"ہم بخیریت یہاں سے آگے بڑھ رہے ہیں۔ آپ نے وعدہ خلافی کی۔ سزا دی جاتی ہے کہ آپ میں سے کوئی صاحب دس شعر کی ایک نظم گائیں۔ نظم پڑھنے کے بعد آپ لوگ آگے جاسکتے ہیں۔"

پرچہ چھپا کر آگے روانہ ہوگئے۔

سامنے ایک گاؤں نظر آرہا تھا۔ ہم جلدی سے گاؤں میں داخل ہوگئے۔ یہاں ہم نے بڑی مشکلوں سے ایک دیہاتی سے کپڑے لئے۔ ایک میلی سی قمیص میلی سی دھوتی۔ باریک سی پگڑی۔ یہ سب کپڑے اپنے ساتھی کو پہنا کر۔ لکڑی ڈھونے کا کام اُن کے سپرد کیا گیا۔ اور ہم آگے روانہ ہوگئے۔

ابھی گاؤں سے نکلے ہی تھے کہ سامنے رہٹ چل رہا تھا۔ ایک تجویز ذہن میں آئی۔ فوراً ہی رہٹ والے کے پاس پہنچ کر اس سے کپڑے مانگے۔ وہ کہنے لگا "تم ہمارے کپڑے لے کر بھاگ جاؤ گے" اتنے میں کچھ اور دیہاتی آگئے۔ ان میں سے ایک نے فوراً ہی دے دیے۔ رہٹ والے کو ہم نے الگ کیا۔ اس کی جگہ لینے کے لئے مجھے تجویز کیا گیا۔ میں فوراً راضی ہوگیا۔ میرے ساتھی مجھے چھوڑ کر آگے روانہ ہوگئے۔

میں نے جلدی سے قمیص اُتار کر حوض پر رکھ دی۔ جوتے اس کے نیچے چھپا دیے اور اس دیہاتی کی

[1] حاشیہ اگلے صفحے پر دیکھو

ایک پھٹی ہوئی قمیص پہن لی۔ نیکر پر اس کی میلی دھوتی
اور سر پر اس کی چادر کا بڑا سا پگڑ۔ بسم اللہ کہہ
کر ہم نے بیل کو چابک رسید کیا۔ رہٹ چوں چوں
کی آواز پیدا کرتا ہوا گھومنے لگا۔

"ہہ، ہہ، ہہ" ہم نے بیل کے پیٹ میں لکڑی
گھسیڑی۔ وہ تیز ہو گیا۔

بانسری کی آواز آہستہ آہستہ قریب آتی گئی۔
ہمارے پچھلے گروپ کا ایک ساتھی بجا رہا تھا۔ میرا
دل دھک دھک کر رہا تھا۔۔۔ اب پکڑے
گئے۔ ہہ، ہہ، ہہ کر کے میں نے بیل کو چابک لگایا
اور اس کی رفتار کی تیزی کے ساتھ میں بھی تیز ہو گیا۔

"ہم پانی پی سکتے ہیں"

"ہہ، ہہ، ہہ" میں نے بیل کو چابک لگا کر آہستہ
سے گردن ہلا دی۔

گاؤں والے بھی ہمارے اس کھیل میں دلچسپی
لے رہے تھے۔ میں نے ڈرتے ہوئے گردن موڑی۔
دیہاتی ہنس ہنس کر حقے کے کش لگا رہے تھے

"پکڑے گئے" میں نے دل میں کہا۔ کیونکہ میری
قمیص حوض پر رکھ دی تھی اور لڑکے قمیص کے پاس
ہی پانی میں پاؤں لٹکائے بیٹھے تھے۔ ایک صاحب
نے تو غضب ہی کر دیا۔ میری قمیص پر اپنے چنوں کی
پوٹلی رکھے ہوئے شوق سے کھا رہے تھے۔ اور
دوسروں کو دعوت بھی دے رہے تھے۔

"خدا کا شکر نہیں۔۔۔" ابھی ہم نے دل میں
جملہ بھی پورا نہیں کیا تھا کہ وہی حضرت زور سے چیخے
"ماسٹر صاحب اشفاق کی قمیص" سب لڑکے
دوڑ کر ان کے قریب آ گئے۔

"قمیص تو اشفاق کی ہے اور یہ جوتا بھی اسی کا
ہے" ایک لڑکے نے دونوں چیزیں غور سے دیکھ کر
کہا۔

"حضرت کہیں چھپے ہیں" دوسرے صاحب بولے۔

"ان گیہوں کے کھیتوں میں دیکھو۔ کہیں نہ کہیں
ضرور ہو گا"

سب ٹھہر ٹھہر کھیتوں میں گھس گئے۔

جان بچی لاکھوں پائے۔ مجھ پر کسی کو شک نہ ہوا
میں نے مسکرا کر دیہاتیوں کی طرف دیکھا۔ وہ مجھے دیکھ دیکھ
کر ہنس رہے تھے۔

"پتہ نہیں کہاں چھپا ہے" ایک صاحب منہ
لٹکا کر بولے۔

"ارے درخت پر نہ بیٹھا ہو" دوسرے صاحب
نے جلدی سے کہا۔ جیسے انھیں معلوم ہی تو ہو گیا ہو
سب کے سب درختوں کی طرف بھاگے جیسے دیکھنے
پنجوں پر اچک اچک کر درختوں کی ڈالیوں کو گھور رہا ہے۔

---

یہ اسکاؤٹ کا ایک کھیل ہے۔ اس میں دو جماعتیں
ہوتی ہیں۔ ایک آگے نشان بناتی ہوئی جاتی ہے دوسری
جماعت ان نشانوں کی مدد سے پہلی کو تلاش کرتی ہے

"یہاں بھی نہیں"۔

"جس لڑکے کی قمیص ہے وہ کہاں گیا تمھیں معلوم ہے؟" میرے قریب سے آواز آئی۔ کوئی صاحب مجھ سے پوچھ رہے تھے۔

"میں نے حواس قائم رکھے ہو، ہو، ہو کہہ کر میں نے بیل کو تیز کیا اور بغیر جواب دیے آگے بڑھ گیا۔

"بھئی نہیں ملتا قمیص اور جوتا لے چلو"، ایک صاحب بولے۔

انھوں نے کپڑے اٹھائے ہی تھے کہ اس دیہاتی نے جس کے کپڑے میں پہنے ہوئے تھا۔ میرے کپڑے اُن سے چھین لیے۔ وہ کہتا تھا کہ ایک لڑکا اپنے کپڑے رکھوا کر گیا ہے۔

بہت دیر کے بعد لڑکے ملنے اور آگے روانہ ہوئے کچھ ہی آگے بڑھے تھے کہ میں نے ایک ساتھی کو آواز دی۔ "عثمان صاحب"۔ سب کے سب میری طرف دیکھنے لگے۔ پھر واپس آکر ایک صاحب نے مجھی سے پوچھا "کیوں کس نے آواز دی تھی"۔ میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ لڑکے آگے بڑھ گئے۔ میں نے پھر آواز دی۔ لیکن کسی نے نہیں سُنی۔ مجبوراً کپڑے بدل کر اُن کے پیچھے بھاگا۔ وہ لوگ کافی دور نکل گئے تھے۔

"اشفاق" کسی نے پیچھے سے پکارا۔

"میں نے پیچھے مڑکر دیکھا یہ وہی حضرت تھے جنھیں ہم پچھلے گاؤں میں چھوڑ آئے تھے۔ ان سے معلوم ہوا کہ لڑکے اِن کے قریب گئے ہی نہیں شاید نشانات سے ہٹ کر آرہے ہیں۔

ابھی آگے بڑھے ہی تھے کہ ایک درخت کے نیچے لڑکے بیٹھے ہوئے نظر آئے۔ معلوم ہوا کہ دونوں گروپ سستا رہے ہیں۔

درخت کے نیچے تھوڑی دیر تک سب نے آرام کیا قریب کے کھیت سے گاجریں خرید کر کھائی گئیں پھر آگے روانہ ہوئے۔ یہاں یہ طے پایا کہ جو گروپ آگے تھا وہ پیچھے آئے گا۔ اگلا گروپ روانہ ہوگیا۔

اب ہم پیچھے نشان دیکھتے ہوئے چلے جارہے تھے بعض جگہ بڑی دقت کا سامنا ہوتا۔ نشان ملتے نہیں اور اُن کی وجہ سے پیچھے لوٹ کر پھر دیکھنے پڑتے۔

تھوڑی دور کے بعد ہمیں اگلے گروپ کا ایک پرچہ جھاڑی میں ملا۔ لکھا تھا "اس پودے کے گرد ناچیے پھر آگے بڑھیے"۔ ہمیں وہاں ناچنا پڑا۔ مجبور تھے پھر آگے روانہ ہوئے۔

"کوئی صاحب پیچھے ہمیں پکار رہے تھے"۔

"ارے آپ یہاں کہاں؟ آپ تو اگلے گروپ میں تھے"۔ میں اُن سے مخاطب ہو کر بولا۔

"باقی آئندہ"

# اِسکول کا پہلا دِن

سید احسن ، مارہروی

عزیز کے ابا جی کا تبادلہ باندہ کے تھانے سے بلیا ہونے والا تھا۔ عزیز کی عمر اس وقت ۷، ۸ سال سے زیادہ نہ تھی۔ وہ اِسکول کا نام بھی نہ جانتا تھا۔ گھر پر ہی ایک مؤلوی صاحب پڑھانے آتے تھے۔ اُن کا آنا اُس کے لئے موت کے فرشتے سے کم نہ تھا۔ آئے تو ہاتھ میں بید لئے ہوئے۔ بات کرتے تو بید سے۔ خود بھی بہت دُبلے پتلے تھے۔ اس لئے بید کی طرح کانپتے رہتے تھے۔ پڑھاتے وقت بھی بید کی طرح لرزتے جاتے تھے۔ داروغہ جی نے آج کل کے انگریزی اسکولوں میں پڑھا تھا۔ لیکن عزیز کو وہ پُرانے ڈھنگ پر پڑھانا چاہتے تھے اس لئے انھوں نے اُسے مؤلوی صاحب کے سُپرد کر دیا تھا۔ یہ اُسے اُردو فارسی پڑھاتے تھے۔ مؤلوی اسماعیل کی پہلی تین کتابیں پڑھ کر عزیز کو اُردو تو اچھی خاصی آگئی۔ لیکن فارسی میں آمدنامہ یاد نہ ہوتا تھا۔ مؤلوی صاحب آتے ہی مصدر کی گردان کرنے لگتے آمدن ، آمد ۔ آمدند ......... وغیرہ خود بھی کہتے جاتے تھے اور عزیز سے بھی کہلواتے جاتے تھے۔ جب تک مؤلوی صاحب رہتے مصدر اور قواعد اس کے دماغ میں رہتے۔ اِدھر مؤلوی صاحب کی پیٹھ پھری اور مصدر بھی رفو چکر ہوئے۔

ایک دن سُننے میں آیا کہ داروغہ جی باندہ سے بلیا جائیں گے۔ عزیز خوش تھا کہ مؤلوی صاحب سے جان بچی۔ دو چار دن میں سفر کا سامان ٹھیک ہوگیا اور ایک دن وہ آیا کہ مؤلوی صاحب نے اسے آخری سبق پڑھایا۔ اس روز وہ اپنی مہربانی سے خالی ہاتھ تشریف لائے۔ جب آخری بار سبق پڑھا چکے تو چلتے وقت داروغہ جی سے بھی ملے۔ وہ برآمدے میں بیٹھے حقہ پی رہے تھے۔ مؤلوی صاحب بھی وہیں جاکر ایک مونڈھے پر بیٹھ گئے اور کہنے لگے: "داروغہ جی بڑی خوشی ہے کہ آپ ترقی پر جارہے ہیں۔ خُدا کرے آپ بہت جلد سپرنٹنڈی کا عُہدہ پائیں۔" داروغہ جی نے مؤلوی صاحب کا شکریہ ادا کیا اور کہنے لگے: "کہئے آپ کے شاگرد کا کیا حال ہے۔ مجھے اپنی ترقی کی خوشی کے ساتھ اس بات کا رنج ہے کہ میرے لڑکے سے

اب آپ جیسے شفیق اُستاد کا ساتھ چھوٹ گیا ہے۔
عزیز کمرے میں کھڑا یہ باتیں سُن رہا تھا جی میں کہنے
لگا "جی ہاں جیسے شفیق اُستاد ہیں ہمارا ہی دِل جانتا
ہے" : مولوی صاحب نے جواب دیا" مجھے بھی
ننھے میاں کے جانے کا بہت افسوس ہے لیکن کیا کیا جائے
دیکھیے بلیا یہاں سے بہت دُور تو نہیں ہے۔
کسی چھٹی میں وہاں آنے کی کوشش کروں گا۔ عزیز نے
نے پھر اپنے دِل میں کہا" یہ کیا آفت آئی۔ خُدا خُدا کرکے
تو اُن سے پیچھا چھُٹا ہے۔ اب یہ بلیا بھی پہنچیں گے
غرض اِس قسم کی باتوں کے بعد مولوی صاحب رخصت
ہو گئے۔ اور دو ایک دن بعد عزیز اوَر اس کے گھر والے
بلیا پہنچ گئے۔

داروغہ جی کو آٹھ دس دِن آئے ہوئے گذر گئے
تو اُن کے پاس ملنے کے لئے لوگ آنے شروع ہو گئے
قصبے کے زمیندار صاحب۔ شفاخانے کے ڈاکٹر
چُنگی کے داروغہ۔ قصبے میں ایک اِسکول بھی تھا۔
داروغہ جی کے ملنے والوں میں اس اسکول کے ہیڈ ماسٹر
صاحب بھی تھے۔ پچاس سے اوپر عُمر۔ دُبلے، پتلے
مولوی صاحب کے پتلے بید کی طرح ایک موٹا ڈنڈا
ہاتھ میں لے کر آئے تھے۔ اُن کے قدم پڑنے سے پہلے
ہاتھ کا ڈنڈا اُٹھتا تھا۔ جہاں اُن کا قدم پڑتا تھا اس سے
پہلے اُن کا ڈنڈا راستہ صاف کر دیتا تھا۔ آتے تو گھنٹوں
بیٹھتے۔ ایک دن بیٹھے باتیں کر رہے تھے کہ عزیز گھر سے
نکل کر کہیں بھاگا ہوا جا رہا تھا۔ ننگے پاؤں اوَر بدن
پر بنیائن اوَر نیکر۔ ہیڈ ماسٹر صاحب نے داروغہ جی
سے پوچھا۔ یہ کس کا بچہ ہے؟ داروغہ جی نے کہا آپ
ہی کا بچہ ہے" اوَر یہ کہہ کر عزیز کو آواز دی جب عزیز
پاس آیا تو کہنے لگے" یہ ہیڈ ماسٹر صاحب ہیں۔ ان کو
سلام کرو" عزیز نے ادب سے تسلیم کی اوَر پاس کھڑا
ہو گیا، ہیڈ ماسٹر نے اُسے پاس بلایا اوَر سر پر ہاتھ پھیرا
اس کے بعد اُنھوں نے داروغہ جی سے پوچھا یہ کس
درجے میں پڑھتے ہیں۔ اُنھوں نے جواب دیا۔ ماسٹر صاحب
ابھی تک تو یہ کسی درجے میں نہیں ہیں۔ باندہ میں ایک
مولوی صاحب آیا کرتے تھے۔ وہ گھر ہی پر اُن کو پڑھاتے
تھے۔ اُردو کی تین کتابیں پڑھ چکے ہیں اوَر اب فارسی
کا آمدنامہ پڑھ رہے ہیں۔ سُناؤ تو بیٹے۔ "آمدن" کی
گردان، داروغہ جی عزیز کی طرف دیکھ کر بولے۔ عزیز
نے ایک سانس میں۔ آمد۔ آمدند سے لے کر آخر تک گردان
سُنا دی۔ ہیڈ ماسٹر صاحب بہت خوش ہوئے۔ اوَر
کہنے لگے "کہ ان کو آپ اِسکول کیوں نہیں بھیج دیتے
فارسی کے ساتھ ساتھ دوسری چیزوں کی پڑھائی بھی
ہو جائے گی۔ اس کے بعد عزیز تو چلا گیا اوَر داروغہ جی
اوَر ہیڈ ماسٹر صاحب میں کچھ اوَر باتیں ہوتی رہیں۔
دوسرے دن صبح داروغہ جی نے عزیز کو اچکن، ٹوپی
اوَر جوتا پہنوا کر ایک منشی جی کے ساتھ اِسکول بھیج دیا
اسکول گھر سے زیادہ دوُر نہ تھا۔ ہیڈ ماسٹر صاحب

ایک کمرے میں بڑی سی میز بچھائے بیٹھے تھے۔ چاروں طرف اور بھی کرسیاں پڑی تھیں۔ عزیز کو ایک کرسی پر بیٹھ جانے کو کہا۔ ذرا دیر بعد وہ اُسے ایک کمرے میں لے گئے جہاں اور بھی لڑکے تھے۔ کمرے کے سرے پر ایک کرسی پر عزیز کو بٹھا دیا گیا۔ تھوڑی دیر بعد پڑھائی شروع ہوئی۔ ہیڈ ماسٹر صاحب خود لڑکوں کو پڑھا رہے تھے۔ ایک بات تو رہ گئی کہ جب عزیز اسکول میں پہنچا تو اُس نے دیکھا کہ ہیڈ ماسٹر صاحب کے کمرے کے سامنے والے در میں ایک گھنٹی لٹکی ہوئی تھی۔ وہ گھنٹی ایسی نہ تھی جیسے اسکولوں میں ہوتی ہے۔ بلکہ ٹوپی دار تھی اس کے اندر والا کھٹکا اس سے لگ کر بجتا تھا۔ اس گھنٹی کو ایک رسّی سے باندھ دیا گیا تھا اور رسّی پہیوں پر سے گھوم کر اسکول کے کمرے میں پہنچتی تھی۔ اسکول بہت غریب تھا، کوئی چپراسی وغیرہ اس کام کے لئے نہ تھا۔ ہیڈ ماسٹر صاحب نے لڑکوں کے سپرد یہ کام کر دیا تھا۔ روزانہ ایک لڑکے کی ڈیوٹی اس کام کے لئے تھی۔ ہیڈ ماسٹر قاعدے کے بہت پابند تھے اُنھوں نے لڑکوں کو حکم دے دیا تھا کہ گھنٹی بجنے سے پہلے وہ سب اسکول کے میدان میں کھیلتے رہیں۔ لیکن جیسے ہی گھنٹی بجے تمام لڑکے باری باری کمرے میں داخل ہو جائیں۔ اگر کوئی لڑکا کسی کو دھکا دے کر کمرے میں آتا تھا تو اُس کی مرمّت کی جاتی تھی ہیڈ ماسٹر صاحب خود کھڑے ہوئے ایک ایک لڑکے کو اندر آتے.... ہوئے دیکھتے تھے۔ اور یہی حکم واپسی کے لئے تھا۔ جب چار بجے اسکول کا وقت ختم ہو جاتا تھا تو ایک لڑکا اُٹھ کر گھنٹی بجاتا تھا۔ گھنٹی کی ٹن ٹن پر لڑکے اپنی جگہ سے اُٹھتے اور ایک ایک کر کے باہر چلتے تھے۔ بدقسمتی سے جس دن عزیز اسکول پہنچا اُس دن اس لڑکے کی باری تھی۔ جس کی خالی جگہ پر عزیز کو بٹھایا گیا تھا۔ گھنٹی بھی عزیز کو بجانی تھی۔

اسکول میں ایک ہی درجہ تھا اور ایک ہی ماسٹر تھے۔ وہی ہیڈ ماسٹر تھے اور وہی سکنڈ ماسٹر۔ ان کے طالب علم ۴۰، ۵۰ تھے۔ چار بجے ہیڈ ماسٹر صاحب لڑکوں کو پڑھا رہے تھے جب چار بج گئے تو وہ رُک گئے۔ پہلے لڑکوں نے پھر ہیڈ ماسٹر صاحب نے عزیز کی طرف دیکھا۔ اُس نے دیکھا کہ ہر شخص اپنا اپنا بستہ سنبھالنے لگا۔ اس دن عزیز زیادہ کتابیں نہ لے گیا تھا۔ صرف ایک کتاب اور کاپی تھی۔ اُس نے بھی ان دونوں کو سنبھال لیا۔ اور اپنی جگہ بیٹھا رہا لیکن اب لڑکے اُسے اور بھی گھور گھور کر دیکھنے لگے۔ پاس بیٹھنے والوں نے انگلی سے ٹھونکنا شروع کیا۔ ہیڈ ماسٹر صاحب بھی گھورنے لگے مگر عزیز کی سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ یہ لوگ اُسے کیوں گھور رہے ہیں۔ ایک ایک لڑکا بغل میں کتابیں دبائے بھاگنے کے لئے تیار بیٹھا تھا۔ لیکن کوئی کمرے سے باہر نہ جاتا تھا۔ ہیڈ ماسٹر بھی میز کی دراز میں حاضری کا رجسٹر اور دوات قلم بند کر چکے تھے۔ وہ بھی کھڑے دیکھ رہے تھے لیکن کوئی اپنی جگہ سے ہٹتا نہ تھا۔ ایک

لڑکے نے عزیز سے چپکے سے کہا، "جاکر گھنٹی کیوں نہیں بجاتے" عزیز کی سمجھ میں اُس کی بات نہ آئی۔ تب ہیڈ ماسٹر صاحب نے چلا کر کہا "اور قاعدے سے بے خبر کیا تجھے معلوم نہیں کہ آج گھنٹی تو بجائے گا۔ کیوں دوسروں کو روکتا ہے اور میرا وقت بھی خراب کرتا ہے۔ ہیڈ ماسٹر صاحب کو یہ تو یاد تھا کہ اس جگہ بیٹھنے والے کی باری ہے مگر غالباً یہ بھول گئے تھے کہ عزیز اسکول میں بالکل نیا تھا اور یہاں کے قاعدے کو نہ جانتا تھا۔ عزیز اب سمجھا کہ گھنٹی شاید اُسی کو بجانے کو کہہ رہے ہیں۔ وہ اپنی جگہ سے اُٹھا۔ دو چار لڑکوں نے اُسے پیچھے سے دھکیلا اور کہنے لگے کہ "یار جلدی سے جاکر گھنٹی بجاؤ یہیں دیر ہو رہی ہے۔" وہ تیز قدم اُٹھا کر آگے بڑھنا چاہتا تھا کہ ایک کرسی میں پاؤں پھنس گیا اور گرتے گرتے بچا۔ اب ہیڈ ماسٹر صاحب کو اور بھی تاؤ آیا۔ عزیز اُن کے پاس پہنچ چکا تھا۔ اُنھوں نے ہاتھ بڑھا کر اُسے آگے کھینچا اور گھنٹی کی رسّی کے پاس لے جاکر کہا "اس کو کھینچو۔" عزیز نے جیسے ہی ایک پر سے رسّی کو کھول کر کھینچی۔ ٹن ٹن کی آوازیں آنے لگیں۔ آواز سنتے ہی لڑکوں کی جان میں جان آگئی۔ سب کھڑے ہو گئے۔ اور ایک ایک کرکے باہر جانے لگے۔ عزیز دو چار مرتبہ رسّی کھینچ کر سمجھا کہ بس اب چھٹی ہو گئی۔ رسّی چھوڑ دینی چاہیے اس نے ہاتھ روک لیا۔ جیسے ہی اس کا ہاتھ رُکا گھنٹی کی آواز بھی رُک گئی۔ گھنٹی کی آواز کا رُکنا تھا کہ سب لڑکے

اپنی اپنی جگہ پر کھڑے ہو گئے۔ ہیڈ ماسٹر صاحب نے حکم دے دیا تھا کہ گھنٹی کی ٹنا ٹن کے ساتھ لڑکے باہر نکلیں اور جب آواز بند ہو جائے تو لڑکے بھی رُک جائیں اس لئے جب عزیز کا ہاتھ رُکا تو گھنٹی کی آواز کے رُکنے کے ساتھ ساتھ لڑکے بھی رُک گئے۔ اور کھڑے ہو کر ایک دوسرے کا مُنہ دیکھنے لگے۔ ہیڈ ماسٹر بھی کھڑے ہوئے یہ تماشا دیکھ رہے تھے۔ جب اُنھوں نے یہ ماجرا دیکھا تو وہ تاؤ میں آگے بڑھے۔ اور عزیز کے ہاتھ سے رسّی کھینچ کر زور زور سے بجانے لگے اور کہنے لگے کہ گھنٹی بجانا بھی نہیں آتی۔ دیکھو ایسے گھنٹی بجتی ہے۔ اور یہ کہہ کر اُنھوں نے دونوں ہاتھوں سے رسّی کھینچنا شروع کی گھنٹی میں سے تیزی سے ٹنا ٹن کی آوازیں آرہی تھیں اور اس کی تیزی سے لڑکے باہر نکل رہے تھے۔ تقریباً آدھے لڑکے باہر جاچکے ہوں گے کہ ایک دم سے باہر سے کسی چیز کے گرنے کی آواز آئی۔ بے چارے ہیڈ ماسٹر صاحب ہاتھ میں رسّی لئے ہوئے زمین پر پڑے تھے، جو لڑکے کمرے میں رہ گئے تھے وہ بھی رُک گئے۔ گھنٹی کی آواز کے ساتھ جو لڑکے رُکے تو اُنھوں نے مڑ مڑ کر عزیز کی طرف دیکھا، عزیز تو اپنی جگہ پر تھا لیکن لڑکوں کو ہیڈ ماسٹر صاحب نظر نہ آرہے تھے، دو ایک نے اُچک کر جو دیکھا تو ہیڈ ماسٹر صاحب ٹانگیں اوپر کئے اور ہاتھ اُٹھائے پڑے تھے۔ لڑکے کتابیں چھوڑ کر ان کی طرف پلٹے۔ اور دو ایک نے سہارا دے کر

انھیں اُٹھایا۔ عزیز نے بھی اُن کے کپڑے جھاڑے گھنٹی رُک چکی تھی۔ بقیہ لڑکے کیسے باہر جاتے ہیڈ ماسٹر صاحب نے کھڑے ہوکر پہلے عزیز پر دانت پیسے اور کہا "بڑا بدتمیز لڑکا ہمارے اسکول میں آیا ہے جس کو یہ تک نہیں معلوم کہ گھنٹی کیسے بجتی ہے۔ نہ معلوم کس گدھے نے اس کو پڑھایا ہے۔ پھر کہنے لگے اچھی بات ہے۔ آج شام کو داروغہ جی کے سامنے تیری مرمت ہوگی۔ بقیہ لڑکے جانے کے لئے منتظر کھڑے تھے گھنٹی اب رُک چکی تھی اس لئے ہیڈ ماسٹر صاحب کے زبانی حکم پر وہ باہر گئے اور اُن کے ساتھ ہی عزیز بھی اسکول کا پہلا دن ختم کرکے گھر گیا۔

---

منّوں کی

# نظمیں

محمد شفیع الدین صاحب نیّر

کی اصلاح کے بعد

## باغ کی سیر

فہیم جہاں بیگم۔ آگرہ

چلو چلو سب باغ کو جائیں
باغ کو جائیں دل بہلائیں
باغ میں جاکر شور مچائیں
پھول بھی توڑیں پھل بھی کھائیں
پیڑ میں پھر اک جھولا ڈالیں
آپ بھی جھولیں سب کو جھلائیں
"ننھی منی بوندیاں" گائیں
گانے گائیں دل بہلائیں
سب مل کر پینگیں جو بڑھائیں
پیڑ جو ٹوٹے سب گر جائیں
مامی آکر سب کو ڈانٹیں
روتے روتے گھر کو آئیں
ابا ڈانٹیں امی ڈانٹیں
گھر والے سب ڈانٹ پلائیں
ایسی شرارت اب مت کرنا
اماں اور ابا سمجھائیں
سیر ہوئی یہ خوب ہماری
نظم فہیم اپنی یہ چھپوائیں

## اچھا شمو

عبد القدیر۔ جبل پوری

| | |
|---|---|
| میرا شمو دوڑا آیا | مٹی کا ہاتھ میں گھوڑا لایا |
| میں نے پوچھا اس سے یہ جب | جاؤ گے مکتب تم بھیا کب |
| سن کر اتنا رونے لگا وہ | اسکول سے منہ دھونے لگا وہ |
| میں نے پھر اس کو سمجھایا | مکتب کا سب کام کرایا |
| بستہ لئے بے چپلے بہانہ | ہوگیا وہ اسکول روانہ |
| اب خود شوق سے پڑھتا ہے وہ | درجے میں اچھا لڑکا ہے وہ |

## ہندوستان

احمد۔ گیا

| | |
|---|---|
| ملک یہ کتنا اچھا ہے | آنکھوں کا یہ تارا ہے |
| دیتا سب کو کھانا ہے | دیتا سب کو کپڑا ہے |

نام اس کا ہندوستاں ہے
نام اس کا ہندوستاں ہے

یہ شمع ہے ہم پروانے ہیں ۔ پروانے ہیں دیوانے ہیں
اس ملک پہ ہم مرتے ہیں ۔ جاں اس پہ خوشی سے دیتے ہیں

نام اس کا ہندوستاں ہے
نام اس کا ہندوستاں ہے

ہیں سب ہی اسکے فدائی ۔ مسلم، ہندو، عیسائی
ہیں سب ہی بھائی بھائی ۔ سب کرتے ہیں اس کی بھلائی

نام اس کا ہندوستاں ہے
نام اس کا ہندوستاں ہے

## ہمارا ہندوستان

حسن مجتبیٰ مسرت چترپوری

یہ ہندوستان ہمارا
ہے ہم کو کتنا پیارا

سورج اور چاند ہیں آتے
روشن اس کو کر جاتے
تارے چراغ دکھاتے

ساری دنیا سے نیارا
یہ ہندوستان ہمارا

کیا اچھے پھول کھلے ہیں
رس پی کر بھیں پلے ہیں
شاخوں سے لپٹے جلے ہیں

اونچا ہوا اس کا تارا
یہ ہندوستان ہمارا

ہے آب و ہوا بھی ایسی
ہوگی نہ کہیں کی ویسی
خوش سب کی طبیعت کیسی

اونچا ہوا اس کا تارا
آزاد ہو ہندوستان ہمارا

## تین بے وقوف

بخش الٰہی ۔ عمر ۱۴ سال

لو اک بیوقوں کا قصہ سنو ۔ عجب لطف کا ہے سنو تو ہنسو
کسی شہر کو دیکھنے کے لئے ۔ نفر او بدھو وجمن تھے چلے
وہاں ایک مینار آیا نظر ۔ ہوئے سارے حیراں اسے دیکھ کر
ہوا اس کی تعمیر پر تذکرا ۔ تو اک اس طرح ان میں کہنے لگا
غضب کیسا لمبا وہ معمار تھا ۔ بلند ایسا مینار اس نے چنا
وہیں دوسرے نے دیا یہ جواب ۔ اسی پر عقل مند بنتے ہیں آپ
یہ مینار جو دیکھتے ہو کھڑا ۔ زمیں پر لٹا کر بنایا گیا
خفا ہو کے بولا وہیں تیسرا ۔ ارے بیوقوفو نہ سمجھے ذرا
کنواں تھا زمیں کے یہ اندر بنا ۔ الٹ کر جسے پھر کھڑا کر دیا
بھلا یہ بھی کچھ بات ہیں بات تھی ۔ سمجھ میں تمہارے نہ جو آسکی

غرض تینوں باہم جھگڑتے ہوئے
وہاں سے بھی آگے کو وہ بڑھ گئے

روم کے افسانے

(۲)

# فیبوس

حضرت سالک لکھنوی

ایک دن فیبوس کے دوستوں نے اس سے التجا کی کہ صرف ایک بار وہ کھُلے میدان میں ہنی بال کا مقابلہ کرے تاکہ روم والوں کو کچھ تسلّی ہو۔ وہ اچھی خبروں کے انتظار میں ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو وہ بزدل ہو جائیں لیکن فیبوس نے انکار کر دیا اور کہا۔

"میں بزدل کہلانا پسند کرتا ہوں لیکن یہ پسند نہیں کرتا کہ اپنی پوری فوج کو خطرے میں ڈال دوں۔ پورے روم پر تباہی لے آؤں۔ میں جانتا ہوں کہ جو طریقہ میں نے اختیار کیا ہے وہ درست ہے اور میں اس وقت تک اپنی رائے پر قائم رہوں گا جب تک میں روم کا حاکم ہوں!"

---

اس کے بعد ایک ایسی بات ہوئی جس نے رومی فوج کو فیبوس سے اور زیادہ بدظن کر دیا۔ ہنی بال جو رومیوں سے کہیں زیادہ ہوشیار جنرل تھا، فیبوس کی چال کو سمجھ گیا۔ اُسے یقین ہو گیا کہ فیبوس کا سامنے نہ آنا صرف اس لئے ہے کہ ہنی بال کی فوجیں تھک جائیں اور پھر وہ آسانی سے اُن کا قلع قمع کر دے۔

یہ سوچ کر ہنی بال نے تہیّہ کر لیا کہ وہ فیبوس کی یہ چال کامیاب نہ ہونے دے گا اور اگرچہ اس کی فوج تعداد میں کم تھی لیکن اُس کے سپاہی رومی سپاہیوں سے زیادہ پھرتیلے اور سدھے ہوئے تھے۔ خود ہنی بال فیبوس سے کہیں زیادہ ہوشیار سپہ سالار تھا۔ چنانچہ اس نے ایک اور ترکیب سوچی۔

وہ ترکیب یہ تھی کہ ہنی بال نے اپنی فوج کے ساتھ خوب صورت شہر "کپانیا" پر حملہ کر دیا اور اس حملے کا مقصد یہ تھا کہ جب فیبوس یہ دیکھے گا کہ اتنا خوب صورت شہر ہنی بال کے ہاتھوں برباد ہو رہا ہے تو وہ خود بھی جنگ کے لئے مجبور ہو جائے گا۔ مگر بدقسمتی سے راستہ بتانے والوں نے ہنی بال اور اس کی فوج کو غلط راہ پر ڈال دیا اور وہ بجائے "کپانیا" پہنچنے کے ایک ایسی تنگ وادی میں پھنس گیا جس کے تین طرف اونچی نیچی پہاڑیاں تھیں اور ایک طرف راستہ تھا جس سے وہ داخل ہوتا تھا۔ فیبوس کی فوج تو پیچھے

رہتی ہی تھی۔ اُس نے جو دیکھا کہ ہنی بال مع اپنی فوج کے اس وادی میں پھنس گیا ہے تو فوراً اس راستے کو روک لیا اور فیبئوس کے حکم سے اس پہاڑی کے چاروں طرف فوجیں پھیل گئیں۔ ہنی بال گویا ایک طرح سے قید ہو گیا

لیکن ہنی بال کا جسم بظاہر فوج میں گھر گیا تھا، اس کا دماغ آزاد تھا۔ اُس نے اپنی فوج کو تسلی دی کہ گھبرانا بیکار ہے۔ ذرا تاریکی ہونے دو۔ پھر دیکھو کیا ہوتا ہے۔ اس کی فوج کے لئے اتنی تسلی کافی تھی کیونکہ ہنی بال کے سپاہی اس کی بات بات پر نیتیں رکھتے تھے

جب رات کی تاریکی اچھی طرح پھیل گئی تو اُس نے حکم دیا کہ فوج میں جتنے بیل ہیں اُن کے سینگوں میں شمعیں باندھ دی جائیں۔ اس حکم کی تعمیل کی گئی۔ پھر ہنی بال کے حکم سے انھیں روشن کیا گیا اور بیلوں کو پہاڑیوں پر ہنکا دیا۔

فیبئوس کے سپاہیوں نے جو پہاڑیوں پر دوڑتی ہوئی روشنیاں دیکھیں تو سمجھے کہ ہنی بال کی فوج بھاگ رہی ہے۔ لگے اس کا پیچھا کرنے۔ اِدھر ہنی بال کو جو راستہ ملا تو اپنی پوری فوج کو صاف نکال لے گیا اور ایک جان بھی ضائع نہ ہوئی۔

اس واقعہ نے فیبئوس کو عام رومی باشندوں کی نظروں سے گرا دیا اور وہ سوچنے لگے کہ انھوں نے فیبئوس کو ڈکٹیٹر بنانے میں غلطی کی۔ آخر ایک دن رومیوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ فیبئوس نے اب تک کچھ نہیں کیا

نہ آئندہ اس سے کچھ اُمید ہے۔ فیبئوس نے یہ ناانصافی اور اپنی بے قدری دیکھی لیکن خاموش رہا کیوں کہ اُسے اپنے آپ پر بھروسہ تھا اور وہ جانتا تھا کہ اگرچہ وہ ہنی بال کو شکست نہ دے سکا۔ لیکن اسے روکے ضرور رہا ہے۔

اسی زمانے میں فیبئوس کو روم واپس آنا پڑا کیونکہ خداؤں کے سامنے قربانیاں دینے کا وقت آگیا تھا۔ اور فیبئوس اپنے اعتقاد کا پکا تھا۔ اُدھر فوج میں مینی کوس کو کوئی روکنے والا نہیں تھا۔ اس نے فوراً اپنی فوج کے ایک دستے سے ہنی بال کی اس چھوٹی سی فوج پر حملہ کر دیا جو غلہ اور رسد کا سامان لینے آئی تھی۔ ان تھوڑے سے سپاہیوں کی مینی کوس کی پوری فوج کے مقابلے میں حقیقت ہی کیا تھی۔ ذرا دیر میں میدان صاف ہو گیا اور مینی کوس کو فتح ہوئی۔

اس واقعہ نے رومیوں کی نظروں میں مینی کوس کو بہت بڑھا چڑھا دیا۔ اگر اُن کا بس چلتا تو فوراً فیبئوس کی جگہ مینی کوس کو حاکم بنا دیتے۔

جب فیبئوس نے یہ سُنا تو اُسے بہت رنج ہوا۔ وہ جانتا تھا کہ مینی کوس کی یہ اوچھی حرکت ہنی بال کو اور زیادہ آگ بگولا کر دے گی اور اس نے تہیہ کر لیا کہ وہ مینی کوس کو ضرور سزا دے گا۔ کیونکہ اس نے اپنے سپہ سالار کا حکم ٹال دیا تھا۔

لوگوں نے جب یہ دیکھا کہ فیبئوس مینی کوس کو سزا

دینے پر تلا ہوا ہے تو اُسے بھی رُوم کا حاکم بنا دیا اور فیبئوس کے برابر اختیار دے دئے۔ گویا اب رُومی فوج میں بجائے ایک سپہ سالار کے دو سپہ سالار ہو گئے جن کے رُتبے برابر تھے۔ اور جو جی چاہے کر سکتے تھے۔ اب تم خود ہی سمجھ سکتے ہو کہ جب مینی کوس جیسے آدمی کو اختیار ملا ہوگا تو اس نے کیا کُچھ نہ کیا ہوگا۔ مینی کوس نے یہ کیا کہ اختیار ملتے ہی اپنے خیمے پر سُرخ جھنڈا گاڑ دیا۔ جو اس بات کی نشانی تھا کہ وہ جنگ کے لئے تیار ہے۔ ہنی بال تو چاہتا ہی تھا کہ کُھلے میدان میں دونوں فوجوں کا آمنا سامنا ہو جائے۔ مینی کوس کو جنگ کے لئے آمادہ دیکھ کر اس نے اپنی پوری فوج سے حملہ کر دیا۔ جنگ ہوئی۔ مینی کوس جو عقل مند کم لیکن بہادر زیادہ تھا اپنی جلد بازی کی وجہ سے شکست کھا گیا۔

شام کے قریب فیبئوس نے جو ایک پہاڑی پر کھڑا جنگ کی تمام کیفیت دیکھ رہا تھا اور جانتا تھا کہ ذرا دیر میں مینی کوس تباہ ہونے والا ہے، اپنی فوج کو للکارا اور کہا:-

"بہادر سپاہیو! اگر تمہیں اپنے وطن سے محبت ہو تو اس نازک وقت میں مینی کوس کا ساتھ دو۔ آؤ میرے پیچھے آؤ۔ میں بہادر مینی کوس کی مدد کو جا رہا ہوں۔ کیوں کہ اس کو اس وقت مدد کی ضرورت ہے۔ یاد رکھو کہ یہی موقع ہے فتح کا۔ اور دیکھو ہنی بال کی فوج تھک چکی ہے۔"

یہ کہہ کر فیبئوس نے مینی کوس کو بچانے کے لئے ہنی بال کی فوج پر حملہ کر دیا۔ فیبئوس کی تلوار اس کے ہاتھ میں تھی اور وہ جدھر رُخ کرتا تھا دشمن کے سپاہی پیچھے ہٹ جاتے تھے۔ ایک عظیم سپہ سالار تھا فیبئوس! ذرا دیر میں ہنی بال کی فوج پیچھے ہٹ گئی اور اگرچہ فتح اس بار ہنی بال کو ہوئی لیکن مینی کوس اور اس کے سپاہی تباہی سے بچ گئے۔

اور اگرچہ یہ مینی کوس کی دوسری بڑی غلطی تھی لیکن فیبئوس نے معاف کر دیا۔ مینی کوس کی رگوں میں بھی شرافت کا خون تھا۔ اس نے اس واقعہ کے بعد فیبئوس کے آگے سر جھکا دیا۔ اور افسری سے استعفےٰ دے دیا۔

روم والوں کی بھی اب آنکھیں کھل گئی تھیں اور اُن کی سمجھ میں آ گیا تھا کہ ہنی بال سے مقابلہ کرنے کے لئے فیبئوس سے بہتر اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا

---

# بچّوں کا گوشہ

## کہانی

محمد اسلم

ایک دفعہ ایک آدمی شکار کو نکلا۔ لیکن شام ہونے پر بھی کوئی شکار نہ ملا۔ تھوڑی دیر بعد ایک خرگوش دکھائی دیا۔ اس نے مارنے کو بندوق اٹھائی ہی تھی کہ خرگوش غائب ہو گیا۔ آخرش ایک ہرن دکھائی دیا۔ اُس نے گولی ماری ہرن بھاگتا ہوا ایک شیر کی کچھار میں گُھس گیا۔ شیر نے باہر نکل کر دیکھا ہی تھا کہ گولی الٹے پاؤں بھاگنے لگی اور ایک جھاڑی پر چڑھ گئی۔ شیر بھی ہمت کر کے اوپر چڑھ گیا۔ گولی نیچے اُتر کر بولی "آیندہ سے میرا پیچھا نہ کرنا!"

## لکڑی چلنے لگی

محمد احسن تعلیمی مرکز جامعہ

ایک لڑکا تھا۔ ایک دن وہ دریا پر گیا۔ اُس نے کچھوا دیکھا۔ وہ اتنا بڑا تھا کہ اس نے اور کبھی نہ دیکھا تھا۔ وہ سمجھا کوئی لکڑی پڑی ہے۔ وہ اس پر بیٹھ گیا۔ اور مچھلی کا شکار کھیلنے لگا۔

اس نے دیکھا اور بہت سے لوگ کنارے پر مچھلی کا شکار کھیل رہے ہیں۔ کچھوا جب اندر جانے لگا تو وہ لڑکا چلّایا۔ لوگو دوڑو میں ڈوبا۔ لوگ سنتے ہی دریا میں کود پڑے اور اُسے پکڑ لائے اور قصہ سُن کر ہنسنے لگے۔

## تاج محل

علاؤ الدین رحمٰن۔ عمر ۱۰ سال

دریائے جمنا کے کنارے وہ عالی شان عمارت جو دُنیا کے عجائبات میں گنی جاتی ہے، تاج محل کہلاتی ہے۔ یہ عمارت شاہ جہاں نے بنوائی ہے۔ اِس عمارت میں شاہ جہاں اور اس کی بیوی کی قبر ہے۔ شاہ جہاں کی بیوی ممتاز محل نے مرتے وقت شاہ جہاں سے کہا کہ میری قبر کے اوپر ایسی عمارت بنوانا کہ دنیا بھر میں اُس کی شہرت ہو۔ جب اُس کی بیوی مر گئی تو شاہ جہاں نے یہ اعلان کیا کہ جو شخص ایک خوب صورت عمارت کا نقشہ لائے گا اُس کو بہت روپیہ انعام دیا جائے گا۔ ہزاروں آدمی خوب صورت سے خوب صورت مکانات کے نقشے لائے لیکن شاہ جہاں کو پسند نہ آئے۔ ایک

شخص تاج محل کا نقشہ بنا کر لایا اور شاہ جہاں کو دکھایا۔ شاہ جہاں کو تاج محل کا نقشہ بہت پسند آیا اور اس نے اس نقشے کے مطابق یہ عالی شان عمارت تیار کرائی۔ جب شاہ جہاں مر گیا تب اس کے بیٹے اورنگ زیب نے ممتاز محل کے مقبرے میں اُسے بھی دفن کروا دیا۔ تاج محل کے آس پاس نہایت عمدہ باغ ہے۔ تاج محل سنگ مرمر کا بنا ہوا ہے۔ اس کے دیکھنے کے واسطے لوگ بہت دور دور سے آتے ہیں۔

## ایک رحم دِل سپاہی

سلطان احمد متعلم درجہ سوم۔ کان پور

ایک مرتبہ ایک سپاہی شکار کھیلنے گیا۔ اس نے ایک چڑیا بہت پیاسی دیکھی۔ سپاہی کو اس پر رحم آگیا۔ اُس نے پانی رکھا چڑیا نے پی لیا اور اُڑ گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد سپاہی چلتے چلتے تھک گیا۔ اس نے ایک پیڑ کے سایے میں بیٹھ کر اپنے جھولے سے روٹی نکالی اور کھانے لگا۔ کھا پی کر پیڑ کے نیچے سو گیا۔ اتنے میں ایک کالا سانپ ایک سوراخ سے نکلا اور اس کی طرف بڑھا۔ چڑیا یہ سب دیکھ رہی تھی۔ وہ فوراً اُڑ کر آئی اور سپاہی کے منہ پر اپنے پر پھڑ پھڑانے لگی۔ سپاہی جاگ اٹھا۔ اس نے سانپ کو دیکھ لیا اور مار ڈالا۔

## ایک لڑکی

ممتاز صدیق درجہ سوم تعلیمی مرکز جامعہ، دہلی

ایک لڑکی تھی۔ یہ لوگوں کے گھروں میں جب لوگ سو رہا کرتے اُس وقت آتی اور کوئی چیز چرا کر بھاگ جاتی تھی ایک دن ایک افسر کے گھر گئی اور گملے لے جانے لگی۔ ایک گملے پر چڑیا بیٹھی تھی وہ لڑکی کو دیکھ کر اُڑ گئی۔ گملا گر گیا۔ لوگ جاگ اُٹھے اور کہنے لگے "چور، چور۔ پکڑو، پکڑو" وہ لڑکی پکڑی گئی۔

## اِتفاق

خلیق الزماں۔ اندور

ایک بوڑھا آدمی تھا۔ جب وہ مرنے لگا۔ تو اس نے اپنے تینوں لڑکوں کو بلایا اور ایک لکڑیوں کا گٹھا لے کر سب سے بڑے لڑکے کو توڑنے کا حکم دیا۔ بڑے لڑکے نے جب بہت کوشش کر لی تو دوسرے سے کہا۔ اسی طرح تینوں کوشش کر چکے اور وہ نہ ٹوٹا تو ایک ایک لکڑی توڑنے کو کہا۔ ہر لڑکے اپنی اپنی لکڑی کے جلدی ٹکڑے ٹکڑے کر دئے۔ تب باپ نے اُن سے مخاطب ہو کر کہا۔

"پیارے بیٹو! اتفاق بہت بڑی طاقت ہے"

# پیامِ برادری

ایڈیٹر

عزیز بھتیجیو اور بچو۔ آج کل گرمی اپنے بہار پر ہے۔ پچھلے دنوں مئی میں کچھ بوندا باندی ہوئی تھی اور موسم کچھ خوش گوار ہوگیا تھا مگر اب پھر گرمی آہستہ آہستہ پھر اپنا رنگ دکھا رہی ہیں۔ دلی میں برسات کا موسم ۱۵۔ جون سے شروع ہوجاتا ہے خدا کرے ۱۵ دن کے بعد ہی برسات گرمی کو رخصت کردیں اور لوگوں کی جان میں جان آئے۔

پچھلے مہینے یونان کی فتح کے بعد لڑائی کا زور افریقہ کی طرف پھر زیادہ ہوگیا ہے۔ جرمنی اور اٹلی مصر میں گھس کر نہر سوئیز پر قبضہ کرنا چاہتے تھے۔ بنغازی اور بنغازی سے طبروق تک بڑھ آئے تھے مگر اب انگریزی فوجوں نے انھیں آگے بڑھنے سے روک دیا ہے۔ بلکہ تازہ خبریں یہ ہیں کہ سولم بھی ان سے چھین لیا ہے۔ ادھر ابے سینیا میں تو انگریزوں کی فتح ہی فتح ہے۔ حبشہ کے بادشاہ ہیل سلاسی ۵ برس بعد پھر اپنے ملک میں واپس آگئے ہیں حبشہ کی رعایا بہت خوش ہے کہ اس کا بادشاہ واپس آگیا اور اس کا ملک اٹلی کی غلامی سے آزاد ہوگیا۔

پچھلے مہینے کا اہم واقعہ عراق کے وزیراعظم راشد علی گیلانی کی انگریزوں سے لڑائی ہے۔ اس شخص کا نازیوں سے ساز باز تھا اس نے وزیراعظم ہوتے ہی پہلے تو نوعمر بادشاہ کے چچا امیر عبداللہ کو نکالا یہ بادشاہ کی طرف سے حکومت کرتے تھے اور انگریزوں کے خیرخواہ تھے اس کے بعد اس نے انگریزوں سے لڑائی چھیڑ دی۔ وہ کہتا ہے کہ اتنی زیادہ انگریزی فوج کا یہاں رکھنا معاہدے کے خلاف ہے یا تو زائد فوج یہاں سے گزر جائے پھر نئی فوج آئے یا پھر ہم سے باقاعدہ بات چیت کی جائے۔ انگریز اس وقت دوسری طرف تیاریوں میں مصروف تھے اس لئے اس طرف زیادہ توجہ نہ کرسکے پھر بھی عراقی فوج کو انھوں نے قریب قریب کچل دیا تھا کہ ایک نیا فتنہ اُٹھ کھڑا ہوا۔ فرانس کی حکومت نے ہٹلر کے دباؤ سے مجبور ہوکر جرمن فوجوں کو شام سے گذرنے اور شام کے ہوائی اڈوں کو استعمال کرنے کی اجازت دے دی۔ اب لڑائی کا سامان جرمنی سے شام کے راستے سے راشد علی کے پاس پہنچ رہا ہے اور راشد علی جرمنی کی شہ پر انگریزوں سے لڑنے مرنے پر آمادہ ہے۔ انگریزی ہوائی جہاز بھی عراق اور شام دونوں جگہ اچھی طرح مقابلہ کررہے ہیں اور غالباً ہٹلر کے منصوبے کو پورا نہ ہونے دیں گے۔

ہاں پچھلے مہینے ایک اور دلچسپ واقعہ پیش آیا یعنی رڈولف ہس صاحب اچانک ولایت کے ایک شہر گلاسکو کے قریب

دیہات میں ایک دیہاتی کے مکان کے پاس ٹپک پڑے۔ اُن کے جہاز میں آگ لگ گئی تھی اس لئے ہوائی چھتری کے ذریعے اُترے۔ یہ اُن کے لئے پہلا اتفاق تھا۔ ٹخنے میں چوٹ آگئی۔ یہ حضرت ہٹلر کے نائب ہیں اور ہٹلر نے اپنے ایک اور ساتھی گوئرنگ کے بعد اپنا جانشین بنایا تھا۔ غرض یہ جرمنی کے خاص لوگوں میں سے تھے۔ اسی لئے اس واقعے کی صبح کو یہ خبر مشہور ہوئی تو یوں سمجھو کہ تمام دُنیا میں ہل چل مچ گئی اور تھا بھی یہ ایسا ہی عجیب واقعہ۔ جانے بے چارے جرمنی سے کیوں بھاگ آئے۔ آپس میں لڑائی ہوگئی ہوگی۔ جرمنی والے تو یہ کہتے ہیں کہ اس کا دماغ پہلے ہی کچھ خراب ہے۔ کچھ بھی ہو اب تو یہ انگریزوں کے مہمان ہیں۔ ہمیں تو افسوس ہے کہ یہ پیام تعلیم کے دفتر کے پاس کیوں نہ اُتر پڑے۔ پیام تعلیم کا تمام دُنیا میں اشتہار ہو جاتا۔ اچھا ایک بات بتاؤ اگر یہ کہیں تمھارے گھر کے پاس اُترتے تو ............ ؟ ہے تو سوچنے کی بات! ضرور سوچنا اور اگر اس کا جواب تم ۲۰ جون تک ہمیں بھیج دو سب سے اچھے جواب پر ہم انعام دیں گے۔ جواب مضمون کی صورت میں ہو اور مضمون کاپی کے زیادہ سے زیادہ دو صفحوں پر۔ یاد رکھنا۔

اِدھر یورپ کی طرح جاپان نے آفت ڈھا رکھی ہے۔ ابھی جاپانیوں کے ذریعے آئی خبر یہ ہے کہ ایک لڑائی میں کوئی تیس ہزار چینی مارے گئے اور دس ہزار قید ہوئے۔ دیکھو چین اپنے وطن کی آزادی کی خاطر کتنے سپوت قربان کر چکا ہے اور اب تک اس کا وہی دم خم ہے۔ اب ذرا اپنے ملک کا بھی تھوڑا سا حال سن لو۔ عراق کے فتنے کی وجہ سے یوں سمجھو کہ لڑائی ہندوستان کے دروازے پر آگئی ہے مگر ہمارے ہندوستانی بزرگوں کے نزدیک اس کی کوئی اہمیت نہیں اُنھوں نے تو اپنا پُرانا شغل پھر تلاش کر لیا ہے۔ وہی آپس کی لڑائی۔ پچھلے دو مہینوں میں۔ بنگال، بہار، یوپی، پنجاب، بمبئی کے کسی نہ کسی شہر میں لڑائی ضرور ہوئی ہے۔

معمّا نمبر ۱۴ کے حل ان بچوں کے صحیح ہیں

## انعام اوّل فی کس ایک روپیہ

(۱) محمد خلیق الزماں۔ اندور (۲) سید رئیس احمد رضوی۔ نینی تال (۳) رحیم الدین۔ دہلی

(۴) محمد رفیق۔ دہلی (۵) سلطان احمد۔ دہلی (۶) ماجد علی۔ دہلی

ان بچوں کے حلوں میں ایک غلطی ہے۔

## انعام فی کس ۸؍

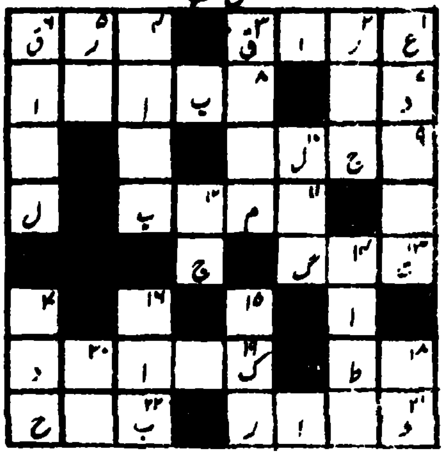
(۱) محمود علی خان دہلی (۲) زبیدہ بیگم، حیدرآباد دکن۔ (۳) محمد ظفر، لاہور (۴) اسد احمد، حیدرآباد دکن (۵) عبدالحق صدیقی، بنارس (۶) مبارک حسین خان اظہر (۷) بدر النساء بیگم، شولاپور (۸) رفیق داد خاں، بھوپال (۹) شمیم آرا، حیدرآباد دکن (۱۰) محمود علی، ریواڑی (۱۱) سید ضیاء الرحمٰن دہلی (۱۲) جمیل اختر، لائل پور (۱۳) عبدالقادر، حیدرآباد دکن (۱۴) جمال عبدالواحد، الہ آباد (۱۵) علی حسین، ہردہ (۱۶) اقبال مرزا، دہلی (۱۷) مقصود حسین اصغر، دہلی (۱۸) منظور عبدالرحمٰن، دہلی (۱۹) عمر کامل، دہلی (۲۰) محمد ظفر الہدیٰ، دہلی (۲۱) افتخار اللہ، دہلی (۲۲) عطاء الرحمٰن بہاری۔ دہلی (۲۳) جمشید اختر، بمبئی (۲۴) مقصود طالب، لاہور ●

# معمّا نمبر ۱۹

پہلا انعام ۔ ۶ر

دوسرا انعام ۔ للعہ ر

## مشقی کوپن



## دائیں سے بائیں

(۱) اگر برطانیہ نے جلد سخت کارروائی نہ کی تو جرمن .... میں پاؤں جما لیں گے۔

(۴) برطانیہ والوں کی دعا: "خدا کرے ہٹلر کا بیڑا ... ہو جائے"

(۷) اور ہماری دعا: "خدا کرے ہندوستان کے .. پھر جائیں"

(۸) آج کل فرقہ وارانہ جھگڑوں کو ..... ہی اچھا ہے۔

(۹) صرف ... پوشاک ہی شرافت کی دلیل نہیں۔

(۱۱) لفظ مجیب کے بے ترتیب حروف۔

(۱۳) زندگی سے ... آکر خودکشی کرنا انتہائی بزدلی ہے۔

(۱۸) اس میں طول تو ہوتا ہے عرض نہیں ہوتا۔

(۱۹) اونچی .... پھیکا پکوان (بے ترتیب)

۲۱ - چھوٹی باتیں بڑے بڑے آدمیوں کے ... کو صدمہ پہنچا سکتی ہیں۔

(۲۲) شادی ... نسب دیکھ کر ہی کرنا چاہیے۔ (الٹا)

## اوپر سے نیچے

(۱) ہر شخص کو اس سے بچتے رہنا ہی اچھا ہے۔

(۲) ... سے خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج
مشکلیں مجھ پر پڑیں اتنی کہ آساں ہو گئیں

(۳) انگلستان کی کئی ... عمارتیں اس جنگ میں تباہ ہو گئیں۔

(۴) اس معمے میں جو شعر لکھا ہے وہ .... کا ہے۔

(۵) میدانِ جنگ۔

(۶) اکثر ... صرف چہرے سے پہچان لئے جاتے ہیں۔

(۱۰) جس دن ... مسلمانوں کی واحد جماعت ہو گئی اسی دن ہندوستان میں ایک انقلاب رونما ہوگا۔

(۱۲) ایک کانگریسی اور ایک مسلم لیگی لیڈر کے نام کے پہلے حروف۔

(۱۴) ہم سب ہیں انِ .... ہیں۔

(۱۵) پریشانی میں زیادہ ... سے کوئی فائدہ نہیں۔

(۱۶) الٹا پڑھ لو یا سیدھا پڑھ لو۔ لفظ وہی رہے گا۔

(۱۷) بے جا ... خواہ کسی کی کی جائے۔ مناسب نہیں۔

(۱۸) عادت،

(۲۰) معمولی سی .. کٹنے پر بھی خون بہتا ہے۔

(۱) معمّا ۱۸ جون تک بھیج سکتے ہو۔
(۲) ایک ہی لفافے میں کئی معمّے بھیجے جا سکتے ہیں۔

# قواعد

(۱) تمام مدرسوں کے بچے حل میں حصّہ لے سکتے ہیں۔ اُستاد یا سرپرست کی تصدیق ضروری ہے۔ صرف دستخط کافی ہیں۔ عبارت لکھنے کی ضرورت نہیں۔

(۲) ایک حل کے ساتھ ایک آنے کا ٹکٹ آنا ضروری ہے۔

(۳) ایک سے زیادہ حل بھی بھیجے جا سکتے ہیں۔ چار حلوں کی رعایتی فیس ۳ آنے۔ آٹھ حلوں کی ۵ آنے ہے

(۴) دونوں انعام تقسیم کر دیئے جائیں گے۔ قرعہ اندازی نہ ہوگی۔

(۵) تمام حل ۱۸ جون تک دفتر پیام تعلیم مکتبہ جامعہ دہلی پہنچ جانے چاہئیں

(۶) ایڈیٹر کا فیصلہ قطعی ہوگا۔

(۷) پیام تعلیم میں چھپے ہوئے کوپن کے علاوہ اور کوئی نہیں لیا جائے گا۔

(۸) کوپن کے چاروں طرف جو نقطے والی لائن ہے وہاں سے کاٹ کر بھیجو

(۹) کسی کوپن میں کوئی حرف کٹا یا مٹا ہوا ہوگا یا پنسل سے بھرا ہوا ہوگا تو مقابلے میں شامل نہ کیا جائے گا۔

(۱۰) ایک لفافے میں صرف ایک نام سے معمّے آنے چاہئیں۔

(۱۱) علاوہ کوپن اور ٹکٹ کے لفافے میں کوئی خط وغیرہ نہ ہونا چاہئے۔

(۱۲) معمّا حل کرنے سے پہلے اشارے غور سے پڑھو۔

(۱۳) ایک خانے میں دو حرف نہ ہوں۔

(۱۴) دال اور واؤ کا فرق نمایاں ہو (ڈ ۔ و)

(۱۵) چھوٹی ی اور بڑی ے کا فرق لازمی ہے (ی ۔ ے)

(۱۶) جہاں جہاں نقطے کا استعمال ہو وہاں نقطہ ضرور ہونا چاہیے۔

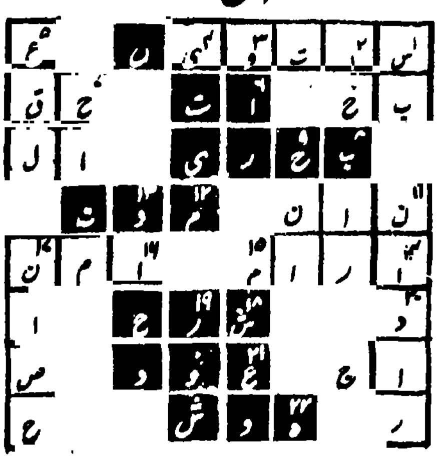
(۱۷) املا کی غلطی بھی شمار کی جائے گی۔

(۱۸) تمام حل ڈاک خانے کے لفافے پر بھیجے جائیں۔

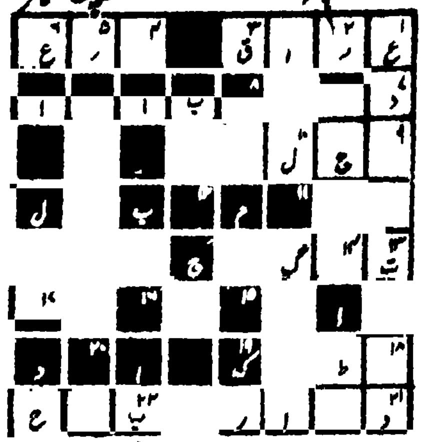
(۱۹) نام اور پورا پتہ صاف اور خوش خط لکھو۔

(۲۰) پتہ :- سب ایڈیٹر "پیام تعلیم"
مکتبہ جامعہ، قرول باغ
نئی دہلی

## معمّا نمبر ۱۴ کا صحیح حل



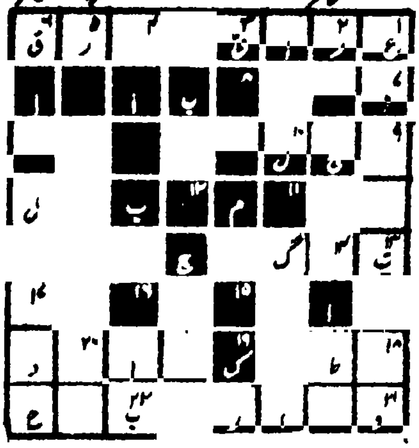
معما نمبر ۱۹ کوپن نمبر



نام ........................
پتہ ........................

تصدیق ........................
محط ........................

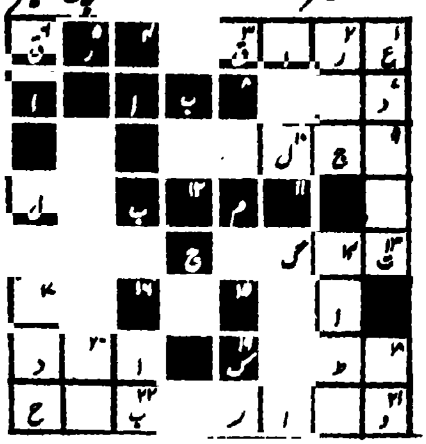
معما نمبر ۱۹ کوپن نمبر



نام ........................
پتہ ........................

تصدیق ........................
محط ........................

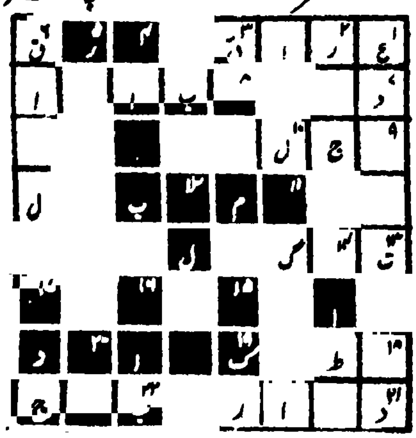
معما نمبر ۱۹ کوپن نمبر



نام ........................
پتہ ........................

تصدیق ........................
محط ........................

معما نمبر ۱۹ کوپن نمبر

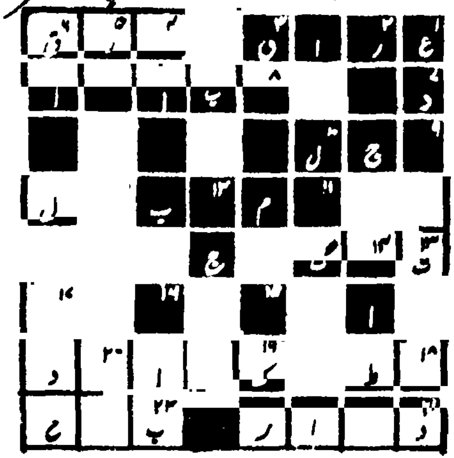


نام ........................
پتہ ........................

تصدیق ........................
محط ........................

معمّا نمبر ۱۹

کوپن نمبر



نام ..........

پتہ ..........

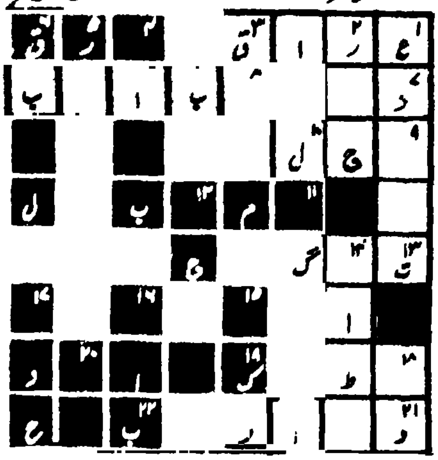


تصدیق ..........

ٹکٹ ..........

معمّا نمبر ۱۹

کوپن نمبر



نام ..........

پتہ ..........

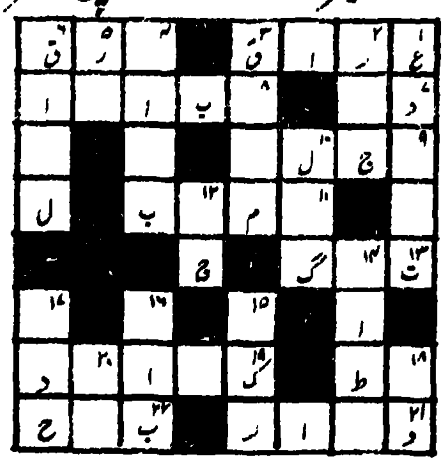


تصدیق ..........

ٹکٹ ..........

معمّا نمبر ۱۹

کوپن نمبر



نام ..........

پتہ ..........

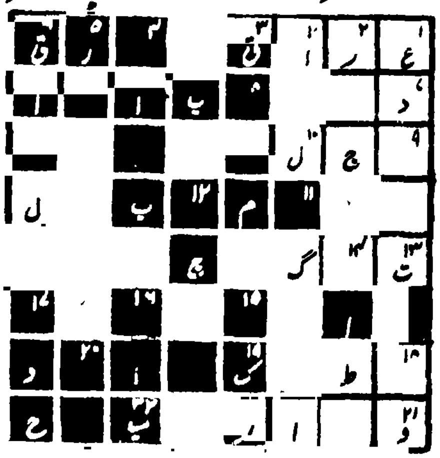


تصدیق ..........

ٹکٹ ..........

معمّا نمبر ۱۹

کوپن نمبر



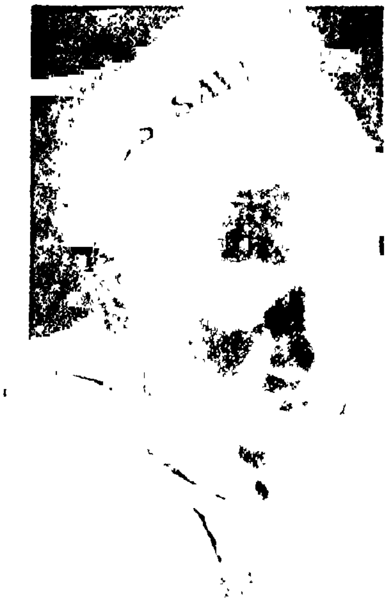
نام ..........

پتہ ..........



تصدیق ..........

ٹکٹ ..........



سوچ بچار
مرسلہ عبدالحمید بمبئی





نہر ساردا کا ایک منظر
مرسلہ ایس خاتون بارہ بنکی



محمد صادق کلکتہ

Regd. L. No. 1961

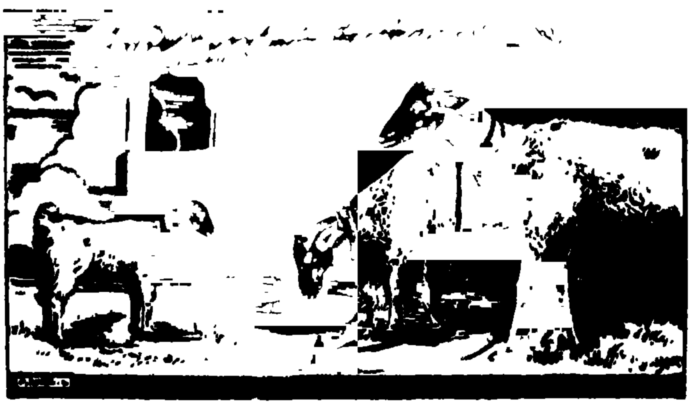
بچوں کے لیے یہ دونوں مزے دار کہانیاں ابھی ابھی چھپی ہیں ہر ایک کی قیمت ۱ـ

# پرندوں کا ایکا





# ننھا ٹٹو

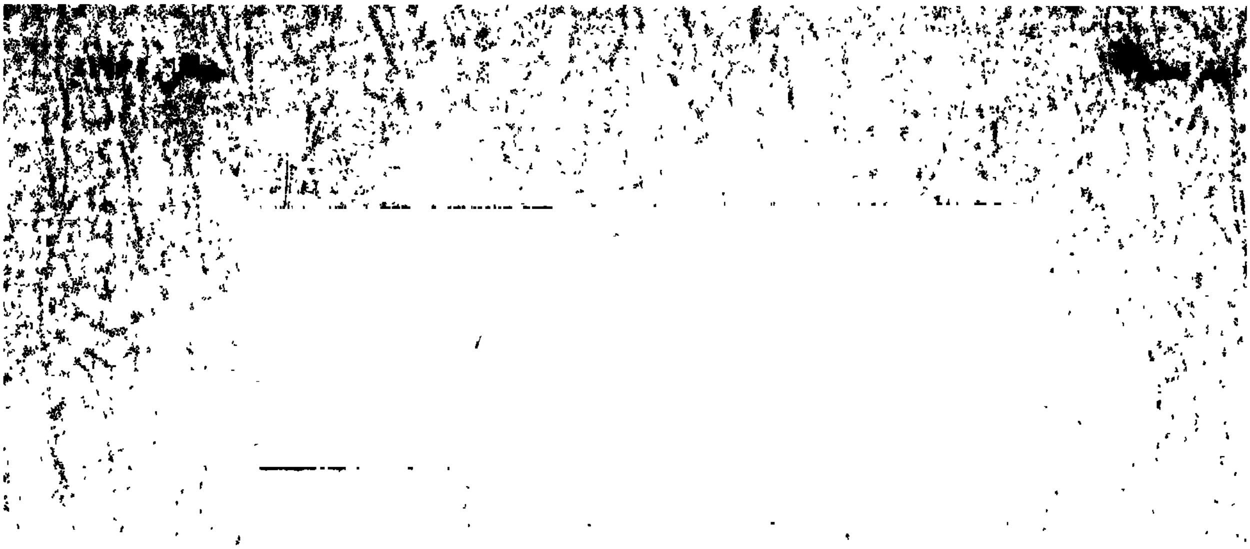


مکتبہ جامعہ دہلی

تعلیم



مکتبہ جامعہ



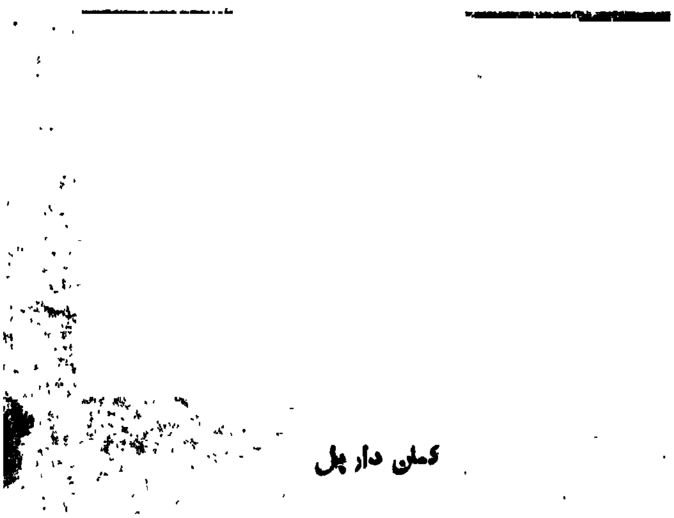
کشمیر کا پل



فوجی راستہ بنانے کے لئے انجن کام کر رہا ہے۔



لودر کی وادی (کشمیر)



کمان دار پل

# پیام تعلیم
دہلی


پیام تعلیم

دہلی، یو پی، سی پی، بہار، ... کے محکمۂ تعلیم کی طرف سے ... حیدرآباد اور پنجاب ... سرکاری طور پر منظور کیا گیا

ایڈیٹر۔ محمد حسین حسان

قیمت سالانہ عہ فی پرچہ

جلد ۲۴ نمبر ۷


## فہرست مضامین جولائی




پرنٹر و پبلشر ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب
محبوب المطابع پریس، دہلی


FIROZE

# بچّوں سے باتیں

ایڈیٹر

پچھلے مہینے کے بہت سے مضمون بچّوں خاص طور پر پسند کئے۔ کانٹے، ننھی سمدھن، ہوائی بچّے اور کھلے سے غازی آباد" کی تعریف میں بچّوں نے بہت سے خط بھیجے ہیں۔

---

اس مہینے کے پرچے میں بھی بعض مضمون بہت مفید اور دلچسپ ہیں۔ "نرالی چوری" والا قصہ۔ نذیر تجمّل صاحب نے بہت اچھے انداز میں لکھا ہے۔ ہوا کی کہانی بھی بہت محنت سے لکھی گئی ہے۔ "سندر ڈھولچی" ایک کشمیری کہانی ہے اور بہت دلچسپ۔ شاستری صاحب نے پیامِ تعلیم کے لئے اس قسم کی اور چیزیں بھی لکھنے کا وعدہ کیا ہے۔ "گاؤں کی سیر" خلیل صاحب کا دوسرا مضمون ہے۔ بچّوں کو پسند آئے گا۔ اُمید ہے کہ خلیل صاحب آیندہ اس سے بھی آسان اور مختصر مضمون لکھنے کی کوشش کریں گے۔ "بیج اور پھل والے" علمی مضمون کو مضمون نگار صاحب نے بہت کامیابی کے ساتھ ہمارے پیامیوں کے لئے مفید اور دلچسپ بنانے کی کوشش کی ہے۔ اس کا دوسرا حصّہ اگلے پرچے میں چھپے گا۔

عبدالواسع عصری صاحب نے چند مشہور لوگوں کی کہانیاں لکھی ہیں۔ یہ کہانیاں کتابی صورت میں چھپ چکی ہیں۔ اب دوبارا نظرِ ثانی کے بعد مکتبے کی طرف سے چھپ رہی ہیں۔ ان میں سے ایک کہانی ہم پیامیوں کے لئے شائع کر رہے ہیں۔ اگر انھیں پسند آئی تو آیندہ بھی شائع کریں گے۔

---

اِدھر کچھ دنوں سے بچّے اپنی نظمیں دیر میں بھیجتے ہیں اگر زیادہ سے زیادہ ہر مہینے کی ۱۰ تاریخ تک ہمیں بھیج دیا کریں تو ہم اسے اسی مہینے کے پرچے میں شائع کر سکیں۔

---

سال گرہ نمبر کی تیاری کا زمانہ قریب آرہا ہے۔ باوجود کاغذ اور چھپائی کے دوسرے سامان کی مہنگائی کے انشاء اللہ پرچہ بہت دلچسپ اور شاندار ہوگا۔ سال گرہ نمبر کی اسکیم بنائی ہے مگر ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے پیامی بھی اپنے مشوروں سے ہماری مدد کریں

---

قمر انصاری

# بچّوں کی دُعا

سرائے میر

یارب سُن لے دُعا ہماری
ہم سب ہوں بس تیرے پجاری
حق پر گردن اپنی کٹائیں
حق کے لئے ہم جان لڑائیں
دِل کی لگن ہم تجھ سے لگائیں
حمد تیری ہر دم گائیں
شاد رہیں اُستاد ہمارے
ماں باپ رہیں آباد ہمارے
ہم سب کی نظروں میں بھائیں
غیروں کو بھی اپنا بنائیں
ہند کے سارے جھگڑے مٹائیں
سچے دیں پہ سب کو لائیں
آخر میں ناچیز قمر کو
ساتھ اُس کے مادر و پدر کو

آغوشِ رحمت میں رکھنا
گناہ اِن کے سب بخش دینا

# صدرو - بدرو

محمد شفیع الدین صاحب نیر

صدرو بدرو تھے دو بھائی — اُن میں تھی یہ ایک بُرائی
دیر میں اُٹھتے دیر میں سوتے — پہروں وقت وہ اپنا کھوتے
بے مُنہ دھوئے کھانا کھاتے — بے مُنہ دھوئے وہ پڑھنے جاتے
بال اور ناخن صاف نہ کرتے — دو دو دن اِس طرح گذرتے
دانت بھی اُن کے میلے میلے — ہاتھ بھی اُن کے میلے کچیلے
بستر گندا کپڑے گندے — ٹوپی گندی جوتے گندے
جب اُن کو اِس حال میں پایا — بیماری نے آن دبایا
جوڑ بدن کے ہو گئے ڈھیلے — چہرے پڑ گئے پیلے پیلے
کڑوی روز دوائیں پینا — موت سے بدتر ہو گیا جینا
ہار کے اس عادت کو چھوڑا — اور صحت سے ناتا جوڑا

پھر کیا تھا اُن کی بن آئی
رہنے لگے خوش دونوں بھائی

# نرالی چوری

جناب نذیر تجمل صاحب
اُستاد تعلیمی مرکز جامعہ

چھاما:۔ امّی۔

ماں:۔ ہاں بیٹی۔

چھاما:۔ یہ دیکھئے۔ ابھی ابا جو نئی کتاب لائے ہیں، اُس میں کیسی اچھّی کہانی لکھی ہے۔"

ماں:۔ بس تمھیں تو ہر وقت کہانی کی رٹ ہے۔

چھاما:۔ نہیں اَمّی۔ یہ لڑکا تو بڑا اُلّو ہے دیکھو تو کیسا سیدھا ہے بے چارا

ماں:۔ ہوگا۔

چھاما:۔ اچھّی اَمّی، بڑی ہنسی کی بات ہے۔

چھاما:۔ غور سے سُنو اَمّی!

ساجد اپنے اماں، ابا کا ایک ہی بیٹا تھا، وہ اُسے بہت پیار کرتے تھے، جب وہ ذرا سیانا ہوا تو اُس کے ابا اُس کے لئے طرح طرح کے کھلونے لانے لگے، تین پہیّوں کی سائیکل، چھوٹی سی بگھی، جھوٹ موٹ کا پستول اور بندوق، اور جانے کیا کیا۔ ساجد کی دو بہنیں بھی تھیں ایک بڑی اور ایک چھوٹی۔ دونوں بہنیں ساجد کے ساتھ کھیلا کرتی تھیں۔

ایک دن کیا ہوا، دوپہر کا وقت تھا۔ سب لوگ اپنے اپنے کمرے میں آرام کر رہے تھے۔ مگر ساجد کو نیند نہ آتی تھی۔ اِدھر اُدھر کروٹیں بدل رہا تھا۔ تھوڑی دیر میں سب

سو گئے۔ ساجد چپکے سے اُٹھا۔ اور دبے پاؤں
باہر نکل آیا۔ برآمدے میں میز پڑی تھی۔
میز پر کتابیں رکھی تھیں۔ ساجد کتابوں کو
اُلٹ پلٹ کر دیکھنے لگا۔ پر اُن میں کوئی اچھی
تصویر نہ تھی۔ ساجد کو کوئی تصویر پسند
نہ آئی۔

ساجد نے ایک ایک کر کے ساری
کتابیں دیکھ ڈالیں۔ سب سے نیچے ایک
بڑی سی کتاب تھی۔ اس میں ابا اپنا بٹوا
بھول گئے تھے۔ ساجد نے وہ بٹوا نکالا
اور اُچھالنے لگا۔ پھر جانے اُسے کیا خیال
آیا۔ اِدھر دیکھا، اُدھر دیکھا، کوئی نہیں
تھا۔ اُس نے بٹوے کو کھولا۔ اُس میں سے
پیسے نکالے اور بازار کو بھاگ گیا۔

حلوائی کی دُکان تو وہ پہلے سے
جانتا تھا۔ سیدھا وہیں پہنچا۔ پیسے نکالے
اور بہت سی قلاقند خریدی۔ اُس کی سب
جیبیں بھر گئیں۔ پھر بھی تھوڑی سی بچ رہی
دھوپ بہت تیز تھی۔ ساجد نے ساری
مٹھائی رستے ہی میں ختم کر دی۔ پر اُسے مٹھائی
کھانے کا مزا بالکل نہ آیا۔ یہ بات وہ کر تو
بیٹھا، پر رہ رہ کر سوچ رہا تھا کہ اب ہوگا
کیا۔ وہ ڈرتے ڈرتے برآمدے میں آیا۔
اس کا چہرہ زرد ہو رہا تھا۔ سارا جسم
پسینے میں شرابور تھا۔ اس نے کانپتے
ہاتھوں سے ابا کا بٹوا اُسی کتاب میں رکھ
دیا۔ پھر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔

ساجد اندر جانا چاہتا تھا پر اُسے
ڈر لگ رہا تھا۔ شرم بھی آ رہی تھی۔ اس کا
جی یہی چاہتا تھا کہ آج ابا سے ملاقات نہ
ہو۔ اسی پریشانی میں دوپہر ڈھلنے لگی۔
ناشتے کا وقت قریب آ رہا تھا۔ کھڑے کھڑے
اس کو جانے کیا خیال آیا، سسک سسک
کر رونے لگا۔ اُس کے آنسو بے اختیار

بھے چلے جا رہے تھے۔ آخر نہ رہا گیا۔ دوڑا دوڑا اپنے ابا کے پاس گیا۔ اُن سے لپٹ کر رونے لگا۔ اور خود ہی بولا "ابا میاں! ہم نے تمھارے پیسے چُرائے ہیں"

ابا مُسکرائے، ساجد کو پیار کیا اور بولے:- "بیٹا چوری کرنا سچ مچ بُری بات ہے"

بلّو بولے:- "اوں، اوں میں تو ساجد کی طرح نہیں ہوں۔ کیوں امّی میں نے کبھی چوری کی ہے؟"

ماں نے کہا "ہمارا بلّو تو سب سے اچھا ہے"

چھاما نے کہا:- "نہیں امّی، میں تو کہتی ہوں ساجد بھی بلّو کی طرح بھولے بھالے تھے"



# فوجی راستے

محمد عبدالحسیب - حیدرآبادی

ٹنکوں (دبابوں) اور ہوائی جہازوں کو تو راستوں کی ضرورت نہیں - ہوائی جہاز جدھر چاہیں اُڑتے ہیں اور اپنا کام کرتے چلے جاتے ہیں - دبابے یا ٹنک ناہموار میدانوں چھوٹے ندی نالوں اور خندقوں سے گذر جاتے ہیں لیکن پیدل سپاہیوں معمولی موٹروں اور سامان رسد کی موٹروں کو تیزی کے ساتھ آگے بڑھنے کے لئے ہموار سڑکوں کی ضرورت ہوتی ہے

اس کام کے لئے ہر فوج کے ساتھ ایک خاص دستہ ہوتا ہے - یہ اپنے پیچھے کی فوج کے لئے جلد سے جلد سڑکیں بناتا ہے - ناہموار میدانوں کو ہموار کرتا ہے - دشمن کے ہوائی جہاز بمباری کرکے سڑکیں خراب کردیتے ہیں تاکہ فوج اس پر گذر نہ سکے یا درخت اور پتھر ڈال دیتے ہیں - ان سڑکوں پر سے جلد سے جلد درخت اور پتھر ہٹاکر اُن کی مرمت کرتا ہے - بہت سی اہم سڑکوں کو پکا بنایا جاتا ہے - پہاڑوں میں سے گذرنا ہوتا ہے تو پہاڑ توڑکر سڑک بنائی جاتی ہے۔

دشمن کی فوجیں اکثر ریل کی پٹریاں اور پل تباہ کردیتی ہیں - تو پٹریوں کی مرمت کی جاتی ہے اور پل دوبارہ بنائے جاتے ہیں - یہ کام بہت تیزی سے کیا جاتا ہے کہ فوجوں کے آنے جانے میں ذرا بھی رکاوٹ نہ ہو -

پرانے زمانے میں پل بنانے کے لئے پاس کے جنگل سے لکڑی لاتے تھے - اس میں بہت دیر ہو جاتی تھی - آج کل پل بنانے کا سامان فوج کے ساتھ ہوتا ہے چھوٹی کشتیاں ، شہتیر - رسّیاں وغیرہ

پل بنانے کے بہت سے طریقے ہیں - تختوں کو جوڑکر پل بناتے ہیں یا کشتیوں کا پل بناتے ہیں پہلے ایک کشتی کنارے سے کچھ فاصلے پر ڈال دیتے ہیں پھر ایک شہتیر کنارے اور کشتی پر رکھ کر باندھ دیا جاتا ہے - اسی طرح کشتیاں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر رکھی جاتی ہیں اور انھیں موٹے موٹے شہتیروں کے ذریعے ملا دیا جاتا ہے - ان شہتیروں پر لکڑی کے

تختے بچھائے جاتے ہیں۔ کشتیاں جس قدر پاس ہوں گی پل اسی قدر مضبوط ہوگا۔ کشتیوں کے پل میں یہ آسانی ہے کہ انھیں جلد اور آسانی سے جوڑا اور الگ کیا جاسکتا ہے۔ ندی یا دریا کی گہرائی کم ہو تو کمان کے پل بنائے جاتے ہیں۔ جو لکڑیاں کھمبے کے طور پر استعمال ہوتی ہیں۔ اُن کے نیچے لوہا لگا ہوتا ہے کہ تہہ میں دھنس نہ جائیں۔ اگر یہ کیچڑ میں دھنس جائیں تو ان دھنسی ہوئی لکڑیوں کو چرخی کی مدد سے نکال لیتے ہیں اور تھوڑی دور ہٹا کر پل بناتے ہیں۔ کشتیوں کے پل ایک اور طریقے سے بھی بناتے ہیں۔ تختوں کو پہلے ہی ندی کے کنارے پر جوڑ دیتے ہیں۔ پھر کشتیاں دریا میں ڈال کر یہ تختے ان پر رکھ دیتے ہیں یا ندی کے دونوں کناروں پر رسیوں سے باندھ دیتے ہیں۔ تختوں کے بیچ والے حصّے پر وزن زیادہ پڑتا ہے۔ اس بیچ کے حصّے کو مضبوط بنانے کے لئے تختوں کے سرے پتلے کر دئے جاتے ہیں۔ اس طرح تختوں کا وزن بھی ہلکا ہو جاتا ہے۔ کمان والے پل موجوں یا پانی کے تیز بہنے سے ہل نہیں سکتے۔ کشتیوں کے پل ہلتے ہیں اس عیب کو دور کرنے کے لئے دونوں طرف رسیوں سے باندھ دیتے ہیں۔

کشتی بنانے کا سامان فوج کے ساتھ نہ ہو تو جو سامان اس جگہ موجود ہو اس سے کسی نہ کسی طرح کام لیتے ہیں۔ پچھلی بڑی لڑائی میں ایک بار فوج کو دریا پار کرنے کی ضرورت ہوئی۔ ساتھ کوئی سامان نہ تھا ہاں دریا میں لمبی لمبی کائی تھی۔ یہ بہت کم زور چیز سمجھی جاتی ہے۔ سپاہیوں نے اس کائی کے ایک ایک فٹ موٹے بنڈل بنالئے اور لمبی گھاس کو بیچ بیچ کر ان مٹھوں کو باندھ دیا۔ پھر یہ بنڈل رسّی کے ذریعے ایک دوسرے سے باندھ دئے گئے پھر پل تیار ہوگیا اور چار چار فوجی ایک ساتھ اس پر سے گذرنے لگے۔ اس کے علاوہ کینوس لکڑیوں اور پتوں سے کشتیاں بنائی جاتی ہیں۔ ان کشتیوں پر درختوں کے ٹہنے اور شاخیں ڈال دی جاتی ہیں اور پل تیار ہو جاتا ہے۔

ایک اور طرح کا پل ہوتا ہے۔ دو دو بانس اس طرح بیچ میں باندھ کر پانی میں رکھ دئے جاتے ہیں اس پر سے ایک ایک سپاہی احتیاط سے گذر جاتا ہے۔ سہارے کے لئے اوپری سرے پر بانس باندھ دئے جاتے ہیں۔

ایک اور طرح کا پل ہوتا ہے اس کا رواج ہندوستان میں زیادہ ہے۔ ندی کے دونوں کنارے لکڑیاں گاڑ کر تین مضبوط رسیاں باندھ دی جاتی ہیں۔ ایک رسّی نیچے چلنے کے لئے اور دو اوپر ہاتھ سے پکڑنے کے لئے۔ اگر دونوں کناروں پر درخت ہوں تو رسّیاں درخت سے باندھ دیتے ہیں۔

معمولی قسم کی توپوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے کے لئے پچاس سے زیادہ تھیلیاں ہوتی ہیں ان تھیلیوں میں ہوا بھر کر ایک دوسرے سے باندھ دیا جاتا ہے اور توپوں کو ان پر رکھ کر پار لے جاتے ہیں پیپوں سے بھی کشتی کا کام لیتے ہیں۔ کئی تختوں کو جوڑ کر پُل کی کشتی کا کام لیتے ہیں ۔



# سُندر ڈھولچی

سانتی سروپ شاستری

آج ہم تمھیں کشمیر کا ایک قصہ سُنا رہے ہیں۔

پہاڑی زندگی بڑی محنت مشقت کی ہوتی ہے۔ مگر یہاں یہ بہت اچھی بات ہے کہ لوگ بڑے بڑے کاموں میں ایک دوسرے کا ہاتھ بٹاتے رہتے ہیں۔ جیسے مکان بنانے کے لئے جنگل سے شہتیر لانا، چھتوں پر مٹی ڈالنا، اپنے مویشیوں کے لئے گھاس کاٹ کر جمع کرنا۔ جاڑوں کے موسم میں چوپایوں کا گذر اسی گھاس پر ہوتا ہے۔ ہر ایک کسان ایسی ضرورتوں کے موقع پر سب کو بلا بھیجتا ہے۔ ان سب کے کھانے کا انتظام بھی اس کی طرف سے ہوتا ہے۔ صبح کو نمک مرچ ملا ہوا چھاچھ، شام کو گیہوں کی روٹی اور گھی شکر۔

کشمیر میں گھاس کاٹنے کا کام سب سے دلچسپ ہوتا ہے، اسے یہاں "لیتری دہک" بھی کہتے ہیں۔ گھاس کاٹنے کے لئے تیس، چالیس اور کبھی کبھی زیادہ آدمی جمع ہو جاتے ہیں۔ ایک آدمی لکڑی لئے گویا ان سب کو ہانکتا ہے تاکہ کام ایک ہی دن میں ختم ہو جائے۔

اکثر کوئی ڈھولچی بھی بلا لیا جاتا ہے۔ یہ ایک خاص انداز سے ڈھول بجاتا ہے اور گاؤں والے گھاس کاٹتے جاتے ہیں۔ ڈھولچی کبھی سست پڑ جاتا ہے۔ تو لاکڑی (لاٹھی والا) کہتا ہے۔ کہ بھائی ذرا ہوشیار ہو جاؤ۔ جوان بھی ڈھیلے پڑ رہے ہیں۔

سُندر ڈھولچی بھی ایسے موقعوں پر آس پاس کے گاؤں میں جاتا رہتا تھا۔ اس دن اسے اچھی سی دعوت کے علاوہ اناج بھی کافی مل جاتا تھا۔ اس کام کی بدولت سال بھر تک اس کی گذر اچھی طرح ہو جاتی تھی۔

اس کا گاؤں ایک پہاڑ کی اونچائی پر تھا۔ یہ پہاڑ سطح سمندر سے کوئی چار ہزار فٹ اونچا تھا۔ کشمیر میں اتنی اونچائی پر چیل (ایک درخت) کے جنگل بہت عام ہیں۔

ایک بار اسے گاؤں کے سامنے والی پہاڑی پر لیتری کے لئے جانا تھا۔ اور اپنی پہاڑی سے دو میل نیچے اتر کر دوسری پہاڑی پر ڈیڑھ میل اوپر چڑھنا تھا راستے میں جنگل پڑتا تھا۔ وہ سورج نکلتے نکلتے اس پہاڑی پر پہنچ گیا اور دن بھر لیتری یعنی گھاس کاٹتے وقت

ڈھول بجاتا رہا۔ کام زیادہ تھا۔ جلدی کی گئی پھر بھی شام ہوگئی۔ سندر میزبان جانتا تھا کہ اُسے دور جانا ہے۔ اِس لئے اناج وغیرہ دے کر اسے جلدی ہی رُخصت کر دیا۔ سُندر نے اناج چادر کے کونے میں باندھا، ڈھول بغل میں دبایا اور چل کھڑا ہوا اور جلدی جلدی پہاڑی سے نیچے اترنے لگا۔ اب اندھیرا ہو چلا تھا مگر چاندنی رات تھی اِس لئے اطمینان تھا۔ پھر پہاڑ کی تنگ وادی میں پہنچ کر اور سُنسان جنگل میں گھستے وقت اُسے ڈر سا لگا۔ وہ دل بہلانے کے لئے ڈھول بجانے لگا۔ اچانک اُسے سامنے دو چمکتی ہوئی آنکھیں دکھائی دیں۔ غور سے دیکھا تو ایک چیتا تھا۔ اُسے کچھ ایسا معلوم ہوا کہ چیتا اِدھر اُدھر چکر کاٹ کر اس کا راستہ روکنا چاہتا ہے سُندر کے پاؤں جیسے زمین میں گڑ گئے ہوں۔ ڈر کے مارے پسینے پسینے ہوگیا۔ مگر ڈھول برابر بجاتے گیا اور اب تو اور بھی زور سے بجانے لگا۔ اس وقت ایک عجیب بات ہوئی۔ چیتا ڈھول کی آواز پر ناچنے کودنے لگا۔ سُندر سمجھ گیا کہ یہ ڈھول کی آواز پر مست ہے مگر سُندر کے راستے سے وہ ہٹتا اب بھی نہیں۔ سُندر نے اپنے جی میں سوچا یہ ہمت ہارنے اور حوصلہ چھوڑنے کا وقت نہیں ہے۔ نہ ڈھول بجانے کے علاوہ کوئی اور تدبیر ہے۔ وہ برابر ڈھول بجائے گیا، یہاں تک کہ ساری رات گذر گئی۔ سُندر ڈھول بجاتا رہا اور جنگل میں یہ خوفناک ناچ ہوتا رہا۔

سُندر کے گاؤں کے لوگ رات بھر ڈھول کی آواز سُنتے رہے۔ اب صُبح ہوگئی تھی مگر آواز بدستور چلی آرہی تھی۔ اِنھیں یہ معلوم تھا کہ سُندر ڈھولچی کل سامنے والے گاؤں میں گیا تھا۔ اس کے گھر جاکر پوچھا تو معلوم ہوا کہ سُندر رات کو گھر نہیں پہنچا ہے۔ اب اِنھیں یقین سا ہونے لگا کہ ہو نہ ہو یہ سُندر ہی ڈھول بجا رہا ہے۔ مگر اُن کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ بات کیا ہے؟ اُنھوں نے سُندر کو کئی بار زور زور سے پکارا مگر جواب میں وہی ڈھول کی آواز۔ سُندر کی بیوی بہت پریشان تھی۔ گاؤں والوں نے اُسے دلاسا دیا کہ ہم ابھی جاکر معلوم کرتے ہیں کہ سُندر کس آفت میں پھنس گیا ہے اور اُسی وقت گاؤں کے چار پانچ مرد اپنی اپنی لاٹھیاں ہاتھ میں لے جنگل کی طرف چل دیئے کوئی پندرہ، بیس منٹ میں اس مقام کے قریب پہنچ گئے۔ جہاں سے آواز آرہی تھی۔ اب وہ ذرا زیادہ ہوشیار ہوگئے اور چھپ چھپ کر آگے بڑھنے لگے یکایک کیا دیکھتے ہیں کہ ایک چیتا سُندر کے سامنے ناچ رہا ہے اور سُندر ڈھول بجا رہا ہے۔ سُندر اس وقت کچھ دیکھ سکتا ہے نہ سُن سکتا ہے۔ سب نے بڑے بڑے پتھر ہاتھ میں لئے اور ایک طرف سے چپ چاپ درختوں کی آڑ لیتے ہوئے چیتے کی طرف بڑھے قریب آکر اُنھوں نے ہلّو ہلّو کا شور مچایا اور چیتے پر

پتھر برسانے لگے۔ چیتے کا ناچ بند ہوا۔ اس نے اُن کی طرف گھور کر دیکھا اور راستہ چھوڑ کر پاس کی جھاڑیوں میں چلا گیا۔ مگر سُندر اب بھی ڈھول بجا رہا تھا۔ نہ کسی کی طرف دیکھتا تھا نہ کسی کی سُنتا تھا۔ اِس کے دوستوں نے اِسے بہت پکارا۔ سُندر! سُندر! مگر وہ ڈھول بجاتے ہی گیا۔ بہت جھنجھوڑنے کے بعد اس کے مُنہ سے "ہاں" نکلا۔ لوگوں نے اُسے پکڑ کر زمین پر بٹھایا مگر وہ بالکل بے ہوش، بڑی دیر کے بعد وہ ہوش میں آیا۔ دو آدمیوں کے سہارے سے گاؤں تک لائے۔ گھر پہنچتے ہی وہ تھکا ماندہ چارپائی پر پڑ گیا اور بے خبر سو گیا۔ آنکھ کھلی تو اس کے سامنے چیتا ناچ رہا تھا۔ چیتے کا ڈر اس کے دل سے بہت دنوں کے بعد نکلا۔ اب وہ بالکل اچھا ہے۔ اب بھی وہی کام کرتا ہے۔ مگر شام ہونے سے پہلے ہی گھر واپس آ جاتا ہے۔ اب کبھی دو چار دوست آپس میں مل بیٹھتے ہیں تو اس واقعے کو یاد کرکے خوب ہنستے ہیں۔

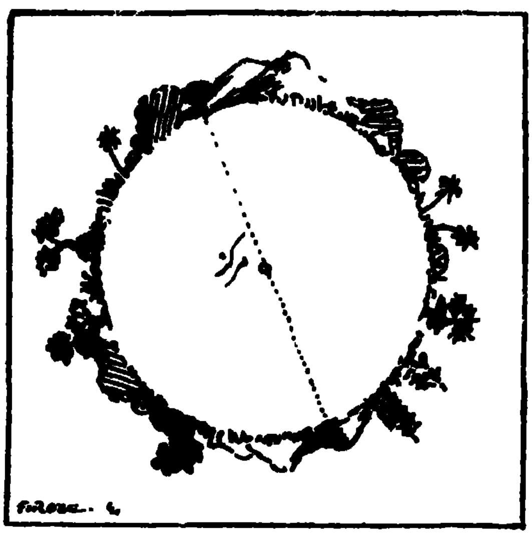
---

# ہوا کی کہانی

ح، م، اسلم پٹنہ

ہوا ایسی ہوا جس کے ذریعے ہم سانس لیتے ہیں بڑی ضروری چیز ہے۔ اگر یہ ذرا دیر کے لئے بند ہو جائے تو ہم تو ہم ساری دنیا ختم ہو جائے

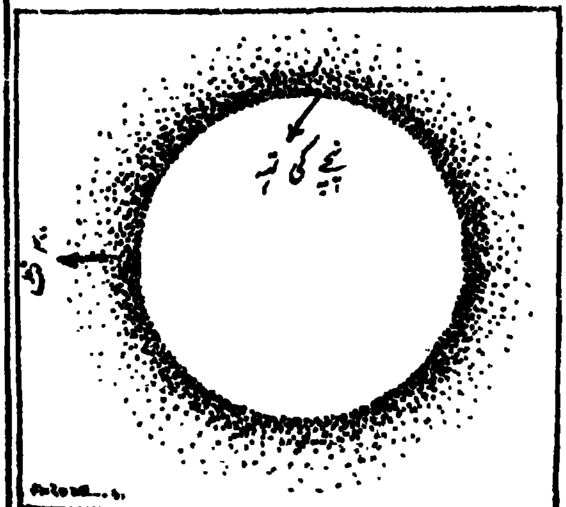
یہ تو تمھارے استادوں نے تمھیں بتا دیا ہوگا کہ ہماری دنیا گیند یا نارنگی جیسی گول ہے اور ہم اس کی سطح پر چیونٹی کی طرح چپکے ہوئے ہیں۔ تصویر نمبر ۱




میں دیکھو زمین پر تمام چیزیں کس طرح قائم ہیں۔ اب حیرانی کی بات یہ ہے کہ انسان زمین کی سطح پر کیوں کر قائم رہتا ہے نیچے گر کیوں نہیں جاتا تو بات یہ ہے کہ زمین میں ایک قسم کی طاقت ہے، اسے کشش کہتے ہیں۔ اس کشش کی وجہ سے سطح زمین کی تمام چیزیں اس کے مرکز کی طرف کھنچی رہتی ہیں۔ تم چاہے جتنے زور سے کوئی پتھر اوپر پھینکو وہ کچھ دور اوپر جا کر پھر زمین کی طرف لوٹ آتا ہے۔ اس کی وجہ وہی کشش ہے۔ اوہو ہم کہاں سے کہاں پہنچ گئے۔ اس وقت تو ہوا کی بات ہو رہی تھی۔ تو ہوا ہماری زمین سے کوئی دو سو میل اونچائی تک چھائی ہوئی ہے۔ کرۂ ہوا اسی کا نام ہے کہتے ہیں زمین کی کشش اس کرۂ ہوا کو بھی اپنی طرف کھینچتی رہتی ہے۔

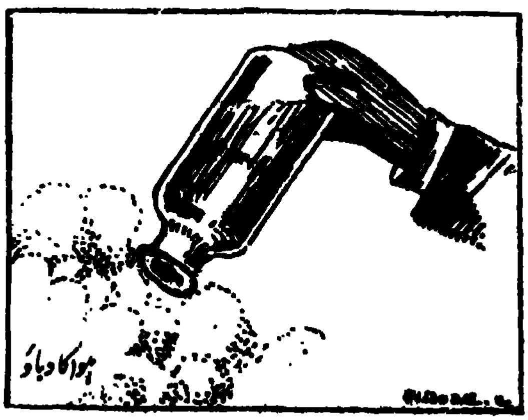
اس کرۂ ہوا میں ہوا کی بہت سی تہیں ہوتی ہیں آخری تہہ زمین کی سطح پر ہوتی ہے۔ یہ تہہ بہت گھنی ہوتی ہے۔ اس کے اوپر کی تہیں رفتہ رفتہ ہلکی ہوتی جاتی ہیں۔ سب سے اوپر کی تہہ بالکل ہلکی ہوتی ہے سب سے نیچے کی تہہ پر ہوا کی اوپر کی تہوں کا دباؤ پڑتا ہے اسی لئے وہ وزنی ہو جاتی ہے۔ مثال کے طور پر

یوں سمجھو کہ تھوڑی سی دُھنکی ہوئی روئی صندوق میں رکھیں، اب اس روئی پر دُھنکی ہوئی روئی کی اور تہہ رکھتے چلے جائیں یہاں تک کہ سارا صندوق بھر جائے اب روئی کی ان تہوں کو نکالا جائے، نیچے کی تہہ اوپر کی تہہ سے خوب دبی ہوئی ہوگی۔ اس سے اوپر کی تہہ اس سے کچھ کم۔ اُس سے اوپر کی اور بھی کم، اور سب سے اوپر کی تہہ ویسی کی ویسی دُھنکی ہوئی۔ یہی حال ہوا کا ہے۔ یہ بھی ہلکی پھلکی ہے۔ مگر اوپر کی ہوا کے دباؤ کا اس پر بھی اثر پڑتا ہے۔ اس دباؤ کا پتہ ایک آلے سے لگایا جاتا ہے۔ اِسے بادپیما کہتے ہیں۔ (تصویر نمبر ۲) اس آلے سے پتہ لگایا گیا ہے کہ زمین




کی سطح پر ہوا کا دباؤ کوئی ۱۴ پونڈ فی مربع انچ ہے یعنی ہمارے جسم کے صرف ایک مربع انچ پر ہوا کا دباؤ ۱۴ پونڈ رہتا ہے

اب ایک اور حیرانی کی بات ہے۔ جب انسان کے جسم پر ہوا کا اتنا بوجھ رہتا ہے تو اسے اِس بوجھ کی وجہ سے تکلیف کیوں نہیں ہوتی یا یہ کہ اس کے بوجھ سے وہ پچک کیوں نہیں جاتا۔ تو بات یہ ہے کہ ہوا کا یہ دباؤ جس طرح ہمارے جسم کے اوپر رہتا ہے اسی طرح جسم کے اندر بھی موجود رہتا ہے۔ اگر یہ بوجھ جسم کے اوپر کے حصّے کو دباتا ہے تو اندر کا بوجھ اُسے اُٹھائے رہتا ہے اور ہمیں نہ بوجھ کا احساس ہوتا ہے نہ اُس کے دباؤ سے ہم پچکتے ہیں۔ ہاں کسی طرح جسم کے اندر کی ہوا یکایک باہر نکال دی جائے تو یہ فوراً پچک جائے۔ اِس کا تجربہ تم خود کیوں نہ کر لو۔ ایک چھوٹی پتلی سی شیشی میں پانی بھر دو (تصویر نمبر ۳) اور اس

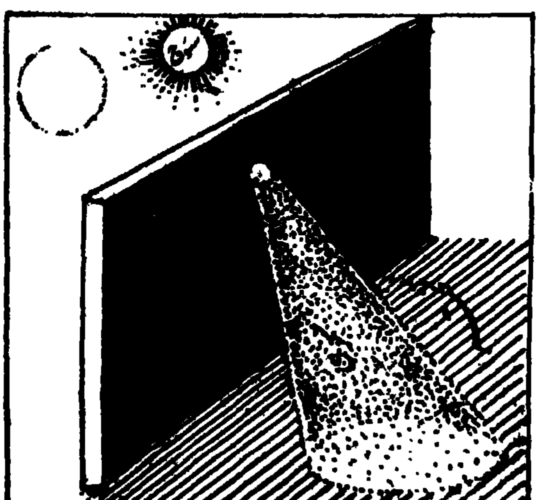



کے مُنہ پر ایک کاغذ لگا کر اُسے اُلٹ دو اِس کے اندر کا پانی ذرا بھی نہ گرے گا۔ زمین کی کشش بھی اُسے اپنے مرکز کی طرف کھینچے رہتی ہے۔

جس ہوا میں ہم سانس لیتے ہیں وہ کئی چیزوں سے مِل کر بنی ہے۔ ان میں تین چیزیں بہت اہم ہیں (۱) گیس (۲) گرد و غُبار کے ذرّے (۳) بھاپ۔

گیس۔ ہوا میں تین چار قسم کی گیسیں ہوتی ہیں۔ ان میں دو قسم کی گیسیں حیوانات و نباتات کے لیے بہت ضروری ہیں۔ آکسیجن گیس اور کاربن ڈائی آکسائیڈ۔ آکسیجن گیس سے ہم سانس لیتے ہیں اور جو سانس ہم باہر نکالتے ہیں وہ کاربن ڈائی آکسائڈ ہے یہ زہریلی گیس ہے اور صرف نباتات کے لیے مفید ہے۔ تمھیں یہ سُن کر تعجب ہوگا کہ درخت بھی سانس لیتے ہیں۔ یہ بھی خدا کی قدرت ہے کہ جو سانس ہم باہر نکالتے ہیں وہ درختوں کے لئے مفید ہے۔ اور جو سانس نباتات باہر پھینکتے یا نکالتے ہیں وہ ہمارے لئے مفید ہے۔ یہ تو تُم جانتے ہو کہ صبح کے وقت باغوں اور پارکوں میں ٹہلنا تندرستی کے لئے بہت مفید ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ کاربن ڈائی آکسائڈ کو درخت تمام رات سانس کے ذریعے حاصل کرتے ہیں اور صبح کو جب ہلکی ہلکی خوش گوار ہوا چلتی ہے یہ اس زہریلے گیس کو آکسیجن بنا کر اُگلتے ہیں۔ اس طرح صُبح ہی صُبح ہم کو تازہ تازہ ہوا سانس لینے کو ملتی ہے۔

گرد۔ ہوا میں دوسری چیز گرد و غُبار کے ذرّے ہیں۔ شہروں، ریگستانوں اور گرد و غبار کی جگہوں سے جب ہوا گذرتی ہے تو اپنے ساتھ یہ ننھے ننھے ذرّے بھی اُڑا لاتی ہے۔ یہ ہوا میں اتنے گھل مِل جاتے ہیں کہ آسانی سے نظر نہیں آسکتے۔ تُم انھیں دیکھنا چاہو تو یوں کرو کہ دھوپ کی جگہ کوئی موٹی چیز یا تختہ اس طرح رکھ دو کہ سوُرج کی کرنیں رُک جائیں۔ اب تختے میں باریک سا سوُراخ کر دو اتنا کہ سوُرج کی کرنیں اُس سے گذر سکیں اب تُم سوُراخ میں سے گذرنے والی کِرنوں کو غوُر سے دیکھو۔ تُمھیں بہت سے مہین مہین ذرے اِدھر اُدھر گھومتے نظر آئیں گے۔ یہ ذرے ہوا میں ہر وقت اور ہر جگہ موجود رہتے ہیں (تصویر نمبر ۴) یہ عموُماً کارخانوں کے



آس پاس یا بڑے بڑے شہروں کی ہوا میں زیادہ ہوتے ہیں۔ پہاڑوں یا سمندر کی سطح کی ہوا میں بہت کم ہوتے ہیں۔ اِسی لئے لوگ پہاڑی جگہوں پر رہنا زیادہ پسند کرتے ہیں۔ وہاں انھیں تازہ اور صاف ہوا ملتی ہے۔

کرۂ ہوا میں تیسری چیز بھاپ ہے۔ سورج کی
تیز کرنوں سے پانی، بھاپ بن کر اُوپر اُڑ جاتا ہے۔
بھاپ بننے والے پانی کے قطرے اس قدر چھوٹے ہوتے
ہیں کہ آنکھوں سے نظر نہیں آسکتے۔ گرمیوں میں کسی
شیشے کے برتن میں تھوڑا سا پانی بھر کر دھوپ میں
رکھ دو، شام تک برتن خالی ہو جائے گا۔ یہ پانی کیا
ہوا؟ بھاپ کی شکل میں غائب ہو گیا اور فضا میں مل
گیا۔ اگر تم اس بھاپ کو دیکھنا چاہو تو شیشے کے گلاس میں
میں پانی لو اور پھر برف ڈال دو، کچھ دیر بعد گلاس کے
باہر کی سطح پر بہت سے ننھے ننھے قطرے نظر آئیں
گے (تصویر نمبر ۵) یہ آہستہ آہستہ بڑھنے لگیں گے اور




ایک دوسرے سے مل کر نیچے گرنے شروع ہو جائیں
گے۔

برسات کے موسم میں آسمان پر روئی جیسے سفید
سفید گالے اصل میں یہی جمع ہوئے بخارات ہیں۔ تم
اوپر پڑھ چکے ہو کہ ہوا جیسے جیسے اوپر ہوتی جاتی ہے
ہلکی سرد ہوتی جاتی ہے۔ اب یہ بھاپ یا بخارات ہوا
میں خوب اوپر اُٹھ جاتے ہیں تو اوپر کی سردی سے جم
کر بادل کی شکل میں نظر آنے لگتے ہیں۔ اور جب یہ چھوٹے
چھوٹے قطرے ایک دوسرے سے مل جاتے ہیں تو
اتنے بھاری ہو جاتے ہیں کہ ہوا میں ٹھہر نہیں سکتے اور
مینہ کی صورت میں ٹپک پڑتے ہیں۔

اگر بارش کے یہ قطرے اتنی اونچائی سے آتے
ہیں جہاں بہت ٹھنڈک ہو تو یہ جم کر سخت ہو جاتے
ہیں اور اولے یا برف کی شکل میں گرنے لگتے ہیں۔

اچھا اب سردی کے موسم میں اوس یا شبنم
کہاں سے آتی ہے اور زمین پر کیوں گرتی ہے؟ تو اس کی
وجہ یہ ہے کہ زمین تمام دن سورج کی گرمی سے گرم اور
رات کو آہستہ آہستہ ٹھنڈی ہو جاتی ہے۔ زمین کی ہوا بھی ٹھنڈی
اور اتنی ٹھنڈی ہو جاتی ہے کہ بخارات کے قطرے ایک دوسرے سے
مل مل کر زمین پر گرنے لگتے ہیں اور اس طرح رات کو
یہ بخارات شبنم کی شکل میں گھاس اور درختوں کے
پتوں پر جم جاتے ہیں۔

نقشے میں دیکھو سورج کی تیز شعاعیں پانی
کو بھاپ بنا کر اُڑائے جاتی ہیں۔ کچھ بلندی پر جا کر یہ
وہاں کی سردی سے جم کر بادل بن جاتے ہیں اور پھر
بارش کی شکل میں گر جاتے ہیں۔

ہوا کی کہانی اب ختم ہوئی۔ اگر تم نے اسے

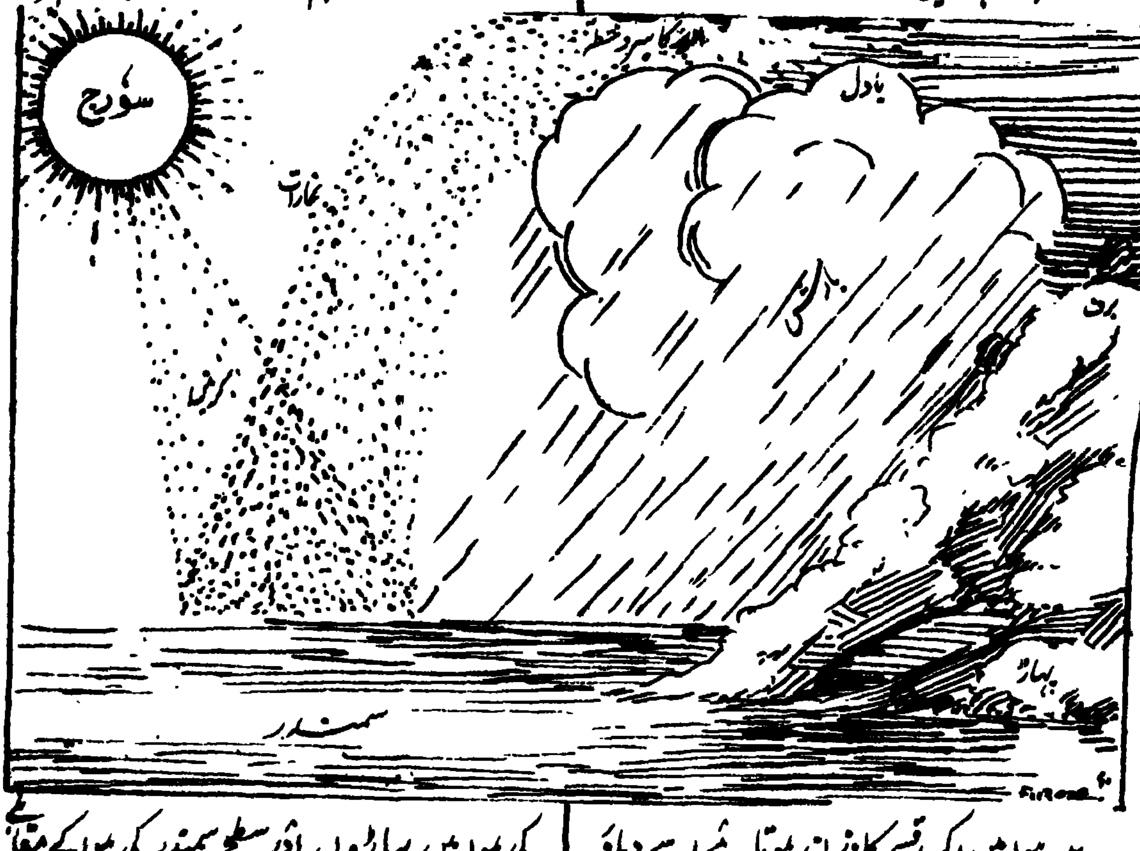
پسند کیا تو آیندہ کوئی ایسی ہی دلچسپ کہانی سنائیں گے۔ تمھیں کچھ یاد بھی ہے ہم نے کیا بتایا تھا۔

دیکھو ایک تو یہ بات بتائی تھی کہ ہوا سطحِ زمین سے دو سو میل کی اونچائی تک پائی جاتی ہے۔ اور اسے کرۂ ہوا کہتے ہیں۔

کی اونچائی پر درجۂ حرارت ایک ڈگری کم ہوتی جاتی ہے۔

۴۔ کرۂ ہوا میں تین خاص چیزیں شامل ہیں گیس، گرد و غبار کے ذرّے اور بھاپ۔

۵۔ گیس سے ہم سانس لیتے ہیں۔ شہروں




۲۔ ہوا میں ایک قسم کا وزن ہوتا ہے اسے دباؤ کہتے ہیں۔ یہ دباؤ سطحِ زمین پر بہت زیادہ اور اونچائی پر کم ہوتا ہے۔

۳۔ اوپر کی ہوا بہت ٹھنڈی ہوتی ہے اس لئے زیادہ اونچائی پر بخارات جم جاتے ہیں۔ ہر دو سو فٹ

کی ہوا میں پہاڑوں اور سطحِ سمندر کی ہوا کے مقابلے میں گرد و غبار کے ذرّے زیادہ ہوتے ہیں بھاپ سے بادل، شبنم، اولا وغیرہ بنتا ہے ۔



# پیاسا کوّا

گنیش چندر سکسینہ، فتح گڑھ

گرمی کے دِن لُو تھی چلتی
پیاس سے سب کی زبان نکلتی

ایک تھا کوّا بہت پیاسا
پانی اس نے کہیں نہ پایا

اس نے ایک جو مٹکا دیکھا
سوچا اُس میں پانی ہوگا

اُڑکر اس کے پاس جو آیا
تہہ میں تھوڑا پانی پایا

اُس نے یہ گُر سوچ نکالا
پاس سے اُڑ کر کنکڑ لایا

جُوں ہی گھڑے میں کنکڑ ڈالا
پانی کچھ اوپر اُٹھ آیا



پھر تو اُس نے بہت سی کنکڑ
ڈالے لاکر گھڑے کے اندر

پانی اُوپر جب چڑھ آیا
پیاسا کوّا تب پی پایا

الحاصل گر غور سے دیکھیں
اِس سے نتیجہ ہم یہ نکالیں

وقت مصیبت کا جب آوے
عقل لڑاوے کام بناوے

مُشکل میں جو گھبراتا ہے
بنتا کام بگڑ جاتا ہے

# بچوں کی نظمیں

## خدا

محمد صالح درجہ دوم متعلم جامعہ عمر ۹ سال

سب کا مالک تو ہے آقا
تو ہے ہمارا پیارا داتا
تو سب کو ہے علم سکھاتا
تو ہے ہمارا اچھا داتا
تو دیتا ہے ہم کو کھانا
کھا لیتے ہیں ہم سب کھانا
اچھا اچھا پھل بھی دیتا
ہم کو کپڑا لتا دیتا
ہم ہیں تیرے اچھے بندے
ہم ہیں تیرے پیارے بندے

## کاہی ڈنڈا

محمد احمد عظیم ابتدائی چہارم جامعہ عمر ۱۰ سال

| | |
|---|---|
| ہم سب باغ میں جائیں گے | غل اور شور مچائیں گے |
| ایک لکڑی لے جائیں گے | کھیلیں اور کھلائیں گے |
| آتی پاتی کر کے ہم | ایک کو چور بنائیں گے |

## مولوی محمد شفیع الدین صاحب نیر کی اصلاح کے بعد

کاہی ڈنڈا کھیلیں گے

| | |
|---|---|
| پھینک کے لکڑی دور بہت | پیڑوں پر چڑھ جائیں گے |
| چور پکڑنے آئے گا | اس کے ہاتھ نہ آئیں ۔ گر |
| پھر ہم نیچے کودیں گے | ڈنڈے کو جھٹ چومیں ۔ گر |

کاہی ڈنڈا کھیلیں گے

| | |
|---|---|
| ڈنڈا چوم نہ پائیں گے | وہ جو پکڑے جائیں ۔ گر |
| ان کو چور بنا کر ہم | ویسے ہی دوڑائیں گے |
| برق اگر آ جائیں گے | ان کو کھیل کھلائیں ۔ گر |

کاہی ڈنڈا کھیلیں گے

---

## رات

اصغر ہلوری

رات نے اپنے پاؤں پسارے
سویا سورج جاگے تارے
چھانے لگا دنیا پہ اندھیرا
تاریکی نے سب کو گھیرا
بند ہوئے سب کام ہمارے
ہم سب اپنے گھر کو سدھارے

چھوٹے کوئی کوئی بڑے ہیں
تارے ہیں یا ہیرے جڑے ہیں
نیند کے ماتے چھوٹے بچے
گود میں ماں کی تھک کر سوئے
رات بڑھی سناٹا چھایا
نیند نے آکر آن دبایا
تاروں بھرے آکاش کے نیچے
ہندو مسلم سب ہی سوئے
شکر کرو سب پیارے بھائی
اُس کا جس نے رات بنائی

## بلّی

اقبال، حیدر آبادی

میں نے ہے اک پالی بلّی
رنگت اس کی کالی کالی
اُس کے گلے میں پٹا ڈالا
نام رکھا ہے اس کا مالا
تم سے لگ کر بیٹھی رہتی
سارے دن وہ کودتی رہتی
شام کو بھی وہ پھرتی رہتی
چوہوں کو وہ کھاتی رہتی
دوسری بلیوں سے بھی لڑتی
سارے دن وہ جھگڑتی رہتی
کھانے کا جب وقت تھا آتا ٭ حیدر کھانا اس کو کھلاتا

## ہماری مُرغی - رضیہ سلطانہ از خان

ہم نے ہے اک مُرغی پالی
پر ہیں اُس کے سفید اور کالے
اِک مُرغی نے دیا اک انڈا
دوسرے دن بھی انڈا دیکھا
ہوگئے پورے بارہ انڈے
اکیس دن میں ہم نے دیکھا
اچھی اچھی پیاری پیاری
جیسے رات میں نکلے تارے
ہم نے وہ بھیّا کو دکھایا
بکس میں ہم نے اس کو رکھا
ہم نے مُرغی کے نیچے رکھے
مُرغی کے چوزوں کو پایا
ہم نے چوزے سب کو دکھائے
یہ چوزے سب ہی کو بھائے

# بیج اور پھل کس طرح پھیلتے ہیں

محمد ریاض الحسین صاحب قریشی
ایم، ایس، سی عثمانیہ

انور اپنے کمرے میں بیٹھا کتاب دیکھ رہا تھا۔ کوئی ایسی ہی دلچسپ کتاب انور کی ہوگی جبھی تو وہ اتنا کھویا ہوا تھا کہ سنہا کے آنے کی اُسے خبر تک نہ ہوئی۔ سنہا کمرے میں آیا۔ کرسی پر بیٹھا، تھوڑی دیر تک انور کو دیکھتا رہا پھر جانے کیا جی میں آئی کہ پیچھے سے جا کر انور کی آنکھیں بند کردیں۔ انور چونک پڑا سنہا نے ایک قہقہہ لگایا۔

**سنہا:۔** بھائی زیادہ نہ پڑھا کرو، دماغ خراب ہو جائے گا۔

**انور:۔** (بہت تعجب سے) ارے تم کب آئے۔ مجھے خبر ہی نہ ہوئی۔

**سنہا:۔** خیر میں کسی وقت آیا۔ اب آپ تیار ہو جائیے ساڑھے چار بج چکے ہیں۔ والی بال کا نٹ لگ چکا ہے۔ کھیل بھی شروع ہو گیا ہے۔ اس کتاب کو رکھئے میز پر۔ (چھیننے کے لئے ہاتھ بڑھاتا ہے۔)

**انور:۔** ارے یار بڑا دلچسپ بیان ہے۔ تھوڑا رہ گیا ہے۔ ختم کر لینے دو۔

**سنہا:۔** جی پھر ختم کر لیجئے گا۔ ساری رات پڑی ہے اس وقت تو ذرا اُٹھ بیٹھئے اور کتاب میرے حوالے کیجئے۔

**انور:۔** میرا بھائی! بس تین چار صفحے ہیں۔ پندرہ منٹ میں ختم ہو جائیں گے۔

**سنہا:۔** ایسی کیا دلچسپ کتاب ہے۔ کوئی ناول ہوگا۔

**انور:۔** جی نہیں۔ نباتات پر ہے۔

**سنہا:۔** (مُنہ بنا کر) اونہہ ہونہہ کیسا خشک مضمون ہے۔ تم پڑھ کیسے لیتے ہو

**انور:۔** خشک! یہ بھی ایک ہی کہی۔ تم نے نباتات کے بارے میں اب تک کوئی کتاب پڑھی نہیں۔ ورنہ ایسی جہالت کی بات نہ کہتے۔

**سنہا:۔** جی بالکل صحیح فرمایا۔ اچھا اس وقت آپ کیا پڑھ رہے تھے۔ ذرا معلوم تو ہو کہ کون سی ایسی دلچسپ بات تھی مگر جلدی کیجئے۔ احمد اور شرما انتظار کر رہے ہوں گے۔

انور:- ابھی بتاتا ہوں۔ مگر آپ ذرا شریف آدمیوں کی طرح کرسی پر تشریف رکھئے۔ دیکھئے میں اس وقت پڑھ رہا تھا "بیج اور پھل کس طرح پھیلتے ہیں"۔

سنہا:- یعنی؟

انور:- یعنی یہ تو آپ جانتے ہیں کہ انسان کو اپنی نسل پھیلانے کی خواہش کس قدر ہوتی ہے۔ یہ چیز انسانوں ہی میں نہیں۔ حیوانوں، یہاں تک کہ نباتات میں بھی ہوتی ہے۔

سنہا:- جی نہیں جانتا تھا تو اب جان گیا۔ آگے چلئے۔

انور:- اصل میں اللہ میاں کا منشا یہ ہے کہ دنیا پھلتی پھولتی رہے اور ترقی کرے۔ اس نے انسان اور حیوان کے دل میں اپنی نسل کو قائم رکھنے اور بڑھانے کی خواہش پیدا کی ہے اور یہی انتظام اس نے نباتات کے لئے کیا ہے۔

سنہا:- (بات کاٹ کر) لوٹ پھر کے وہی بات

انور:- بات تو پوری کرنے دو۔ دیکھو اکثر پودے بیج پیدا کرتے ہیں۔ یہ بیج مختلف ذریعوں سے دور دور پھیل جاتے ہیں۔ ان بیجوں سے مناسب وقت میں پھر پودے اُگتے ہیں اور رفتہ رفتہ تناور درخت ہو جاتے ہیں۔ بعض درختوں کی قلمیں لگائی جاتی ہیں۔ یہ قلمیں بھی جڑ پکڑ کر درخت بن جاتی ہیں۔ بعض درختوں کی شاخیں کاٹ دی جاتی ہیں اور ان سے پھر نئی شاخیں پھوٹتی ہیں۔ بعض پودے بچے بھی پیدا کرتے ہیں مثلاً کیلا، اروی، پودینہ۔

سنہا:- بہت خوب! مگر ذرا یہ تو فرمائیے کہ بیجوں کو دور دور پھیلنے کی کیا ضرورت ہے۔ درخت کے نیچے گر کر نہیں اُگ سکتے۔

انور:- یہ سوال بہت معقول ہے۔ دیکھو اگر ہم تم یعنی انسان جگہ بدلتے رہیں اور ہماری آب و ہوا تبدیل ہوتی رہے۔ تو ہماری تندرستی پر اچھا اثر پڑتا ہے اور نسل بھی بڑھتی ہے۔ یہی حال پودوں کا ہے۔ اگر کسی درخت کے تمام بیج ایک ہی جگہ گر جائیں تو ان میں سے نوے فی صدی ضائع ہو جائیں گے۔

سنہا:- وہ کیسے؟

انور:- پھر بیچ میں بولے۔ بالکل سیدھی سی بات ہے۔ جہاں آدمیوں کی گھنی آبادی ہوتی ہے۔ وہاں کی آب و ہوا اچھی نہیں رہتی۔ ان میں مختلف مرض پیدا ہوتے رہتے ہیں اور ان کی نسل کم زور کر دیتے ہیں۔ بس اسی طرح ایک ہی جگہ بیجوں کی کثرت انھیں اُگنے پھیلنے اور بڑھنے سے روکے گی۔ انھیں نہ تو کافی غذا ملے گی نہ کافی روشنی۔ نہ پانی۔ یہاں تک کہ اس طرح ایک جگہ جمع ہونے کی وجہ سے انھیں اچھی طرح

سانس لینے کا بھی موقع نہ ملے گا۔ خصوصاً کم زرخیز زمین میں بس وہی پودے زندہ رہیں گے جو زور اطاقت ور ہیں۔ کم زور پودے مرجھا جائیں گے اور ختم ہو جائیں گے۔ اسی لئے بیجوں کو دور دور پھیلانے سے قدرت کا منشا یہ ہے کہ یہ اچھی طرح پھلیں اور بڑھیں اور روشنی اور ہوا اچھی طرح حاصل کر سکیں۔ اچھا اب میں تم سے ایک بات پوچھتا ہوں۔ پھل تم کسے کہتے ہو

**سنہا**:۔ پھل! یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے جن کا مزا میٹھا، رسیلا اور خوش گوار ہو وہی پھل ہیں جیسے سیب، امرود، سنترہ وغیرہ

**انور**:۔ جی ہاں، عام طور پر یہی خیال ہے۔ لیکن حقیقت میں وہ خشک پھلیاں بھی جو کھانے میں ناگوار اور بدمزا ہوتی ہیں، پھلوں میں شامل ہیں۔ مثلاً کیکر، تروڑا اور نیلسر کی پھلیاں وغیرہ۔ اب ان میں سے بعض پھلیوں میں ایک ہی بیج ہوتا ہے۔ بعض میں بہت سے لیکن یہ بیج پھیلتے کیسے ہیں اور ہوا انھیں کس طرح ادھر سے ادھر اڑا کر لے جاتی ہے۔ تو ان کے بتانے کے لئے ذرا تفصیل کی ضرورت ہے۔ کہئے تو بتاؤں۔

**سنہا** (کچھ سوچ کر) اچھا بتائیے دیر تو ہو گئی ہے۔ تھوڑی دیر اور سہی۔

**انور**:۔ ہوا کے ذریعے صرف انھی درختوں کے بیج پھیلتے ہیں جن کے پھل ہلکے اور چھوٹے ہوتے ہیں۔ ایسے بیج ذرا ہلنے جلنے پر بہت دور پہنچ جاتے ہیں۔ گاجر کے بیج چھوٹے اور خرفے کے تو بہت ہی چھوٹے ہوتے ہیں۔ یہ باآسانی اڑ سکتے ہیں۔ لیکن بڑے اور وزنی بیجوں کے لئے تیز ہوا کی ضرورت ہوتی ہے۔ بعض بیجوں میں یہ ہوتا ہے کہ پھل اوپر سے پھٹ جاتا ہے مگر نچلا حصہ اسی طرح لگا رہتا ہے اور پھل ایک چھینکے کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ ہوا کے جھونکوں کے ساتھ یہ کیسہ اور تھیلیا ہلتی ہے اور بیج تھوڑی تھوڑی تعداد میں خارج ہو کر پھیلتے رہتے ہیں بلغ کی بیل اس کی ایک دلچسپ مثال ہے۔ اس کا کیسہ اوپر کی طرف لگا رہتا ہے اور نچلا حصہ پھٹتا ہے۔ بیج ہوا کے جھونکوں سے ہل ہل کر تھوڑی تھوڑی تعداد میں کیسے میں سے نکلتے رہتے ہیں۔ تم نے کبھی بالوں والے بیج بھی اڑتے ہوئے دیکھے ہیں۔

**سنہا**:۔ نہیں۔ اہا کہیں آگ کے بیج تو نہیں جنھیں "بڑھیا بڑھیا" کہتے تھے۔

**انور**:۔ ہاں، ہاں۔ وہی مطلب ہے۔ بعض پھلوں اور بیجوں کے خاص قسم کے پر ہوتے ہیں۔ ان کی بدولت یہ ہلکے ہو جاتے ہیں اور ہوا میں آسانی سے اڑ کر ادھر ادھر پھیل جاتے ہیں۔ آگ کے

بیج کے سروں پر بالوں کا گچھا ہوتا ہے۔ یہ بیج پھل کے پھٹنے سے باہر نکل آتے ہیں۔ بیج پکنے کے موسم میں سینکڑوں بیج ہوا میں اُڑتے دکھائی دیتے ہیں۔ ہوا کا تیز جھونکا انھیں منٹوں میں کہیں سے کہیں لے جاتا ہے۔ کبھی کبھی تو ایک ملک سے دوسرے ملک پہنچ جاتے ہیں اور وہاں پھلنے پھولنے لگتے ہیں۔

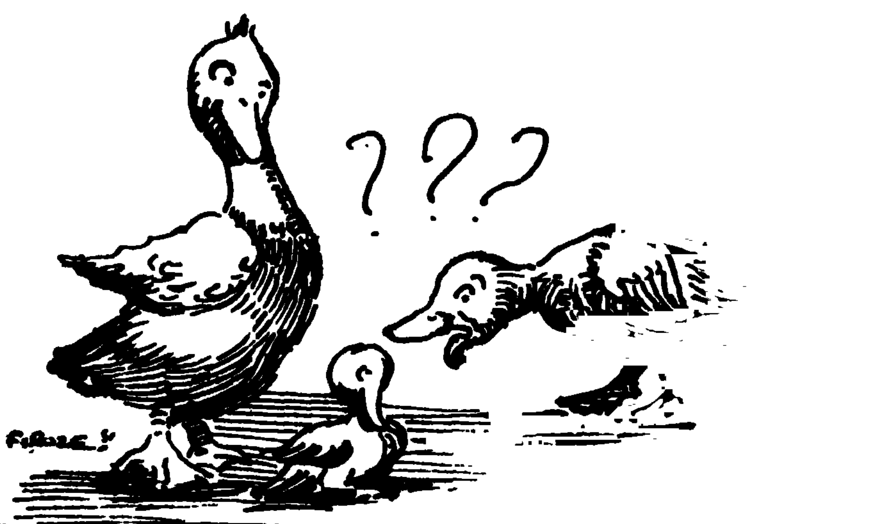
**سنہا:۔** پچھلے سال گرمیوں میں قلعہ گولکنڈہ کے آس پاس میں نے ایک خاص قسم کے پردار پھل اُڑتے دیکھے تھے۔ اُن کے دو لانبے لانبے پر تھے میں نے وہاں کے لوگوں سے اس پھل کا نام پوچھا، مگر کسی نے ٹھیک جواب نہ دیا

**انور:۔** اس پھل کو انگریزی میں کارڈکارپس کہتے ہیں۔ سوزنی کا بیج بھی ایسا ہی ہوتا ہے۔ اس کی پھلی پک کر پھٹتی ہے تو بیج نکل آتے ہیں۔ یہ بھی پردار ہوتے ہیں۔ اس لئے ہوا انھیں ادھر اُدھر اڑائے جاتی ہے۔ سرس کے پیڑ کی پھلیاں ہلکی ہوتی ہیں اور اُڑ سکتی ہیں۔ بارش سے پہلے تیز ہوائیں ہزاروں پھلیاں زمین پر پڑی دکھائی دیتی ہیں۔

**سنہا:۔** تو گویا ہوا کا اِن بیجوں پر بہت احسان ہے۔

**انور:۔** کیوں نہیں۔ مگر اس قدر نہیں جتنا تم سمجھتے ہو۔ اِس لئے کہ ہوا اِن بیجوں کی خاطر کسی خاص سمت تو چلتی نہیں وہ تو ہر طرف چلتی ہے۔ اور بہت سے بیج بنجر زمین یا دریا اور سمندر وغیرہ میں گر کر ضائع ہو جاتے ہیں۔ البتہ جو بیج اچھی زمین میں گرتے ہیں وہ بہت کثرت سے پیدا ہوتے ہیں اور اس نقصان کو پورا کر دیتے ہیں

(باقی ہے)



# گاؤں کی سیر

خلیل الرحمٰن مستقیمی سلطانپور



ذرا میری انگلی کی سیدھ میں دیکھنا۔ وہ دور ........ کیسے ہرے بھرے میدان نظر آتے ہیں۔ ان کے قریب کچھ چھوٹے چھوٹے مکان بھی ہیں۔ دیواریں مٹی کی اور چھت گھاس پھوس کی۔ یہی تو گاؤں ہے۔ یہاں اللہ میاں کے بڑے بھولے بھالے بندے رہتے ہیں۔ محنتی، دھن کے پکے، خوش اخلاق۔ شہر کی دلچسپیوں سے انھیں کوئی سروکار نہیں۔ یہ تو بس اپنے کام میں لگے رہتے ہیں۔ کام کام صبح سے شام تک کام۔

تم کسی شہر میں رہتے ہو خصوصاً دہلی جیسے اچھے شہر میں تو وہاں بجلی کی روشنی بھی ہوگی۔ اچھی اچھی سڑکیں بھی، یکا، تانگا، موٹر، ٹرام، گراموفون ریڈیو، سینما، ہوٹل، غرض عیش و آرام کی سبھی چیزیں ہوں گی۔ بھلا بے چارے کسانوں یا گاؤں کے رہنے والوں کو یہ چیزیں کہاں نصیب۔

مگر صبح صبح کی ٹھنڈی ہوائیں۔ چڑیوں کے سہانے گیت۔ سورج کی اوپر چڑھتی ہوئی کرنیں۔ لہلہاتے ہوئے ہرے بھرے کھیت، شام کے دل لبھانے والے اودے اودے بادل، چاند اور ستاروں کی پھلجھڑیاں، پھر ان سب سے زیادہ تازہ اور کھلی ہوا شہر والوں کے نصیب میں نہیں۔ کسان ان سب سے خوب جی بھر کے فائدہ اٹھاتے ہیں اور اللہ میاں کے احسان کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔

تمھیں کبھی موقع ملے تو کسی گاؤں کی سیر ضرور کرو۔ ان دیہاتیوں کے گھر تو کچے اور پھوس کے ہوتے ہیں مگر اندر سے خوب صاف ستھرے۔ کوٹھریاں لپی ہوئیں۔ ان میں سب چیزیں قرینے سے رکھی ہوئیں۔ کھانے کا اناج الگ کوٹھریوں میں۔ بونے کا بیج، الگ ایک کوٹھری میں بھوسے سے چھپا ہوا کہ گھن نہ لگ جائے۔ ایک طرف کچھ مٹی کے برتن قرینے سے رکھے ہوئے۔ باورچی خانہ یا چوکا۔ لپا پتا۔ کسان عورتیں اسے صبح شام لیپتی ہیں۔

ہمارے یہاں شہر میں تو عام طور پر خاندان کا ایک آدمی محنت کرتا ہے اور سب کھاتے ہیں

مگر کسان کے گھر میں گننے کے ایک ایک آدمی کو کچھ نہ کچھ کرنا ہوتا ہے۔ بڑے کھیت بونے، جوتنے، سینچنے اور کاٹنے کا کام کرتے ہیں۔ عورتیں گھر بھر کے لئے کھانا پکاتی ہیں، دوپہر کو کھیتوں پر اپنے شوہروں کے لئے کھانا لے جاتی ہیں، مویشیوں کے لئے گھاس کاٹ کر لاتی ہیں، گوبر سے اُپلے تھاپتی ہیں یا کھاد بنانے کے لئے گڑھوں میں حفاظت سے رکھتی ہیں۔ روزانہ گھر کی صفائی کرتی ہیں، کوڑا کرکٹ گاؤں سے باہر پھینکتی ہیں، گھر کی چکّی میں آٹا پیستی ہیں اور کپڑے سیتی ہیں۔

کسانوں کی لڑکیاں صبح صبح پنگھٹ پر پانی بھرنے جاتی ہیں۔ جب وہ سہیلیوں کے ساتھ مل کر گیت گاتی ہیں تو بڑا اچھا معلوم ہوتا ہے یہی جی چاہتا ہے کہ سنتے جاؤ۔ یہ لڑکیاں اپنی ماؤں کے کام میں بھی مدد کرتی ہیں۔ اپنے چھوٹے بہن بھائیوں کو بہلاتی ہیں، جانوروں کو تالاب میں نہلانے لے جاتی ہیں۔ اور بہت سے چھوٹے موٹے کام کرتی ہیں۔

اب رہے کسانوں کے لڑکے۔ یہ صبح سویرے اُٹھ کر ہاتھ مُنہ دھوتے ہیں اور رات کا بچا کھچا کھا اپنی گایوں، بھینسوں کو لے چراگاہ کی طرف چل دیتے ہیں۔ سورج نکلتے نکلتے وہاں پہنچ جاتے ہیں دل بہلانے کے لئے چھوٹی سی بانسری اور گلّی ڈنڈا ساتھ لے جاتے ہیں۔ میدانوں میں جب وہ بانسری کی تان اُڑاتے ہیں تو جنگل اور کھیت مست ہو جاتے ہیں، جیٹھ کی کڑی دھوپ میں پیڑوں کے نیچے بیٹھ کر سستاتے ہیں۔ پوس، ماگھ کے کڑکڑاتے جاڑے میں ٹیلوں کی آڑ میں بیٹھ کر دھوپ کھاتے ہیں اور جب ساون بھادوں کے بادل گھر گھر آتے ہیں اور ڈرا دینے والی بجلی چمکتی ہے تو برگد کی گھنیری چھاؤں میں چھپ جاتے ہیں۔

جھٹپٹے کے وقت سب اپنے اپنے کاموں سے چھٹی پا کر گھر لوٹتے ہیں۔ کسان کاندھوں پر ہل پھاوڑا اور کدال لئے اور چرواہے اپنے گلّوں کو ہنکاتے ہوئے گھر کا رُخ کرتے ہیں سورج ڈوبتے ڈوبتے گھر پہنچ جاتے ہیں۔ عورتیں کھانا پکا کر تیار رکھتی ہیں۔ جھونپڑوں میں چھوٹے چھوٹے مٹی کے دئے ٹمٹمانے لگتے ہیں۔ بچّے، جوان بوڑھے مرد عورتیں سب ایک ٹاٹ پر بیٹھ کر روکھا سوکھا کھا لیتے ہیں۔ اس روکھے سوکھے میں جو اُنھیں مزا آتا ہے وہ ہمیں تمھیں پلاؤ زردے میں بھی نہیں آتا۔ اس کے بعد خدا کا شکر ادا کر کے اپنی ٹوٹی پھوٹی چارپائیوں پر لمبی تان کر سو جاتے ہیں اُن کی اس میٹھی نیند پر بادشاہوں کو بھی رشک آتا ہے۔

---

# ایک اندھا لڑکا

ابھی تھوڑے دنوں کی بات ہے کوئی سو برس پہلے کی۔ ولایت کے ایک شہر (گلاسگو) میں ایک لڑکا پیدا ہوا (۱۸۴۲ء) جارج میتھن۔ ابھی وہ اٹھارہ مہینے کا تھا کہ اس کی آنکھیں خراب ہونے لگیں۔ اس کی ماں کو بہت فکر ہوا۔ ڈاکٹروں نے بہت علاج کیا مگر کوئی خاص فائدہ نہ ہوا۔ ماں باپ کو جارج میتھن کی آنکھوں کی طرف سے برابر پریشانی رہی۔

رفتہ رفتہ اُسے کم دکھائی دینے لگا۔ وہ عینک کی مدد سے پڑھ لیتا تھا۔ لیکن زیادہ دیر تک کوئی چیز اچھی طرح نہ دیکھ سکتا۔ اسکول میں اس کے اُستاد نے اُس کو کھڑکی کے پاس بیٹھنے کی اجازت دے دی تاکہ روشنی میں اچھی طرح لکھ پڑھ سکے۔

آنکھوں کی تکلیف کوئی ایسی تکلیف تو ہوتی نہیں مگر جارج بہت شوقین لڑکا تھا۔ اس تکلیف کے باوجود خوب جی لگا کر پڑھتا اور اپنے درجے میں ہمیشہ اول آتا۔ انگریزی تو اس کی مادری زبان تھی اس کے علاوہ اُس نے جرمن، فرنچ، لیٹن اور یونانی زبانیں بھی سیکھ لیں۔

جارج کے خاندان کے لوگ گرمیوں کی چھٹیاں سمندر کے کنارے گذارتے تھے۔ یہاں جارج جہازوں کے آنے جانے کا تماشا دیکھ کر خوش ہوتا۔ اُن پر لکھے ہوئے حرف بہت غور سے پڑھتا۔ اس طرح وہ اپنی آنکھوں کی بینائی کا اندازہ لگاتا رہتا۔ کبھی کبھی اُسے یہ دیکھ کر بہت خوشی ہوتی کہ اُس کی آنکھوں کی روشنی بڑھ رہی ہے۔

اس کے پڑھنے لکھنے کا زمانہ زیادہ تر دوسروں کے رحم و کرم پر گذرا۔ اسکول اور کالج کے سبق اس کے سامنے دہرائے جاتے۔ حافظہ ایسا اچھا تھا کہ تھوڑی دیر میں اپنے تمام سبق حرف بہ حرف دہرا دیتا۔ گیارہ سال کی عمر میں وہ گلاسگو کالج میں داخل ہوا۔ کالج کی چار سال کی مدت میں اس نے انگریزی جغرافیہ اور تاریخ میں بہت سے انعام حاصل کئے اور پندرہ سال کی عمر میں میٹرک پاس کر لیا۔

اس زمانے میں اس کی آنکھوں کی روشنی برابر کم ہی ہوتی رہی۔ آخر ۲۰ سال کی عمر میں وہ بالکل اندھا ہوگیا۔ یہ زمانہ اس کے لئے بہت رنج اور تکلیف کا تھا۔ مگر اس نے ہمت نہ ہاری اور پڑھنے لکھنے کا سلسلہ برابر جاری رکھا۔ وہ ہر درجے میں اوّل آتا تھا۔ کالج کے ڈراموں اور تقریروں میں اس نے غیر معمولی شہرت حاصل کرلی۔ بی اے میں اس کا خاص مضمون فلسفہ تھا۔ امتحان میں وہ اوّل نمبر کامیاب ہوا۔ پھر ام اے بھی کرلیا ۱۸۶۲ء میں اسے مذہبی علم پڑھنے کا شوق ہوا اور ۹ سال کے بعد اس نے ڈاکٹر آف ڈی وی نی ٹی کی ڈگری لی۔ اور اب اسے اپنا مذہب پھیلانے کی بھی اجازت مل گئی۔

گلاسگو میں برنارڈ ایک مشہور پادری تھا جارج اس کا مددگار پادری بنا دیا گیا۔ وہ ہمیشہ بڑے بڑے جلسوں میں تقریریں کرتا۔ اس کے وعظ کہنے کا انداز کچھ ایسا تھا کہ لوگ اس کے اندھے پن کو مشکل ہی سے تاڑ سکتے تھے۔

ایک سال کے بعد وہ انی لن کے گرجا کا پادری بنا دیا گیا۔ انی لن بہت خوب صورت جگہ ہے۔ گرمی کے موسم میں لوگ یہاں دور دور سے آتے تھے جارج کی وجہ سے یہاں کی رونق اور چہل پہل میں اور بھی چار چاند لگ گئے۔ لوگ جوق جوق اس کا وعظ سننے آتے اور اپنے دل پر بہت اچھا اثر لے جاتے۔ اس کا بیان مُردہ دلوں میں زندگی کی روح پھونک دیتا تھا۔ خصوصاً جوانوں میں ایک خاص جوش اور ولولہ پیدا کر دیتا تھا۔ وہ ناامیدی اور شکوہ شکایت کو اپنے قریب نہ آنے دیتا تھا۔

۱۸۸۶ء میں وہ اڈنبرا کے گرجا کا بڑا پادری بنایا گیا۔ وہاں وہ ۱۳ سال رہا۔ اس عرصے میں اس نے بے شمار وعظ کہے۔ اس کے ہر وعظ میں پندرہ پندرہ ہزار کا مجمع ہوتا تھا۔ مذہبی وعظ بھی ایک خدمت ہے مگر جارج کی بلند ہمتی کچھ اور آگے بڑھنے کے لئے بے چین تھی۔ اس نے سوچا وعظ کے ذریعے مذہب پھیلانا ہی کافی نہیں۔ لوگوں کے گھر پہنچ کر ان کا دُکھ درد معلوم کرنا اور ان کی مدد کرنا چاہیے۔ اڈنبرا کے قیام کے زمانے میں اس نے ۷۰۰ خاندانوں کی دیکھ بھال اور مدد کی۔ وہ ہمیشہ مریضوں، بوڑھوں، اپاہجوں، غریبوں اور دُکھیاروں کی خدمت اپنی زندگی کا اہم فرض سمجھتا تھا۔ وہ ایسا اچھا اور سچا ہمدرد تھا کہ لوگ پہلی ہی ملاقات میں اس کا دم بھرنے لگتے تھے۔

اس کے حافظے کی تعریف تم پڑھ چکے ہو۔ اکثر تقریر کے بعد لوگ اس سے ملنے آتے۔ جارج انھیں صرف ان کی آواز سے پہچان لیتا اور ان کا نام لے کر ان سے بات چیت کرتا۔ ایک روز ایک

شخص اس کے پاس آیا۔ اُسے وہ اپنی بینائی کے زمانے میں دیکھ چکا تھا۔ وہ کہنے لگا "ڈاکٹر صاحب شاید آپ مجھے بھول چکے ہوں گے"۔ جارج فوراً بول اُٹھا "میں آپ کو جانتا ہوں، آپ میکن ٹاشش ہیں"۔ اور یہ واقعی میکن ٹاشش ہی تھا۔

جارج نے بہت اچھی اچھی کتابیں بھی لکھی ہیں۔ سنہ [illegible]ء میں اس نے ایک کتاب "میری آرزو" لکھی۔ اس کی شہرت اور مانگ اس قدر ہوئی کہ تمام جلدیں تھوڑے دنوں میں ختم ہوگئیں۔ یہ کتاب کئی بار چھپی اور بک گئی۔ اِس کتاب کے علاوہ اس نے اور بھی کئی اچھی اچھی کتابیں لکھیں۔ اس کی تقریروں کی طرح یہ کتابیں بھی لوگوں کے لئے امرت کا کام دیتی تھیں اور دُنیا کے تمام حِصّوں سے اُس کے پاس مُبارک باد کے خط آتے تھے۔ جارج انسانوں کا سچا خادم تھا۔ وہ ہر کام لوگوں کی بھلائی کی نیت سے کرتا تھا یہی وجہ تھی کہ اُس کی تقریریں اور اُس کی کتابیں خلوص، ہمدردی اور جوش کا نمونہ تھیں بہت سے نامُراد اور مصیبت زدہ لوگوں کی زندگی اِن کتابوں کے پڑھنے سے سنبھل گئی۔

جارج ۶۲ سال زندہ رہا۔ اس کی زِندگی کا ہر لمحہ لوگوں کی خدمت میں گذرا۔ وہ روزانہ صبح کو ناشتے کے بعد خط لکھواتا۔ اس کے بعد جرمن اور فرنچ کتابیں پڑھوا کر سُنتا۔ پھر اپنے سکرٹری سے کچھ مضمون لکھوا کر اخباروں میں بھجواتا۔ اُس نے اپنی زندگی میں کوئی کام ادھورا نہ چھوڑا۔ اسی لئے زندگی کے ہر حِصّے میں کامیاب اور سُرخرو رہا۔

۲۰ اگست سنہ ۱۹۰۶ء میں جارج اس دنیا سے رخصت ہوا۔ اس کی قبر گلاسگو میں ہے۔ اس کے رشتہ داروں کے پاس دُنیا کے چپّے چپّے سے تعزیت اور ہمدردی کے خط آئے۔ سب اس کی تعریف سے بھرے ہوئے تھے۔ وہ اس تعریف کا مستحق بھی تھا۔ اس نے دُنیا کو دکھا دیا کہ چاہے کیسی ہی رکاوٹ ہو چاہے کتنی ہی مشکلیں ہوں انسان کا اِرادہ مضبوط اور نیت پاک ہو تو سب رکاوٹیں دُور اور ساری مشکلیں آسان ہو جاتی ہیں ٭

---

ایڈیٹر کو خط لکھتے وقت پُورا پتہ لکھو کاروباری خط کے لئے خریداری نمبر کافی ہے۔ "منیجر"

# اوکھلے سے غازی آباد تک

**۲**

یوسف اشفاق متعلم جامعہ

ہیں! اس وقت تو آپ کے سامنے ہوں! اس سے پہلے ہل چلا رہا تھا جہاں سے آپ گذرے تھے۔ اور قریب ناچے بھی تھے۔ آپ لوگوں کو آوازیں بھی دیں لیکن کسی نے سنا ہی نہیں۔

ہمیں بڑا افسوس ہوا، اب بہت ہوشیاری سے آگے روانہ ہوئے۔ جہاں کہیں کچھ آدمی دکھائی دیتے ہم میں سے کوئی نہ کوئی ضرور کہتا کہ "کہیں ان میں بھی کوئی نہ چھپا ہو" اسی طرح ہمارا سفر کٹ رہا تھا سامنے ایک گاؤں نظر آیا۔ ہم چوکنا ہوگئے، کوئی نہ کوئی سازش ضرور ہوگی۔

"ارے دیکھو یہ نشان کوئی پرچہ ہے" ایک صاحب ........اپنی ہاکی اسٹک سے نشان دکھاتے ہوئے بولے۔" جلدی سے پرچہ تلاش کیا گیا لکھا تھا"

" ہمارا ایک ساتھی زخموں سے چور یہاں پڑا ہے۔ ڈریسنگ کرکے ساتھ لیتے آئیے "۔

ہم نے اپنے چاروں طرف نظر ڈالی دیہاتی ہمیں گھیرے ہوئے تھے۔ "اُن میں سے کوئی نہیں" ہم نے دل میں کہا۔

پاس کے گیہوں کے کھیت میں جو نظر گئی تو معلوم ہوا کہ کھیت میں ایک جگہ ایک گز کے ... پودے دبے ہوئے ہیں۔ ہمیں شک ہوا۔ قریب ... تو ایک سفید سی چیز نظر آئی اور آگے بڑھے تو ٹانگ اور آگے ہاتھ پھر منہ اور ہم سب کے سب ... پکڑ لیا، پکڑ لیا۔ خوشی کا نعرہ لگایا گیا۔ ... آگے روانہ ہوئے۔

گاؤں کی گلیوں میں نشان دیکھتے ہوئے ... جا رہے تھے۔

"پرچہ ہے" ایک صاحب چیخے۔ ... نشان کی مدد سے تلاش کرنے لگے۔ ... نے نکالا۔

"ہمارا گروپ ڈا ...

کرکے مدد کیجیے۔"

"ارے سُنو کسی لڑکے کی آواز آرہی ہے۔ یہ لوگ قریب ہی ہیں۔"

ہم آواز کی طرف روانہ ہوئے۔ ایک مکان کے اندر سے آواز آرہی تھی۔ ہم دندناتے ہوئے اندر گھس گئے۔ سب بیٹھے ہوئے مونگ پھلیاں کھا رہے تھے۔ ہم قہقہہ لگا کر مونگ پھلیوں پر ٹوٹ پڑے۔ وہاں معلوم ہوا کہ ہم ان کے نشانوں سے بھٹک کر آرہے ہیں۔ اب معلوم ہوا کہ ہمیں بہت دور تک نشان کیوں نہیں ملے تھے۔ یہ ایک دکان تھی یہاں مونگ پھلیاں اور گڑ کھا کر پانی پیا اور آگے روانہ ہوئے اب سب کے سب ساتھ تھے۔ دو میل کے بعد ایک اور گاؤں میں داخل ہوئے۔ ایک جگہ رس نکالا جا رہا تھا۔ یہاں خوب گنّے کھائے۔ رس پیا۔ گاؤں والوں نے ہماری خوب خاطر کی۔ ہم نے اُن کو گنّوں کی قیمت دینا چاہی۔ لیکن اُنھوں نے انکار کر دیا۔

گاؤں میں ایک اسکول تھا۔ بچوں کی دستکاری کے نمونے دیکھے۔ بچوں کے اُستادوں سے ملے چند بچوں سے باتیں بھی کیں۔ ان بچوں سے ایک ترانہ سُننے کے بعد آگے روانہ ہوئے۔

کچھ دور کے بعد نہر مل گئی۔ یہ نہر ادکھلا سے نکلتی ہے۔ اور غازی آباد تک جاتی ہے۔ سامنے ہی فرلانگ کا پتھر تھا۔ تین میل لکھا تھا۔ یعنی غازی آباد تین میل ہے۔

یہ تین میل بڑی مشکل سے کٹے۔ سامنے ہی ڈاک بنگلہ تھا، یہیں ہمیں ٹھہرنا تھا۔ کمرے کھلوائے گئے اور بستر ٹیک کر لیٹ گئے۔

اب تین بجے تھے۔ ہم ۱/۲ ۷ بجے صبح روانہ ہوئے تھے۔ حساب لگایا گیا تو معلوم ہوا کہ ہم ۱۶ میل چلے ہیں۔

ذرا سستا کر نہر میں نہائے۔ پھر شہر روانہ ہوئے۔ رات کا کھانا وہیں کھایا۔ تجارتی شہر ہے کوئی چیز قابلِ دید نہیں۔ شہر سے مغرب کے بعد واپس آئے۔ روشنی کے لئے ہمارے پاس کوئی چیز نہیں تھی لالٹین بورڈنگ میں بھول آئے تھے۔ موم بتیاں جلائی گئیں، شہر سے چائے بنانے کا سامان لائے تھے چائے بنائی گئی اور دور چلنے لگا۔ "موم بتی ختم ہونے والی ہے۔" ایک صاحب چلائے۔

اتفاق ایسا کہ ساری موم بتیاں ختم ہوگئیں یکایک اندھیرا چھا گیا اور ساتھ ہی لڑکوں نے ایک چیخ ماری۔

"ارے بھائیو۔" ایک صاحب بولے۔

"جی فرمائیے۔"

"ارے بھائیو۔" وہی حضرت پھر بولے۔

"جی فرمائیے۔" اُنھوں نے جواب دیا۔

"ارے بھائیو۔" پھر اُنھوں نے کہا۔

"بھائیو کے بچے کچھ کہے گا بھی۔" جواب دینے والے

حضرت غصے سے بولے۔

"میں کہنا چاہتا ہوں کہ آپ حضرات چلئے ذرا دیکھ بھال کر چلیے گا۔ اندھیرا ہے۔ کہیں گرم گرم پیالی مُنہ کے بجائے ناک میں نہ لگالیں"۔ وہ بہت متانت سے بولے۔

ہم سب قہقہہ لگا کر ہنس دیے۔

معلوم ہوا کہ ایک صاحب کے پاس شمع ہے اُن سے لے کر روشنی کی گئی۔ ۱۱ بجے سب تھکے ہارے سوگئے۔

صبح سویرے اُٹھے۔ نماز پڑھی۔ پھر باہر نکل ڈاک بنگلے کے درمیان کی زمین پر ہاکی کھیلنے لگے۔ پھر ناشتہ کرکے دریا میں خوب نہائے۔ غسل کے بعد شہر گئے۔ وہاں سے دو بجے واپس آگئے۔ فوراً ہی کھانا کھایا اور کھانے کے بعد واپسی کی تیاریاں شروع کردیں۔

واپسی میں سب سامان ملازم کے ذریعے موٹر سے روانہ کردیا گیا اور ۳½ بجے نہر کے کنارے کنارے اوکھلے کی طرف چل پڑے۔ کھیلتے کودتے آئے۔ پھر بھی یہ سفر غیر دلچسپ رہا۔

واپسی میں کہیں کہیں نہر میں تیرے بھی۔

رات کے ۸ بجے ہم بورڈنگ میں داخل ہوئے "اللہ اکبر" بورڈنگ کے بڑے دروازے میں داخل ہوتے ہوئے ہم نے ایک نعرہ لگایا اور لڑکے گھبرا کر اپنے اپنے کمروں سے نکل آئے۔

# بچوں کی کوششیں

## ایک لڑکی

ایک لڑکی تھی جو لوگوں کے گھر دن سے جب دوپہر میں سونے کا وقت ہوتا، کوئی چیز چُرا کر بھاگ جاتی۔ ایک دن ایک امیر آدمی کے گھر گئی اور گملے سے جانے لگی۔ ایک گملے پر چڑیا بیٹھی تھی وہ چڑیا اس کو دیکھ کر اڑ گئی اور گملا گر پڑا سب لوگ اُٹھ گئے اور کہنے لگے "چور چور پکڑو۔ وہ پکڑی گئی

## گدھے اور مینڈک کی کہانی

محمد محب الرحمن خاں

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک گدھے کے اوپر کچھ بوجھ لدا ہوا تھا۔ وہ ایک دلدل کے پاس سے گذرا اتفاق سے وہ اس میں گر پڑا۔ اس نے اس طریقے سے دلدل کے اندر چیخنا چلانا شروع کیا کہ ایک لمحے کے اندر مرجائے گا۔ ایک مینڈک نے کہا "کیوں میرے دوست تم اس طرح کیوں چیختے ہو۔ ہم کو نہیں دیکھتے کہ اس میں ہمیشہ رہتے ہیں۔ اگر تم اس میں ہماری طرح رہو تو تمہارا کیا حال ہو"

## بھوت

از ذکیہ خاتون۔

ہماری ایک سہیلی تھیں قمر۔ بھوت سے بہت ڈرتی تھیں۔ بھوت کا اُن کے سامنے کوئی نام لے دے، بس کانپنے لگتی تھیں۔ سب سہیلیوں نے ارادہ کیا کہ اُن کا ڈر نکالنا چاہیے۔ میں، اختر، ثریا اور صدیقہ نے ایک ترکیب سوچی، اور وہ یہ کہ ایک دن ثریا کے ہاں رات کے کھانے کی دعوت ٹھہرائی گئی۔ اور طے پایا کہ سب سہیلیاں رات کو وہیں رہیں اور صبح اسکول چلی جائیں۔ دعوت کے دن ---------- ہم سب

مغرب کے بعد ثریا کے ہاں پہنچ گئے۔ ۸ بجے کھانے سے فارغ ہو کر تھوڑی دیر تک تو ہنستے کھیلتے رہے۔ اِدھر اُدھر کی باتیں ملائیں۔ اور پھر سونے کی ٹھانی اور تھوڑی دیر میں سب غافل سو گئے۔

کوئی گیارہ بجے۔ ثریا نے مجھے جگایا۔ ہم چپکے چپکے اُٹھے۔ قمر کا پلنگ ہمارے پلنگ کے پاس تھا۔ ثریا نے اپنے پلنگ کے نیچے ہاتھ ڈال کر کوئی چیز نکالی اور ہم پھر لیٹ کر سوتے بن گئے۔ دو تین منٹ کے بعد ایک دم قمر چلائی "بھوت، بھوت بچاؤ، بھوت بھوت" ہم سب ایک دم اُٹھ بیٹھے۔ دیکھتے کیا ہیں کہ قمر کا لحاف نیچے پڑا ہے اور وہ تکیے میں مُنہ چھپائے بھوت بھوت چلا رہی ہے۔ سرہانے ثریا کی سفید لمبے بالوں والی بلی کے دو بچے بڑے اطمینان سے لڑ رہے ہیں۔ بلی کے بچوں کو علیحدہ کیا گیا اور قمر صاحبہ کو اُن کے بھوت سامنے دکھائے گئے۔ اب بڑی شرمندہ ہوئیں اور اپنے دل سے بھوت کا خیال دل سے نکال دیا۔ دوسرے روز صبح اسکول میں مشہور ہو گیا کہ قمر صاحبہ نے بھوت سے ڈرنا چھوڑ دیا ہے۔

## چھوٹا بھائی

میر محمد

ایک روز حامد فرش پر بیٹھا اپنے لکڑی کے ٹکڑوں سے کھیل رہا تھا۔ وہ ایک مینار بنا رہا تھا۔ مینار اتنا اونچا تھا کہ اس سے پہلے حامد نے کبھی نہیں بنایا تھا۔ حامد کو اس کے بنانے میں بہت دیر لگی۔ جب بنا چکا تو بہت خوش ہوا۔ اور مُڑ کر اُسے چاروں طرف سے دیکھنے لگا۔ اتنے میں اس کی امی محمود کو لئے آئیں اور حامد سے کہنے لگیں۔ "حامد کیا تم ذرا محمود کو دیکھتے رہوگے؟" حامد نے کہا "بہت اچھی بات ہے" حامد اپنے بھائی محمود کو بہت چاہتا تھا۔ اس کے کھیلنے کے لئے اس نے تھوڑے سے لکڑی کے ٹکڑے اور چند کھلونے دے۔ محمود بھی ٹکڑے ایک دوسرے پر جمانے لگا۔ حامد یہ دیکھ کر بہت خوش ہوا۔

اتنے میں ایکا ایکی کُتّے کے بھونکنے کی آواز سُنائی دی۔ حامد کہنے لگا "معلوم ہوتا ہے کہ میرا کُتّا اسپاٹ واپس آگیا ہے" حامد کو بار بار اپنے چہیتے کُتّے کا خیال آتا تھا۔ حامد اُسے دیکھنے کھڑکی کے پاس گیا۔ بس اسی وقت محمود اُس مینار پر گر پڑا اور مینار ٹوٹ گیا۔ مینار کے گرنے کی آواز سُن کر حامد نے فوراً پلٹ کر دیکھا اور چلّا اُٹھا "شریر! یہ کیا کیا۔ میرا مینار گرا دیا۔ میں نے تو بڑی محنت سے اپنے دوست رشید کو دکھانے کے لئے تیار کیا تھا" حامد بہت دیر تک اپنے بھائی اور گرے ہوئے مینار کو غصّے سے دیکھتا رہا۔ اُس وقت اس کا چہرہ سُرخ ہو رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اپنے بھائی کو کیا سزا دے۔ محمود کہنے لگا "حامد کے ٹکر ٹسا

محمود کھیلا" اور لگا اپنے بڑے بھائی پر ہنسنے۔ یہ دنیا میں سب سے پیاری ہنسی تھی۔ محمود کو دیکھ کر حامد بھی ہنس پڑا۔ اور بھائی کو گود میں اُٹھا کر کھڑکی کے پاس لے گیا۔

# پیامِ برادری

عزیز بچیو اور بچو!

ہم اس وقت کشمیر میں ہیں اور گاندھر بل سے تمہارے لئے یہ مضمون لکھ رہے ہیں۔ ۲۰ تاریخ کی شام کو میں اور جناب حامد علی خان صاحب منیجر مکتبہ (بال بچوں سمیت) دہلی سے روانہ ہوئے۔ صبح لاہور پہنچے۔ دو دن وہاں ٹھہرے۔ یہاں ایک اور قافلہ ساتھ جانے کو تیار تھا۔ تیسرے دن کرائے کی بس پر سب سری نگر روانہ ہوئے۔ دوپہر کو جموں ٹھہرے، کھانا کھایا، کچھ دیر آرام کیا اور ڈھائی بجے پھر روانہ ہوگئے۔ رات ایک پہاڑی قصبے (بٹوٹ) میں گذاری، صبح کو پھر چلے۔ کوئی دس بجے بانہال پہنچے۔ یہاں سے پیر پنجال کی چڑھائی شروع ہوئی۔ پیر پنجال کی چوٹی کوئی ۹ ہزار فٹ اونچی ہے۔ چڑھائی بہت سخت ہے۔ لوگوں کو متلی شروع ہو جاتی ہے۔ ہم لوگوں کو شکر ہے کہ یہ شکایت نہیں ہوئی۔ بہت اوپر جا کر ایک لمبی سی سُرنگ سے گذرے۔ سُرنگ سے نکلتے ہی ایک نیا منظر تھا۔ سامنے کشمیر کی وادی تھی، بہت سبز و شاداب۔ یہاں سے اُتار شروع ہو گیا تھا۔ تھوڑی دور نیچے اُتر کر لاری خاص سڑک کو چھوڑ کر ایک اور سڑک کی طرف مڑ گئی۔ ہم ویری ناگ کی طرف جا رہے تھے۔ یہاں ایک چشمہ ہے۔ کشمیر کا مشہور دریا جہلم یہیں سے نکلتا ہے۔ مغل بادشاہوں نے اس چشمے کے چاروں طرف عمارت بنوا دی ہے۔ بڑی اچھی جگہ ہے۔ یہاں ایک گلاب کا باغ ہے۔ ہر طرف گلاب کے درخت لگے ہیں۔ چشمے اور باغ کے بیچ میں سڑک ہے۔ چشمے کے پیچھے پہاڑ کی بہت اونچی چوٹی ہے۔ نیچے سے اوپر تک چیڑ کے گھنے پیڑ ہیں۔ ہم نے ایسا اچھا منظر آج تک نہیں دیکھا تھا۔ راستے کی ساری تھکن جاتی رہی۔ یہاں سے دیکھ بھال کر پھر واپس ہوئے اور تھوڑی دیر میں خاص سڑک پر آ گئے۔ اب ہم سیدھے سری نگر کی طرف جا رہے تھے۔ راستے میں ایک جگہ کھانا کھایا اور پھر چل پڑے۔ کوئی چار بجے سری نگر پہنچے۔ یہ کشمیر کا دارالخلافہ ہے۔ مہاراجہ صاحب کشمیر اور ان کی حکومت کے دفتر گرمیوں گرمیوں یہیں رہتے ہیں، سردیوں میں جموں چلے جاتے ہیں۔ یہاں لاری اپنے اڈے پر ٹھہری۔ یہاں سے قلیوں پر اسباب لدوا کر ایک ہوٹل میں

گئے۔ دوسرے دن صبح کو دو کشتیاں کرائے پر لیں اور شالامار نشاط باغ شاہی چشمے کی سیر کی۔ شاہی چشمے کا پانی
خوب پیا۔ تین دن کشتیوں میں رہے۔ بہت لطف آیا۔ تیسرے دن شام کو پھر ہوٹل واپس آگئے۔ اب یہ طے
کیا گیا کہ گاندھر بل چلیں۔ یہ سری نگر سے ۱۲ میل کے فاصلے پر ایک قصبہ ہے۔ بہت اچھی جگہ ہے۔ یہاں پانی کا ایک
چشمہ ہے۔ اس کا پانی بہت ہاضم ہے۔ پاس ہی سندھ دریا کی ایک شاخ بہتی ہے اس کا پانی بھی بہت اچھا ہے۔ ہم
دو مکان کرائے پر لئے ہیں اور مزے سے رہتے ہیں۔ یہاں ایک مڈل اسکول بھی ہے۔ اسکول کے تین استادوں،
غلام مبین صاحب قریشی، عبدالقدوس صاحب، مولوی محمد امین صاحب کی وجہ سے گھر کا سا آرام مل رہا ہے۔ ہمارے
کچھ ساتھی پہلگام اور گلمرگ کی سیر کے لئے پہلے جا چکے ہیں۔ ہم انشاء اللہ کل روانہ ہوں گے۔ کشمیر کی سیر کی یہ بہت
مختصر سی سرگذشت ہے۔ مفصل حال انشاء اللہ سیر ختم کر چکنے کے بعد لکھیں گے اور وہ بہت دلچسپ ہوگا۔[1]

پچھلے مہینے لڑائی نے زیادہ شدت اختیار کر لی تھی۔ موجودہ لڑائی کا حال کچھ عجیب ہے کہیں تو انگریزوں کو کامیابی
پر کامیابی ہو رہی ہے کہیں جرمنی کا دباؤ زیادہ ہو جاتا ہے۔ ابی سینیا میں انگریزی فوجوں کو غیر معمولی کامیابی ہوئی۔
اٹلی نے اس ملک کو جس طرح ظلم و زیادتی سے لیا تھا اسی طرح وہ اسے کھو بھی بیٹھا۔ ادھر طبروق اور لیبیا میں انگریزی
فوجیں اٹلی اور جرمنی کی فوج سے بہت کامیابی سے مقابلہ کر رہی ہیں اور انھیں آگے نہیں بڑھنے دیتیں۔ عراق کی
لڑائی کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ رشید علی جیلانی ایران اور اس کے دوسرے ساتھی دوسرے مقامات پر چلے گئے۔

یونان کی لڑائی کے بعد یونان کی حکومت اور بادشاہ کریٹ کے جزیرے میں چلے گئے۔ جرمنی اس جزیرے
پر بھی قبضہ کرنا چاہتا تھا۔ اس نے اپنی فوجیں ہوائی جہازوں کے ذریعے جزیرے میں اتارنی شروع کر دیں۔ انگریزوں
اور یونانیوں نے بہادری کے ساتھ مقابلہ کیا۔ لیکن انگریزوں کے پاس ہوائی جہازوں کی کمی تھی، اس لئے مصلحت
اسی میں تھی کہ جرمنی کے سپاہیوں اور لڑائی کے سامان کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچا کر وہاں سے ہٹ
آئیں۔ جرمنی نے برطانیہ کو پریشان کرنے کے لئے چاروں طرف جال پھیلا رکھا ہے۔ سنا ہے کہ اس نے دباؤ ڈال کر
یا سمجھوتہ کر کے فرانس سے شام اور افریقہ کے ہوائی اڈے استعمال کرنے کی اجازت لے لی ہے۔ یہ بھی سنا گیا ہے
کہ شام میں اس کی فوجیں تھوڑی تھوڑی تعداد میں پہنچنا بھی شروع ہو گئی ہیں۔ دوسری طرف اس نے اسپین
سے ایک عہد نامے کے ذریعے اپنی فوجیں اس ملک سے گذارنے کی اجازت لے لی ہے۔ یہاں سے وہ جبرالٹر پر حملہ

---

[1] اس پرچے کے ٹائٹل پر کشمیر کے ایک بہت اچھے منظر کی تصویر شائع کی جا رہی ہے۔

کرے گا۔ لیکن جرمنی کی ان باتوں سے انگریزوں کے دم خم اور استقلال میں ذرا بھی فرق نہیں آیا ہے اور اُن کا نعرہ یہی ہے کہ آخری فتح ہماری ہوگی۔ اِدھر امریکہ سے بھی اُنھیں مدد ملنے لگی ہے۔ لڑائی کا سامان اور رسد کے جہاز آنے شروع ہوگئے ہیں۔ امریکہ کے بنے ہوئے بہت سے ہوائی جہاز لڑائی میں بھی حصہ لے رہے ہیں پچھلے مہینے انگلینڈ پر جرمن ہوائی جہازوں کے حملے کم ہوئے۔ البتہ آئرلینڈ کے دارالسلطنت ڈبلن پر جرمنی نے بہت سخت ہوائی حملہ کیا۔ بہت سے لوگ مرے، بہت سے زخمی ہوئے اور بہت سی عمارتوں کو نقصان پہنچا۔ آئرلینڈ اپنے کو غیر جانبدار سمجھتا تھا۔ اس لئے اس نے جرمنی کی اس حرکت پر سخت احتجاج کیا ہے۔ جرمنی کے سابق شہنشاہ کا پچھلے مہینے انتقال ہوگیا۔ اُسے دل کی بیماری تھی۔ انگریزی یا اتحادیوں کے خلاف پچھلی بڑی لڑائی اسی نے چھیڑی تھی۔ جرمنی کے ہارنے کے بعد یہ تخت سے اُتار دیا گیا تھا اور تنہائی کی زندگی بسر کرتا تھا۔ موجودہ لڑائی کا نتیجہ دیکھنا بے چارے کی قسمت میں نہ تھا۔

چین اور جاپان کی لڑائی کی خبریں بھی کبھی کبھی آجاتی ہیں۔ جاپانیوں کا دعویٰ ہے کہ اُنھوں نے چینی فوجوں کو نقصان پہنچایا ہے۔ چینی حکومت کی طرف سے بھی جاپانی فوجوں کے نقصان کی خبریں شائع ہوتی رہتی ہیں۔ اتنے دن تو ہوگئے۔ دیکھئے یہ لڑائی کب تک جاری رہتی ہے۔

ہندوستان کی حالت میں کوئی خاص فرق پیدا نہیں ہوا۔ بمبئی میں ہندو مسلم فساد کا سلسلہ پچھلے مہینے بھی جاری رہا۔ بہار شریف (پٹنہ بہار) میں پھر فساد ہوگیا۔ ستیہ گرہ بھی جاری ہے۔ حکومتِ ہند نے ایک اعلان کے ذریعے خاکساروں کی انجمن کو غیر قانونی قرار دیا ہے۔ صوبوں کی حکومتوں سے بھی اِسی طرح کے اعلان شائع ہورہے ہیں۔ بہت سے خاکسار گرفتار بھی کئے گئے ہیں۔

پچھلے مہینے مالابار میں سخت طوفان آیا۔ بہت سی کشتیاں ڈوب گئیں۔ جان اور مال کا بھی بہت نقصان ہوا۔ بنگال کے بعض علاقوں سے بھی اسی طرح کی خبریں آئی ہیں۔

معما نمبر ۹ کے حل ان بچوں کے صحیح ہیں۔ (تین پیسے کے ٹکٹ بھیجنے کے بعد اگلے مہینے کے ۱۰ کو بن بھیج سکتے ہو)

**صحیح حل** **اوّل انعام** **فی کس ۱۲**

| | | |
|---|---|---|
| محمد عبدالباری۔ بلند شہر | میر نعیم اللہ۔ ایبٹ آباد | مظہر الحق۔ کانپور |
| محمد عبدالباری اورنگ آباد | علی احمد۔ کلکتہ | ذوالفقار علی خاں۔ رامپور |
| سید اطہر علی۔ دہلی | سید ریاض احمد۔ جالندھر | احمد نور۔ اُجین |

محمد ادریس السروالے ۔ دہلی
حسن اصغر ۔ انبالہ
محمد احمد ۔ بمبئی
عربیہ خاتون ۔ حیدر آباد
بہادر خاں ۔ آنمان زئی
علی حسین ۔ ہردہ
حامد صادق ۔ گنڈا سیپور
اقبال مرزا ۔ دہلی

بدر النسار بیگم ۔ ملکاپور
کوثر بانو ۔ امروہہ
محمد نقی ۔ دہلی
سید مہاجر حسن ۔ لکھنؤ
سید مصور حسن ۔ امروہہ
سید محمد احمد عظیم ۔ دہلی
سید محمد یحییٰ ۔ پٹنہ
عابد حسین ۔ کراچی
اصل حسین ۔ شملہ

خواجہ مبشر حسین ۔ دہلی
نزاکت حسین ۔ شکوہ آباد
فصیح الدین ۔ آگرہ
منور حسین شاکر ۔ ناگپور
ط ، ب ۔ پربھنی
محمود علی ۔ ریواڑی
خلیل الرحمٰن ۔ ٹونک
ردی ٹھکرال ۔ سیتاپور

خورشید الحق بیگ مرزا ۔ بریلی
سید احتشام احمد ۔ مراد آباد
سید مقصود حسن رضوی ۔ دہلی
نفیس جہاں ۔ میرٹھ
حافظ محمد یوسف ۔ کلکتہ
سید عزیز احسن مارہروی ۔ علی گڑھ
سید انعام احمد ” ”
تہمینہ خاتون ”

---

ان بچوں کے حلوں میں ایک غلطی ہے (۱۰ ٹکٹ بھیج کر اگلے معمے کے دو کوپن بھیج سکتے ہو) **انعام فی کس**

سید عطار الرحمٰن ہاشمی ۔ دہلی
احمد عرفان غازی ۔ ”
مرزا وراثت علی بیگ ۔ اورنگ آباد
محمد عبداللہ الیاس ۔ شملہ
سرجیت سنگھ دہار ۔ ٹاٹا نگر
فاطمہ بیگم ۔ اٹاوہ
سید شرافت حسین ۔ شکوہ آباد
سید ریاض حیدر ۔ جالندھر
عنایت احمد خاں شروانی ۔ اجین
محمد اختر رشید ۔ راولپنڈی
محمد عمر مجددی ۔ رام پور

افتخار اللہ ۔ دہلی
جمیل اختر ” ”
عارفہ خاتون ” ”
فخر الدین احمد رضوی ”
عمر کامل ”
جمیل اختر ۔ لائل پور
حامد حسین ۔ انبالہ شہر
محمد یعقوب ۔ کان پور
محمد عماد الدین ۔ حیدر آباد
محمد حنیف ”
سید نعیم احمد ۔ میرٹھ

احمد ابراہیم صدیقی ۔ حیدر آباد
محمد حکیم اللہ خاں ۔ ”
شیخ انوار گل ۔ کراچی
سید محمد کاظم ۔ پٹنہ
خلیل الرحمٰن قدوائی ۔ بڑاگاؤں
امیر احمد خاں ۔ پونہ
ضیاء الحسن ۔ ناگپور
محمد عرفت اللہ انصاری ۔ لکھنؤ
عقیل احمد محسن ۔ مظفر نگر
دختر سید شوکت علی ۔ رام پور
جعفر حسین جعفری ۔ سونی پت

ہارون الرشید ۔ [illegible]
منیر زماں خاں ۔ [illegible]
حامد حسن ۔ دہلی
معین الدین اشرف
عائشہ بیگم ۔ [illegible]
محمود [illegible]

# معمّا نمبر ٢

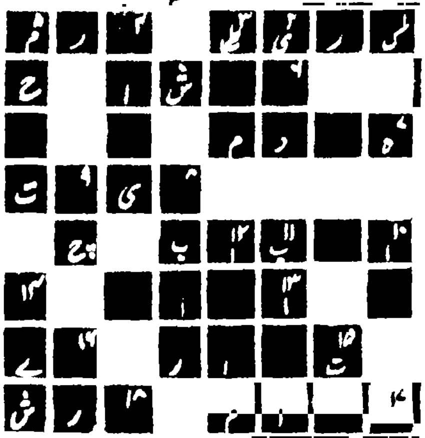
پہلا انعام ـ عـ۱۰ـر

دوسرا انعام ـ ۵ـر

## دائیں سے بائیں

۱۔ مشرقی بحیرۂ روم کا یہ اہم جزیرہ رسنوں کے قبضے میں چلا گیا ہے۔
۴۔ اکثر ... روٹی پسند کی جاتی ہے
۶۔ سید انشاء اللہ خاں کا تخلص۔
۷۔ اچھا ... ڈھونڈے سے نہیں بلکہ اتفاق سے ملتا ہے۔
۸۔ ایک بہت بڑا گناہ
۱۰۔ ریل کے سفر میں نئے ... کی طرف خاص توجہ کی ضرورت ہوتی ہے۔
۱۳۔ پہلے سارا معما حل کر لو پھر ... سے اس لفظ کو سوچنا۔
۱۵۔ تاجر کی جمع۔
۱۷۔ پینے کی ہے۔ لیکن پینا بُرا ہے۔
۱۸۔ کی جاننے والے تو دیکھ کر ... کرنے کو جی چاہتا ہے۔
۱۹۔ بیاسعہ میں طلبا کی نشست عام طور ... پر ہوتی ہے۔

مشتقی، کوپن



## اوپر سے نیچے

۱۔ رات دن گردش میں ہیں سات آسمان
ہو رہے گا کچھ نہ ... گھبرائیں کیا — غالب
۲۔ ذہین بچے اپنا سبق جلد ہی ... کر لیتے ہیں۔
۳۔ ایک گھنٹے میں ساٹھ ہوتے ہیں۔ (الٹا)
۴۔ گندی ... سب ہی کو بُری معلوم ہوتی ہے۔
۵۔ اچھا پھل تو اسی کا ملتا ہے جو دل سے کی جائے۔
۸۔ آج کل گرد ... کی وجہ سے موسم بڑا خراب رہتا ہے۔
۹۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اب کوئی ملک ہٹلر کے پنجے سے ... نہیں سکتا۔
۱۰۔ جو اپنے ... ہو اُسے ... ہی سے مخاطب کرنا چاہیئے
۱۱۔ کہتے ہیں کہ ... ترین ... ہے
۱۲۔ دیکھو اشارہ ۱۳ (دائیں سے بائیں)
۱۴۔ انتہائی ... انجام بُرا ہی ہوتا ہے۔
۱۵۔ کہا جاتا ہے کہ ... تھا کہ ... دھرنے کی جگہ نہیں تھی۔
۱۶۔ ... تو پتھر بن جائے۔

آج کل چھٹیوں کا زمانہ ہے۔ معمّا بھیجنے والوں کو خوب فرصت ہوگی۔ ہم نے اِس مرتبہ معمّے کے اِنعام کی رقم بھی زیادہ کردی اور معمّا بھی پہلے سے ذرا مشکل کردیا ہے۔ ہمیں اُمید ہے کہ معمّا بھیجنے والے اِشاروں کو خوب غور سے پڑھ کر اور سمجھ کر معمّا حل کریں گے۔

## قواعد

۱۔ تمام مدرسوں کے بچے حل میں حصہ لے سکتے ہیں۔ اُستاد یا سرپرست کی تصدیق ضروری ہے۔ صرف دستخط کافی ہیں۔ عبارت لکھنے کی ضرورت نہیں۔

۲۔ ایک حل کے ساتھ ایک آنے کا ٹکٹ آنا ضروری ہے۔

۳۔ ایک سے زیادہ حل بھی بھیجے جاسکتے ہیں۔ چار حلوں کی رعایتی فیس ۳ر آٹھ حلوں کی ۸ر ہے۔

۴۔ دونوں انعام تقسیم کردئے جائیں گے۔ قرعہ اندازی نہ ہوگی۔

۵۔ تمام حل ۱۸ر جولائی تک دفتر پیام تعلیم جامعہ دہلی پہنچ جانے چاہئیں۔

۶۔ ایڈیٹر کا فیصلہ قطعی ہوگا

۷۔ پیام تعلیم میں چھپے ہوئے کوپن کے علاوہ اور کوئی نہیں لیا جائے گا۔

۸۔ کوپن کے چاروں طرف جو نقطے والی لائن ہے وہاں سے کاٹ کر بھیجو۔

۹۔ کسی کوپن میں کوئی حرف کٹا یا مٹا ہوا ہوگا یا پنسل سے لکھا ہوا ہوگا تو مقابلے میں شامل نہ کیا جائے گا۔

۱۰۔ ایک لفافے میں صرف ایک نام سے معمّے آنے چاہئیں۔

۱۱۔ علاوہ کوپن اور ٹکٹ کے لفافے میں کوئی خط وغیرہ نہ ہونا چاہئے۔

۱۲۔ معمّا حل کرنے سے پہلے اشارے غور سے پڑھو۔

۱۳۔ ایک خانے میں دو حرف نہ ہوں۔

۱۴۔ دال اور واؤ کا فرق نمایاں ہو۔ ( دٗ ۔ وٗ )

۱۵۔ چھوٹی ی اور بڑی ے کا فرق لازمی ہے ( یٗ ، ےٗ )

۱۶۔ جہاں جہاں نقطے کا استعمال ہو۔ وہاں نقطہ ضرور ہونا چاہئے

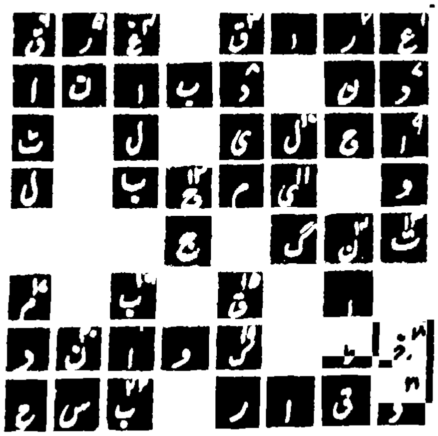
۱۷۔ اِملا کی غلطی بھی شمار کی جائے گی۔

۱۸۔ تمام حل ڈاک کے لفافے پر بھیجے جائیں۔

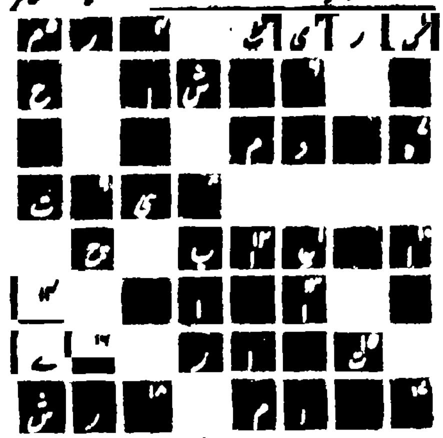
۱۹۔ نام اور پورا پتہ صاف اور خوش خط لکھو۔

۲۰۔ پتہ :۔ سب ایڈیٹر، پیام تعلیم، مکتبہ جامعہ قرول باغ ۔ نئی دہلی

## معمّا نمبر ۱۹ کا صحیح حل



## معما نمبر ۲۰ — کوپن نمبر



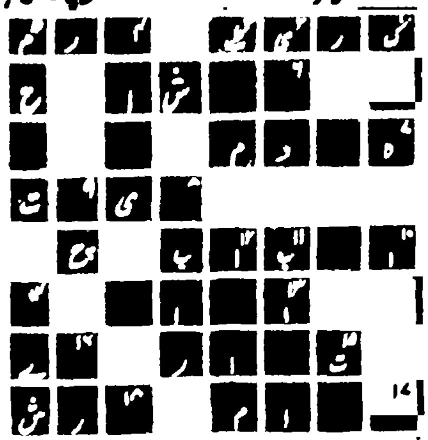
نام ..................

پتہ ..................

تصدیق ..................

دستخط ..................

## معما نمبر ۲۰ — کوپن نمبر



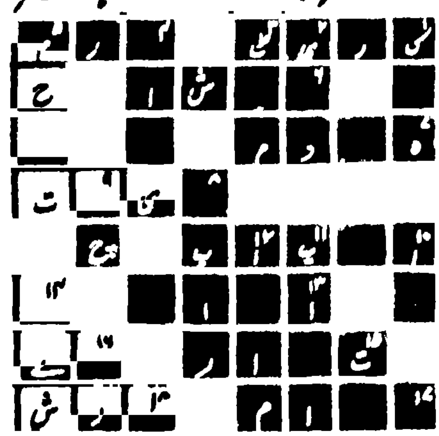
نام ..................

پتہ ..................

تصدیق ..................

دستخط ..................

## معما نمبر ۲۰ — کوپن نمبر



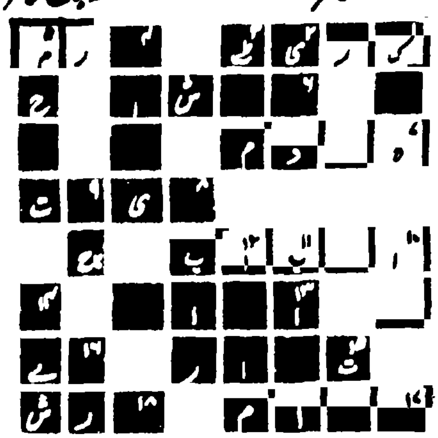
نام ..................

پتہ ..................

تصدیق ..................

دستخط ..................

## معما نمبر ۲۰ — کوپن نمبر



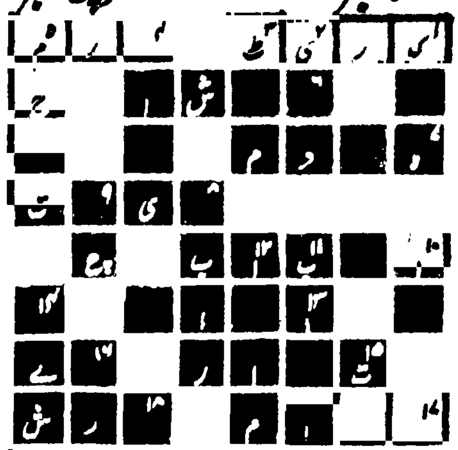
نام ..................

پتہ ..................

تصدیق ..................

دستخط ..................

معما نمبر ۲۰ کوپن نمبر



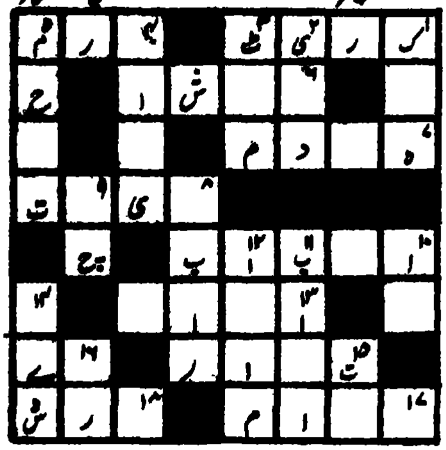
نام ..................................

پتہ ..................................

تصدیق ..................................

ملحظ ..................................

معما نمبر ۲۰ کوپن نمبر



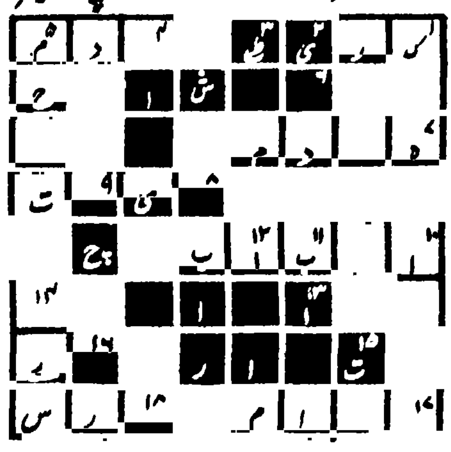
نام ..................................

پتہ ..................................

تصدیق ..................................

ملحظ ..................................

معما نمبر ۲۰ کوپن نمبر



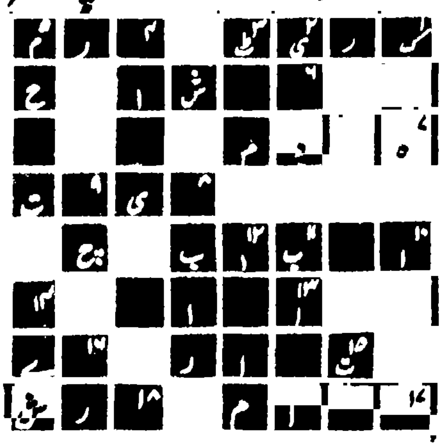
نام ..................................

پتہ ..................................

تصدیق ..................................

ملحظ ..................................

معما نمبر ۲۰ کوپن نمبر



نام ..................................

پتہ ..................................

تصدیق ..................................

ملحظ ..................................





کلکتہ کا ایڈن گارڈن شام کا وقت
مرسلہ بخش الہی کلکتہ

غور و خوض
مرسلہ عبدالودود بھمکی



● آسان اللہ آرہ



سائیکل کی سواری
مرسلہ محمد دین صاحب جرنلسٹ
ڈیرہ اسماعیل خاں

ایک گرے ہوئے درخت سے پل کا کام لیا جا رہا ہے

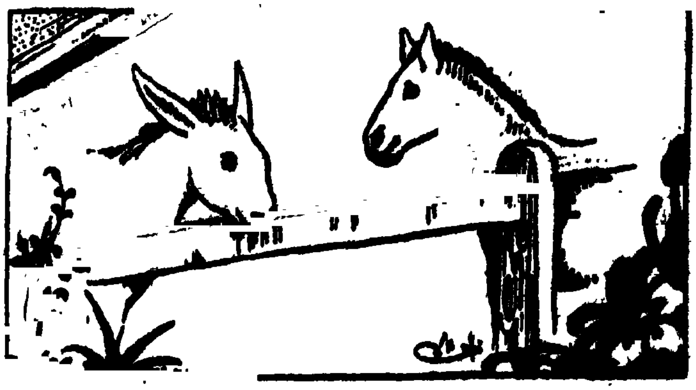


# شریر موتی



# چتّو متّو

قیمت ۱ر





# قرقر

قیمت ۱ر

# پیام تعلیم

الست ۱۲

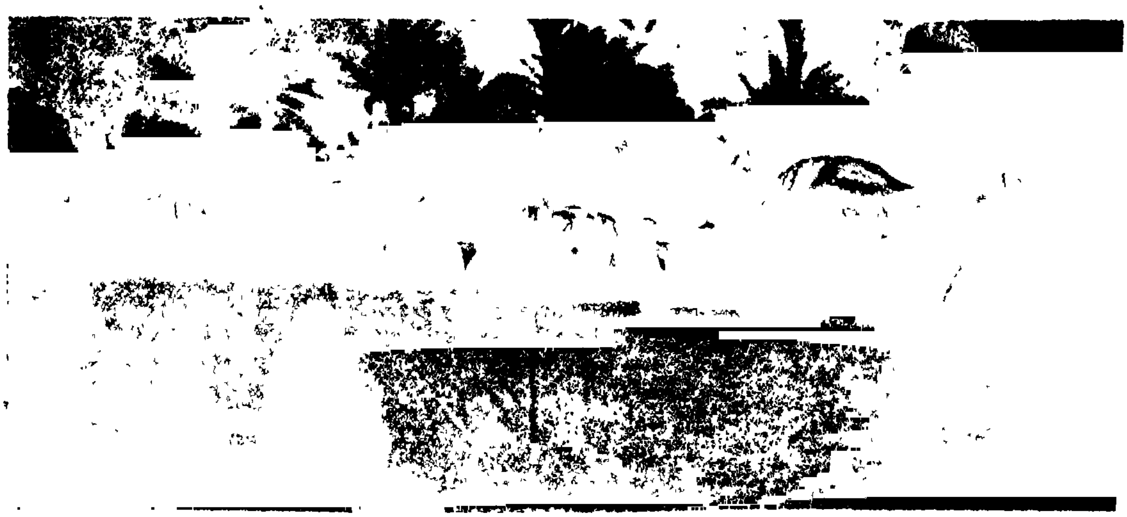




مکتبہ جامعہ دہلی



مسلسل موٹر گاڑی



موٹروں میں سامان رسد

# پیام تعلیم

دہلی

پیام تعلیم دہلی، یوپی، سی پی، بہار، بمبئی، حیدرآباد، اور پنجاب کے محکمہ ہائے تعلیم کی طرف سے سرکاری طور پر منظور کیا گیا ہے

ایڈیٹر: محمد حسین حسان

قیمت سالانہ عہ/ - فی پرچہ ۳/

جلد ۲۴ نمبر ۶


## فہرست مضامین




پرنٹر و پبلشر ڈاکٹر سید عابد حسین ایم اے پی ایچ ڈی - محبوب المطابع برقی پریس دہلی

# بچّوں سے باتیں

ایڈیٹر

پچھلا پیامِ تعلیم خوشی کی بات ہے کہ بچّوں نے بہت پسند کیا۔ رسالے کی ترتیب اور لکھائی چھپائی کے زمانے میں میں دلّی سے باہر تھا۔ پریشانی تھی کہ جانے پرچہ کیسے نکلے، مگر برادرم مولوی محمد شفیع الدین صاحب نیر اور برادرم سیّد عروج الحسن صاحب کا دلی شکریہ کہ انھوں نے اپنے پرچے کی ہر طرح مدد کی۔

---

ان کے علاوہ برادرم ملک محمد یوسف صاحب بی۔اے جامعہ (مہتمم شعبہ اشتہارات مکتبہ جامعہ) اور اشفاق حسین صاحب جامعی نے رسالے کی ترتیب اور لکھائی چھپائی میں بہت دلچسپی سے کام لیا۔ انھی کوششوں کی وجہ سے رسالہ وقت پر شائع ہو گیا۔

---

جو پیامی معمّا حل کر کے بھیجتے ہیں انھیں اس کا خیال رکھنا چاہیے کہ معمّا یہاں ہر ماہ کی ۱۰ تاریخ کو ضرور پہنچ جایا کرے۔ اس مرتبہ حل دیے گئے ہیں۔ آئندہ سے جو حل ۱۹ ار کی صبح کی ڈاک سے آیا کرے گا شامل نہ کیا جائے گا

رسالے کی کہانیاں اور مضمون جنگی موٹر بہرالکا، بچوں کی فتح وغیرہ پیامیوں کے لئے بہت دلچسپ ہیں اور محنت سے لکھے گئے ہیں۔ اپریل کی سیر۔ ماسٹر غلام حسین قریشی صاحب سے خاص طور سے لکھوائی گئی ہے۔ افسوس ہے کہ ماسٹر صاحب کے پاس کیمرا نہیں تھا نہ باوجود تلاش کے سری نگر میں اپریل کی تصویر مل سکی ورنہ مضمون اور بھی دلچسپ ہو جاتا۔

---

عزیزی محمد عظیم قادری کو اپنے پرچے سے بے انتہا محبت ہے۔ اس محبت کا وہ ثبوت بھی دیتے رہتے ہیں کسی پچھلے پرچے میں اُن کا ایک خط بھی چھپ چکا ہے وہ اپنی اس محبت کا اکثر عملی ثبوت بھی دیتے رہتے ہیں اب تک وہ اپنے پرچے کے کئی خریدار بنا چکے ہیں اس کے علاوہ اکثر مضمون بھی بھیجتے رہتے ہیں۔ ان کی ایک کہانی اس پرچے میں چھپ رہی ہے۔

---

# شرارت کا پُتلا

محمد شفیع الدین صاحب نیّر

شرارت کے پُتلے ہیں ننّھے میاں
بھری بوٹی بوٹی میں ہیں شوخیاں

شرارت سے آٹھوں پہر کام ہے
شرارت میں اُن کا بڑا نام ہے

وہ نچلے نہیں بیٹھتے اِک گھڑی
مچاتے ہیں دن بھر دھما چوکڑی

کسی کو وہ گردانتے ہی نہیں
کسی کا کہا مانتے ہی نہیں

کسی کا کبھی مُنہ چڑاتے ہیں وہ
کسی کے کبھی دھپ جماتے ہیں وہ

مٹھائی کسی کی کبھی کھا گئے
کہا کچھ کسی نے تو بھنّا گئے

جو دن میں کبھی کوئی سویا ذرا
اُنھوں نے لیا گھر کو سر پر اُٹھا

بلا سے جو ہو نیند سب کی حرام
اُنھیں اپنے دنگا مچانے سے کام

بہن سے اُنھیں گھر میں لڑنا سدا
محلّے میں سب سے جھگڑنا سدا

اسی دُھن میں رہنا گوارا اُنھیں
یہی شغل ہے دل سے پیارا اُنھیں

کہاں تک بیاں اُن کی ہوں شوخیاں
شرارت کے پتلے ہیں ننھے میاں

# سہرا

رشیدہ بیگم

جناب امتیاز حسین صاحب (بی کام لندن) کی شادی خانہ آبادی پر جو سہرا موصوف کی بہن رشیدہ بیگم (عمر ۱۰ سال) نے لکھا ہے وہ پیامی بہنوں کی دلچسپی کے لئے شائع کیا جا رہا ہے۔ اُمید ہے کہ پیامی بہن بھائی اِس خوشی میں شریک ہوکر اسے پسند فرمائیں گے۔ جناب امتیاز حسین صاحب جامعہ ملیہ کے پرانے طالب علم ہیں اور بہت پرانے پیامی۔ آپ کو پیامِ تعلیم سے بہت دلچسپی ہے اور اس کے لئے مضامین بھی لکھتے رہتے ہیں۔

خوشی سے آج اِتراتی ہیں پیاری نرگسی کلیاں
ترانہ عیش کا گاتی ہیں پیاری نرگسی کلیاں

بہت ارمان تھا، اللہ نے یہ دن دِکھایا ہے
مرے ماموں کا سہرا دیکھ ہر اک مُسکرایا ہے

نظر اوپر نہیں اُٹھتی یہ ہے سہرے کی رعنائی
عجب دل کش ہے اس کا حسن اور ہے خوب زیبائی

محبت سے خدیجہ بی بلائیں جب لگیں لینے
تو بس سہرے کی کلیاں بھی دُعائیں تب لگیں دینے

رشیدہ اور سعیدہ راشدہ مسرور ہیں سب ہی
بلائیں لے رہی ہیں ہوکے خوش دولہا کی دُلھن کی

الٰہی حشر تک پھولیں پھلیں دولہا دُلھن دونوں
خِزاں کے تُند جھونکوں سے بچیں دُولھا دُلھن دونوں

مُبارک ہو عزیزوں کو یہ جشنِ خانہ آبادی
دُعا یہ ہے مُبارک ہو خدایا سب کو یہ شادی

رڈولف
# ہس

## اگر ہمارے گھر اُتر آتے؟

پیام تعلیم کے کسی پرچے میں ہم نے ہٹلر کے جانشین رڈولف ہس کے واقعے کا ذکر کیا تھا اور پیامیوں سے پوچھا تھا کہ رڈولف ہس اگر تمھارے گھر اُتر آتے تو تم کیا کرتے۔ بہت سے پیامیوں نے اپنے خطوں میں اس کا جواب دیا ہے بعض جواب بہت دلچسپ ہیں۔ اُن کا خلاصہ ہم نیچے لکھتے ہیں۔

عزیزی سُلطان احمد اللہ والا (درجہ ہفتم، تعلیمی مرکز جامعہ) لکھتے ہیں۔

"...... میرا سب سے پہلا کام یہ ہوتا کہ ہٹلر سے ملنے کے لیے میں ہس سے اجازت لیتا۔ ......... پھر ہمارا خاص ہوائی جہاز برلن پہنچتا ہٹلر کے خاص محل میں اُن سے ملاقات ہوتی۔ میں پیام تعلیم کا نمونہ پیش کرتا (مفت نہیں) اور کہتا کہ اسے جرمنی کے محکمۂ تعلیم میں منظور کرا دیجیے اور ہر اسکول میں لازمی قرار دے دیجیے۔ ...... پیام تعلیم کی اشاعت کئی ہزار بڑھ جاتی اور ایڈیٹر صاحب خوش ہو کر ہمارے نام پیام تعلیم مفت جاری کر دیتے۔"

عزیزہ ثریا منصور (ضلع الہ آباد) لکھتی ہیں:-

"............ میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ میری بُوا نصیبن سب سے پہلے اُن کے پاس پہنچتیں اور وہیں سے چلاتیں کہ اے بی بی میں کہوں آم ٹپکا ہے اور یہاں ایک مُوا مردوا بیٹھا ہے۔ پھر وہ اُن کا نام پوچھتیں۔ اُن کی خیریت اور اُن کے بال بچوں کا حال ضرور دریافت کرتیں۔ مگر وہ جرمنی کا رنگروٹ ان کی بولی کیا سمجھتا۔ بس چپ رہتا اور بُوا نصیبن اُسے چور سمجھتیں اور نوکروں کو بلوا کر پکڑوا دیتیں ......."

عزیزی سید محمد احمد عظیم (درجہ پنجم جامعہ ملیہ، دہلی۔) لکھتے ہیں:۔

"............ میں ان کی ہر طریقے سے خدمت کرتا اگر انھیں مطالعے کی ضرورت ہوتی تو پیام تعلیم پیش کرتا۔ اگر اُن کے جسم میں چوٹ لگی ہوتی

تو میں ان کو اسپتال پہنچاتا۔ دفتر پیام تعلیم میں اس بات کی خبر کرتا۔ سب پیامی بھائی اور میں مل کر اُن کے جلد سے جلد اچھے ہو جانے کی کوشش کرتے۔ انھیں پیام تعلیم کے اچھے اچھے پرچے پڑھنے کو دئے جاتے اور پیام تعلیم کے آئندہ پرچے میں اُن کے مضمون بھی ہوتے ........"

---

عزیزی ابرار قدوائی بارہ بنکی سے لکھتے ہیں:۔

"........ سُنئے صاحب سب سے پہلے تو میں بے انتہا ڈر جاتا۔ کیوں کہ وہ ایک نازی تھا اور پھر پیراشوٹ کے ذریعے اُترا ہوا نازی مگر جب بعد میں غلط فہمی دور ہو جاتی تب میں بھی اُن کے درشن کرتا اور انھیں مجبور کرتا کہ میرے مہمان بنیں۔ پھر میں اُن کی زندگی کے مکمل حالات بڑے شوق سے سنتا۔"

---

محمد یحییٰ صاحب بیچے لاج کا خیال ہے کہ ہس اگر اُن کے گھر اُترتا تو وہ تمام دُنیا میں مشہور ہو جاتے سینکڑوں اخباروں میں اُن کی تصویریں چھپتیں، مضمون چھپتے اور جانے کیا کیا ہوتا۔ وہ ہس کی مرہم پٹی بھی اور اُسے ناشتے اور کھانے میں خالص ہندوستانی بلکہ بہاری کھانے کھلاتے۔

---

محمد سلیم الدین فاروقی نے خواب کے ذریعے اپنے خیالات ظاہر کئے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ہٹلر جاسوس ہے۔ چنانچہ ہس اُن کے گھر میں اُترا۔ کہیں پولیس کو خبر ہو گئی۔ اس نے ہس کو گرفتار کر لیا۔ ساتھ ہی انھیں ایک سال کی سزا بھی ہو گئی۔ جب جیل خانے کا دروازہ بند ہوا تو اُن کی آنکھ کھل گئی اور بس۔

---

عزیزی جگجیت سنگھ (جگ سلائی ٹاٹانگر) لکھتے ہیں۔

........ اگر ہس ہمارے مکان میں اُترتا تو جس طرح ہٹلر نے گوئرنگ کے بعد میں ہس کو اپنا جانشین بنایا۔ مگر افسوس ہے کہ وہ میرے گھر نہیں اُترا۔ اگر پیام تعلیم کے دفتر میں اُترآتے تو مہربانی کر کے اُنھیں یہاں بھیج دیجئے۔ میں اور میرے دوست بھی اس کے درشن کر لیں گے ؂

# ایک معلم کی زندگی

عبدالغفار صاحب مدھولی

ڈراموں کی یہ کہانی اور بھی دلچسپ ہو جاتی ہے جب تُم یہ جان جاؤگے کہ ان کا اثر نہ صرف مدرسے کے لڑکوں تک رہا بلکہ کُلیہ (کالج) کے طلباء کو بھی شوق ہوا۔ اور تو اور اُستادوں نے بھی ایک ڈراما کھیلا۔ میں اس وقت تک کلیہ کے لڑکوں کے ساتھ ہی رہتا تھا۔ ساتھی بھی ایسے تھے جنھیں جامعہ سے سخت لگاؤ تھا۔ ان میں محمد حسین حیدرآبادی عبدالجلیل صاحب ندوی۔ امتیاز حسین خاں صاحب (جواب یورپ سے فارغ ہوکر آئے ہیں) پیام تعلیم کے مدیر حسین حسّان صاحب، عبدالواحد صاحب سندھی، عبدالکریم صاحب (پشاوری) عبدالوہاب صاحب (سی، پی) ذکر کے قابل ہیں۔ ایک دن کی بات ہے کہ سارے لڑکے ایک کمرے میں جمع تھے امتیاز صاحب نے کہا:۔

"ماسٹر جی ہو جائے ایک ڈراما" مطلب یہ تھا کہ کالج کے لڑکوں سے بھی ڈراما کروائیے۔ میں نے کہا

"بڑے لڑکوں کے لئے ایسا ڈرامہ نہیں ہے جس میں عورتوں کا پارٹ نہ ہو"

"تو کیا ہوا موجودہ ڈراموں میں سے کسی میں ایسی ردّ و بدل کیجیے جس سے ہمارا کام بن جائے" عبدالکریم صاحب پشاوری نے کہا

"اس وقت تک کالج کے لڑکوں کے لئے خاص طور پر ڈرامے لکھے نہیں گئے تھے۔ بعد میں حیدرآباد دکن کے اساتذہ اور ہماری جامعہ کے خازن محمد مجیب صاحب نے کئی ڈرامے اس مطلب کے لئے لکھے ہیں۔ جن میں عورتوں کا پارٹ نہیں ہے۔ میں اس وقت کیا کرتا آغا حشر کے ایک ڈرامے میں تبدیلی کرکے لڑکوں کے سامنے رکھ دیا۔

پارٹ تقسیم ہوئے۔ ان کو سکھلانے میں چھوٹوں سے زیادہ دشواری پیش آئی۔ کوئی تو شرماتا۔ کوئی کہتا آپ بتلاتے جائیے۔ اس وقت تو سنائے دیتا ہوں۔ اصل کام اسٹیج پر دکھاؤں گا۔ ایک صاحب فرماتے میرا کام ہی کتنا ہے۔ اوروں سے مشق کرواسیے۔

کوئی تھیٹر کی نقل میں زور زور سے بولتا۔ تو کوئی ایسے جیسے مُنہ میں زبان ہی نہیں ہے۔ بڑی مشکلوں سے یہ لوگ قابو میں آئے۔ ڈراما تو جیسا کچھ ہوا اُس وقت بڑا مزا آیا جب پیامِ تعلیم کے مدیر حسین حسّان صاحب معمولی عینک لگائے بغل میں اخباروں کا پلندہ لئے عینک میں سے گھورتے ہوئے عدالت میں داخل ہوئے۔ یہ فرض کیا گیا تھا کہ یہ پیسے والے اخبار کے مدیر ہیں اور ایک مقدمہ میں انھیں گواہی دینی ہے۔ انھیں سکھانے کی ضرورت اس لئے نہ پڑی کہ حضرت جیسے تھے ویسا ہی کام دیا گیا تھا کام تقسیم کرتے وقت ان باتوں کا خیال رکھا جائے تو بہت سہولت رہتی ہے اور نقل مطابق اصل ہو جاتی ہے۔

لوگوں نے کہا "اب تو اُستادوں کو بھی خاموش نہ رہنا چاہیے۔ ایک سال ہوا پروفیسر رواج الدین صاحب نے اُستادوں کے لئے ایک اچھا سا ڈراما لکھا تھا "نکاح بالجبر" پروفیسر محمد مجیب صاحب نے اُستادوں کو راضی کر لیا۔ خود بھی اس ڈرامے میں کام کیا اوروں کو بھی سکھلایا۔ خود تو "جوتشی" بنے تھے۔ مجھے "مرزا نوشہ" بنایا۔ نیازی صاحب میرے داماد بنے تھے اور کریم اللہ صاحب برادرِ نسبتی۔ علیم صاحب ارسطو کے شاگرد خجندی بنے تھے۔ کالج سے بھی دو لڑکے لئے تھے۔ انور خاں صاحب کو حکیم چلپی اور نصیر صاحب کو جعفر کا کام دیا گیا تھا۔

پوری شروع سے آخر تک پردے میں رہی اس لئے عورت کی نقل کا جھگڑا نہ رہا۔ مجیب صاحب اداکاروں کے سجانے (میک اپ) میں کمال رکھتے ہیں۔ انتخاب اچھا تھا۔ لوگ دیکھتے ہی رہے۔ علیم صاحب نے عربی میں بی اے کیا تھا۔ عربی قاعدے کے مطابق لفظوں کو ٹھیک ٹھیک بولنے کا ملکہ تھا۔ پارٹ خاصا طویل تھا۔ خوب یاد کیا تھا۔ نقل اس بات کی تھی کہ کوئی شخص بحث میں غلط لفظ بولے تو یہ اس کی خبر لیتے تھے۔ چنانچہ ایک شخص نے گفتگو میں "ٹوپی کی شکل" کی بجائے "ٹوپی کی صورت" کہہ دیا۔ یعنی "شکل" کی بجائے "صورت" کا استعمال کیا۔ اس پر زور سے کہنے لگے۔

" عاصی کا دعویٰ ہے کہ ہم کو ٹوپی کے لئے "شکل" کا لفظ استعمال کرنا چاہیے نہ کہ "صورت" کا "صورت" اور "شکل" میں فرق یہ ہے کہ "صورت" کا لفظ ذوالحیات کے اجسام کے لئے یعنی (جان دار کے لئے) اور "شکل" کا لفظ غیر ذی روح اشیا کی ہیئتِ خارجی کے لئے یعنی (بے جان کے لئے) استعمال ہوتا ہے اور چونکہ ٹوپی جوہرِ حیات سے معرّیٰ ہے یعنی بے جان۔ لہٰذا واجب آیا کہ ہم ٹوپی کی شکل کہیں نہ کہ ٹوپی کی صورت ............" اتنے میں وہ شخص بھاگ گیا۔ دروازے کی طرف رُخ کر کے کہنے لگا

"اے جاہل مطلق شخص۔ یاد رکھ کہ تجھے یہ لفظ استعمال کرنا چاہئیے تھا یہ لفظ خود ارسطا طالیس کے الفاظ ہیں۔ ارسطا طالیس کے .........

تو اگر چاہے تو اس کی تصنیف کبیر "المقالات فی الصفات الاشیا" میں بعینہٖ یہی الفاظ بتلا سکتا ہوں"۔ غرض کہ اس دن کے ہیرو دراصل یہی تھے

کریم اللہ صاحب کے ذمے ایک جگہ مجھے سزا دینے کا کام تھا۔ یہ چھوٹا سا اور آسان پارٹ انھوں نے اس لئے لیا تھا کہ وہ مجھے تنگ کریں۔ ستے ہی پہلوان میں نے مجیب صاحب سے کہا کہ کریم اللہ صاحب مجھے سچ مچ سزا دیتے ہیں۔ اس حصے کی مشق کی ضرورت نہیں ہے۔ اس میں سیکھنے سکھانے کی کون سی بات ہے۔ کریم اللہ صاحب کہتے تھے "یہ پارٹ میں اسی صورت میں کروں گا جبکہ اس کی مشق بھی ہوا کرے"۔ ڈرامے کے دن تو غضب ہو گیا۔ سچ مچ مجھے مارنے لگے۔ میں چپکے سے کہتا بھی کہ چوٹ لگ رہی ہے مگر یہ مانتے نہیں تھے۔ تماشائی تھے کہ

لوٹ پوٹ کر ہنس رہے تھے۔ میں اسٹیج سے بھاگ بھی نہیں سکتا تھا۔ مجیب صاحب اندر سے آواز دے رہے تھے: "اگلا کام جاری رکھئے۔ اگلا کام"

......... یہ حضرت بڑی مشکل سے آگے بڑھے

کچھ اور بیان کروں تو بات لمبی ہو جاتی ہے۔ اس سال تمھارے ساتھیوں نے جو ڈرامے کھیلے ان کا تو ابھی ذکر ہی نہیں آیا ہے۔

پچھلے سال یہ کام جو ہوا تو پہلے سے کسی سوچے ہوئے پروگرام کے مطابق نہ تھا اور ہوتا ہی کیسے۔ جب ایک چیز چل پڑے تو اس کے لئے قاعدے قانون بنانے اچھے معلوم ہوتے ہیں اور کاموں کا ہرج نہ ہونے کے لئے اتالیق صاحبان سے مل کر یہ طے کیا کہ ڈرامے سال بھر میں صرف دو ہوں گے ایک تو یوم تاسیس پہ دوسرے عید پر۔ چنانچہ اس سال بچوں نے ان ہی دو موقعوں پر صرف دو ڈرامے کھیلے یہ سچ ہے کلیہ کے طلبا اور اُستادوں کے ڈرامے کا ذکر نکل آیا۔ آؤ اب ساتھیوں کے ڈراموں کو دیکھیں (باقی)

# بیج اور پھل کس طرح پھیلتے ہیں

محمد ریاض الحسن صاحب قریشی ایم ، ایس ، سی ۔ عثمانیہ

۲

**سنہا :-** ابھی تھوڑے دن ہوئے میرے ایک دوست مغربی ملکوں کے سفر سے واپس آئے ہیں وہ کہتے تھے کہ جزائر غرب الہند میں ایک درخت ہوتا ہے سینڈ باکس ۔ اس کے پھل بہت بڑے بڑے ہوتے ہیں ۔ ان پھلوں میں بیج بھی بڑے بڑے ہوتے ہیں ۔ پھل پک جاتا ہے تو پھٹ جاتا ہے ۔ پھٹنے کی آواز پستول کے فیر سے کم نہیں ہوتی ۔ کوئی آدمی یا جانور ان پھلوں کے پھٹنے میں رکاوٹ ڈالے تو زخمی ہو جاتا ہے ۔

**انور :-** عجیب درخت ہے ! مگر تم نے دیکھا ! بیجوں کو اِدھر اُدھر پھیلانے کے لئے قدرت نے کیسے کیسے انتظام کئے ہیں ۔ دور کیوں جاؤ گل مہندی کو دیکھ لو ۔ اس کی پکی ہوئی پھلی کو چھوتے ہی بیج دور جا کر گرتے ہیں ۔

اچھا دیکھو چند سال پہلے جب ہم تم سٹی کالج (حیدر آباد) میں پڑھتے تھے تو کالج کے چمن میں حوض کے پاس ایک قسم کی پھلی کے پودے تھے تمھیں یاد ہوگا اس پودے کی خشک پھلیاں جمع کر کے ان پر پانی ڈالا کرتے تھے اور پھلیاں چٹخ جاتی تھیں اس وقت تو یہ محض ایک تماشا اور دلچسپی تھی مگر اب معلوم ہوا کہ بیجوں کے پھیلنے کا یہ بھی ایک طریقہ ہے ۔ اسی طرح اور بھی بہت سی پھلیاں ہیں جنھیں چٹخنے کے لئے نمی کی ضرورت ہوتی ہے ۔

**سنہا :-** اچھا انور ایک بات بتاؤ ۔ یہ سنگھاڑے کنول اور دوسرے پانی کے پودوں کے بیج کس طرح پھیلتے ہیں ۔

**انور :-** سنگھاڑے اور کنول کے بیج پانی کے اندر ہی پھیلتے ہیں ۔ سنگھاڑے کے دونوں طرف نوکیں سی ہوتی ہیں ۔ جب اس پودے کے بیج پک جاتے ہیں تو یہ اس نوک دار سرے کے رُخ زمین پر گرتا ہے اور زمین پر گر کر پودا پیدا کرتا ہے ۔

ساحلی درختوں کے بعض بیج ریشے دار پوست سے ڈھکے رہتے ہیں۔ ان میں ہوا بھی بھری ہوتی ہے اس کی وجہ سے وہ ہلکے ہو جاتے ہیں اور پانی میں گرنے کے بعد ڈوبتے نہیں۔ مثلاً ناریل کے پھل کا اوپر کا حصہ ریشے دار ہوتا ہے۔ اس کی وجہ سے پھل ہلکا ہو جاتا ہے اور پانی پر تیرتا ہوا ایک جگہ سے دوسری جگہ جا پہنچتا ہے۔ پھل کا اوپر کا خول بالکل بند ہوتا ہے۔ پانی کو اندر نہیں پہنچنے دیتا چنانچہ ناریل جب درخت سے سمندر میں گرتا ہے تو ہفتوں پانی پر تیرتا رہتا ہے۔ کبھی کبھی تو یہ سینکڑوں میل کا سفر طے کر کے ایک سمندر سے دوسرے سمندر میں جا پہنچتا ہے۔ وہاں یہ کنارے جا لگتا ہے اور درخت پیدا کرتا ہے۔ ساحلوں پر ناریل کے درختوں کے جو جھنڈ کے جھنڈ نظر آتے ہیں گویا انھی بیجوں کے پانی کے ذریعے پھیلنے کا نتیجہ ہیں۔

سنہا۔ اس وقت ایک چیز یاد آگئی۔ ہمارے محلے میں جو ایک مندر ہے، پرانا سا۔ اس کی دیوار پر پرسوں میں نے پیپل کا ایک چھوٹا سا درخت دیکھا مجھے تو حیرت ہوگئی کہ یہاں پیپل کا بیج کیسے پہنچ گیا۔

انور۔ بھئی خوب سوال کیا۔ یہی بات میں ابھی تمھیں بتانے والا تھا۔ بات یہ ہے کہ بعض بیج جانوروں کے ذریعے بھی پھیلتے ہیں۔ مثلاً بعض درختوں کے پھل پرند بہت شوق سے کھاتے ہیں۔ ان پھلوں کے بیج سخت ہوتے ہیں۔ پرندے جب بیٹ کرتے ہیں تو یہ بیج ویسے کے ویسے ہی نکل آتے ہیں۔ اور کھاد اور پانی ملتے ہی اُگنا شروع کر دیتے ہیں۔ پیپل کا بیج بھی انھی پرندوں کی بدولت مندروں اور پرانی عمارتوں پر پہنچ جاتا ہے اور اسی طریقے سے اُگ آتا ہے۔

اچھا بھائی سنہا ذرا ادھر آؤ۔ کھڑکی میں سے دیکھو۔ وہ سامنے آم کا درخت نظر آ رہا ہے۔ اس پر ایک بیل بھی چڑھی ہے۔

سنہا:۔ اسے شاید قرض دار کی جل بیل کہتے ہیں۔

انور:۔ ہاں یہ قرض دار کی بیل ہے۔ اس کے بیج پرندوں کی چونچ سے چمٹ جاتے ہیں۔ پرند ان سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے چونچ کو کسی درخت سے رگڑتے ہیں۔ اب یہ بیج درخت سے چمٹ جاتے ہیں اور مناسب حالات میں اُگ آتے ہیں۔

پرند تو ان بیجوں کے لئے سچ مچ رحمت ہیں پانی کے بعض بیج اس کثرت سے پیدا ہوتے ہیں کہ پانی پر اُن کے چھوٹے چھوٹے گچھے بن جاتے ہیں جب آبی پرندے غذا کی تلاش میں پانی پر تیرتے ہیں تو یہ اُن کے پروں کو چمٹ جاتے ہیں۔ یہی پرند جب دوسرے تالاب میں جاتے ہیں تو بیج پانی

میں بہ جاتے ہیں۔ تو گویا یہ اُن پرندوں کی بدولت ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچتے ہیں۔

**سنہا:۔** اور یہ آبادی سے کوسوں دور شریفے (سیتاپھل) نیم اور املتاس کے جنگل کے جنگل کھڑے ہیں تو ان کے بیج وہاں کیسے پہنچ گئے۔

**انور:۔** یہ کوّوں اور بندروں کی کارگذاری ہے۔ جانور بعض پھلوں کو بیج سمیت کھا جاتے ہیں سخت بیج پوست سے ڈھکے ہوتے ہیں۔ اس لئے ہضم نہیں ہوتے۔ پاخانے میں جوں کے توں نکل جاتے ہیں اور پھیل جاتے ہیں۔ کیکر یا ببول کا بیج بکری کے پیٹ میں سے ویسے کا ویسا ہی نکل آتا ہے۔ ڈارون اپنے ایک دوست کو ایک خط میں لکھتا ہے۔

"اُفوہ! ایک بیج ۲۲ گھنٹوں تک چُغد کے معدے میں رہنے کے بعد اُگ سکتا ہے تو خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ کس قدر فاصلہ طے کر سکتا ہے + (باقی)

# قیصر جرمنی

محمد عبدالحئی۔ حیدرآبادی ـــ

قیصر جرمنی کا نام تم نے سُنا ہوگا۔ کہتے ہیں پچھلی بڑی لڑائی انگریزوں کے خلاف اسی نے شروع کی تھی پچھلے مہینے ۴ جون کو یہ اس دُنیا سے چل بسا۔ پچھلی بڑی لڑائی کے بعد اسے تخت و تاج سے دست بردار ہونا پڑا تھا۔

سابق قیصر جرمنی ہوہن زولرن خاندان کا آخری بادشاہ تھا۔ اسے ولیم ثانی بھی کہتے تھے۔ اُس نے جرمنی پر تیس سال حکومت کی۔ اِن تیس سالوں میں پچھلی بڑی لڑائی کے ۴ سال بھی شامل ہیں۔

قیصر جرمنی ۲۷ جنوری ۱۸۵۹ء کو برلن میں پیدا ہوا۔ اس کے بائیں ہاتھ میں پیدائش کے دن سے خرابی پیدا ہوگئی تھی۔ اس کی ماں وکٹوریہ پرنس رائل آف انگلینڈ ملکہ وکٹوریہ کی لڑکی تھی۔ فریڈرک شاہ جرمنی کی اولاد میں یہی سب سے بڑا لڑکا تھا۔

قیصر کی تعلیم و تربیت بچپن ہی سے بہت عمدہ پیمانے پر ہوئی۔ فوجی تعلیم بھی بہت اہتمام کے ساتھ دی گئی ہاں سیاست اور خارجی یعنی دوسرے ملکوں کے معاملات سمجھنے کی تعلیم اُسے اچھی طرح نہ ملی۔ اسی لئے وہ ایک کامیاب سیاست داں نہ بن سکا۔

۱۸۸۶ء میں فریڈرک شاہ جرمنی کا انتقال ہوگیا۔ اس کی جگہ قیصر ۱۹ سال کی عمر میں بادشاہ بنا ۲۷ فروری ۱۸۸۱ء میں اس کی شادی پرنسس آگسٹس وکٹوریہ آف شلیوش ہول اشٹائن سے ہوئی اس سے سات اولادیں ہوئیں۔ چھ لڑکے ایک لڑکی۔ انتقال کے وقت اُن میں سے اکثر موجود تھے۔ پوتوں کی ایک بڑی تعداد اُن کے علاوہ ہے۔ ان میں سے ۲۲ تو اس وقت جرمن فوجوں کے ساتھ فوجی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

تخت پر بیٹھتے ہی سب سے پہلے تو بسمارک سے اس کی ان بن ہوئی۔ چنانچہ دو ہی سال بعد بسمارک نے چانسلری سے استعفیٰ دے دیا۔ بسمارک کی علیحدگی کے بعد اسے اپنے اختیارات کو اور بڑھانے کا موقع ملا۔ وہ چاہتا تھا کہ یورپ میں جرمنی سب سے بڑی سلطنت ہوجائے اور خوب

طاقت ور بن جائے۔ ترکی کا سفر اُس نے اسی مقصد سے کیا تھا۔ وہ یہ بھی چاہتا تھا کہ جرمنی سے عراق تک ریلوے کا سلسلہ قائم ہو جائے۔ مگر اس کا یہ ارادہ پُورا نہ ہو سکا۔

انگریزوں سے قیصر کے تعلقات کبھی اچھے نہ رہ سکے۔ پچھلی بڑی لڑائی کا ذمے دار بہت سے لوگ قیصر ہی کو بتاتے ہیں۔ بعض لوگوں کو اس میں شک ہے۔ مگر یہ بات تو بالکل یقینی ہے کہ موجُودہ بڑی لڑائی پچھلی بڑی لڑائی کا نتیجہ ہے۔

پچھلی بڑی لڑائی میں فوجوں کی سرداری وہ خود کرتا تھا۔ بعد میں یہ اہم عہدہ اس نے ہنڈن برگ کے سپرد کر دیا تھا۔ ۱۹۱۸ء قیصر کے لئے بہت منحوس ثابت ہوا۔ اسی سال جرمنی میں ایک بے چینی سی پھیلنے لگی اور قیصر کی عزت لوگوں کی نظروں میں کم ہونے لگی۔ اسی سال اکتوبر میں اس کے اپنے لڑکے شہزادہ ماکس کو امپیریل چانسلر مقرر کیا۔ جس وقت ولسن (صدر جمہوریہ امریکہ) نے قیصر کو صلح کے معاملے میں اکا ٹٹ بتایا تو شہزادہ ماکس نے ایشتاغ (جرمن پارلیمنٹ) کی مدد سے قیصر سے تخت و تاج سے علیحدہ ہونے کا مطالبہ کیا۔ نومبر تک قیصر دست بردار نہ ہوا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حالات بہت تیزی سے خراب ہونے لگے۔ آخر ۹ نومبر کو شہزادہ ماکس نے اعلان کیا کہ قیصر تخت و تاج سے دست بردار ہو جائیں گے اور ولی عہد اُن کا جانشین نہ ہوگا۔ اس طرح بے چارا قیصر بجائے بادشاہ کے جرمنی کا معمولی شہری بن گیا۔ وہ ہالینڈ چلا گیا اور وہاں اس نے ۲۰ سال تک آرام سے زندگی بسر کی۔ اس نے تخت و تاج کو دوبارا حاصل کرنے کی کبھی کوشش نہ کی۔ ہاں اس کے گھر میں شاہی آداب کا اب تک لحاظ رکھا جاتا تھا۔ اس زمانے میں بھی وہ ہر وقت اپنے آپ کو مصروف رکھنے کی کوشش کرتا تھا۔ باغبانی، اخبار بینی، خط کتابت وغیرہ اب یہی اس کے مشغلے تھے۔ موجُودہ لڑائی شرُوع ہونے سے پہلے وہ ودران منتقل ہو گیا تھا۔ اب اس کی عمر ۸۰ سال ہو گئی تھی۔ اُسے دِل کا کوئی مرض ہو گیا تھا۔ یہی مرض جان لیوا ثابت ہوا اور بے چارا موجُودہ لڑائی کا نتیجہ دیکھنے کی حسرت دِل میں لے گیا۔

# پہیلیاں

۱۔ چاند سا چکلا پان سا پتلا ۔ بُوجھو تو بُوجھو نہیں تو آنکھ میں تکلا۔ (دیا پڑتا)

۲۔ ایک ڈبیہ میں دو رنگ۔ (انڈا)

# سری نگر سے اہربل

غلام حسن قریشی صاحب
سکنڈ ماسٹر مکاندھربل

جناب ایڈیٹر صاحب! اس روز آپ نے تو گلمرگ کا رُخ کیا اور ہم نے بھی کشمیر کی ایک بہت ہی اچھی جگہ کی سیر کر ڈالی سُنیے وہ کیسے۔ آپ سے رخصت ہونے کے بعد سیدھا اپنے گھر کی طرف چلا۔ راستے میں تھوڑی ہی دور پر ایک بے تکلف دوست مل گئے۔ کہنے لگے چلو شوپیاں چلیں۔ وہ اتنی جلدی میں تھے کہ مجھے کچھ سوچنے کا موقع بھی نہیں دیا۔ یوں سمجھیے کہ گھسیٹتے ہوئے لاری تک لائے ٹکٹ خریدے اور بس لاری کے اندر۔

سری نگر سے شوپیاں کا لاری کا کرایہ عموماً ۱۲؍ ہے۔ سواریاں کم ہوں تو کم بھی ہو جاتا ہے مگر آج میلا تھا اس لئے ایک ایک روپیہ دینا پڑا۔ شوپیاں سری نگر سے ۳۴ میل ہے۔ ہم لاری میں بیٹھ کر پان پور، کاکا پورا وغیرہ ہوتے ہوئے شوپیاں پہنچے کشمیر کا یہ بہت بڑا قصبہ ہے۔ یہاں کے ڈاک خانہ پولیس اسٹیشن کے علاوہ ایک مڈل اسکول بھی ہے شوپیاں کا تمام علاقہ آباد ہے۔ یہاں کے لوگوں کی حالت بھی کشمیر کے دوسرے علاقوں سے بہتر ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں کی زمین دوسری جگہوں سے زیادہ زرخیز ہے۔ پھلوں کے باغات بھی بہت ہیں یہاں کا سیب ہندوستان بلکہ دوسرے ملکوں میں بھی مشہور ہے۔ گھی بھی بہت اچھا ہوتا ہے۔

رات کو ہم یہیں شوپیان میں ٹھہرے، صبح کو اہربل جانا تھا۔ میں تو پیدل جانا چاہتا تھا۔ ایسی جگہوں پر پیدل ہی چلنے میں لطف ہے۔ مگر ہمارے ساتھی سمجھے کہ میں تکلف کر رہا ہوں اور دو گھوڑے کرائے پر لے لئے۔ اہربل شوپیان سے سات میل ہے۔ تانگے یا موٹر کا راستہ نہیں ہے بس پیدل یا گھوڑوں پر جانا پڑتا ہے۔

خیر صاحب ہم شوپیان سے روانہ ہوئے۔ شروع میں ایک میل تک سڑک ایک دریا کے کنارے کنارے گئی ہے، پھر ایک پل پار کرنے کے بعد راستہ جنگل میں سے ہو کر گیا ہے۔ گھنے درختوں میں سے نکلتے ہی دائیں طرف ایک چوڑی پتھریلی زمین ملی یہ اصل میں ایک نالا ہے۔ برسات میں خصوصاً طوفان

آجاتا ہے تو یہ نالا کوئی نوّے فٹ چوڑا ہو جاتا ہے۔ اور بڑے بڑے درخت، مکان، بڑی بڑی چٹانیں غرض جو چیز بھی راستے میں آجاتی ہے بہالے جاتا ہے یہاں سے ایک میل آگے ہمیں ایک گاؤں ملا۔ سدون یہاں کی خوب صورتی مشہور ہے۔ بھولے بھالے چہرے، بادامی آنکھیں، خوب صورت اور سُبک ناک نقشہ۔ یہاں سے کوئی ایک میل آگے جانے کے بعد ایک اور پہاڑی ملی۔ اس پر بہت گھنے درخت ہیں۔ جنگلات کے محکمے نے اس جنگل کے درمیان سڑک نکالی ہے جو سانپ کی طرح بل کھاتی ہوئی ایک سرے سے دوسرے سرے تک چلی گئی ہے۔ اس سڑک کے بعد کوئی ایک میل تک چڑھائی اور پھر اتنا ہی اُتار تھا۔ یہاں اتار پر ہمیں ایک پُل ملا، یہ کوئی ۴۰ فٹ لمبا تھا۔ نیچے ایک نالا بہتا تھا۔ یہ وہی نالا ہے جو اور آگے آبشار کی صورت میں گرتا ہے۔ اسی کو دیکھنے تو ہم آئے ہیں۔

جس پہاڑی سے ہم ابھی ہو کر آئے تھے اور اس کے سامنے کی پہاڑی دونوں غیر معمولی طور پر سرسبز و شاداب تھیں۔ ان کے بیچ میں نالا اتنے زور سے بہتا تھا کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ ذرا آگے گئے تو اس نالے کے پانی کی وجہ سے یا جانے کیا بات تھی کہ ہمیں ٹھنڈ سی لگنے لگی۔ یہاں ایک اور بات دیکھنے کی ہے۔ کوئی ۲۰ فٹ نیچے اس نالے نے دونوں پہاڑیوں کو کچھ اس طرح کاٹا ہے کہ معلوم ہوتا ہے ہزاروں سنگ تراشوں نے برسہا برس کی محنت کے بعد اس دہاڑتے شیر کے گذرنے کے لئے آمنے سامنے دو فصیلیں بنائی ہیں۔

ہم نے پُل پار کرنے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ دائیں طرف ایک راستہ دکھائی دیا۔ یہ راستہ نالے کی طرف جاتا تھا۔ شاید اس لئے بنایا گیا ہے کہ لوگ آسانی سے نالے کا پانی لاسکیں۔ اس راستے سے ہم ذرا نیچے کی طرف گئے تو ایک بڑا سا گول پتھر نظر آیا کوئی ۵۰ فٹ گولائی کا ہوگا۔ کہتے ہیں یہ پانڈوں کے زمانے کی یادگار ہے۔ اسے وہ کسی خاص موقع پر استعمال کرتے تھے۔

اب ہم واپس پُل کی طرف گئے۔ پُل کو پار کر کے گھوڑوں کو ایک طرف چھوڑا اور ایک راستے پر ہو لئے۔ راستہ کیا تھا۔ ہموار پتھر بچھے تھے۔ کوئی ۶۰، ۷۰ گز اوپر جاکر پھر ایک سڑک ملی، یہ آبشار تک جاتی تھی۔ وہاں بیٹھنے کے لئے دو ہموار پتھر رکھے تھے کوئی ۹۰ یا ۱۰۰ فٹ مربع ہوں گے۔ ہم ان پتھروں پر بیٹھ گئے۔ کھانے پینے کا کچھ سامان لائے تھے، ذرا سستانے کے بعد کھایا پیا۔ اس وقت دھوپ کافی تیز تھی۔ مگر تھوڑی دیر کے بعد مینہہ کی ننھی ننھی پھوار سی آنے لگی تھی۔ یہاں سے ذرا اور آگے بڑھے تو وہی نالا جسے ہم کوئی ۳۰۰ گز پیچھے

چھوڑ آئے تھے اور بھی زور شور سے بہہ رہا تھا۔
یہاں سے یہ نالا دو چھوٹی آبشاروں کی صورت میں نیچے گر رہا تھا۔ دونوں آبشاروں کا پانی کوئی ۱۰۰ فٹ تک ایک ساتھ بہہ رہا تھا اور پھر جن پتھروں پر ہم بیٹھے تھے اُن کی داہنی طرف ایک بڑے آبشار کی شکل میں بہت نیچے گر رہا تھا۔ یہی اہرابل ہے۔ کشمیر میں سب سے بڑا آبشار۔ یہاں آکر اور آبشار دیکھ کر جو لطف آیا ہے اس کا اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جو اتنی کڑی محنت اُٹھا کر منزل تک پہنچے ہوں۔ ہم تو سچ مچ بالکل مست ہو گئے تھے، آنکھوں کے سامنے سوائے دُھند کے کچھ نظر نہ آ رہا تھا۔ نیچے جہاں یہ آبشار گرتا ہے ایک بڑا چوڑا نالا بہتا ہے۔ ہم نے نیچے کی طرف دیکھا تو سوائے بادلوں کے کچھ نظر نہ آیا۔ نالے کے دونوں کناروں پر دھنک سی پڑی ہوئی دکھائی دیتی تھی۔ آبشار کا پانی اتنی اونچائی سے گرتا ہے کہ پانی کی چھینٹیں بڑی اونچی اُڑتی ہیں۔ اتنی اونچی کہ ہم جس وقت پتھر پر بیٹھے تھے انھیں مینہہ کی پھوار سمجھ رہے تھے۔
ابھی ہم اس نظارے میں محو تھے کہ آبشار کے پانی کے ساتھ ایک شہتیر گرتا ہوا نظر آیا۔ یہ کوئی ۴۰ فٹ لمبا اور ۵ فٹ گولائی کا ہوگا۔ یہاں جنگلوں سے لکڑی کاٹ کر اسی طرح اوپر پہاڑوں سے میدان میں لاتے ہیں۔ یہ شہتیر نیچے گرتے ہی فوراً غائب ہو گیا ہم دونوں حیران کہ یا اللہ اتنا بڑا شہتیر کہاں چلا گیا. ہم برابر ٹکٹکی لگائے نیچے کی طرف دیکھتے رہے۔ کوئی ۲۰، ۲۵ منٹ کے بعد شہتیر پانی میں سے اُبھرا ہمارے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اُفوہ! اتنا گہرا پانی پانی کے اتنی اونچائی سے گرنے کی وجہ سے نیچے بہت گہرے غار ہو گئے ہیں۔
یہاں سے ہٹنے کو جی نہ چاہتا تھا۔ مگر دیر بہت ہو گئی تھی، مجبوراً واپس آ گئے اور دوسرے دن شام کو سری نگر پہنچ گئے۔ آپ کے پیامیوں کو یہ سیر پسند آگئی تو آیندہ اور کسی سیر کا حال لکھنے کی کوشش کروں گا۔

# دلچسپ کھیل

تمھارے بھائی بہن صابن کے بُلبُلے ہوا میں اُڑاتے ہوں گے۔ صابن کے پانی میں کھانڈ یا گلیسرین ملا دو تو بُلبُلے بہت بڑے بنیں گے۔ کبھی کبھی تو یہ غبارے جیسے بڑے بن جاتے ہیں۔

# کریٹ

سید عبداللہ - حیدرآبادی

اب سے کوئی دو مہینے پہلے اخباروں میں کریٹ کی خبریں بڑی بڑی سرخیوں کے ساتھ آتی تھیں۔ جرمنی یہاں اپنی فوجیں ہوائی جہاز پر لایا اور یہاں کے ہوائی اڈے میں اور آس پاس انھیں پیراشوٹ کے ذریعے اتار دیا۔ یونانی اور انگریزی فوجوں نے خوب ڈٹ کر مقابلہ کیا مگر جرمنی کے مقابلے میں اُن کے پاس ہوائی جہاز کم تھے۔ فوج بھی زیادہ نہیں تھی۔ اس لئے انگریزوں نے یہ جزیرہ خالی کر دیا۔

کریٹ بحیرۂ روم میں یونان کے جنوب میں ایک جزیرہ ہے۔ اس کی شکل چھری کے دندانے دار پھل جیسی ہے۔ ایک بہت پرانی تاریخ میں لکھا ہے کہ کریٹ کی شکل بچھو کی طرح ہے۔ بچھو کو عربی میں عقرب کہتے ہیں۔ اسی لئے عربوں نے اس کا نام عقربطیش رکھا تھا، جو بعد میں اقریطش ہو گیا۔

بحیرۂ روم کے جزیروں میں رقبے کے اعتبار سے کریٹ کا نمبر پانچواں ہے۔ یہ ایک سو ساٹھ میل لمبا ہے۔ چوڑائی کم سے کم سات اور زیادہ سے زیادہ ۳۵ میل ہے۔ رقبہ ۳۱۹۹ مربع میل ہے۔ جزیرہ تقریباً کل کا کل پہاڑی ہے۔ سب سے اونچا پہاڑ کوہ ایڈا ہے۔ یہ سب پہاڑیاں سردیوں میں برف سے ڈھکی رہتی ہیں۔ کوہ ایڈا کا برف گرمیوں میں بھی مشکل سے پگھلتا ہے۔

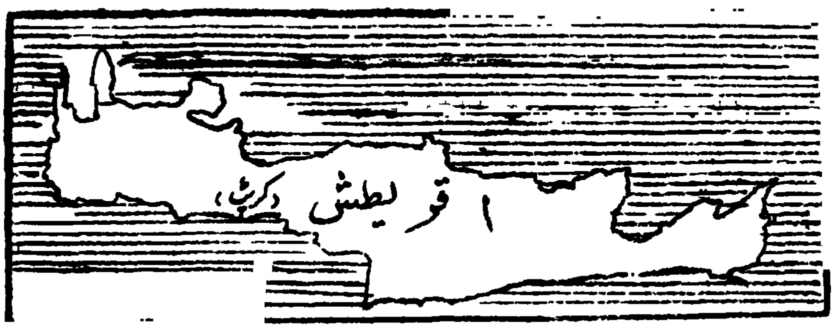
کریٹ کا ساحل بہت ٹوٹا پھوٹا ہے۔ لیکن سوائے سوودابے کے یہاں کوئی اچھی بندرگاہ نہیں۔ اور اگر بہار کے موسم میں ٹھنڈی ہوا چلنے لگے تو تمام شمالی بندرگاہیں، سوودابے اور کریٹ کا پایہ تخت کینیا بھی بے کار ہو جاتے ہیں۔

کریٹ کا شمار دنیا کے خوب صورت جزیروں میں ہے۔ بعض وادیاں اور پہاڑیاں تو اس قدر خوب صورت ہیں کہ یورپ بھر میں کوئی جگہ اتنی خوب صورت نہیں۔ جنوبی ساحل کے منظر خصوصاً بہت خوب صورت اور دل کش ہیں۔

کریٹ یونان کے مقابلے میں بہت زرخیز ہے۔ خاص پیداوار زیتون اور گیہوں ہے۔ زمین اٹلی کی زمین

سے ملتی جلتی ہے۔ پیداوار بھی ایک ہی ہے مگر یہاں کے لوگ اٹلی والوں سے بہت مختلف ہیں۔

یہ جزیرہ کچھ ایسی جگہ واقع ہے کہ ہمیشہ سے اسے بہت اہمیت حاصل رہی ہے، پرانے زمانے میں رومی سلطنتیں مشرقی بحیرۂ روم پر حکومت کرنے کے لئے اس




پر قبضہ کرنا بہت ضروری سمجھتی تھیں۔ اسلام کے شروع زمانے میں اِسے عربوں نے یونانیوں سے چھین لیا پھر یہ بازنطینیوں کے ہاتھ میں آیا۔ بازنطینیوں کے بعد وینس کی حکومت کا اس پر قبضہ رہا۔ پھر ترکوں کی اس پر حکومت رہی۔ ترکی حکومت کم زور ہوئی تو دوسرے

علاقوں کے ساتھ یہ جزیرہ بھی اُن کے ہاتھ سے نکل گیا ۱۹۱۳ء میں جزیرے والوں نے اپنی خوشی سے اسے یونان کی سلطنت میں شامل کرلیا۔

کریٹ کی اہمیت آج کل لڑائی میں بھی اتنی ہی ہے جب جرمنی نے کریٹ پر قبضہ کرلیا تو انگریزوں کے ایک پچھلے لڑائی کے وزیر نے کہا کہ "کریٹ انگریزوں کے قبضے میں ہوتا تو مغربی صحرا کی انگریزی فوجوں کی اچھی طرح حفاظت ہوسکتی تھی اور اب دشمن کے قبضے میں چلے جانے سے مغربی صحرا خصوصاً سوئز خطرے میں پڑگیا ہے۔ اس طرح کے خیالات ایک اور ممبر پارلیمنٹ نے بھی ظاہر کئے

میرے پاس امریکہ، سیلون، جرمنی کے ٹکٹوں کا کافی ذخیرہ جمع ہوگیا ہے۔ مبادلہ کرنے والے بھائی ہندوستانی دنیئے، بڑی قیمتوں اور دیسی ریاستوں خصوصاً بھوپال، جے پور۔ حیدرآباد دکن کوچین، میسور اور اندور وغیرہ کا ٹکٹ بھیجیں۔ نئے جمع کرنے والے شوقینوں کی بھی مدد کر سکتا ہوں خط جوابی ہو۔

تقی احمد سید متعلم درجہ نہم
گورنمنٹ انٹر جوبلی کالج۔ لکھنؤ

# بچوں کی نظمیں

مولوی محمد شفیع الدین صاحب نیر کی اصلاح کے بعد

## پیارا طوطا

ثریا بانو، عمر ۸ سال ۔ ردولی

ہم نے پنجرا ایک خریدا — اچھا اچھا پیارا پیارا
اس میں لا کر طوطا رکھا — تھا طوطا وہ بہت ہی اچھا
سارا دن وہ رٹتا رہتا — آٹا آٹا ۔ آٹا آٹا
ہر دم کہتا ثریا بانو — جلدی ہمارا کھانا دے دو
آؤ ہم تم مل کر کھائیں — کھائیں اور پھر جی بہلائیں
اچھے اچھے قصے سناتا — بات بات پر ہمیں ہنساتا
اک دن بلی نے جو دبوچا — میں چلائی پیارا طوطا

## کوئل

ایس، اے بشر، گورکھپوری

کوئل کو کو کرتی آئی — شور مچاتی گاتی آئی
آم کی ڈال پہ بیٹھ گئی وہ — اچھے گانے سنانے لگی وہ
احمد، انور، ذاکر دوڑے — عصمت اور مظاہر دوڑے
پنجرا احمد گھر سے لائے — تھوڑا پانی بھر کر لائے
پنجرا پیڑ کے نیچے رکھا — سانس کو اپنے روکے رکھا
لیکن کوئل آئی کیوں کر — خود یہ مصیبت لائی کیوں کر
احمد، ذاکر گھات سے نکلے — بدر، مظاہر ساتھ ہی نکلے
مل کے لگے سب آگے بڑھنے — یعنی لگے سب پیڑ پہ چڑھنے
لیکن کوئل پھر سے بھاگی — اڑ کر جان بچا کر بھاگی
اڑتے اڑتے کوئل بولی — اس نے زباں یوں اپنی کھولی
کام سمجھ کر خوب کرو تم — اور بڑوں کی رائے بھی لو تم

## جاگ ذرا او سونے والے

سلیم الدین شمیم جائسوی

چین کی نیند میں سونے والے — اپنی دنیا کھونے والے
تیرے دل میں جوش نہیں — تجھ کو اپنا ہوش نہیں

جاگ ذرا او سونے والے

تیرے ساتھی سارے جاگے — اپنے اپنے کام پہ بھاگے
کام ہے تیرا آگے بڑھنا — کام ہے تیرا لکھنا پڑھنا

جاگ ذرا او سونے والے

اٹھ کر تو اک باغ لگا دے — حب وطن کے پودے اگا دے
تن من دھن سب اس میں کھپا دے — قوم کا جھنڈا اونچا اڑا دے

جاگ ذرا او سونے والے

نغمہ آزادی کا سنا دے — سوتے ہوں جو ان کو جگا دے

غفلت کے پردے کو ہٹا دے | حق کی راہ پر جان مٹا دے
جاگ ذرا او سونے والے

## کاکا[1] رانی

سید محمد یحییٰ ۔ پٹنہ

ننھی سی میری بیٹی۔ منا سا لعل میرا
تو دور مجھ سے کیوں ہے؟ آ دیکھ حال میرا
کونے میں تیرا چھپنا۔ آنگن میں تیرا چلنا
زینے پہ تیرا گرنا۔ آنکھوں میں سب ہے پھرتا
مٹی اٹھا کے منہ میں چپکے سے تیرا رکھنا
پھر انکھیوں سے تک کر اخفائے راز کرنا
ابا جو بک گیا گر جھٹ بھوک یاد آئی
ابو[2] کو پہلے دعوت دے کر پکار لائی
منا سا ہاتھ اٹھا اٹھا کر منہ تلک جو آیا
سوئی ہوا کہ چاول گالوں پہ خوب چپٹا
سالن میں بھیگے دانے کچھ گرد میں گرے ہیں
کچھ گود سے ڈھلک کر آگے بکھر گئے ہیں
کھانا یہ اک مہم تھا امی بھی دوڑی آئیں
منہ ہاتھ خوب دھویا پانی پہ پانی لائیں
دودھو کا وقت آیا بوتل کی کھوج ڈالی
چسنی لگائی منہ میں کر دی وہ جلد خالی
گاڑی پہ منا بالو[3] کو ساتھ لے کے جانا
گدی تمام بھیگی اور بچہ بولی جی یا
ننھا سا میرا سورج منا سا چاند میرا
دونوں نے دور رہ کر گھر کر دیا اندھیرا
امی کی دونوں آنکھیں دونوں سے ہیں منور
ان کی یاد میں ہیں آنکھیں میری ہوئیں تر
دونوں کے فوٹو گرچہ آنکھوں کے فریم میں ہیں
جذبات قلب لیکن مضطر پریم میں ہیں
آؤں گا جلد بیٹی گڑیا سی کاکا رانی
ابو کی خاطر اس دن ایک کام کرنا ہی
امی سے مانگ کر تو بھر پیٹ دودھ پینا
موہن کو ساتھ لے کر پٹنہ اسٹیشن آنا

## ہوائی جہاز

علی احمد یشا وری ۔ کلکتہ

بتاؤ تو ہم کو یہ بندہ نواز | کہ دیکھا ہے تم نے ہوائی جہاز
وہ اڑتا ہے لیکن پرندہ نہیں | کسی پیڑ کا کوئی پتہ نہیں
پتنگا ہے وہ اور نہ ہی وہ پتنگ | نہیں اس کو اڑنے میں لیکن درنگ
نہ وہ بھوت ہے اور نہ شیطان ہے | نہ اس میں ہماری طرح جان ہے
جو نزدیک ہو چیل جیسا بنا | جو اڑ جائے اونچا پرندہ بنا
زمانے میں ہے اس کی تیزی کی دھاک | وہ جاتا ہے لے کر ولایت کی ڈاک
نہیں عام ہر چند اس پر سفر | یہ کرنے لگے ہیں مسافر سفر
لڑائی میں بھی خوب آتا ہے کام | یہ دشمن پہ کرتا ہے جینا حرام
یہ عالی دماغوں کی ایجاد ہے | اس ایجاد سے ان کا دل شاد ہے
ہوا پر بھی ہے ان کے قبضے کا شور | یہ سب کچھ ہے علم اور حکمت کا نور
ترقی کا ہے اہل یورپ کا راز | جسے کہتے ہیں سب ہوائی جہاز
خدا نے دیا ہے تمہیں بھی دماغ | لگاؤ کوئی تم بھی حکمت کا باغ

[1] میری بھتیجی کا نام ہے [2] کاکا سانی مجھے کہتی ہے [3] میرا بھتیجا

# ثریا کا خواب

ح ، م ، اسلم سیکریٹری اردو سوسائٹی پٹنہ

رات کا وقت تھا۔ تمام صحن چاند کی روشنی سے دودھ جیسا سفید نظر آ رہا تھا۔ ثریا صحن میں ایک کرسی پر لیٹی تھی۔ اس کے پیروں کے پاس اس کا سفید مُجّا بیٹھا خر خر کر رہا تھا۔ پاس ہی بجلی کی روشنی میں اس کی بڑی آپا بلقیس ایک چھوٹی سی جلد والی خوب صورت کتاب پڑھ رہی تھیں۔ آج مدرسہ بند تھا اور ثریا تمام دن اپنے آپ کو کچھ...... بے کار سا محسوس کر رہی تھی۔ شام کو اس نے اپنا گڑیوں کا کمرہ صاف کیا تھا ہفتوں سے گرد میں پڑے پڑے گڑیوں کے کپڑے میلے ہو گئے تھے اور کمروں میں خاک اُڑ رہی تھی۔ صفائی کرتے وقت بی ثریا گڑیوں گڈّوں کو کچھ ملامت اور کچھ نصیحت بھی کرتی جاتی تھیں۔ اپنے سب سے بوڑھے گڈّے سے بولیں: "بس لیٹے رہتے ہو۔ ذرا اپنے گھر کی صفائی کا بھی تو خیال رکھنا چاہیے۔ میں کہاں تک تم لوگوں کا خیال رکھوں۔ اپنا پڑھنا، لکھنا ہے۔ کل اُستانی جی نے زبر زیر والے حرفوں کو خوب یاد کرنے کی تاکید کی ہے۔ پھر یہ کم بخت مُجّا بھی یوں ہی دوڑا دوڑا پھرتا ہے۔ اگر اس کے کھانے پینے کا خیال نہ رکھوں، تو آپا اُسے فاقوں سے مار دیں اور پھر تم لوگوں کی دیکھ بھال۔"

کھانا کھانے کے بعد ثریا صحن میں آ لیٹی تھی۔ آج اُسے اپنے بدن میں کچھ درد سا معلوم ہو رہا تھا۔ اس نے مُجّا کی طرف دیکھا۔ وہ ابھی تک چُپ چاپ پڑا تھا ثریا نے اُسے اپنے ہاتھوں سے اُٹھا کر گود میں لے لیا اور مُجّا کا مُنہ اپنی طرف کر کے بولی۔ "مُجّا! تیرا بدن بھی دُکھتا ہے؟"

"خر خر...... خر...... خر" مُجّا نے اپنی آنکھوں کو بند کر کے جواب دیا۔

"کیا کریں بھائی! ہم سے تو اب یہ سارا کام نہ ہوگا۔" پھر اُس نے بلقیس آپا کو دیکھ کر کہا "آپا! تُمھاری وہ نئی کتاب ابھی تک نہیں آئی؟"

"کیوں خیر تو ہے؟" بلقیس آپا نے کتاب میں نشان لگا کر بند کرتے ہوئے کہا "تمھیں اس وقت یہ خاص بات کیا سوجھی؟"

نے — ایک غریب موٹی ماما ہمارے لئے ... بلاؤ۔ دیکھو نا گھر کا تمام کام کرتے کرتے میرے بدن میں درد ہوگیا ہے اور ان گڈّوں کو تو دیکھو تمام دن یوں ہی پڑے رہتے ہیں۔ خدا اپنے گھر کی صفائی کا خیال نہیں رکھتے میں نے آج ان کا سارا مکان صاف کیا ہے۔ پھر آج جمّا کے پیر بھی صابن سے دھوئے ہیں۔ یہ بالکل میلے ہوگئے تھے۔"

آپا:۔ (مسکرا کر) تمھاری گڑیاں تو سچ مچ بڑی کاہل ہیں۔ تم اُن کا سارا کام کرتی رہتی ہو اور وہ کبھی تمھارے سر میں تیل ڈالنے کو بھی نہیں پوچھتیں

بلقیس!

ثریّا:۔ تم کیسی باتیں کرتی ہو آپا! جب اللہ میاں اُن کو زندہ کرتے ہیں اس وقت تو میں سوتی رہتی ہوں پھر وہ بچارے مجھے اُٹھا کر یہ پوچھ کیسے سکتے ہیں؟ ثریّا نے جمّا کے بدن کو سہلاتے ہوئے کہا۔

آپا:۔ مگر تمھارا جمّا بھی تو کوئی کام نہیں کرتا؟

ثریّا:۔ یہ غریب تو سارا دن اِن چوہوں کے پیچھے لگا رہتا ہے۔ کیسے چور ہیں۔ کم بخت بغیر پوچھے گچھے جس چیز کو چاہا کھا لیا۔ ذرا شرم نہیں آتی ثریّا کسی دوسرے سوچ میں پڑگئی۔

آپا:۔ اُن کی خدمت کے لئے ایک نوکرانی منگانا چاہتی ہو؟

ثریّا:۔ تو اور کیا! مجھے آخر اپنا پڑھنا لکھنا بھی تو ہے۔

آپا:۔ مگر موٹی سی ماما کا تم کیا کروگی؟

ثریّا:۔ امی، ابّا سب لوگ کہتے ہیں کہ شبراتن بوا گھر کا سب سے زیادہ کام کرتی ہیں اور دیکھو کتنی موٹی ہیں۔ یہ ......... موٹا موٹا کام کرنے میں بھی اُن کو ذرا تکلیف نہیں ہوتی۔ ثریّا کی آنکھیں گھر کی ملازمہ شبراتن کو تلاش کرنے لگیں اور بلقیس آپا ہنس پڑیں۔ اُنھوں نے کتاب کو پلنگ پر رکھ دیا اور بجلی کے لیمپ کو گُل کرکے ثریّا کے پاس کرسی پر آ بیٹھیں۔

"تمھارا بدن دکھ رہا ہے۔ ثریّا۔ لاؤ تمھارا سر دبا دوں۔ نیند آجائے گی تو درد بھی غائب ہوجائے گا" اُنھوں نے ثریّا کا سر دباتے ہوئے کہا۔

ثریّا:۔ ہاں آپا جمّا کو بھی شاید درد معلوم ہو رہا ہے تم میرا سر دبا دو میں اُس کا سر دبا دیتی ہوں۔ اور اس نے جمّا کے سر کو آہستہ آہستہ اپنے ہاتھوں سے دبانا شروع کیا۔

صحن میں ہوا چل رہی تھی۔ آپا نے جو آہستہ آہستہ اس کے سر کو دبانا شروع کیا اُسے نیند سی آنے لگی۔ جمّا نے بھی تھوڑی دیر بعد اپنی خرخراہٹ بند کردی جیسے وہ بھی سو رہا ہو۔ یکایک گھڑی نے ٹن ٹن نو بجائے اور جمّا اُٹھ کھڑا ہوا۔ اُس نے ثریّا کو

پکارا۔ ننھی بی! ننھی بی! دعوت میں نہیں چلوگی کیا ارے نو بج گئے۔ ساڑھے نو بجے دعوت شروع ہوجائے گی: ثریا کو حیرت ہوئی۔ اس کا جمّا آج انسان کی طرح اس سے باتیں کر رہا تھا۔ "جمّا!" تعجب سے اس کے مُنہ سے نکل گیا۔

جمّا:۔ "ہاں ہاں میں جمّا ہی ہوں۔ چلو چلو، دیر ہورہی ہے۔ اُس نے ثریا کی اُنگلی اپنے ہاتھ سے پکڑلی اور اس کو لے جانے لگا۔ ثریا کہاں جارہی تھی، کیوں جارہی تھی۔ اُس کو معلوم نہ تھا۔ جمّا زبردستی اُسے پکڑے لئے جارہا تھا۔ راستے میں جمّا نے ثریا سے کہا "ثریا بی! تمھاری آپا بڑی خراب ہیں۔ کل جب تم اِسکول میں تھیں میں تمام دن بھوکا رہا۔ وہ تو خیر سے ایک موٹی سی چوہیا ہاتھ لگ گئی۔ ورنہ نہ معلوم میرا کیا حال ہوتا اور بلقیس آپا نے مجھے کھانے کو پوچھا بھی نہیں"

ثریا:۔ جمّا تم آج بول کیسے رہے ہو۔

جمّا:۔ ارے میں کچھ آج ہی تھوڑا بول رہا ہوں مجھے تو زبان ملے آج اتوار اتوار گیارہ دن ہوگئے۔

ثریا:۔ تو پھر اتنے دنوں سے چپ کیوں تھے؟

جمّا:۔ تم نہیں جانتیں؟ ------- آج پورے چاند کی رات ہے۔ ہم لوگوں کو جب زبان ملتی ہے تو بہت احتیاط کرنا پڑتی ہے اگر کوئی چاند رات کے پہلے یا بعد بات چیت شروع کردیتا ہے تو اس کی زبان چھین لی جاتی ہے۔ اس لئے ہماری عمر کے تمام جانور آج کی رات سے بات بات چیت کرنا شروع کریں گے۔

ثریا:۔ (تعجب سے) تو اب آج سے برابر بولا کروگے؟

جمّا:۔ (جلدی سے) نہیں نہیں، صرف رات کو اور وہ بھی جب بولنے کی ضرورت ہوگی۔

ثریا:۔ "سچ" ثریا خوشی کے مارے یکایک اُچھل پڑی جمّا ڈر گیا اور اُچھل کر دور جا گرا۔ ثریا کو جمّا کے اس طرح سے چونک جانے پر بہت ہنسی آئی اور اُس نے پھر جمّا کا ہاتھ پکڑ لیا۔

مگر اس وقت ہم لوگ کہاں جارہے ہیں۔ میں نے آپا سے پوچھا بھی نہیں؟

جمّا:۔ تمھاری آپا کو دعوت کا رقعہ تھوڑا ہی آیا ہے ہم لوگ تو فوراً ہی آجائیں گے۔ اُن کو بے کار اس وقت جگا کر پوچھنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔

ثریا:۔ مگر جاؤگے کہاں، کم ازکم غلاکو کو تو ساتھ لے لیتے۔ رات کو اکیلے جانا ٹھیک نہیں۔

جمّا:۔ توبہ ارے اس باغ ہی میں تو جائیں گے جہاں تم ہر صبح پھول توڑنے جاتی ہو۔ وہاں۔ وہ۔ وہ فوّارے کے پاس ایک بڑا سا گڑھا ہے، تا اسی میں تو جانا ہے۔ (باقی)

# جنگی موٹر

عبدالحسیب۔ حیدرآبادی

ہندوستان میں موٹر کا رواج اب عام ہوگیا ہے۔ پرانی سواریاں لینڈو، ٹمٹم، فٹن وغیرہ جو امیر آدمیوں کے لئے عزت کی نشانی سمجھی جاتی تھیں اب مشکل ہی سے نظر آتی ہیں۔ اِن کی جگہ موٹر نے لی ہے۔ ہر سال موٹروں کے نئے نئے نمونے نکلتے ہیں۔ اور دولت مند اُنھیں بڑے شوق سے خریدتے ہیں۔ موٹر کے علاوہ کرائے کی لاریاں اور بسیں دن رات ایک جگہ سے دوسری جگہ دوڑتی پھرتی ہیں۔ خصوصاً جہاں جہاں ریل نہیں پہنچتی ہے وہاں تو سواری اور تجارتی سامان لانے لے جانے کا تنہا ذریعہ یہی موٹریں، موٹر بسیں اور لاریاں ہیں۔

موٹر لڑائی کے زمانے میں بھی بہت مُفید ثابت ہوئی ہے اور اب تو گھوڑوں کی جگہ زیادہ تر موٹر اور موٹر سائیکل ہی سے کام لیا جاتا ہے۔ فوج ان پر بیٹھ کر ذرا سی دیر میں کہیں سے کہیں پہنچ جاتی ہے۔ اِس کے علاوہ زخمیوں کے شفاخانے پہنچانے اور ایک جگہ سے دوسری جگہ پیام پہنچانے کے لئے بھی اِنھیں سے کام لیا جاتا ہے۔

بڑی توپوں کو کھینچنے اور لڑائی کے میدان سے پیام پہنچانے کے لئے خاص موٹریں ہوتی ہیں۔ اِن میں ریڈیو کے آلے لگے ہوتے ہیں، ایک اور موٹر ہوتی ہے۔ اس میں ٹنکوں (ڈبابوں) اور موٹروں کی مرمّت کا سامان ہوتا ہے۔ جنگی موٹروں پر فولاد منڈھا ہوتا ہے اور دو تین بندوقیں یا چھوٹی توپیں لگا دی جاتی ہیں یہ مسلح گاڑیاں سڑکوں، ہموار میدانوں اور ریگستان کی لڑائیوں میں بہت مفید ثابت ہوتی ہیں۔ ان میں کُل دار بندوق اور دبابے والی توپیں بھی ہوتی ہیں ان کا کام فوجوں اور سامان رسد کی حفاظت بھی ہے دشمن کی دیکھ بھال کے لئے یہ گشت بھی لگاتی رہتی ہیں ہر مسلح موٹر میں پانچ آدمی ہوتے ہیں۔

رسد کی گاڑیاں رات کو چلتی ہیں۔ دِن میں ہوائی جہازوں سے مقابلے کا خطرہ ہوتا ہے۔ رات میں بھی اُن کے لیمپ روشن نہیں کئے جاتے۔ محض اندازے اور اٹکل سے اُنھیں چلانا پڑتا ہے۔

سپاہیوں، رسد اور لڑائی کا سامان اور زخمیوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچانے کے لئے ریل گاڑیاں بھی استعمال کی جاتی ہیں۔ پچھلی بڑی لڑائی ۱۹۱۴ء میں بڑی بڑی توپیں بھی لگائی گئی تھیں۔ مگر بمبار ہوائی جہازوں کی وجہ سے یہ توپیں بے کار ہو چکی ہیں۔ اس کے علاوہ ریل میدانِ جنگ تک تو پہنچ نہیں سکتی نہ موٹر کی طرح لڑائی کے وقت کام آسکتی ہے۔ اس لئے موٹر ریل سے زیادہ کار آمد ہے اور اسی لئے لڑائی کے کاموں میں روز بروز اس کا استعمال زیادہ ہو رہا ہے ؟

# ترقی

از ام طاہر صدیقی، ترقی

چلتا رہے گا یوں ہی دنیا کا کارخانا — جو آج کا ہے چھوٹا کل ہو گیا وہ سیانا
ایک ایک تنکا لا کر چڑیوں نے ہے جمایا — بن کر ہوا مکمل تب اُن کا آشیانا۔
کرتی ہے رفتہ رفتہ ہر ایک شئے ترقی — پربت بنا ہے اونچا رائی کا چھوٹا دانا
تعلیم ہی ہے مشعل دنیا کی تیرگی میں — دل اپنا پیارے بچو تعلیم میں لگانا
ہے مخزنِ ترقی یہ علم ہی تمھارا — دولت نہ اپنے ہاتھوں تم علم کی گنوانا
باہم غرور کرنا اخلاق کی ہے پستی — مذہب نے سب کو بخشا درجہ مساویانا
ماں باپ اور معلم سب کا ادب ہے لازم — ہر دل عزیز ہوگا جس نے بڑوں کا مانا
بھائی ہوں مل بہن ہو اپنے سے جو ہو چھوٹا — سب سے سلوک کرنا الفت سے پیش آنا
مشکل ہے اور کٹھن ہے ہر راہ زندگی کی — پاؤں سنبھل کے رکھنا دیکھو نہ ڈگمگانا
ہو دوستی انھیں سے جن کے چلن ہوں اچھے — تم بدچلن سے ہرگز رکھو نہ دوستانا
عزت ملے گی اس کو ہر ایک کی نظر میں — جس نے کہ جان و دل سے سچ کو عزیز جانا
ہو نخل آرزو تم اس مادرِ وطن کے — کچھ نام اس کا روشن دنیا میں کر دکھانا

ننھے پیامیوں سے ترقی کا ہے یہ کہنا
یہ نظم یاد رکھنا پڑھ کر نہ بھول جانا

# بہرا لڑکا

عبدالواسع عصری

جگت منگوری

اس لڑکے کا نام جان کیٹو تھا۔ یہ ۴ر دسمبر [illegible] کو پلائی متھ میں پیدا ہوا۔ پلائی متھ ہندوستان کے جنوب میں ایک شہر ہے۔ جان کا باپ راج تھا، مزاج کا بہت اکھڑ۔ کسی سے نہیں بنتی تھی۔ کام بہت کم ملتا تھا اور گھر میں اکثر فاقہ رہتا تھا۔ جان جب بڑا ہوا تو پڑھنے بٹھا دیا گیا۔ انگلستان کوئی ہمارے ملک کی طرح تو ہے نہیں، وہاں راج اور مزدور کے لڑکے بھی پڑھتے ہیں۔ مگر جان کو باپ کی مفلسی کی وجہ سے کسی مدرسے میں لگاتار چند مہینے بھی پڑھنے کا موقع نہ ملا۔ دس سال کی عمر میں تو پڑھائی کا سلسلہ بالکل ہی ختم کرنا پڑا اور وہ باپ کی مدد کے لئے محنت مزدوری کرنے لگا۔ دس برس کی عمر ہی کیا ہے بے چارا سر پر پتھر اُٹھا کر سیڑھی پر چڑھتا تو اس کے ننھے ننھے پاؤں لڑکھڑانے لگتے۔ دو ہی برس میں وہ ایک آدمی کے پاس نوکر ہو گیا۔ ایک دن وہ بڑا سا پتھر سر پر اُٹھائے سیڑھی پر چڑھ رہا تھا کہ پیر پھسل گیا اور کوئی ۳۵ فٹ نیچے گرا۔ گرتے ہی بے ہوش ہو گیا۔ اور مُنہ سے خون بہنے لگا۔ تمام مزدور آس پاس جمع ہو گئے۔ یہ حالت دیکھی تو اُٹھا کر اُس کے گھر لے گئے۔

دو ہفتے وہ چارپائی پر بے سُدھ پڑا رہا ایک دن ہوش آیا تو اُٹھنے کی کوشش کی مگر ناطاقتی اور کمزوری کے سبب نہ اُٹھ سکا۔ ناچار چارپائی پر پڑے پڑے کتاب دیکھتا رہا۔ تھوڑے دنوں بعد اچھا ہو گیا۔ مگر بے چارا بہرا ہو گیا تھا۔ کان بالکل پٹ گئے تھے۔ کچھ سُنائی نہ دیتا تھا۔ جان کو اس کا جتنا بھی صدمہ ہوتا کم تھا۔ بہت کچھ دوا دارُو کی گئی، کوئی فائدہ نہ ہوا۔ جان سمجھتا تھا کہ اب وہ دُنیا میں کوئی کام نہیں کر سکتا مگر اس نے ہمت نہیں ہاری کتابیں پڑھنے کا شوق اُسے شروع سے تھا، اب اُس نے اُسے اپنا مستقل مشغلہ بنا لیا۔ باپ کو مدد کرنے کی خاطر اس نے نقاشی بھی سیکھی، مگر اس سے آمدنی کچھ زیادہ نہیں بڑھی۔ آخر ماں باپ نے اُسے محتاج خانے میں بھیج دیا۔ وہاں اُسے جوتوں کی تجارت کے طریقے سکھائے جاتے تھے۔ ۱۵ سال کی عمر میں وہ

ایک شخص باڈون کا شاگرد ہو گیا۔ باڈون بہت سخت آدمی تھا، اس سے صبح ۶ بجے سے رات کے ۱۰ بجے تک کام کرواتا تھا۔ اس زمانے میں بھی جان نے مطالعے کا شغل کسی نہ کسی طرح جاری رکھا۔ حالانکہ صبح سے شام تک سولہ گھنٹے کام کرنا پڑتا تھا۔

باڈون کی سختی برابر بڑھتی گئی۔ آخر مجبور ہو کر اس نے کارخانے کے مالکوں سے باڈون کی شکایت کر دی۔ اُنھوں نے جان کو دوسری جگہ بھیج دیا۔ وہاں بھی وہ چار سال رہا۔ اس ساری مدت میں کتابیں پڑھنے کا شغل برابر جاری رہا۔

کتابیں پڑھتے پڑھتے اس کے دل میں مضمون کا شوق پیدا ہوا۔ اس نے بلائی منتھ نامی رسالے میں ایک مضمون لکھا۔ یہ مضمون بہت پسند کیا گیا لوگوں کو اب جان کی قدر و قیمت معلوم ہوئی۔ اُنھوں نے سوچا کہ اگر اس کی ہمت بڑھائی گئی اور اس کی مدد کی گئی تو یہ بہت ترقی کرے گا۔ اُنھوں نے چندہ کر کے اُسے ایک مدرسے میں داخل کر دیا۔ اسی زمانے میں اس کی ملاقات ایک دنداں ساز مسٹر گروز سے ہو گئی۔ اس نے جان کو اپنے بچوں کے پڑھانے پر نوکر رکھ لیا۔ اِس زمانے میں جان نے انگریزی کے علاوہ کئی اور زبانیں بھی سیکھ لی تھیں۔

تھوڑے دِنوں بعد مسٹر گروز کے دل میں روس ایران، کوہ قاف اور یورپ کے دوسرے ملکوں کی سیر کا شوق پیدا ہوا۔ وہ اپنے ساتھ جان کو بھی لے گیا۔ بس یہیں سے جان کی زندگی میں ایک خاص تبدیلی یا انقلاب شروع ہوتا ہے۔ کوئی چار سال تک ان دونوں نے ملکوں ملکوں کی سیر کی۔ جان بھی جاتا وہاں کی ہر ہر چیز اور ہر ہر بات کو غور سے دیکھتا۔ ۱۸۳۳ء میں یہ دونوں انگلستان واپس آئے۔ جان نے یہاں کے ایک رسالے "پنی میگزین" میں "مسافر کا حصہ" کے عنوان سے مسلسل مضمون لکھے۔ اُن میں اُس نے یورپ یا ایشیا کے مُلکوں کے رہنے سہنے کے طریقوں، رسم و رواج، مذہب اور تہذیب پر پوری روشنی ڈالی۔ اس نے طے کر لیا تھا کہ فلسطین پر دلچسپ مضمون لکھے گا تاکہ لوگوں میں انجیل پڑھنے کا شوق پیدا ہو۔ اُس نے انجیل بھی چھپوائی اور تصویروں کے ساتھ۔ یہ ایک نئی بات تھی اور اُس سے لوگوں میں انجیل سے دلچسپی بہت بڑھ گئی۔ اس کی یہ کتاب ہاتھوں ہاتھ بک گئی۔

۱۸۴۵ء میں اُس نے بائبل کی تفسیر یا شرح لکھی اُسے وہ اپنی زندگی کا سب سے اہم مقصد سمجھتا تھا۔ اُس کی یہ کتاب اُمید سے زیادہ مقبول ہوئی۔ اور لوگ جان کو اپنے مُلک کا بہت بڑا عالم سمجھنے لگے۔ جان کی شہرت دور دور مُلکوں تک پہنچ گئی۔ لوگ اُسے بہت عزت اور احترام کی نظر سے دیکھنے اور انگلستان کا بہت بڑا عالم سمجھنے لگے۔

جان اپنی زندگی کا ایک لمحہ بھی ضائع کرنا پسند نہیں کرتا تھا۔ وہ ہمیشہ چار بجے اُٹھتا تھا۔ تھوڑی دیر باغبانی کرتا تھا۔ پھر سارا وقت پڑھنے لکھنے میں صرف کرتا تھا۔ لوگ اُس سے ملنے اور اُس سے باتیں کرنے کے بہت خواہش مند رہتے تھے مگر اس کام کے لئے اُس کے پاس بالکل وقت نہیں تھا۔

جان نے شادی بھی کرلی تھی۔ کئی بچے بھی ہوئے ان بچوں کو وہ بہت چاہتا تھا۔ کتابوں سے اُسے کافی آمدنی ہوجاتی تھی۔ اُس کے گھر کی زندگی آرام سے گذرتی تھی۔ پھر بھی روپے پیسے کی طرف سے کبھی کبھی کافی پریشانی اُٹھانا پڑتی تھی۔ آخر اس کے وطن کے لوگوں نے پان سو پونڈ سالانہ اس کی پنشن مقرر کردی۔ یہ اس زمانے میں بہت سمجھی جاتی تھی۔

۱۸۵۱ء میں اس کی تندرستی خراب ہو گئی وہ علاج کے لئے جرمنی گیا۔ مگر کوئی فائدہ نہ ہوا۔ آخر تین سال بیمار رہنے کے بعد اس دُنیا سے رُخصت ہوگیا اور لوگوں کے لئے ایک بہترین مثال قائم کرگیا۔ جو لوگ اپنے خیالات بلند رکھتے ہیں مشکلوں کی پرواہ نہیں کرتے، مصیبتوں کے وقت ہمت نہیں ہارتے۔ اور مستقل مزاجی کے ساتھ آگے بڑھنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں وہ آخرکار جان کی طرح کامیاب ہوتے ہیں اور دُنیا میں کوئی چیز اُنھیں ترقی سے نہیں روک سکتی۔

# دلچسپ مشغلہ

تمھارے یہاں کوئی صاحب مہمان آئیں تو اُنھیں سگرٹ اور برف دو۔ وہ حیران ہوں گے کہ دیا سلائی کی جگہ برف سے سگرٹ کیسے جل جائے گا تم اُن سے کہو کہ آپ سلگائیے تو۔ وہ جوں ہی برف کو سگرٹ کے سامنے کریں گے سگرٹ میں فوراً آگ لگ جائے گی اس کی ترکیب یہ ہے کہ گھر میں سے سگرٹ لانے سے پہلے سگرٹ کے ایک سرے پر تمباکو میں مٹر سے بھی چھوٹا پوٹاشیم کا ٹکڑا چھپادو۔ پوٹاشیم پانی سے ذرا بھی چھوُ جائے تو اُس میں آگ لگ جاتی ہے مگر اس بات کی احتیاط رکھنا کہ کہیں وہ پوٹاشیم والا سرا منہ میں نہ رکھ لیں۔ یہ شعبدہ بے تکلف دوستوں کے ساتھ کرنا چاہئے۔

# بچّوں کی فتح

ریاض الاسلام صاحب
بی اے (آنرز)

امان میاں کو جامعہ نگر آئے ابھی تھوڑے ہی دن گذرے تھے کہ ان کے چھوٹے بھائی نعمان کی بسم اللہ کی تاریخ مقرر ہوگئی۔ سچ پوچھو امان میاں کو اماں جان نے انھی کے انتظار میں اس تقریب کو روک رکھا تھا۔ امان میاں کو وہ اپنے بچوں میں سب سے زیادہ چاہتی ہیں۔ ایک انھی پر نہیں امان میاں کو گھر بھر پیار کرتا ہے۔ امان میاں آدمی بھی بڑے زور کے ہیں۔ اپنے ہم جماعت بچّوں کے لیڈر ہیں اور گھر کے بچّوں میں بھی ان کی حیثیت کچھ اسی قسم کی ہے۔ کیا جامعہ نگر اور کیا گھر میں بچّوں کی جتنی میٹنگیں ہوتی ہیں ان سب میں آخری فیصلہ انھی کا ہوتا ہے۔ کیا مجال جو ان کی منشا کے خلاف کوئی بات ہو جائے۔ سب کو خوش اور راضی رکھنے کا گُر بھی انھیں خوب آتا ہے۔ اور کام کرنے کی صلاحیت تو اس بلا کی ہے کہ خود اُن کے قول کے مُطابق اگر انھیں ایک دفعہ کو ہٹلر کی جگہ مل جائے تو ہٹلر کے چھکّے چھُڑا دیں۔

امان میاں کے گھر پہنچتے ہی تقریب کی تیاریاں شروع ہوگئیں۔ انتظام کا کچھ حصّہ مثلاً صفائی، آرائش وغیرہ اُن کے ذمّے تھا اور بہت سی چیزوں میں بھی اُن کی رائے لی گئی۔ جُمعہ کے دن شام کو بہت سے رشتہ داروں اور دوستوں کا جمگھٹ ہوا۔ امان میاں کا خاندان کافی بڑا تھا۔ گھر میں اللہ رکھے تایا زاد اور چچا زاد بھائی، بہنوں کی تعداد ایک درجن سے کم نہ تھی۔ خاندان کے اور بہت سے بچے بھی جمع تھے۔ غرض بچّوں کی ایک پوری ٹولی موجود تھی۔

شام کا وقت اور گرمیوں کا زمانہ۔ چٹّی چاندنی بچھی تھی اور اس پر سب لوگ اچھے اچھے کپڑے پہنے ہوئے بیٹھے تھے، بڑے ایک طرف اور بچّے ایک طرف۔ شربت کا دور چل رہا تھا، اِتنے میں محلے کے مولوی صاحب تشریف لے آئے اور انھوں نے کچھ باتیں خود کہیں اور کچھ نعمان سے کہلوائیں جن میں سے ایک بھی بچّوں کی سمجھ میں نہ آئی۔ اس کے بعد امان میاں کے چھوٹے چچا نے کھڑے ہوکر اعلان کیا

کہ سب حضرات مٹھائی تقسیم ہونے تک تشریف رکھیں۔ مٹھائی بٹنا شروع ہوئی۔ پہلے بڑوں کو ملی مٹھائی سے بھری ہوئی شیشے کی ایک ایک خوب صورت طشتری ایک عمدہ چھوٹے سے رومال سے بندھی ہوئی ہر ایک کو ملی۔ بچے یہ دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ مٹھائی تو بندھی ہوئی تھی۔ اس لئے کسے معلوم کہ کیا مٹھائی ہوگی لیکن مٹھائی سے اچھی شیشے کی خوب صورت طشتری اور طشتری سے اچھا عمدہ چھوٹا سا رومال تھا۔ خدا خدا کرکے بڑوں کی باری ختم ہوئی اور چھوٹوں کا نمبر آیا لیکن اب دیکھتے ہیں تو نہ وہ خوب صورت سی طشتری اور نہ وہ عمدہ چھوٹا سا رومال ہے۔ بس کاغذ کی تھیلیوں میں مٹھائی بھری ہوئی ہے۔ یہ دیکھ کر بچوں کی ٹولی میں کھلبلی تو مچ گئی۔ چچا جان سے تو کبھی بھی یہ امید نہ تھی کہ وہ اس طرح بچوں کے ساتھ ناانصافی کریں گے سب بچے امان میاں کے چاروں طرف جمع ہوگئے اور پوچھنے لگے کہ اب کیا کیا جائے۔ دو ایک بچوں نے شور بھی مچایا۔ لیکن امان میاں نے فوراً ان کی روک تھام کی۔ کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کریں۔ آخر امان میاں چچا جان کے پاس دوڑے ہوئے گئے اور ان سے کہا کہ آپ نے ہمارے ساتھ بڑی زیادتی کی ہے، آپ کی اس بات پر تمام بچوں میں ہیجان پھیلا ہوا ہے۔ چچا جان نے کہا کہ اب کیا ہو سکتا ہے۔ اب نہ تو طشتریاں ہیں اور نہ رومال۔ امان میاں نے کچھ سوچ کر کہا کہ اچھا آپ کچھ دیر کے لئے بچوں میں مٹھائی کی تقسیم روک دیجئے۔ چنانچہ مٹھائی بٹنا بند ہوگئی۔

امان میاں نے چار، پانچ بڑے اور ہوشیار بچوں کو چنا۔ اپنے ساتھ برابر والے گول کمرے میں لے گئے اور سب کی رائے پوچھی کہ کیا کرنا چاہیے۔ ایک صاحب نے بڑے جوش سے کہا کہ "ہم لوگوں کو فوراً ستیا گرہ کر دینا چاہیے"۔ ایک صاحب نے جنھیں مٹھائی کا شوق نہ تھا، مٹھائی ہڑتال کی تجویز پیش کی۔ ایک صاحب جو بچوں میں مسخرے مشہور تھے، بڑی سنجیدگی سے بولے، کہ میرے علاوہ ہم میں سے کسی ایک کو چھت پر چڑھ کر اور چھتری ہاتھ میں لے کر ان بزرگوں کے بیچوں بیچ کود پڑنا چاہیے یہ لوگ یہ سمجھیں گے کہ جرمن پیراشوٹ آپہنچے ہیں بھاگ نکلیں گے، پھر مالِ غنیمت یاروں کا ہوگا۔ دو ایک اور اسی قسم کی تجویزیں پیش ہوئیں۔

اب آخری باری امان میاں کی تھی۔ وہ اطمینان اور سنجیدگی سے کھڑے ہو کر بولے کہ ستیا گرہ تو ہم اس لیے نہیں کر سکتے کہ ہمارے بزرگ پھر ہمارے ہیں، وہ کوئی بدیسی حکومت تو ہیں نہیں۔ ہڑتال اس لئے مناسب نہیں کہ سچ پوچھو تو ہم لوگ سرمایہ دار ہیں اور یہ لوگ مزدور، یہ محنت کرکے کماتے ہیں اور ہم خرچ کرتے ہیں، اور پھر اپنے بزرگوں کے خلاف اس قسم کی حرکت کرنا بڑی بدتمیزی ہے۔ رہا

پیراشوٹ کا طریقہ تو میں اپنی طرف سے اِن صاحب کو جن کی تجویز یہ ہے اجازت دیتا ہوں کہ وہ خود اس پر عمل کریں ؟ اس پر کچھ قہقہہ پڑا۔ اس کے بعد امان میاں نے اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا کہ ہم سے دو تین بچے مل کر تائے جان کے پاس جائیں کیوں کہ گھر میں سب سے بڑے وہی ہیں اور اُنھیں معقول طریقے سے سمجھانے کی کوشش کریں کہ ہم لوگوں کے ساتھ بڑی ناانصافی ہوئی ہے۔ طشتری اور رومال کے حق دار تو دراصل ہم لوگ ہیں۔ امان میاں کی تجویز سب نے پسند کی ....

تائے جان کے سامنے شکایت پیش کرنے کے لئے فوراً ایک کمیٹی بنائی گئی۔ امان میاں صدر اور سب کی طرف سے بولنے والے چُنے گئے۔ امان میاں کے کہنے سے اُن کی چھوٹی چچی زاد بہن کو بھی شریک کر لیا گیا تا [illegible] سے بھی ایک ممبر موجود ہو۔ ایک صاحب اور، جو سارے گھر میں تائے جان کو سب سے زیادہ محبوب تھے لئے گئے، تاکہ اگر بحث سے کام نہ چل سکے تو اُن کے مچلنے سے کام چلانے کی کوشش کی جائے۔ آخر یہ تین چھوٹے چھوٹے اِنسان تائے جان کی خدمت میں روانہ ہوئے۔

اس عرصے میں یہ خبر آناً فاناً پھیل گئی تھی کہ بچّوں نے مٹھائی لینے سے انکار کر دیا ہے اور اس بات پر سوچ بچار کر رہے ہیں کہ کیا کیا جائے۔ بزرگوں میں چہ می گوئیاں ہو رہی تھیں۔ تائے جان بار بار داڑھی پر ہاتھ پھیر کر کہتے کہ "اسے بیّا دُ تو قصہ کیا ہے" اتنے میں بچّوں کا وفد آ پہنچا۔ امان میاں آگے اور دونوں ساتھی پیچھے پیچھے۔ سب نے آکر ادب کے ساتھ تائے جان کو سلام کیا۔ انھوں نے کہا کہ "کہو بیٹا کیا بات ہے ؟" تب امان میاں نے بڑے سُلجھے ہوئے انداز میں سارا واقعہ بتایا اور آخر میں کہا۔ "تائے جان کیا آپ کے خیال میں ہم لوگوں کے ساتھ ناانصافی نہیں ہوئی ہے ؟" اُنھوں نے فرمایا کہ "بیٹا اگر پہلے سے معلوم ہوتا کہ تم لوگ اس قدر ناخوش ہوگے تو تم سب کے لئے بھی طشتری اور رومال کا انتظام کر دیا جاتا۔ پر اب تم ہی بتلاؤ کہ کیا ہو سکتا ہے ؟" امان میاں بولے کہ "بڑوں کو چاہئے کہ اپنے رومال اور طشتریاں بچّوں کو دے دیں اور اُن کے مٹھائی کے ٹھیلے خود لے لیں ۔" تھوڑی دیر سوچ کر تائے جان بولے کہ " دیکھو بھئی ایک ترکیب کرو، تم لوگ بڑوں سے سمجھوتہ کر لو، رومال تم لے لو طشتریاں اُن کے پاس رہنے دو۔ اس پر امان میاں کے ننھے ساتھی مچلنے لگے کہ "نہیں بڑے ابّا ہم تو دونوں چیزیں لیں گے ۔" لیکن امان میاں نے بڑی مشکل سے دونوں کو سمجھا کر چُپ کیا اور تائے جان سے عرض کیا کہ میں اور بچّوں سے بھی مشورہ کر لوں۔ اِدھر امان میاں

بچّوں کو سمجھانے اور اُن کی رائے لینے گئے اور اُدھر تلئے جان نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ دیکھئے ان بچّوں نے کتنا اچھا طریقہ اختیار کیا ہے۔ مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ لوگ رومال اُن کے حوالے کر دیں۔ سب لوگ خوشی سے راضی ہو گئے۔ اماں میاں نے بھی بچّوں کو سمجھا بجھا کے صرف رومال پر راضی کر لیا۔ فوراً بچّے گنے گئے اور برسوں سے اتنے ہی رومال لے کر مٹھائی کی تھیلیاں ان میں لپیٹ کر تقسیم کر دی گئیں۔ بڑوں میں سے ہر ایک رومال لینے کے لئے پہل کر رہا تھا۔

# نہر پاناما

نہر پاناما کا نام ہر پیامی بھائی نے سنا ہوگا۔ یہ نہر شمالی امریکا اور جنوبی امریکا کو ایک دوسرے سے جدا کرتی ہے۔ اس کی گہرائی ۴۰ فٹ لمبائی ۵۰ میل اور چوڑائی ۵۰۰ فٹ ہے اور یہ سمندر کی سطح سے ۸۵ فٹ اونچی ہے۔ اس کی اونچائی کی وجہ سے نہر کے راستے گذرنے کے لئے جہازوں کو قفلوں کے ذریعے اوپر چڑھایا جاتا ہے۔ ۱۸۸۱ء میں اس نہر کے کھودنے کا ٹھیکہ فرانسیسی کمپنی نے لیا تھا جس کا افسر اعلیٰ وہی شخص تھا جس نے نہر سویز کھدوائی تھی۔ اس کے خرچ کا اندازہ لگایا گیا تو بارہ کروڑ ستر لاکھ ڈالر کافی سمجھے گئے مگر بعد میں یہ رقم ناکافی نظر آئی اور ۳۱ کروڑ ڈالر کا اعلان کیا گیا۔ مقام گیٹن کے پاس ایک عظیم الشان پشتہ باندھا جو اتنا اونچا ہے کہ اچھی خاصی پہاڑی معلوم ہوتی ہے اس کا دل اس قدر ہے کہ اندازہ نہیں لگایا جا سکتا کہ کتنے من مٹی اور پتھر یہاں اکٹھے کئے گئے ہیں۔ نہر کھودنے میں ایک مشکل کام یہ تھا کہ مقام کیوبرا کے پاس پہاڑ کاٹ کر نہر لے جانی تھی اس غرض کے لئے بڑے بڑے پتھر انجنوں اور مشینوں کے زور سے اٹھا کر پھینکے جاتے تھے۔ مزدوروں کو اچھی خاصی مزدوریاں دی جاتی تھیں۔ ان کے کھانے پینے کا انتظام بہت عمدہ تھا۔ ایک مشین برف کی چلتی تھی جس میں ۹۰ ٹن برف بنتی تھی۔ اس طرح ۲۵۰ گیلن آئس کریم ۱۴ ہزار روٹیاں مزدوروں کو بہم پہنچائی جاتی تھیں۔ ان کے لئے روزانہ ایک ہزار من کافی ابالی جاتی تھی۔ اور کوئی ۷ ہزار کپڑے دھوئے جاتے تھے۔ سطح سمندر سے ۸۵ فٹ اونچائی پر جہازوں کو چڑھانے کے لئے تین بندوں کے ذریعے پانی کی سطح کو اونچا کیا گیا ہے۔ اس نہر سے امریکا کی تجارت بہت بڑھ گئی ہے۔ نیویارک سے سان فرانسسکو جانے میں ۹ ہزار میل کی بچت ہو گئی ہے۔ چین اور جاپان کے سفر میں بھی چار ہزار میل کی کمی ہو گئی ہے۔

(عبدالواحد خاں۔ سرسہ)

# بچوں کی کوششیں

## جھوٹ اور سچ میں فرق

محمد صالح ۔ درجہ سوم ۔ تعلیمی مرکز جامعہ ۔ عمر ۶ سال

ایک آدمی تھا وہ بہت جھوٹا تھا۔ اُسی شہر میں ایک اور آدمی رہتا تھا وہ بہت سچا تھا اور ایمان دار تھا وہ نہ کسی سے لڑتا تھا اور نہ کسی سے جھگڑتا تھا۔ اس آدمی کو سب اچھا سمجھتے تھے، جو نہ لڑتا تھا اور نہ جھگڑتا تھا ایک دن اُس کے گھر مہمان آئے۔ اُنھوں نے پوچھا بھئی جھوٹ کیسے بولتے ہیں؟ اُس نے کہا اگر میں کسی کے گھر کھانا کھا آؤں اور میری اماں پوچھیں تم نے کس کے گھر کھانا کھایا اور میں کہوں کہ میں نے نہیں کھایا تو اِسے جھوٹ بولنا کہتے ہیں۔

## تیسرے درجے میں سفر

عماد عبدالواحد، بریلی

لوگ چاہے کچھ کہیں مگر میرے خیال میں تو تیسرے درجے خصوصاً چھوٹی لائن کے تیسرے درجے میں سفر بہت دلچسپ ہوتا ہے۔ مجھے پہلے، دوسرے بلکہ درمیانے درجے کا سفر بھی پسند نہیں بھلا جو گہما گہمی بھیڑ کا شور و غُل تیسرے درجے میں ہے وہ اِن درجوں میں کہاں۔ ایک دِن مجھے بھی چھوٹی لائن پر تیسرے درجے میں سفر کرنے کا اتفاق ہوا۔ یہ لائن ایک طرف بریلی سے لکھنؤ اور دوسری طرف بریلی سے آگرے تک جاتی ہے۔

صُبح ہی صُبح اسٹیشن پہنچا تو پلیٹ فارم اچھا خاصا مال گودام بنا ہوا تھا، دو چار نقلی صاحب بہادر جیبوں میں ہاتھ ڈالے ایک خاص انداز سے سر کو ہلاتے پلیٹ فارم پر اِدھر سے اُدھر ٹہل رہے تھے۔ گاؤں والوں کا تو کچھ نہ پوچھیے۔ جدھر دیکھیے انھی کی بھیڑ، لاٹھی میں گٹھری لٹکی ہوئی بالکل تیار کھڑے ہیں جیسے کوئی پہرا دیتا ہو حُقّے کا شغل اب بھی جاری ہے۔ بس ایک چلم ہے جو چاروں طرف گھوم رہی ہے

یہ بھیڑ دیکھ کر دل میں کہا خدا خیر کرے دیکھیے جگہ بھی ملتی ہے یا نہیں۔ ہم جلدی سے غسل خانے میں گھس گئے اور سوٹ پہن، ہیٹ لگا پورے بابوجی بن باہر نکل آئے کہ شاید جگہ ملنے میں آسانی ہو۔ آگے بڑھ کے ایک ریل بابو سے گاڑی کا وقت پوچھا تو معلوم ہوا ایک گھنٹہ لیٹ ہے جلدی میں گھر سے ناشتہ بھی کر کے نہیں چلے تھے۔ ریل میں تو کھانے کا کوئی موقع ہی نہ تھا۔ بس وہیں پلیٹ فارم پر بستر کھول ناشتہ کرنے بیٹھ گئے ابھی پانی بھی نہ پینے پائے تھے کہ پیچھے سے جھک جھک کی آواز آئی اور ایک شور بلند ہوا۔ گاڑی آگئی، گاڑی آگئی ہم نے جلدی جلدی سامان باندھا اور آگے کی طرف بھاگے۔ اک ذرا سی جگہ خالی دیکھی اور گھسنا چاہا مگر قلی دوسرے کنارے پر کھڑا چلا رہا تھا "بابوجی، بابوجی" دوڑتے ہوئے اُدھر پہنچے۔ یہاں بھی بس اتنی جگہ تھی کہ اپنے بکس پر بیٹھنا پڑا۔ جب ذرا اطمینان ہوا تو اِدھر اُدھر نظر دوڑائی، دو چار اپنی عمر کے لوگ نظر آئے۔ اُن سے اِدھر اُدھر کی باتیں کر کے دوستی پیدا کی۔ دوپہر کو ایک چھوٹی سی دعوت رچائی گئی۔ جس کے پاس جو کچھ تھا دسترخوان پر رکھا گیا۔ کھانے کے بعد ذرا آرام کرنے اور سونے کو جی چاہا تو باری باری سے ایک شخص جاگتا رہا کیوں کہ تیسرے درجے میں سفر کرنے والوں کا حافظہ ذرا کم زور ہوتا ہے۔ انھیں یہ یاد نہیں رہتا کہ ان کے ساتھ سامان کے کتنے عدد ہیں۔ عموماً زیادہ ہی کا خیال رہتا ہے۔ اور سوتے ہوئے مسافروں کے سامان سے کمی پوری کی جاتی ہے۔ افسوس ہے کہ نئے دوستوں کے ساتھ بس تھوڑی ہی دیر رہا۔ جن جن کی منزل قریب آگئی وہ رخصت ہوتے گئے اور تھوڑی دیر بعد ہمیں بھی رخصت ہونا پڑا۔ بہت مزے کا سفر تھا۔

## کوئل

فہیم جہاں بیگم قزلباش

کسی زمانے میں ایک چھوٹے سے گاؤں میں ایک بیوہ عورت رہتی تھی۔ اس کی دو لڑکیاں تھیں بڑی "لوکو" چھوٹی "کوکو" کہلاتی تھی۔ ایک دفعہ دونوں جنگل میں لکڑیاں چن رہی تھیں۔ لکڑیاں چنتے چنتے دونوں ایک دوسرے سے علیحدہ ہو گئیں۔ کوکو کو بھیڑیا اُٹھا کر لے گیا۔ چلتے وقت لوکو نے کوکو کو بہت تلاش کیا مگر نہ ملی۔ آخر چار و ناچار گھر واپس آئی اور ماں کو لوکو کے گم جانے کا حال سنایا۔ ماں غصے سے آگ بگولا ہو گئی اور کہا خبردار جب تک کوکو کو تلاش نہ کر لینا گھر میں قدم نہ رکھنا۔ لوکو روتی ہوئی کوکو کی تلاش میں نکلی۔ راستے میں ایک جادوگرنی ملی، اس نے پوچھا "تم کیوں رو رہی ہو؟" اس نے سارا ماجرا کہہ سنایا۔ جادوگرنی نے اسے بتایا کہ میں ایسا منتر جانتی ہوں کہ تمھیں چڑیا بنا سکتی ہوں اور تم آسانی سے اپنی بہن کو تلاش کر سکتی ہو۔ لوکو اس پر رضامند ہو گئی۔

جادوگرنی نے اُسے کالے رنگ کی چڑیا بنا دیا۔ اب وہ چاروں طرف پکارتی پھرتی ہے۔ کُوکُو آؤ۔ کُوکُو آؤ۔ اور ہم لوگ اُسے اور اس کی نسل کو کوئل کہتے ہیں۔

# موجودہ لڑائی

سید اطہر علی

ساری دنیا کو معلوم ہے کہ اس وقت براعظم ایشیا، یورپ اور افریقہ میں زبردست لڑائی چھڑی ہوئی ہے۔ ایشیا میں تو چین اور جاپان کی لڑائی برسوں سے ہو رہی ہے۔ یورپ میں انگلینڈ اور جرمنی میں دو سال سے جنگ ہو رہی ہے۔ شمالی افریقہ میں اٹلی اور انگریزوں کے درمیان ہٹلر جو جرمنی کا ڈکٹیٹر ہے روس اور انگلینڈ کے سوا باقی ماندہ ملکوں کو خون کی ندیاں بہا کر مغلوب کر چکا ہے۔ جنوبی افریقہ میں لڑائی اصل میں اٹلی اور انگریزوں کے درمیان ہے۔ لیکن ہٹلر مسولینی کا دوست ہے اس لیے مسولینی نے اپنی ٹانگ جنوبی افریقہ میں بھی اڑائی۔ اس طرح انگریزوں کو دو طرفہ لڑائی کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے اس طرح انگریزوں کی فوجیں ادھر تو یورپ میں جرمنی کا مقابلہ کر رہی ہیں اور اُدھر جنوبی افریقہ میں ہٹلر اور مسولینی کی متحدہ فوجوں کا مقابلہ کر رہی ہیں۔ اسی دوران میں مسولینی نے یونان پر حملہ کرکے ایک کش مکش اور یورپ میں پیدا کر دی تھی۔ لیکن بہادر یونانیوں نے مسولینی کی فوجوں کو مار بھگایا۔ لیکن اس کے دوست ہٹلر نے یونان پر دوبارہ حملہ کرکے تقریباً اسے بھی مغلوب کر لیا۔ اور اب روس اور جرمنی میں بہت سخت لڑائی ہو رہی ہے اسباب کچھ بھی ہوں اور یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ جان و مال کا جو نقصان ہو رہا ہے اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ بے شمار بچے یتیم اور بے شمار عورتیں بیوہ ہو گئیں۔ سمندر بے شمار دولت کو اپنے پیٹ میں ہضم کر گیا اور زمین اور آسمان نے کبھی ایسے خطرناک مناظر کا نقشہ نہ دیکھا تھا۔

موجودہ لڑائی پرانے زمانے کی لڑائی سے بالکل مختلف ہے۔ پہلے زمانے میں لڑائی تیر و کمان، نیزہ و برچھی، تلوار اور بندوق سے ہوتی تھی مگر اب کی لڑائی سائنس کی لڑائی ہے۔ ایک طرف تو ہوائی جہاز اوپر سے گولا باری کرکے مکانوں ہسپتالوں، کارخانوں، سینما گھروں، مدرسوں اور پُلوں کو تباہ و برباد کر دیتے ہیں، دوسری طرف سمندر میں یو۔ بوٹ کشتیاں (U. BOAT) پانی کے اندر تیرنے والے جہاز (SUBMARINE) اور تباہ کن جہاز تجارتی جہازوں کو نقصان پہنچانے میں بڑی سرگرمی سے مصروف ہیں۔ جرمنی تو ان تجارتی جہازوں کو بھی تباہ کرتا ہے جن کے مالک لڑائی میں حصہ نہیں لے رہے ہیں۔ آج کل لڑائی میں ہر روز ایک نئی ایجاد ہو رہی ہے اور ہر ملک یہ چاہتا ہے کہ ایسی ایجاد کرے کہ اپنے دشمن کو شکست دے تاکہ وہ پھر اپنی طاقت نہ بڑھا سکے۔

# پیام برادری

عزیز بچیو اور بچو، خوش رہو اور تندرست۔

لو صاحب ہم کشمیر گھوم گھام کر واپس بھی آگئے۔ پچھلے پرچے میں ہم نے گاندھربل سے جانے کا ذکر کیا تھا۔ ایک دن میں گاندھربل میں بیٹھا تمھارے پیام تعلیم کا کام کر رہا تھا کہ معلوم ہوا جناب عبدالغفور صاحب (لکچرر ٹریننگ کالج علی گڑھ) تشریف لائے ہیں۔ ملاقات ہوئی۔ آٹھ دن سے سری نگر میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ تنہائی کی وجہ سے طبیعت اکتا گئی تھی۔ ہے بھی یہ کہ سیر و سفر میں جب تک دو ایک ساتھی نہ ہوں کچھ مزا نہیں آتا۔ میں نے اُن سے کہا "پیام تعلیم کا کام ختم ہو گیا ہے۔ حامد صاحب کل صبح گل مرگ جا رہے ہیں شام کو میں یہاں سے چل دوں گا، آپ کے ساتھ ہوٹل میں ٹھہروں گا اور صبح کو ہم اور آپ دونوں گل مرگ روانہ ہو جائیں گے۔ وہ راضی ہو گئے دوسرے دن شام کو میں گاندھربل سے سری نگر روانہ ہو گیا۔ ماسٹر غلام حسن صاحب قریشی بھی ساتھ تھے ہوٹل پہنچے تو غفور صاحب کہیں گئے ہوئے تھے۔ ماسٹر صاحب نے اصرار کیا کہ آج رات کو ہمارے گھر چلیے۔ میں کشمیر کی گھریلو زندگی بھی دیکھنا چاہتا تھا۔ اسباب ہوٹل میں ڈالا اور اُن کے ساتھ ہو لیا۔ ماسٹر صاحب کا گھر سڑک پر ہی ہے تین منزلیں ہیں اچھا خاصا بنا ہوا ہے۔ البتہ نیچے کا صحن صاف نہیں تھا، اوپر کے کمروں میں بھی ہوا کے آنے جانے کا کوئی لحاظ نہیں رکھا گیا تھا۔ ماسٹر صاحب نے بڑی مزے دار چائے پلائی۔ کشمیر میں عموماً نمکین چائے پی جاتی ہے ماسٹر صاحب نے مہمان کی خاطر سے میٹھی چائے بنائی تھی۔ رات کو کھانا کھایا۔ اچھا خاصا تھا مگر کشمیری کھانے خصوصاً یوپی والوں کے منہ کو نہیں لگتے۔ صبح کو اُٹھے تو ماسٹر صاحب نے فرمایا کہ چلیے ذرا باہر تشریف لے چلیے۔ تھوڑی دور چل کر کچھ بدبو سی آنی شروع ہوئی۔ ذرا اور آگے بڑھ کر میونسپلٹی کے پاخانے نظر آئے۔ ماسٹر صاحب نے اِدھر اشارہ کیا۔ میں نے معذرت کی کہ مجھے اِن میں جانے کی عادت نہیں۔ اصل میں اچھے خاصے اوسط درجے کے کشمیریوں میں بھی گھر میں پاخانے بنانے کا رواج نہیں ہے۔ خیر صاحب دریائے جہلم کے کنارے منہ دھویا۔ ماسٹر صاحب کے یہاں جا کر

ناشتہ کیا اور ہوٹل میں جا کر غفور صاحب سے ملاقات کی ساڑھے گیارہ بجے لاری میں بیٹھ کر گل مرگ روانہ ہو گئے سری نگر سے کوئی ۲۱ میل تنگ مرگ ایک مقام ہے، لاری بس وہیں تک جاتی ہے آگے پیدل جائیے یا گھوڑوں پر۔ گھوڑوں کے لئے باقاعدہ سڑک بنی ہوئی ہے۔ پیدل چلنے کے لئے پگ ڈنڈی ہے۔ قلی وغیرہ اسباب لے کر پگ ڈنڈی سے جاتے ہیں۔ ہم نے سامان قلیوں پر لدوایا اور پیدل روانہ ہو گئے۔ اتنی دور پہاڑ کی چڑھائی کا یہ پہلا اتفاق تھا پھر بھی گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹے میں گل مرگ پہنچ ہی گئے۔ حامد علی خاں صاحب، ظہیر صاحب اور احمد خاں صاحب پہلے سے موجود تھے۔ حامد صاحب سے راستے ہی میں ملاقات ہو گئی معلوم ہوا کہ دوسرے دن صبح کو الاپتر جانا ہے، شام ہو گئی تھی ایک ہوٹل میں قیام کیا۔ صبح کو ہم چھ آدمی گھوڑوں پر روانہ ہو گئے۔ پہلے کھلن مرگ پہنچے۔ یہ گل مرگ سے دو ہزار فٹ کی اونچائی پر ہے۔ یہاں سے اصل چڑھائی شروع ہوئی۔ بڑی سیدھی چڑھائی تھی۔ گھوڑے بھی تھک جاتے تھے۔ آخر کوئی ایک میل تک تو سبھی کو پیدل چلنا پڑا۔ راستے میں دو تین جگہ برف پر سے گذرنا پڑا۔ آخر بڑی بڑی چالوں پر سے ہوتے ہوئے الاپتر پہنچے۔ یہ ایک چھوٹی سی جھیل ہے۔ تین طرف اونچے اونچے پہاڑ ہیں۔ جھیل کے کنارے بیٹھ کر کھانا کھایا۔ جھیل کا پانی بہت ٹھنڈا تھا اور بہت میٹھا۔ تھوڑی دیر تک وہاں بیٹھے رہے اور پھر واپس آ گئے۔ واپسی میں برف پر پھسلے بڑا مزا آیا۔ غفور صاحب اور احمد خاں صاحب کا تو بڑی دیر تک یہی شغل رہا۔ کھلن مرگ پہنچ کر سب نے چا پی اور گھوڑوں پر سوار ہو کر واپس لوٹے۔ دوسرے دن صبح کو کوئی ۸ بجے ٹہلنے نکلے سرکلر روڈ کا چکر لگایا۔ اور اِدھر اُدھر گھوم گھام کر وقت گذارا۔ تیسرے دن صبح کو سب لوگ گل مرگ سے روانہ ہوئے۔ ہم دونوں نے اسباب قلیوں کے حوالے کیا اور پگ ڈنڈی سے نیچے اُترے جن لوگوں کے ساتھ عورتیں تھیں وہ گھوڑوں پر آئے۔ عورتیں بھی گھوڑوں پر آئیں۔ تنگ مرگ پہنچ کر لاری پر بیٹھے اور سری نگر پہنچ گئے۔ اب یہاں سے پہلگام جانے کا ذکر اگلے پرچے میں کریں گے۔

---

پچھلے مہینے لڑائی کا رنگ بہت بے ڈھب رہا۔ عراق کی لڑائی کے سلسلے میں کچھ جرمن ہوائی فوجیں شام میں آ گئی تھیں۔ انگریزوں کے لئے یہ بہت خطرناک بات تھی۔ انگریزی فوجوں نے شام پر فوراً چڑھائی کر دی فرانس کی فوجوں نے مقابلہ کیا۔ مگر انگریزی فوجوں کے آگے کچھ پیش نہ گئی اور ہار ماننا پڑی۔ اب صلح کی بات چیت ہو رہی ہے۔

ادھر حبشہ میں انگریزوں کی فتح مکمل ہوگئی ہے۔ ہزاروں اطالوی سپاہی، سینکڑوں اطالوی افسر اور بیسیوں اطالوی جنرل انگریزوں نے قید کرلئے ہیں۔

امریکہ دن بدن لڑائی کے قریب آرہا ہے۔ اُس نے جرمن اور اٹلی کے سفیروں کو اپنے ملک سے چلے جانے کا حکم دے دیا ہے۔ امریکہ کے سفیر بھی ان دونوں ملکوں سے چلے آئے ہیں۔ امریکہ نے آئس لینڈ میں بھی اپنی فوجیں بھیج دی ہیں۔ تاکہ جرمنی ادھر کوئی کارروائی نہ کرنے پائے۔ آئس لینڈ کی حکومت نے چند شرطوں کے ساتھ اس بات پر رضامندی ظاہر کی ہے۔

---

جرمنی نے اب روس کے خلاف لڑائی چھیڑ دی ہے۔ دونوں میں گھمسان آن پڑا ہے۔ ہر ہٹلر نے روس پر بہت سے الزام لگائے ہیں۔ مثلاً اس نے بالٹک ریاستوں پر قبضہ کرلیا۔ اس کی یہ حرکت جرمنی کے خلاف تھی۔ اُس نے درۂ دانیال میں بھی راستہ حاصل کرنے کی خواہش ظاہر کی اور بھی بہت سے الزام ہیں۔ جرمن فوجیں ڈیڑھ ہزار میل لمبے مورچے پر لڑائی لڑ رہی ہیں رومانیہ اور فن لینڈ کی فوجیں بھی جرمنی کے ساتھ ہیں۔ جرمنی کا یہ حملہ بہت ہیبت ناک ہے۔ مگر روسی بھی پوری بہادری سے مقابلہ کر رہے ہیں۔ انگریزوں کو اس لڑائی کی وجہ سے تیاری کا بہت موقع مل گیا ہے۔ انگریزوں کی ہمدردی روس کے ساتھ ہے۔ روس اور انگلستان میں دوستانہ معاہدہ بھی ہوگیا ہے۔ دونوں ملکوں میں اس بات پر بہت خوشی ظاہر کی جارہی ہے۔

ہندوستان کی حالت میں کوئی فرق پیدا نہیں ہوا۔ وائسرائے اپنی کونسل کے ممبروں کی تعداد بڑھانے والے ہیں۔ ڈھاکا۔ بہار شریف، احمد آباد اور بمبئی کے مسلمانوں میں عداوت اسی طرح باقی ہے۔ بنگال کے علاوہ بارش کا زور اس مرتبہ بمبئی کے علاقے میں زیادہ رہا۔ اتنی سخت بارش ہوئی کہ ریل کی پٹریاں بہ گئیں، تار اور ٹیلیفون کے کھمبے گر گئے۔ آنے، جانے، خط، تار، ٹیلیفون بھیجنے کا کوئی ذریعہ نہیں رہا اب حالت رفتہ رفتہ ٹھیک ہورہی ہے۔

معمّا نمبر ۲۰ کے حل اِن بچوں کے صحیح ہیں۔

| صحیح حل | انعام اوّل | فی کس عہ؍ |
|---|---|---|
| خلیل الرحمٰن قدوائی ۔ بارہ بنکی | رحیم الدین ۔ دہلی | |
| عبدالجلیل ۔ بہار شریف | محمد تقی ۔ بازہ ہندو راؤ ۔ دہلی | |

**ان بچوں کے حلوں میں ایک غلطی ہے**

پریم پرکاش صرّاف - جموں
فاطمہ بیگم اناؤ
زاہدہ خاتون - دہلی
سید اطہر علی - دہلی
محمد عماد الدین گلشنی - حیدرآباد
سید مصور حسن - دہلی
حافظ محمد یوسف - کلکتہ

**انعام فی کس ۴ر**

کوثر بانو - امروہہ
زکیہ بیگم - باسودہ
احمد نور - اُجین
قاضی محمد اشرف احمد - جودھ پور
محمد عبد الباری - بلند شہر
محمد خلیق الزماں - اندر سٹی

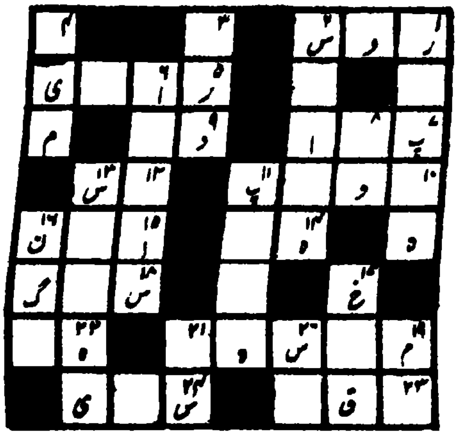
.. .. ..

# ۳۹ء کا تاسیس نمبر
# مُفت

ہم کئی بار پیامیوں سے درخواست کر چکے ہیں کہ پیامِ تعلیم کے خریدار بنا کر ہماری ہمت بڑھایئے تاکہ ہم اچھے سے اچھا پیامِ تعلیم آپ کے لئے نکال سکیں۔ پیامیوں نے اِس طرف توجہ بھی کی۔ لیکن اس بار ہم نے یہ طے کیا ہے کہ جو پیامی ایک خریدار بنائے گا اس کو ہر انعام بصورت پیامِ تعلیم تاسیس نمبر ۳۹ء دیا جائے گا۔

اُمید ہے کہ ہر پیامی اس نمبر کے حاصل کرنے کی کوشش کرے گا جن کے پاس یہ نمبر ہوگا انھیں دوسرا بھیج دیا جائے گا۔

منیجر "پیامِ تعلیم"



# معمّہ نمبر ۲۱

پہلا انعام ۔ ۓ
دوسرا انعام ۔ للعہ

## دائیں سے بائیں

(۱) لوگوں کا خیال ہے کہ اس ملک کو فتح کرنے کے بعد ہٹلر ہندوستان کا رخ کرے گا۔

(۵) اگر جج ... ہو جائے تو ہوشیار وکیل اپنے موافق فیصلہ کرا سکتا ہے۔

(۷) کسی موٹے آدمی کو دیکھ کر مذاق میں کہا جاتا ہے کہ بھئی کس چکی کا ... ہوا آٹا کھاتے ہو۔

(۹) اس کی حرکت بند ہوتے ہی انسان کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔

(۱۰) عرب کا ملک ایشیا ... اور افریقہ کے ٹھیک وسط میں ہے

(۱۲) غیر شادی شدہ عورت کو انگریزی میں ۔ ۔ کہتے ہیں۔

(۱۴) یہ معمّا بہت آسان ۔ ۔

(۱۵) ہندوستانیوں کا چارہ (بے ترتیب)

(۱۸) ایک ترکاری

(۱۹) قوت .... چھونے کی قوت (بے ترتیب)

(۲۲) .. ہٹلر تو دنیا پر حکومت کرنا چاہتا ہے۔

(۲۳) خدا کو دیکھا نہیں ... سے پہچانا ہے۔

(۲۴) ہندؤں کی اس رسم کو اکبر نے بند کیا تھا۔

## اوپر سے نیچے

(۱) چندر بدن ، زخمی تن ، پانوں نیادہ چلتا ہے
امیر خسرو یوں کہیں وہ ہوے ہوے چلتا ہے

(۲) زہرہ سب سے زیادہ چمک دار اور خوب صورت ..... ہے

(۳) عام طور پر مردے کا جسم ... ہو جاتا ہے۔

(۴) ... حکیم خطرہ جان ... ملا خطرہ ایمان۔

(۶) ایک قیمتی پتھر

(۸) تین ہندسوں کا ایک ایسا عدد جس کے ہندسوں کا مجموعہ صرف ایک ہے

(۱۱) آجکل ... والا ہی اطمینان کی زندگی بسر کر سکتا ہے۔

(۱۳) جو مسلمان یہ نہیں وہ مسلمان نہیں (الونو کا قول)

(۱۶) جامعہ میں داخلے کے لئے دفتر شیخ الجامعہ .... دہلی سے خط کتابت کیجیے۔

(۱۷) بجا کہے جسے عالم اسے بجا سمجھو زبانِ ... کو نقارۂ خدا سمجھو (ذوق)

(۱۹) ساتھ

(۲۰) ایک بیماری

(۲۱) دادا۔ بچے کتاب کو .. طرح پھاڑا نہیں کرتے
بچہ ۔ تو کس طرح پھاڑ ڈالوں ۔ دادا۔

(۱) معمّا ۱۰ر اگست تک بھیج سکتے ہو۔
(۲) ایک ہی لفافے میں کئی معمّے بھیجے جا سکتے ہیں۔

# قواعد

۱۔ تمام مدرسوں کے بچے حل میں حصہ لے سکتے ہیں۔ استاد یا سرپرست کی تصدیق ضروری ہے۔ صرف دستخط کافی ہیں۔ عبارت لکھنے کی ضرورت نہیں۔

۲۔ ایک حل کے ساتھ ایک آنے کا ٹکٹ آنا ضروری ہے۔

۳۔ ایک سے زیادہ حل بھی بھیجے جا سکتے ہیں۔ چار حلوں کی رعایتی فیس

۴۔ آٹھ حلوں کی ۸ر ہے۔

۵۔ دونوں انعام تقسیم کر دئے جائیں گے۔ قرعہ اندازی نہ ہوگی۔

۶۔ تمام حل ۱۰ر اگست تک دفتر پیامِ تعلیم جامعہ دہلی پہنچ جانے چاہئیں

۷۔ ایڈیٹر کا فیصلہ قطعی ہوگا

۷۔ پیامِ تعلیم میں چھپے ہوئے کوپن کے علاوہ اور کوئی نہیں لیا جائے گا۔

۸۔ کوپن کے چاروں طرف جو نقطے والی لائن ہے وہاں سے کاٹ کر بھیجو۔

۹۔ کسی کوپن میں کوئی حرف کٹا یا مٹا ہوا ہوگا یا پنسل سے بھرا ہوا ہوگا تو مقابلے میں شامل نہ کیا جائے گا۔

۱۰۔ ایک لفافے میں صرف ایک نام سے معمّے آنے چاہئیں۔

۱۱۔ علاوہ کوپن اور ٹکٹ کے لفافے میں کوئی خط وغیرہ نہ ہونا چاہئے۔

۱۲۔ معمّا حل کرنے سے پہلے اشارے غور سے پڑھو۔

۱۳۔ ایک خانے میں دو حرف نہ ہوں

۱۴۔ دال اور واؤ کا فرق نمایاں ہو۔ (ڈ۔ وٗ)

۱۵۔ چھوٹی اور بڑی ے کا فرق لازمی ہے (ی۔ ے)

۱۶۔ جہاں جہاں نقطے کا استعمال ہو، وہاں نقطہ ضرور ہونا چاہئے۔

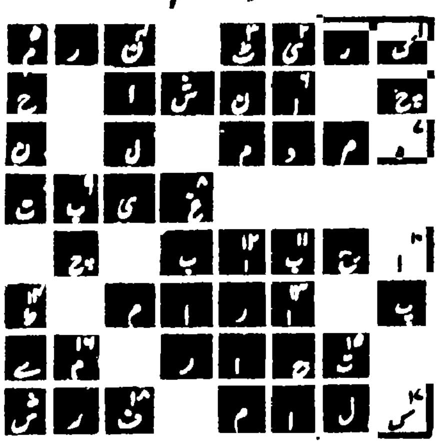
۱۷۔ اِملا کی غلطی بھی شمار کی جائے گی۔

۱۸۔ تمام حل ڈاک کے لفافے پر بھیجے جائیں۔

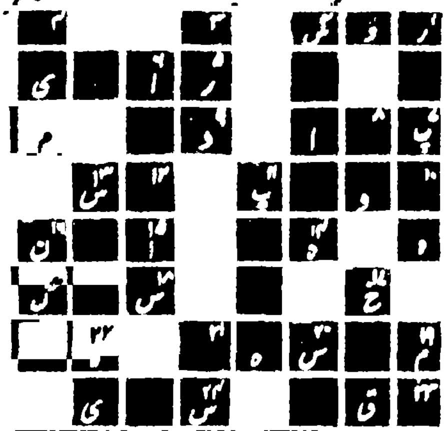
۱۹۔ نام اور پورا پتہ صاف اور خوش خط ہونا چاہئے۔

۲۰۔ پتہ:۔ سب ایڈیٹر، پیامِ تعلیم، مکتبہ جامعہ قرول باغ۔ نئی دہلی

## معمّا نمبر ۲۰ کا صحیح حل



معمّا نمبر ۲۱ کوپن نمبر



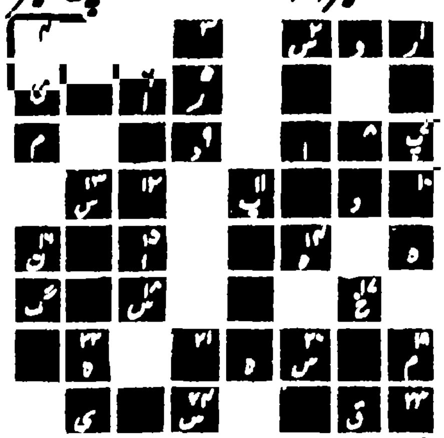
نام ..............................

پتہ ..............................

تصدیق ..............................

ٹکٹ ..............................

معمّا نمبر ۲۱ کوپن نمبر



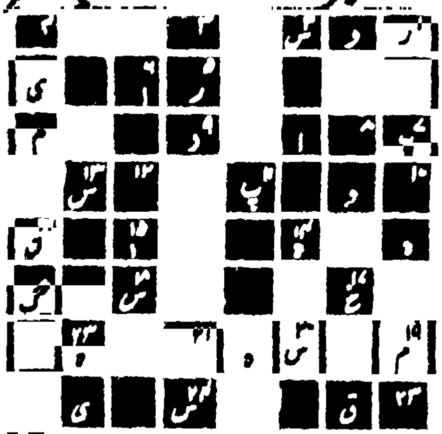
نام ..............................

پتہ ..............................

تصدیق ..............................

ٹکٹ ..............................

معمّا نمبر ۲۱ کوپن نمبر



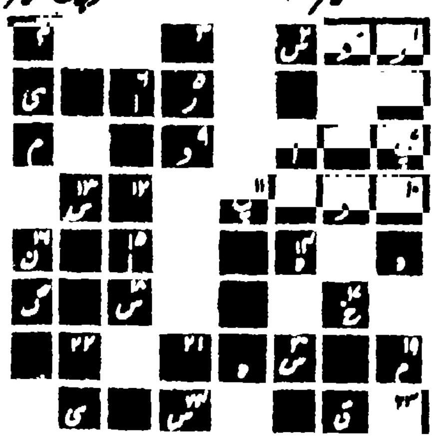
نام ..........................

پتہ ..........................

تصدیق ..........................

ٹکٹ ..........................

معمّا نمبر ۲۱ کوپن نمبر



نام ..........................

..........................

ٹکٹ ..........................

..........................



فوج لے جانے والی موٹریں



تفریح



نظر علی صدیقی متعلم

Regd. L. No. 1961



# ایک اُستاد کی آپ بیتی

ایک اُستاد نے بہت ہی اچھّے انداز میں اپنی آپ بیتی لکھی ہے۔ یہ آپ بیتی کیا ہے جامعہ ملّیہ کی اکیس سال کی مکمّل تاریخ ہے۔ جامعہ کے نئے اور پرانے طالب علم پیام تعلیم کے چھوٹے اور بڑے پڑھنے والے مولوی عبدالغفّار صاحب مدھولی سے ضرور واقف ہوں گے۔ یہ تاریخ انہی کی لکھی ہوئی ہے۔ کتاب دو جلدوں میں ہوگی۔ ہر جلد کی قیمت دو روپے ہے۔ اگر نئے اور پرانے جامعی اور پیام تعلیم پڑھنے والے عزیز ایک یا دونوں جلدوں کی قیمت پیشگی بھیج دیں تو کتاب کے چھپنے میں بہت سہولت ہوجائے۔ جامعی بھائیوں سے خاص طور پر درخواست ہے۔ یہ کتاب ہر لحاظ سے قیمتی ہوگی۔ ماہرینِ تعلیم کے لئے اس میں اکیس سالہ جدید تعلیمی تجربے کا نچوڑ ہے۔

اس پتے پر خط کتابت کی جائے۔

عبدالغفار صاحب مدھولی۔ مدرس مدرسہ ابتدائی
جامعہ ملّیہ اسلامیہ۔ ڈاک خانہ جامعہ نگر، دہلی۔

# پیام تعلیم



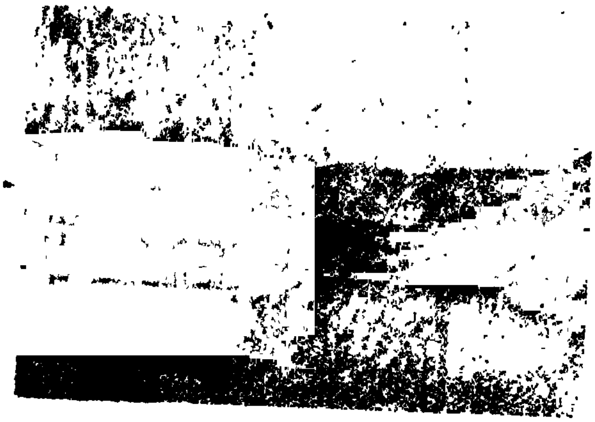


مکتبہ جامعہ دہلی

# ڈل جھیل کے چند خوبصورت منظر



جھیل میں ہاؤس بوٹ اور شکارہ



گگری بل ہاؤس بوٹ ٹھہرنے کی خاص جگہ



جھیل کا ایک عام منظر



نشاط باغ سری نگر

# پیام تعلیم

دہلی

پیام تعلیم دہلی، یو۔ پی، سی۔ پی، پنجاب، بہار، اڑیسہ ... کے محکمہائے تعلیم کی طرف سے سرکاری طور پر منظور کیا گیا ہے۔

ایڈیٹر محمد حسین حسان

قیمت سالانہ عہ ۔ فی پرچہ ۳ر

جلد ۲۴ نمبر ۹

## فہرست مضامین



پرنٹر و پبلشر ڈاکٹر سید عابد حسین ایم اے، پی ایچ ڈی - محبوب المطابع برقی پریس دہلی

ستمبر ۱۹۴۱ء

FIROZE 41

# بچّوں سے باتیں

ایڈیٹر

لڑائی کی وجہ سے کاغذ کی قیمت تین گُنا بڑھ گئی ہے۔ لکھائی چھپائی کے اور سامان کی قیمت بھی اسی طرح زیادہ ہوگئی ہے۔ اخباروں اور رسالوں کے لئے یہ بڑا نازک زمانہ ہے۔ بہت سے رسالوں نے اپنے صفحے گھٹا دیئے ہیں اور کاغذ معمولی لگانے لگے ہیں کیا کیا جائے مجبوری ہے۔

---

باوجود ان دقتوں کے پیامِ تعلیم کو ہم اسی اہتمام سے نکالنے کی کوشش کر رہے ہیں اور پیامیوں نے ہماری مدد کی تو انشاءاللہ اس کی ظاہری شان کو گھٹنے نہ دیں گے۔ سب پیامی رسالے کے ایک ایک دو دو خریدار بھی بنا دیں تو ہماری بہت مدد ہو جائے گی۔ اُمید ہے کہ ہماری یہ آواز بے اثر نہ رہے گی۔

---

اس مرتبہ گنجائش کی کمی کی وجہ سے بہت سے اچھے اچھے مضمون چھپنے سے رہ گئے۔ ان میں شہد کی مکھی، چراغ کی کہانی، بڑھیں، پک تک خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں یہ اور بعض اور اچھے اچھے مضمون اگلے پرچے میں چھپیں گے۔

---

بچوں کی یہ نظمیں پیامِ تعلیم میں نہ چھپ سکیں گی (۱) برسات (کلکتہ) (۲) پیامِ تعلیم (پٹنہ) (۳) تندرستی (حیدرآباد دکن) (۴) طوطا (الہ آباد)۔ یہ بچے اگر چاہیں تو ۱ر کے ٹکٹ بھیج کر اپنی نظمیں منگا لیں۔ ۱۰ ستمبر کے بعد ردّی کر دی جائیں گی۔ ایک نظم "ہمارے نگر" میں بہت اچھی ہے مگر پیامِ تعلیم کے معیار سے اونچی ہے اس لئے نہیں چھپ سکتی۔

---

بہت سی بچیاں اور بچے اب اچھی اچھی نظمیں لکھنے لگے ہیں اور یہ بہت خوشی کی بات ہے مگر اکثر بچے بہت لاپرواہی سے کام لیتے ہیں غلط سلط جو جی میں آتا ہے لکھ کر بھیج دیتے ہیں ذرا توجہ اور محنت نہیں کرتے۔ بعض بچے دوسروں کی نظمیں اپنے نام سے لکھ کر بھیج دیتے ہیں۔ یہ بہت بُری بات ہے۔ خصوصاً ہمارے عزیز پیامیوں کو تو ص

۴ ایسا ہرگز نہ کرنا چاہئے۔

# ٹیگور کی جُدائی

۱

ٹیگور نے اِس جہاں کو چھوڑا افسوس
سب اہلِ جہاں سے مُنہ کو موڑا افسوس
جتنی بھی ہو یاد اُن کی زیادہ، کم ہے
جتنا بھی کریں اُن کا ہے تھوڑا افسوس

۲

ہر قوم کے ساتھ کی بھلائی اُس نے
خدمت کی نئی شان نبھائی اُس نے
خدمت ہی سے عظمت ہے سب جانتے تھے
پر بات یہ سچ کر کے دِکھائی اُس نے

۳

کیوں آہ کرے کس لئے فریاد کرے
کیوں قلب کو اپنے کوئی ناشاد کرے
نیرؔ یہی کام کر کے ہر شخص دِکھائے
ٹیگور کی رُوح کو جو دِل شاد کرے

محمد شفیع الدین صاحب نیرؔ

# ٹیگور

ہمارے دیس میں صرف دو ہی شاعر تھے جن کی شاعری کی شہرت ہندوستان کی حدوں سے گذر کر دوُر دراز بلکہ یوں کہو کہ ساری دُنیا میں پھیل گئی تھی۔ اقبالؔ اور ٹیگورؔ۔ اقبال تو کئی سال ہوئے اللہ کو پیارے ہوئے۔ اب ۷ر اگست کو اچانک ٹیگور کی سُناوَنی آئی۔ اور سارا مُلک اپنے ایسے اچھّے شاعر کے غم میں ڈوب گیا۔ کلکتہ کے کالج اور اسکوُل، بازار، بمبئی اور کلکتے کے کونسل اور اسمبلی کے اجلاس فوراً بند ہوگئے۔ کیا ہندوُ کیا مُسلمان سبھی نے غم و افسوس کا اظہار کیا۔ اخباروں میں ہمدردی کے پیام چھپے۔ جگہ جگہ تعزیت کے جلسے ہوئے۔ دوسرے ملکوں کے بڑے بڑے لوگوں نے ہمدردی کے پیام بھیجے۔

ٹیگور کی تندرستی تین چار سال سے خراب تھی۔ کئی بار حالت نازک ہو ہوگئی پھر اچھے ہوگئے، مگر اس مرتبہ مرض ایسا بڑھا کہ دوا و علاج سے کوئی فائدہ نہ ہوا۔ مرنے کی خبر بجلی کی طرح تمام کلکتے میں پھیل گئی۔ ارتھی میں لاکھوں کی تعداد میں ہندوُ مسلمان شریک تھے۔ رہے نام اللہ کا۔

ڈاکٹر ٹیگور آج سے کوئی اسّی سال پہلے بنگال کے ایک شریف اور امیر گھرانے میں پیدا ہوئے۔ اُن کے باپ دیندر ناتھ ٹیگور اس صوُبے کے بہت بڑے آدمی تھے۔ ٹیگور نے زیادہ تر تعلیم اپنے گھر پر ہی پائی۔ اسکوُل میں اُن کا جی نہ لگتا تھا۔ دریا، جنگل اور قدرتی مناظر سے اُنھیں بچپن ہی سے لگاؤ تھا۔ یوُں سمجھو کہ قدرت نے اُنھیں شاعری کے لئے پیدا کیا۔ ۱۳ر سال کی عمر میں وہ اچھّے خاصے شعر کہنے لگے تھے۔ چودھویں سال میں تو اُن کی نظمیں اور مضمون بنگالی رسالوں میں چھپنے لگے تھے۔ اُنھوں نے انگریزی زبان میں بھی بہت مہارت پیدا کرلی تھی۔ اور بنگالی کے ساتھ انگریزی میں بھی مضموُن لکھنے لگ

تھے۔ وہ اپنے بھائی کے ساتھ تعلیم کی غرض سے انگلستان بھی گئے مگر کوئی ڈگری لے کر نہ آئے۔ آہستہ آہستہ اُن کی شاعری۔ مضمون نویسی اور افسانہ نگاری کی شہرت ہندوستان کے علاوہ دوسرے ملکوں میں پھیلنے لگی۔ اُن کی کئی اچھی اچھی کتابیں انگریزی میں نکلیں اور ہر جگہ قابلیت کی دھوم مچ گئی۔ انھوں نے کئی بار یورپ، امریکہ اور جاپان کا دورہ کیا اور اپنا پیام لوگوں کو زبانی سنایا۔ سنہ ۱۹۱۳ء میں انھیں نوبل پرائز ملا۔ علمی دنیا میں یہ عزت سب سے بڑی سمجھی جاتی ہے۔ حکومت نے بھی انھیں سر کا خطاب دیا۔

وہ صرف شاعر ہی نہیں تھے۔ ایک سچے محبِ وطن بھی تھے۔ کئی بار ایسا موقع آیا کہ انھیں حکومت کی سختی سے سخت مخالفت کرنا پڑی ہے۔ جلیان والا باغ کے حادثے کے وقت تو انھوں نے سر کا خطاب بھی واپس کر دیا تھا۔

لوگ کہتے ہیں کہ شاعر ہمیشہ خیالی پلاؤ پکاتے ہیں۔ کوئی ٹھوس کام نہیں کر سکتے۔ مگر ٹیگور ان شاعروں میں سے نہ تھے انھوں نے اپنے اصولوں کے مطابق بول پور میں ایک مدرسہ کھول دیا۔ یہ مدرسہ کالج اور کالج سے یونیورسٹی بنا اور اب ملکوں ملکوں کے استاد اس میں پڑھاتے اور ملکوں ملکوں کے طالب علم اس میں پڑھتے ہیں۔ اپنے طرز کی یہ بالکل ایک نئی چیز ہے۔ ٹیگور نے اپنی ساری آمدنی اس پر وقف کر دی ہے اور جب کبھی ضرورت پڑی ہے خود بڑھاپے میں چندے کے لئے دور دور کا سفر کیا ہے۔

اس وقت ٹیگور کی جدائی میں پورا دیس سوگ وار ہے۔ اُن کی موت کوئی معمولی موت نہیں ہے۔ مگر سچ پوچھو تو وہ مرے نہیں ہیں۔ اُن کی شاعری اُن کے افسانے اور ناول اُن کی مصوری۔ یہ سب چیزیں انھیں ہمیشہ زندہ رکھیں گی اور سب سے بڑھ کر اُن کو زندہ رکھنے والے تم ہو۔ وشوا بھارتی کے وہ طالب علم ہیں جو ٹیگور کا پیام تمام دنیا کو پہنچائیں گے اور ٹیگور جس اونچائی پر پہنچے تھے اُس سے بھی آگے جانے کی کوشش کریں گے ؎

---

# ثریّا کا خواب

(۲)

ح، م، اسلم، سکریٹری، اردو سوسائٹی، پٹنہ

ثریّا:۔ ارے ارے اس میں تو پانی بھرا رہتا ہے۔

جمّا:۔ نہیں! نہیں! وہ نہیں۔ اسی کے پاس ہی ایک اور جو چھوٹا سا گڑھا ہے۔ اس میں

ثریّا:۔ اچھا یہ دعوت کیوں اور کیسی ہو رہی ہے؟

جمّا:۔ تمہارا ذہن اب بہت کمزور ہوتا جا رہا ہے ایک بار بتا چکا ہوں اور تم بھول گئیں۔ ثریّا نے اس پر کچھ غصّے سے جمّا کو دیکھا اور ذرا بگڑ کر بولی "تم نے کب مجھ سے اس کے بارے میں کہا تھا۔

جمّا:۔ ابھی ابھی میں نے نہیں کہا کہ میری عمر کے تمام جانوروں کی آج دعوت ہے۔ یہ دعوت ہمارے بڑے بھائی کر رہے ہیں۔

ثریّا:۔ مگر جانوروں کی دعوت میں میں کیوں جا رہی ہوں۔ میری تو کچھ آج ہی زبان نہیں کھلی ہے۔

جمّا:۔ یہ ہم لوگوں کے یہاں کی رسم ہے کہ ہر جانور جانور چاندرات کی دعوت میں اپنے ساتھ ایک اور جانور کو لا سکتا ہے جس سے اس کو بہت دوستی ہے۔

ثریّا:۔ تو گویا میں بھی ایک جانور ہوں؟

جمّا:۔ (مسکرا کر) توبہ، مگر تم جانور کی دوست ہو۔

مسٹر جمّا ثریّا کی انگلی کو پکڑے چلے جا رہے تھے۔ جب یہ ... ثریّا کے ابّا کے باغ کے اس حصّے میں پہنچے جہاں صرف آموں کے درخت ہیں تو مسٹر جمّا نے ادھر ... کا راستہ پکڑا۔ باغ میں درخت ہی درخت تھے۔ ان کے نیچے باہر جیسی سفید چاندنی نہ تھی۔ کہیں کہیں درختوں کے پتّوں سے چھن چھن خوب صورت کٹے ہوئے پھولوں جیسی چاندنی زمین پر پڑ رہی تھی۔ یہ دونوں درختوں میں سے گذرتے اس فوارے کے نزدیک پہنچے جہاں سے گرمیوں میں درختوں کو پانی دیا جاتا ہے۔ اس جگہ اندھیرا بہت تھا اور کبھی کبھی جھینگروں کی آوازیں آنے لگتی تھیں یا مینڈکوں کی ٹر، ٹرا۔ رات میں اس طرح اکیلے، ثریّا کو کچھ ڈر

معلوم ہونے لگا اور اُس نے جمّا سے کہا "جمّا! چلو بھاگ چلیں۔ مجھے تو ڈر لگ رہا ہے۔"

جمّا:۔ "ہش" تم لڑکی ہو نا۔ ہم جیسے مردوں کا سا دل تو تمھارے پاس ہے نہیں۔ چلو بھاگ چلیں۔ (ثریا کا منہ چڑھا کر) شرم نہیں آتی دروازے سے آ کر واپس ہو جائیں؟

ثریا:۔ (باغ میں چاروں طرف دیکھ کر) مگر دعوت ہو کہاں رہی ہے۔ سارا باغ تو سنسان ہے نہ کوئی آدمی نہ انسان بھلا اس جگہ دعوت معلوم ہو تو اور کیا ہو۔

یکایک سامنے والے گڑھے سے مینڈک جیسا چھوٹا سا انسان اچھے اچھے کپڑے پہنے سر پر ٹوپی پاؤں میں اچھا سا جوتا۔ ہاتھ میں پتلی سی ایک چھڑی لیے آ کھڑا ہوا۔ ثریا اُس کو دیکھ کر کچھ ڈر گئی۔ اور جب یقین ہو گیا کہ یہ حضرت مینڈک ہیں تو یہ اُنھیں حیرت سے دیکھتی رہی۔ جمّا کو دیکھ کر مینڈک صاحب نے اس طرح سے سلام کیا جس طرح ثریا کے ابا کو فوج کے سپاہی آ کر سلام کرتے ہیں۔ سلام کرنے کے بعد جمّا نے اپنی واسکٹ سے ایک چھوٹا سا کارڈ نکالا اور مینڈک صاحب کو دکھا کر آگے بڑھنے لگے۔ مگر جیسے ہی ثریا نے اُن کے پیچھے آگے بڑھنا چاہا مینڈک صاحب نے چھڑی سے روک کر پوچھا "تم کہاں جا رہی ہو؟"

ثریا کا تو جیسے خون خشک ہو گیا۔ اس نے جلدی سے ڈرتے ہوئے کہا "مجھے جمّا اپنے ساتھ لائے ہیں۔" جمّا نے یہ سن کر مینڈک صاحب سے کہا "جی ہاں جناب ٹرٹر۔ یہ میری دوست ہیں اور ہمارے ساتھ دعوت میں جا رہی ہیں۔"

"او ... مجھے افسوس ہے۔" مسٹر ٹرٹر نے ثریا کو اس طرح دیکھتے ہوئے کہا جیسے وہ معافی مانگ رہے ہوں۔ جب یہ لوگ اس گڑھے کے پاس پہنچے جہاں سے مسٹر ٹرٹر باہر نکلے تھے تو مسٹر جمّا نے ثریا کا ہاتھ پکڑ کر گڑھے میں اُترنے کا اشارہ کیا۔ ثریا نے جو گڑھے کو دیکھا تو اس کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا گڑھا بہت گہرا تھا اور اس میں اندھیرا گھپ ہو رہا تھا۔ اتنے میں مسٹر ٹرٹر نے یہ کہتے ہوئے ایک چھلانگ لگائی "آئیے آپ لوگ تشریف لائیے" اور پھر کچھ دیر بعد اندر سے "چھپ" سے ایک آواز آئی۔ جیسے کوئی پانی میں کودا ہو۔ ثریا یہ دیکھ کر اور بھی ڈر گئی اس نے جمّا کو یہ کہتے ہوئے سنا۔ "چلو چلو ننھی بی۔ دیر ہو رہی ہے۔" اور ثریا ابھی کچھ سوچ ہی رہی تھی کہ جمّا نے اس کا ہاتھ پکڑ کر گھسیٹ لیا۔ ثریا کے منہ سے زور سے ایک چیخ نکلی اور مسٹر جمّا کے ہاتھ سے اس کا ہاتھ چھوٹ گیا۔ ثریا ایک بار اور زور سے چیخی اور وہ بہت تیزی سے نیچے گرنے لگی۔ گھپ اندھیرے میں اس نے آنکھ کھول کر کچھ دیکھنے کی کوشش کی

مگر وہ صرف یہ جان سکی کہ وہ ایک بہت ہی گہرے کنوئیں میں جس کی دیواریں کچی تھیں گرتی جا رہی تھی۔ وہ نیچے چلی جا رہی تھی۔ اور سوچتی جاتی تھی "اب میں پانی میں گری اور اب پانی میں گری" اتنی اونچائی سے گرنے پر وہ ضرور پانی میں ڈوب جائے گی۔ اسے تیرنا بھی نہ آتا تھا جب وہ یہ باتیں سوچتی تو مارے ڈر کے اپنی آنکھوں کو خوب زور سے بند کر لیتی اور خوف کے مارے اُس کا بدن کانپنے لگتا اُس نے تین چار بار جمّا کو بھی زور سے پکارا مگر جب وہ پکارتی تو ایسا معلوم ہوتا جیسے کوئی دوسرا اُس کے جواب میں سینکڑوں مرتبہ اُس کا منہ چڑھا رہا ہو اور پھر اُس نے جمّا کو پکارنا بند کر دیا۔

ثریا کو نیچے گرتے بہت دیر ہو چلی تھی مگر وہ ابھی تک اور نیچے اندھیرے میں گرتی چلی جا رہی تھی۔ مگر جوں جوں وہ نیچے آتی جاتی ویسے ویسے اندھیرا کم ہوتا جاتا "جانے یہ کم بخت کنواں کتنا گہرا ہے۔ اتنی دیر سے گر رہی ہوں اور ابھی تک گرنا ختم ہی نہیں ہوتا ہے"! اس کا خوف اب کچھ کچھ دور ہو چلا تھا۔ گرتے گرتے ثریا نے دیکھا کہ کنوئیں کی دیوار میں ایک سوراخ کے اندر ایک شہد کی مکھی بیٹھی ہے۔ ثریا کو گرتے دیکھ کر شہد کی مکھی نے پکارا "ذرا ٹھہرو بہن! میں بھی دعوت میں چل رہی ہوں۔ مکھی کی آواز سن کر ثریا کو زیادہ تعجب نہ ہوا۔ کیونکہ مسٹر جمّا نے پہلے ہی اس کے بارے میں ثریا سے کہہ دیا تھا۔ مکھی کی آواز پر

ثریا رک گئی اور تھوڑی دیر بعد مکھی بھی بھنبھناتی ہوئی آگئی۔ اِس کے بعد ثریا پھر نیچے گرنے لگی۔

"تم اکیلی کیسے جا رہی ہو بہن؟" مکھی نے پوچھا

"نہیں بی! جمّا نے بے کار مجھے اس مصیبت میں پھنسا دیا۔ کیا مزے میں گھر پر سو رہی تھی۔ جانے گھر واپس جا بھی سکوں گی یا نہیں" ثریا نے منہ بناتے ہوئے مکھی سے کہا۔

"کیوں یہ مصیبت کیسی" مکھی بولی "بھلا دعوت میں جا رہی ہو اور کہتی ہو گھر واپس جا بھی سکو گی یا نہیں ارے وہاں تم کو کوئی کھا تھوڑا ہی جائے گا"

"یہ دعوت میں جا رہی ہوں؟" ثریا ناراض ہو کر بولی "کم بخت گڑھے میں گرے جانے کتنی دیر ہو چکی مگر گرنا ابھی تک ختم ہی نہیں ہوا۔ ایسی دعوت کو سات سلام"

"بس اب تھوڑی دیر اور گرنا ہے۔ وہ روشنی نہیں دیکھ رہی ہو اسی جگہ پر تو ہم لوگ گریں گے" مکھی نے اپنی انگلیوں سے ثریا کو نیچے دکھاتے ہوئے کہا۔

گڑھے کا اندھیرا اب بالکل دور ہو چکا تھا اور نیچے کنوئیں کا پانی شیشے جیسا چمک رہا تھا ہلکے ہلکے ثریا کے کانوں میں طرح طرح کے باجوں کی آوازیں آنے لگیں اور تھوڑی دیر کے بعد ثریا چھپ سے پانی پر آگری۔ وہ سمجھتی تھی کہ گرتے ہی اُسے چوٹ لگے گی

وہ ضرور پانی میں ڈوب جائے گی۔ مگر پانی پہ گرتے ہی نہ تو چوٹ آئی اور نہ وہ اس میں ڈوبی بلکہ پانی پر فرشے میں کھڑی رہی۔ اس نے اپنے پاؤں سے زور زور سے پانی کو دبانے کی کوشش بھی کی۔ مگر اُسے ایسا معلوم ہوا جیسے وہ پانی پر نہیں بلکہ کسی سفید چکنے پتھر کے فرش پر کھڑی ہے۔ باجے کی آواز بہت تیز آرہی تھی۔ کچھ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے بہت سی چڑیاں، مینڈک، جھینگر وغیرہ ایک ساتھ مل کر گا رہے ہوں۔ ثریا نے گھوم گھام کر ہر طرف دیکھا تو ہر جگہ بجائے کنوئیں کی کچی دیوار کے پتھر کا بہت لانبا چوڑا فرش تھا اور کچھ دور پر عجیب عجیب قسم کے لوگ عجیب عجیب طرح کے لباس پہنے آجا رہے تھے۔ اتنے میں وہ شہد کی مکھی اس کے پاس آئی اور بولی۔

"چلو نا بہن، معلوم ہوتا ہے کہ دعوت شروع ہوگئی"۔ ثریا نے جو روشنی میں مکھی کو دیکھا تو وہ بہت حیران ہوئی کیونکہ یہ ویسی مکھی نہ تھی جنھیں ثریا باغ میں پھولوں پہ بیٹھا دیکھا کرتی تھی۔ بلکہ یہ چھوٹا سا ریشمی فراک پہنے ہاتھوں میں مہندی لگائے بہت ہی خوب صورت معلوم ہو رہی تھی۔ ثریا نے تعجب سے اُس کے فراک کو دیکھا۔ ایسا اچھا کپڑا اُس نے آج تک نہ دیکھا تھا۔ اس طرح اپنے فراک کو دیکھ کر مکھی نے ثریا سے کہا" کیا کروں بہن آج کل کپڑا اتنا مہنگا ہو گیا ہے کہ نیا فراک بنوانے کی ہمت نہیں پڑتی اس فراک کو خریدے آج اٹھائیس روز کم ایک مہینہ ہو رہا ہے"۔

"اٹھائیس روز کم ایک مہینہ؟؟" ثریا بے اختیار ہنس پڑی۔ "اجی تب تو یہ فراک بالکل نیا ہے" یہ لوگ اس طرح باتیں کرتے چلے جا رہے تھے کہ پیچھے سے مسٹر جما "ننھی بی، ننھی بی" پکارتے دوڑتے آئے۔ ثریا جما کو دیکھ کر خوشی سے اُچھل پڑی۔ "کہاں چلے گئے تھے جما؟ تم بڑے خراب آدمی ہو"۔

جما، مسکرا کر، نہیں نہیں میں آدمی نہیں ہوں ثریا بی! آتے وقت میرا ہاتھ تم سے چھوٹ گیا۔ اس لئے میں تم سے الگ ہو گیا۔

پھر اُنھوں نے مکھی بی کو دیکھ کر کہا "عمر دراز منی بیگم! آپ کو یہ کہاں مل گئی" "عمر دراز مسٹر جما۔ راستے میں ان سے ملاقات ہو گئی۔ میں نے کہا چلئے میں بھی چلتی ہوں اور پھر ہم لوگ ساتھ ہو گئے"!

"اچھا چلئے چلئے۔ دعوت شروع ہو چکی۔ بینڈ بھی بج رہا ہے"۔ مسٹر جما اس طرف جانے لگے۔ جہاں پر بہت سے پرندے، کیڑے اور مچھلیاں کرسیوں پر بیٹھے تھے۔ دعوت شروع ہو چکی تھی کل مہمان کرسیوں پر بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ سامنے میزیں لگی تھیں۔ ثریا ان کو حیرت سے دیکھ رہی تھی۔ مسٹر جما کنارے پر ایک خالی میز دیکھ کر جلدی سے کرسیوں کو گھسیٹ کر خود بھی بیٹھ گئے اور ثریا اور منی بیگم کو بھی بٹھا دیا۔

(باقی آئندہ)



# برسات

قمر

کالی کالی گھٹائیں آئیں
اُودے اُودے بادل آئے
رم جھم رم جھم پانی برسا
ندی نالوں میں بہ نکلا
چاروں طرف چھائی ہریالی
گلشن میں جو بھی جو پھولی
یہ سب قدرت ہے اس رب کی

ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں آئیں
بجلی دامن میں لے آئے
دم کے دم میں زمانہ بدلا
جھیل اور تالاب ہو گئے جل تھل
گہری سبزی، کالی کالی
اس کی خوشبو ہے البیلی
روزی ہے جس کے ہاتھ میں سب کی

کیوں نہ قمرؔ حمد اس کی کریں ہم
اس کے آگے سر کو کریں خم

# نپولین

فضل الدین صاحب اثر ایم۔ اے

بحرِ رومؔ[1] میں کورسکا نام کا ایک جزیرہ ہے۔ اگر ہم آج سے قریب ڈیڑھ سو برس پہلے اس جزیرے کے ایک شہر اجاکسیو میں صبح صبح سیر کے لئے نکلتے تو ہمیں سڑک پر ایک خوب تندرست اور توانا لڑکا ملتا اس لڑکے کی عمر اس وقت کوئی ۸ سال ہوگی۔ یہ لڑکا اسی سڑک سے روز مدرسے جایا کرتا تھا ایک ہاتھ میں کتابیں ہوتی تھیں اور ایک میں کپڑے میں بندھی ہوئی کچھ روٹی۔ اس لڑکے کا نام نپولین تھا۔

اس سڑک پر نپولین کے راستے میں سپاہیوں کی ایک بیرک بھی پڑتی تھی۔ ایک دن نپولین نے ایک سپاہی کو بیرک کے دروازے پر جَو کی روٹی کا ایک ٹکڑا کھاتے دیکھا۔ نپولین نے اپنی گیہوں کی روٹی سپاہی کو دے کر جَو کی روٹی کا ٹکڑا اُس سے مانگا۔ سپاہی نے نپولین سے پوچھا "تم ایسا کیوں کر رہے ہو؟" نپولین نے جواب دیا "سپاہی جَو کی روٹی کھاتے ہیں اور مجھے ایک دن سپاہی بننا ہے۔ اِس لئے مجھے جَو کی روٹی کھانے کی ابھی سے عادت ڈالنی چاہیئے"

بات اصل میں یہ تھی کہ فرانس اور کورسکا پر دولت مندوں کا راج تھا۔ غریب کسی گنتی میں نہ تھے۔ نپولین کو یہ بات بہت بُری لگتی تھی۔ خود نپولین کی ماں کو حکومت کی سختیوں سے تنگ آکر اپنا گھر بار چھوڑ دینا پڑا تھا۔ نپولین کی ماں بہت خوب صورت عورت تھی۔ اور اس میں ایک ملکہ کی سی آن بان تھی۔ نپولین نے بڑے ہو کر جب اپنی ماں سے اس کی مصیبتوں کا حال سُنا تو اُس نے اُسی وقت سے ارادہ کر لیا کہ وہ یا تو کورسکا کا سپاہی بنے گا یا اس کا مؤرخ۔

جب نپولین نو سال کا ہوا تو اُسے فرانس کے ایک اسکول میں بھیجا گیا۔ لیکن یہاں وہ اپنے ساتھ پڑھنے والے لڑکوں سے دور ہی دور رہتا تھا۔ کیونکہ وہ اُنھی دولت مندوں کے لڑکے تھے جن کی حکومت

---

[1] یہ مضمون مسٹر فلس رگ کا ایک انگریزی مضمون پڑھ کر لکھا گیا ہے۔

نے نپولین کی ماں کو گھر سے بے گھر کر دیا تھا۔ نپولین نہ اُن سے بات چیت کرتا اَور نہ اُن کے کھیلوں میں شریک ہوتا۔ مگر یہ تو وہ شور بھی کرتا اَور کبھی کبھی تیزی میں لوگوں سے لڑ بھڑ بھی لیتا لیکن مدرسے میں بالکل چُپ چاپ رہتا تھا۔ اپنا کام البتہ بڑی محنت سے کرتا۔ حساب سے اُسے خاص دِلچسپی تھی۔

تھوڑے دن کے بعد نپولین پیرس کے ایک فوجی مدرسے میں بھیجا گیا اَور ۱۶ سال کی عمر میں وہ نائب لفٹنٹ کی حیثیت سے فرانسیسی فوج میں داخل ہو گیا۔ اس وقت اسے قریب تیرہ روپئے ہفتہ تنخواہ ملتی تھی۔ نپولین تنہا رہتا تھا اَور بہت ہی کم لوگوں سے اس کی رسم وراہ تھی۔ وہ فرصت کا سارا وقت کتابیں پڑھنے میں صرف کرتا تھا۔ کتابیں خود نہیں خرید سکتا تھا تو دُوسروں سے مانگ لاتا تھا اسے وہ کوئی شرم کی بات نہیں سمجھتا تھا۔

اس وقت فرانس میں بعض بڑی اچھی اچھی کتابیں چھپ رہی تھیں۔ اُن میں سے ایک کتاب خاص طور سے نپولین کو پسند تھی۔ یہ کتاب فرانس کے ایک نوجوان روسو نے لکھی تھی۔ روسو کی کتاب کا پہلا ہی جملہ یہ تھا: ”اِنسان آزاد پیدا ہوتا ہے لیکن ہر جگہ وہ زنجیروں میں جکڑا ہوا نظر آتا ہے“۔ روسو نے اپنی اس کتاب میں تمام نوجوانوں کو اِس بات پر اُبھارا تھا کہ انھیں یہ زنجیریں کاٹ کر اِنسان کو پھر آزاد کر دینا چاہیے

نپولین نے یہ کتاب پڑھ کر ایسا محسوس کیا کہ گویا وہ خود بھی اِن زنجیروں کو کاٹنے کے لئے پیدا ہوا ہے جنھوں نے اِنسان کو غلام بنا رکھا ہے۔

فرانس میں اِن دِنوں ایک بادشاہ لوئی شش دہم کی حکومت تھی۔ لوئی اَور اس کی ملکہ عیش کے بندے تھے۔ یہ دونوں پیرس کے قریب وارسائی میں ایک بہت عالی شان محل میں رہتے تھے۔ ہر وقت بے شمار نوکر چاکر اَور درباری بادشاہ اَور ملکہ کے آگے ہاتھ باندھے کھڑے رہتے تھے۔ صرف ایک شہزادی کے لئے اسّی خادم مُقرر تھے لیکن اس تمام شان وشوکت کے لئے غریبوں کی رگوں کا خون نچوڑ کر روپیہ اکٹھا کیا جاتا تھا۔ کسانوں کے کھیت امیروں کے پالتو کبوتر چُگ جاتے تھے۔ پھر جب بادشاہ اَور درباری شکار کے لئے نکلتے تو ہری بھری کھیتیوں کو جانوروں کی طرح روندتے ہوئے نکل جاتے تھے، لیکن کسی کو ہونٹ ہلانے کی ہمّت نہ ہوتی تھی۔

آخر ایک دن صبر کا پیالا بھرتے بھرتے چھلکا۔ اس وقت تک بہت سے لوگ روسو کی کتاب پڑھ چُکے تھے اَور اُنھوں نے پُورا اِرادہ کر لیا تھا کہ وہ ظلم کی لہر کو اب آگے نہیں بڑھنے دیں گے۔ بعض جگہ کسان امیروں کے مُقابلے پر آ گئے اَور اُنھیں شکار سے روکا۔ فرانس کے کسانوں کی دیکھا دیکھی کور سکا میں بھی لوگوں نے ہمّت سے کام لینا شروع کیا۔ نپولین

فوراً پیرس سے کورسکا پہنچا لیکن کورسکا والوں نے نپولین پر بھروسا نہیں کیا۔ نپولین کے پورے خاندان کو کورسکا چھوڑ کر فرانس میں پناہ لینی پڑی۔

پیرس میں بغاوت کی آگ اب پوری طرح بھڑک چکی تھی۔ اور سب سے پہلا کام جو باغیوں نے کیا وہ یہ تھا کہ لوئی، لوئی کی ملکہ اور لوئی کے بہت سے درباریوں کو قتل کر ڈالا اس وقت حالات اس قدر نازک تھے کہ ہر شخص کو اپنی جان خطرے میں نظر آتی تھی نپولین کو لوگوں کی اس بے راہ روی سے رنج ضرور ہوا لیکن جب جرمنی، آسٹریا اور برطانیہ کے بادشاہوں نے فرانس کے امیروں کے لئے فوجیں بھیجنا شروع کردیں تو نپولین کو غصہ آیا اور وہ ایک سچے وطن پرست سپاہی کی طرح ان فوجوں کے مقابلے کو اٹھ کھڑا ہوا۔ آخر نپولین کو کامیابی ہوئی اور اسے فوج کا جنرل بنا دیا گیا نپولین نے اب یورپ کے دوسرے ملکوں کو بھی خود غرض بادشاہوں کے چنگل سے چھڑانے کی سوچی۔ اٹلی اور بلجیم وغیرہ ملکوں میں غیر بادشاہوں کی حکومت تھی جب نپولین ان کی آزادی کا ذمہ دار بن کر کھڑا ہوا تو بچہ بچہ اسے دعائیں دینے لگا تلوار چلتی تھی۔ کشت و خون ہوتا تھا لیکن لوگوں کو یہ اطمینان تھا کہ اگر وہ نہیں تو ان کے بچے آزاد لوگوں کی زندگی بسر کرسکیں گے۔ یہی جذبہ ہر شخص کو آگے بڑھائے گیا۔ نپولین کا ارادہ تھا کہ وہ ایک قدم بڑھا کر دریا انگلستان کے اس پار انگلستان میں بھی شہنشاہیت کا چراغ بجھا دے۔ لیکن وہ ایسا نہ کرسکا۔ البتہ اس کی فوجوں کو اٹلی، بلجیم، پرشیا اور اسپین سب ہی جگہ فتح ہوتی رہی۔

۱۷۹۹ء میں نپولین کو فرانسیسی جمہوریت کا صدر بنا دیا گیا۔ اب لوگ بہت خوش تھے۔ کسان جب صبح کھیت جوتنے نکلتے تو انھیں اطمینان ہوتا کہ جو زمین وہ جوت رہے ہیں وہ زمین اب ان کی ہے وہ نئے شوق کے ساتھ اپنی گایوں کے دودھ سے گھی اور مکھن نکالتے اور خود خرچ کرنے کے بعد جو کچھ بچتا اسے بازار میں بیچ دیتے۔ اس لئے اب چاروں میں ان کے ہاں برگرم کپڑے بھی نظر آنے لگے اور ان کے چھپروں اور کھپریلوں کی شکل و صورت بھی بدلنے لگی یہی نہیں بلکہ ان کے بچوں کی تعلیم کے لئے جا بجا مدرسوں کا بھی انتظام تھا۔ نپولین کو اپنی ان خدمتوں کا صلہ یہ ملا کہ فرانس والوں نے اسے اپنا شہنشاہ بنا لیا۔

نپولین اگر اپنا کام اسی طرح فرانس میں جاری رکھتا تو کوئی بات نہ تھی۔ لیکن اس کے دماغ میں ایک بڑا عجیب خیال سما گیا۔ وہ سوچنے لگا کہ وہی دنیا کا سب سے بڑا آدمی ہے اور دوسرے ملکوں سے غلط حکومت مٹا کر صحیح حکومت قائم کرنا بھی اسی کا کام۔ اس نے پھر تلوار بے نیام کرلی اور یورپ کی سرزمین پر پھر

خون برسنے لگا۔ نپولین کی اس بات سے خود اس کے ہم وطن بھی خوش نہ تھے۔ فرانس کے لوگ چاہتے تھے کہ اب وہ اپنے اپنے گھروں میں آرام سے رہیں۔ دن بھر کھیتوں میں کام کریں اور شام کو آگ کے چاروں طرف بیٹھ کر خوشی کے گیت گائیں۔ لیکن ایسا نہ ہو سکا نپولین نے بے شمار بیویوں کو بے سہارا کرکے، لاتعداد ماؤں کی گودیں ویران کرکے اور بے انتہا بہنوں کا سکھ چھین کر نوجوانوں کی ایک بہت بڑی فوج بنائی فرانس ہی نہیں دوسرے ملکوں کے لوگوں نے بھی جب یہ دیکھا کہ ان کی کھیتیاں بے ضرورت روندی جا رہی ہیں اور انھیں فرانسیسی سپاہیوں کو زبردستی رہنے سہنے اور کھانے پینے کا سامان دینا پڑتا ہے تو وہ بھی بہت دکھی ہوئے۔ انگلستان نپولین کے خطرے سے پہلے ہی سے ہوشیار تھا۔ چنانچہ اس سے پہلے کہ نپولین رودبارِ انگلستان پار کرکے انگلستان میں قدم رکھ سکے نیلسن نامی ایک مشہور بحری فسر نے ٹرافلگر مقام پر نپولین کے سمندری بیڑے کو ختم کر دیا۔

نپولین سے ابھی ایک اور بڑی غلطی ہونی تھی۔ اُس نے روس پر چڑھائی کر دی۔ روسیوں نے ہر چیز کو جس سے نپولین کے سپاہی فائدہ اُٹھا سکتے تھے تباہ کر دیا۔ یہاں تک کہ پورے ماسکو کے شہر میں آگ لگا دی۔ نپولین اور نپولین کے سپاہیوں کی تکلیف کا کوئی اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ نپولین نے بالآخر واپسی کا ارادہ کیا۔ لیکن سردی کا موسم شروع ہو چکا تھا۔ روز بروز برف شدت سے پڑنے لگی اور فرانس واپس پہنچتے پہنچتے اس کے پانچ لاکھ سپاہی سردی کی شدت اور بھوک سے ہلاک ہوگئے۔ اب نپولین بالکل بے دست و پا تھا۔ اس کے دشمنوں نے مل کر اُسے بحرِ روم کے ایک جزیرے ایلبا میں قید کر دیا اور فرانس میں ایک نئے بادشاہ کو تخت پر بٹھا دیا۔

نپولین کو ایلبا گئے ہوئے دس ہی مہینے گذرے تھے کہ ایک رات فرانس کے ساحل پر ایک جگہ کچھ کشتیاں آکر لگیں۔ فوراً ہی عوام میں خبر پھیل گئی کہ اُن کا شہنشاہ واپس آگیا ہے۔ اور واقعتاً نپولین فرانس واپس آگیا تھا۔ فرانس کے لوگوں کے دلوں میں ایک بار پھر نپولین کی محبت لہریں مارنے لگی بہت سے پرانے سپاہی اپنی پچھلی مصیبتیں بھول کر اس کے پاس آگئے۔ نپولین جہاں جاتا مردوں، عورتوں اور بچوں کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو اُمنڈ آتے رفتہ رفتہ نپولین کے ساتھیوں کی تعداد بڑھتی گئی بالآخر ایک دن وہ وارسائی کی طرف بڑھا۔ بادشاہ وہاں سے فرار ہوگیا۔ اور ایک مرتبہ پھر نپولین کی بادشاہت کا اعلان کر دیا گیا۔ لیکن انگلستان، بلجیم اور جرمنی کی فوجیں مل کر نپولین کے مقابلے کو

اُٹھ کھڑی ہوئیں اور نپولین کو بلجیم میں واٹرلو مقام پر شکست ہوگئی۔ یہ واقعہ ۱۵؍جون ۱۸۱۵ء کا ہے۔ نپولین کو پھر قید کر لیا گیا اور اس مرتبہ بحرِ اٹلانٹک کے ایک جزیرے سینٹ ہیلینا میں اُسے رکھا گیا

نپولین یہاں آکر اکثر بیمار رہا کرتا تھا۔ اُس کے پیٹ میں خاص طور سے بہت سخت درد ہوتا تھا لیکن اُس نے مرتے دم تک کبھی گھبراہٹ ظاہر نہیں کی بالآخر ۵؍جولائی ۱۸۲۱ء کو اُسے اس زندگی سے نجات مل گئی

# سال گرہ نمبر ۱۹۴۰ء

## رائے عالی - عالی جناب ناظم تعلیمات سرکار عالی - حیدر آباد دکن

بسلسلہ مراسلہ دفتر ہذا نشان (۷ ۴ ۱۲) م ۲۷؍تیر سنہ ۵۰ ف ترقیم ہے کہ سال نامہ پیامِ تعلیم زیرِ بحث کے متعلق عالی جناب مولوی سید محمد اعظم صاحب ایم اے کنٹب منصرم ناظم تعلیمات نے حسبِ ذیل رائے کا اظہار فرمایا ہے۔

"کم سن طلبا و طالبات کے لئے یہ ایک دلچسپ مفید سبق آموز اور کامیاب سعی ہے۔ جو اس قبیل کے دیگر سالناموں میں امتیازی حیثیت رکھتی ہے۔ اور یقیناً مقبول ہوگی۔ فقط

کمال رضا
(مددگار ناظم تعلیمات)



# چاند اور سورج کی کہانی

اعظم نادری سدرث بیڈر آبادی

گرمی کا موسم تھا چاندنی رات۔ میں اور میری بہن سلمیٰ کھانا کھا کر صحن میں چارپائی پر لیٹ گئے۔ اتنے میں دادی ماں بھی اپنی چارپائی پر بیٹھ گئیں۔ نو بج چکے تھے۔ ہم نے سونے کی کوشش کی مگر نیند نہ آئی تھی۔ میں نے دادی ماں سے کہا " دادی ماں نیند نہیں آ رہی ہے کوئی اچھی سی کہانی سنائیے۔" سلمیٰ نے بھی میری تائید کرتے ہوئے کہا " ہاں دادی ماں کل آپ نے کہانی سنانے کا وعدہ بھی تو کیا تھا اب اُسے پورا کیجئے" دادی ماں بگڑ کر بولیں " تم لوگوں کو بس یہی ایک چیز یاد ہے ہر وقت کہانی کہانی چلاتے رہتے ہو دن کو تو اپنی شرارتوں سے ناک میں دم کرتے ہو اور رات کو کہانیوں کے لیے ضد کرتے ہو بھئی میں تو تم لوگوں سے عاجز آ گئی ہوں۔" مگر ہم کہاں ماننے والے تھے دادی ماں کو کہانی کہنے پر مجبور کر ہی دیا۔ وہ سنبھل کر بیٹھ گئیں اور ہم اُن کے قریب ہو گئے اُنھوں نے ایک گلوری کھاتے ہوئے یوں کہنا شروع کیا۔

بہت پرانے زمانے کا ذکر ہے کسی جنگل میں ایک لکڑہارا اپنی بیوی کے ساتھ رہا کرتا تھا۔ دونوں میاں بیوی ہنسی خوشی زندگی بسر کر رہے تھے مگر انھیں ایک بات کا بہت غم تھا۔ اُن کے ہاں کوئی اولاد نہیں تھی وہ اولاد کے لئے خدا سے ہر وقت دُعا مانگتے رہتے تھے۔ آخر اُن کی دُعا قبول ہوئی اور اُن کے ہاں دو خوب صورت لڑکے پیدا ہوئے بس پھر کیا تھا لکڑہارا اور اس کی بیوی دونوں مارے خوشی کے پھولے نہ سماتے تھے۔ منہ مانگی مراد بر آئی اُنھوں نے بڑے لڑکے کا نام سورج رکھا اور چھوٹے کا چاند۔ چاند اور سورج کے ماں باپ نے انھیں بڑی محنت سے پالا اور ہر وقت اُن کے آرام کا خیال رکھا۔

ایک دن لکڑہارا یکایک بیمار ہو گیا اور ایسا بیمار ہوا کہ بے چارے کو زندگی سے ہاتھ دھونا پڑے لکڑہارے کی بیوی اپنے شوہر کے یکایک مر جانے پر بہت رنجیدہ رہتی مگر دونوں بیٹوں کو دیکھ کر اس کی کچھ ڈھارس بندھ جاتی۔ اُس نے محنت مزدوری

کرکے چاند اور سورج کو پالا، پوسا اور پروان چڑھایا۔ سال پہ سال گذرے چاند اور سورج بڑے ہوگئے۔ ان میں سورج تو بہت ناکارہ اور شرپر نکلا ہر وقت اپنی ماں کو ستاتا اور دِق کرتا رہتا تھا۔ ماں بے چاری صبر کرتی اور چُپ رہ جاتی مگر چاند بہت نیک اور فرماں بردار ثابت ہوا وہ ہر وقت اپنی ماں کی خدمت کیا کرتا اور ہمیشہ اُسے خوش رکھنے کی کوشش میں لگا رہتا۔ ماں بھی چاند کو بہت چاہتی تھی۔ سورج یہ دیکھ کر دل ہی دل میں جلا کرتا۔

لکڑہارے کی بیوی اب بوڑھی ہوگئی تھی آئے دِن کچھ نہ کچھ بیمار رہتی۔ مگر اُس نے اُس کی کبھی پروا نہ کی اور ہر وقت محنت مزدوری میں لگی رہتی۔ آخر بیماری زیادہ بڑھ گئی اور اس کی طبیعت بہت ہی خراب ہوگئی۔ چاند ہر وقت اپنی ماں کے پاس رہتا اور اس کی تیمارداری کیا کرتا مگر سورج اپنے دوستوں کے ساتھ کھیلنے میں مصروف رہتا۔ ایک دن لکڑہارے کی بیوی کی حالت بہت خراب ہوگئی اور آخری وقت قریب آگیا۔ چاند اور سورج اپنی ماں کی چارپائی کے پاس بیٹھے تھے۔ چاند زار و قطار رو رہا تھا مگر سورج پر کوئی اثر ہی نہ تھا۔ اس کی آنکھ سے ایک آنسو بھی نہ ٹپکا۔ لکڑہارے کی بیوی نے کانپتی ہوئی آواز میں پانی مانگا۔ اُس کے دونوں بیٹے پانی کے لئے دوڑے۔ کچھ دیر کے بعد سورج ایک لوٹے میں گرم پانی لے آیا۔ اُس کی ماں نے پانی نہ پیا اور اُسے گھور کر کہا "خُدا کرے تو ہمیشہ جلتا رہے"۔ اتنے میں چاند بھی ایک ستھرے پیالے میں ٹھنڈا پانی لے آیا اور اپنی ماں کو پلانے لگا اُس کی ماں نے اُس کو خوب دعائیں دیں اور کہا "میرے بچے تو ہمیشہ ٹھنڈا رہے گا" یہ کہہ کر لکڑہارے کی بیوی مرگئی۔ تو یہ چاند اور سورج جنھیں تم روز دیکھتے ہو اُسی لکڑہارے کی بیوی کے بیٹے ہیں ایک تو جل رہا ہے اور اپنے کیے کی سزا بھگت رہا ہے دوسرا ٹھنڈا ہے اور دوسروں کو اپنی ٹھنڈک پہنچا رہا ہے۔" یہ کہہ کر دادی ماں خاموش ہوگئیں۔ سلمیٰ سوچکی تھی۔ مجھے بھی نیند آرہی تھی میں نے ایک انگڑائی لیتے ہوئے نیند بھری آنکھوں سے چاند کو دیکھا وہ مسکرا رہا تھا۔



# ایک معلّم کی زندگی

عبدالغفار صاحب مدھولی

پچھلے پرچے میں ایک مضمون چھپا تھا "ایک معلّم کی زندگی" جس کا سر نہ پیر۔ پیامی پڑھ کر بہت حیران ہوئے ہوں گے اس مضمون کے ساتھ ایک تمہید بھی تھی۔ کاتب صاحب کی غلطی سے وہ تمہید لکھنے سے رہ گئی اب اسے یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

"ماسٹر عبدالغفار صاحب مدھولی ہماری جامعہ میں بچّوں کے بہت کامیاب اُستاد ہیں۔ اُنھیں بچّوں کے لئے کتابیں لکھنے کا بھی خوب ملکہ ہے۔ اُن کے کئی ڈرامے (بچّوں کے لئے) مکتبے سے شائع ہو چکے ہیں۔ یہ ڈرامے بچّوں نے اتنے پسند کئے کہ مکتبے کو بار بار چھاپنا پڑے۔ شاید تمھاری نظر سے بھی گذرے ہوں۔ اب ماسٹر صاحب نے ایک اور بڑا کام کیا ہے۔ بہت بڑا کام! اُنھوں نے اپنی زندگی کے حالات لکھے ہیں۔ یہ حالات کچھ ایسے دلچسپ انداز میں ہیں کہ بس پڑھے جاؤ۔ ان کے پڑھنے سے ایک اور فائدہ ہے۔ جامعہ ملیہ کی ۴۰ سال کی تاریخ نظروں کے سامنے آجاتی ہے۔ یہ آپ بیتی کتاب کی شکل میں چھپے گی۔ ہماری درخواست پر ماسٹر صاحب نے اس داستان کا ایک حصّہ پیام تعلیم میں چھپنے کے لئے مرحمت فرمایا ہے یہ پیام تعلیم کے دو تین نمبروں میں مسلسل چھپے گا۔"

(ایڈیٹر)

بہت چھوٹے بچّے یعنی تیسری چوتھی جماعت والوں نے کہا کہ ایک ڈراما ایسا بھی کروائیے۔ جس میں ہم ہی ہم ہوں۔ اس مطلب کے لئے غلام عباس صاحب کا لکھا ہوا ڈراما "ثریّا کی گڑیا" بہت موزوں تھا۔ اس میں کام کرنے والے دو بچّیاں اور ایک بچّہ ہے۔ ایک بچّی جس کی عمر ۷ سال کی ہوگی۔ اپنی سہیلیوں کو گڑیوں کا گھر دکھانے کے لئے چائے پر بُلاتی ہے۔ اس کا چھوٹا بھائی (عمر ۶ سال) دعوت کی چیزیں ہضم کرنے کے لئے طرح طرح سے پریشان کرتا ہے۔ اس دوران میں بہن کو ایک ترکیب سوجھتی ہے۔ وہ بھائی کو کل پُرزوں کے ذریعے چلنے والی گڑیا بنا لیتی ہے۔ سہیلی کے آنے پر یہ بندہ گڑیا طرح

طرح کے کھیل تماشے دکھاتی ہے۔ چائے کا سامان گڑیوں کا پٹارہ۔ ایک پردہ اور صرف تین بچوں کے ذریعے یہ تمثیل نہ صرف مدرسے بلکہ گھروں میں آسانی سے کھیلی جا سکتی ہے۔ زبان میں مٹھاس ہے۔ چھوٹے چھوٹے جملے ہیں اس عمر میں بچے جس طرح بولتے اور اپنی ادائیں دکھاتے ہیں۔ اسی انداز میں بکھلنے کی بڑی خوبی یہ ہے کہ زی گفتگو ہی نہیں ہے۔ اداکار کچھ نہ کچھ کرتے ہوئے بولتے ہیں۔ اس لئے اور بھی لطف آتا ہے۔ میں ہر سال کسی نہ کسی جماعت میں اسے سناتا ہوں۔ سننے اور سنانے والوں میں سے کوئی بھی نہیں اکتاتا ہے (اگر تمھیں یاد ہو تو اس کتاب کی تمہید میں بھی اس کا ذکر کیا ہے۔) وہ بچے جو ڈرامے کا مطلب اور اس کے کھیلنے کے طریقے نہ جانتے ہوں اگر اس کو ان کے سامنے کوئی ٹھیک سے پڑھ کر سنائے تو نہ صرف بات سمجھ میں آ جائے گی۔ بلکہ جی چاہے گا کہ اسے کھیل ہی لیں۔ ہمارے مدرسے میں لڑکیاں نہ ہونے کی وجہ سے میں نے یہ ڈراما سہیلیوں کی جگہ دوست فرض کر کے تاسیس کے موقع پر کرایا تھا۔ گڑیوں کا کھیل چھوٹے لڑکے اور لڑکیاں سب ہی کھیلتے ہیں۔ اس لئے اس تبدیلی کا کوئی پتہ نہ چلا۔ میاں مسعود (جو اس سال مسعود حسین خاں کے نام سے ایم اے کا امتحان دینے والے ہیں۔) زندہ گڑیا بنے تھے۔ نگینے کے شاہد (سنا ہے اب شادی ہو گئی ہے) مسعود کے بڑے بھائی اور قائم گنج کے شفیق شاہد کے دوست بنے تھے۔

اس ڈرامے میں اس وقت بڑا مزہ آیا۔ جب مسعود کے بھائی نے اُن کے چہرے پر رنگ کے نشان لگا کر گڑیا کا لباس پہنا کر پردے کے پیچھے چھپا دیا تاکہ آنے والے دوست مہمان کے سامنے گڑیا کے طور پر پیش کر سکے۔ دوست نے دروازہ کھٹکھٹایا اس پر مسعود پردے کے پیچھے سے بولے "بھیا یہ نہیں میرے بس کی بات مجھے بڑے زوروں کی بھوک لگ رہی ہے۔"

مسعود کے بھائی نے کہا "ند یدے مہمان آ رہے ہیں۔ ذرا دیر کے لئے چپ رہو۔ اچھا نکالو باہر اپنا ہاتھ۔"

مسعود نے اپنا ہاتھ باہر کیا۔ بھائی نے ہتیلی پر بتاشے رکھ دیے۔ تب جا کر یہ خاموش ہوئے۔

دوسرا ڈراما "اسکول کی زندگی" عید کے موقع پر کھیلا گیا تھا۔ میں جس وقت میٹرک میں پڑھ رہا تھا۔ (Naganathan at School) نامی کتاب نصاب میں تھی اُس کے پلاٹ سے یہ ڈراما تیار کیا تھا بھولے ناگناتھن کا پارٹ عرفان نے۔ دو شریر لڑکوں کا کام قائم گنج کے سراج اور سعد انصاری صاحب کے بھائی شعیب نے کیا تھا۔ طیب بھائی نے کیلاٹ صاحب کی۔ نبی احمد نے ڈاکیے کی نقل خوب اُتاری

تھی۔

ڈراموں کا یہ کام پُرانا ہوتا جا رہا تھا۔ میں نے سوچا کہ اب کسی نئی چیز کی طرف توجہ کرنی چاہیئے۔ اس دفعہ پڑھنے پڑھانے کے طریقوں کی طرف دھیان دینا شروع کیا۔ یہ چیز مجھے پسند نہ آئی۔ کہ ایک اُستاد مختلف جماعتوں کو پڑھا رہا ہے۔ کسی کی اُردو ہے تو کسی کا حساب، کہیں تاریخ تو کہیں جغرافیہ۔ گھنٹہ بجتے ہی ایک صاحب سر پر سوار ہیں۔ کیوں صاحب — اس لئے کہ گھنٹہ بج گیا ہے۔ جماعت خالی کر دیجئے۔ اب سوچو کہ ایک کام میں دلچسپی بڑھ گئی ہے۔ لڑکے اور اُستاد دونوں چاہتے ہیں کہ یہی کام جاری رہے۔ مگر اس انتظام میں سارا مزا کرکرا ہو جاتا ہے۔ میں نے شیخ الجامعہ صاحب کو درخواست دی کہ میرے ذمے صرف ایک جماعت کے سارے گھنٹے دے دیجئے۔ مجھے یہ جماعت مل گئی۔ بڑی خوشی ہوئی کہ اب گھنٹوں کا جھگڑا جاتا رہے گا کام کرتے کرتے تھک جائیں گے تو تھوڑی دیر سیر کر لیا کریں گے۔ ایک درخواست اس مطلب کی بھی دی کہ اُستادوں کی انجمن میں پڑھانے کے طریقوں پر بات چیت ہوا کرے اور باری باری سے ہر ایک اُستاد نمونے کے سبق پڑھا کر دکھائیں۔ ہمارے شیخ الجامعہ ذاکر صاحب ہیں بڑے سمجھ دار آدمی انھوں نے سوچا کہ اس کا شوق تو رُکے گا نہیں معلوم نہیں یہ اُستادوں کی انجمن میں کیا کیا "گڑبڑ" کرے۔ اس کام کے لئے کچھ اور لائق ہونے کی ضرورت ہے۔ انھوں نے دو باتوں کا انتظام کر دیا۔ ایک تو فوراً ہی ایک اقامت گاہ کا (شگفتہ منزل جس کے اتالیق پہلے سے اختر حسن صاحب تھے۔) اتالیق بنا دیا۔ دوسرے پڑھانے کے طریقوں کی نئی نئی باتیں معلوم کرنے کے لئے موگا بھیجنے کا انتظام کر دیا۔ لیکن موگا چلنے سے پہلے آؤ جامعہ کی کچھ اور سیر کرتے چلیں۔

یہ پہلا سال تھا کہ "یوم تاسیس" منانے کے سلسلے میں ہر ایک جماعت سے تعلیمی کام لیا گیا۔ ذاکر صاحب نے ایک مہینہ پہلے اُستادوں سے بات چیت کر کے اپنی تجویزیں اُن کے سامنے رکھ دی تھیں۔ وہ یہ کہ:-

(۱) ہر ایک جماعت لکھنے پڑھنے سے متعلق کوئی چیز تیار کر کے جامعہ کو تحفہ کے طور پر دے۔ ایک جماعت کئی چیزیں دے سکتی ہے۔

(۲) جلسے کے دن اِن سب تحفوں کی نمائش کی جائے تاکہ ایک دوسرے کے کام سے لڑکے اور مہمان واقف ہو جائیں۔

(۳) ایک طرف مکتبے والے بھی صرف جامعہ کی چھاپی ہوئی کتابیں سجائیں۔

(۴) اور لڑکوں کو مشغول رکھنے کے لئے ڈراما

پھیلا جائے۔

(۵) پیامِ تعلیم والے خاص نمبر نکالیں جس میں زیادہ تر جامعہ کے اُستادوں اور لڑکوں کے مضامین ہوں۔

(۶) اندھا کیا چاہے "دو آنکھیں" جب لڑکوں کو معلوم ہوا تو وہ بہت خوش ہوئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ عید کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ کچھ کرنے کی خوشی میں پہلے سے زیادہ پڑھا لکھا۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ لکھنے پڑھنے کا شوق بڑھتا ہی گیا۔ جماعتوں میں بے رونقی نہ رہی۔ کھلنڈرے لڑکوں کی تو بن آئی دوڑ دوڑ کر کام کرتے تھے۔ شاید تم پوچھو گے کہ آخر وہ کون سے کام ہیں جو لکھنے پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں اور مزہ یہ کہ کھلنڈرے لڑکے بھی پسند کرتے ہیں۔ تو اس کی تفصیل بھی سن لو۔ لیکن چھپانے کی بات نہیں۔ یہ کام زیادہ تر بڑے لڑکے یعنی ثانوی اور کالج والوں کا تھا۔ چلانے کو تو یہ کام ذاکر صاحب نے چلا دیا لیکن وہ خوب سمجھتے تھے کہ یہ کام اُس وقت پائدار رہے گا جب کہ اُس کی بنیادیں مضبوط ہوں۔ (باقی)

# لنگڑا لڑکا

محمد عبدالواسع

جے منگلوری

انگلستان میں ایک جگہ ہے۔ اسٹافورڈشائر بہت دنوں کی بات ہے کوئی دو سو برس پہلے کی یہاں ایک لڑکا پیدا ہوا۔ اپنے ماں باپ کی یہ تیرھویں اولاد تھی۔ ولایت کے لوگوں نیں ایک خاص وہم ہے تیرہ کے عدد کو بہت منحوس سمجھتے ہیں۔ لوگ اِس بچے کو بھی منحوس سمجھتے تھے۔ ماں باپ نے اس کا نام جوشیا رکھا۔

جوشیا کچھ بڑا ہوا تو ماں نے بچوں کے مدرسے میں داخل کرایا۔ یہاں پڑھ چکا تو نیوکاسل کے مدرسے بھیج دیا گیا۔ یہ جگہ اس کے گھر سے کوئی ساڑھے تین میل دور تھی۔ جوشیا تعلیم کے شوق میں بلاناغہ اِتنی دور آتا جاتا تھا۔

جوشیا کو ڈرائنگ سے قدرتی لگاؤ تھا [illegible] کے بہت عمدہ عمدہ پھول بنانے لگا۔ اس کے علاوہ جہازوں کی فوج اور لڑائی کے میدان کی بہت اچھی اچھی تصویریں بنا لیتا تھا۔ اس ہنر کی وجہ سے اپنے ساتھیوں بلکہ تمام مدرسے میں مشہور اور ہر دل عزیز ہوگیا مگر اُستاد اُس کے اِس شوق کو پسند نہ کرتے تھے۔ اِس کے اور بھی کئی اچھے اچھے مشغلے تھے مثلاً پتھر، سیپیاں اور مورتیاں جمع کرتا۔ اس کا کمرہ گویا ایک چھوٹا موٹا عجائب خانہ تھا۔

جوشیا ابھی نو برس کا تھا کہ اس کا باپ مر گیا اب گھر کا خرچ چلنا مشکل ہوگیا۔ مجبوراً اس نو برس کی جان کو لکھنا پڑھنا چھوڑ ایک کارخانے میں نوکری کرنی پڑی۔ پھر وہ وُڈ وِچ کے کارخانے میں چلا گیا یہاں اِس کارخانے میں اس کا بھائی افسر تھا۔ یہ جگہ انگلستان میں چینی کے برتنوں کے لئے مشہور ہے جوشیا کو یہ خیال رہ رہ کر ستاتا تھا کہ وہ اَن پڑھ [illegible] گیا۔ اس زمانے میں انگلستان میں آج کل کی طرح تعلیم کا رواج نہیں تھا۔ اس کا گھر کا [illegible] خاندان میں کوئی بھی اپنا نام تک لکھنا نہیں جانتا [illegible]

جب وہ گیارہ سال کا تھا تو انگلستان میں [illegible] کی وبا پھیلی۔ جوشیا بھی اِس مرض کا شکار ہوا [illegible] خدا کر کے اچھا تو ہوگیا مگر ایک پیر بے کار ہوگیا [illegible]

بھی بدنما ہو گیا۔

چودہ سال کی عمر میں اسی کارخانے میں وہ اپنے بھائی سے کام سیکھنے لگا۔ اپنا کام وہ بہت محنت سے کرتا جُوے اور شراب سے اُسے بہت نفرت تھی۔ کارخانے میں ایسے لوگوں کی کمی نہ تھی مگر یہ ان سب سے الگ تھلگ رہتا۔ بس اپنے کام سے کام رکھتا۔ برتن بنانے کے ہنر میں جوشیا نے نئی نئی باتیں پیدا کیں۔ ان پر طرح طرح کے نئے نئے نقش و نگار بناتا۔ اس کے اِس کام کی وجہ سے کارخانے کا مال بہت نکلنے لگا اور کارخانے والوں کی تجارت خوب چمک گئی مگر اس کے بڑے بھائی کو اس کی یہ جدتیں پسند نہ آئیں اور اُسے کارخانے سے الگ کر دیا۔ جوشیا اب دوسرے لوگوں کے ساتھ مل کر کام کرنے لگا۔ اُسے اپنے شوق کے مطابق چیزیں بنانے کی پوری آزادی تھی۔ آمدنی بھی خوب ہوتی تھی مگر اس کے ساتھی نیت کے اچھے نہیں تھے اور وہ بے چارا ہمیشہ گھاٹے میں رہتا تھا۔ آخر وہ ان سے بھی الگ ہو گیا۔

۲۹ سال کی عمر میں اُس نے خود برتنوں کی تجارت شروع کی۔ روپیہ اُس کے پاس بہت کم تھا۔ پھر بھی وہ بہت خوش تھا۔ خوشی اس بات کی کہ آزادی کے ساتھ اپنی خواہش کے مطابق کاروبار کرے گا۔ اس زمانے میں پاؤں کے درد نے اُسے بہت پریشان کیا۔ کبھی کبھی تو اُسے میز پر پاؤں رکھ کر کام کرنا پڑتا تھا۔ ایک بار کسی اوزار سے پاؤں میں سخت چوٹ لگ گئی اور زخم پڑ گیا۔ مہینوں بستر پر پڑا رہا۔ مگر یہ زمانہ بھی اُس نے بے کار نہیں کھویا۔ کتابیں پڑھتا رہتا یا اپنے کام کے بارے میں نئے نئے خاکوں پر غور کرتا رہتا۔ اُس نے طے کر لیا تھا کہ برتن بنانے کے فن میں کمال حاصل کر کے رہے گا۔

اچھا ہونے کے بعد اس نے پہلے سے بھی زیادہ محنت اور شوق کے ساتھ کام شروع کر دیا۔ نقش و نگار کے ساتھ ساتھ اب وہ برتنوں پر رنگ بھی چڑھانے لگا۔ اس طرح کے رنگے ہوئے برتن دوسرے ملکوں سے آتے تھے اور بہت مہنگے پڑتے تھے۔ یہاں کے یہ برتن ظاہر ہے کہ باہر کے مال سے سستے پڑتے تھے۔ اس لئے اُن کی مانگ بہت بڑھ گئی۔ آہستہ آہستہ تمام تاجر اس قسم کا مال اِسی سے خریدنے لگے۔

جوشیا ایک لڑکی سارہ سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ سارہ کا باپ اس کا رشتہ دار ہی تھا۔ مگر بہت دولت مند تھا۔ وہ اِس رشتے پر رضامند نہ ہوا۔ جوشیا اس بات سے بہت اُداس رہتا ایک دن سارہ کا خط اُسے ملا اس میں لکھا تھا کہ سوائے جوشیا کے اور کسی سے شادی نہ کرے گی۔ اس خط سے اس کی مُردہ اُمیدوں میں نئی جان پڑ گئی اور وہ پہلے سے زیادہ جوش اور ولولے سے کام کرنے لگا۔

اب جوشیا کی تجارت دن پر دن ترقی کر رہی تھی۔ کارخانے میں کاری گر بھی بہت بڑھ گئے۔ وہ اپنے کاری گروں کو نئی نئی ایجادیں بتاتا تھا۔ کاری گر اکثر اس کے انوکھے خیالات سے اُکتا جاتے مگر جوشیا کا شوق اور اُمنگیں دیکھ کر اُن میں بھی تازہ جوش پیدا ہو جاتا اور اس کی ہدایتوں کے مُطابق کام کرنے لگتے آخر ایک دن ایسا آیا کہ وہ چینی کے برتن بنانے کے فن کا سب سے بڑا ماہر سمجھا جانے لگا۔

۳۴ سال کی عُمر میں اس کی شادی سارہ سے ہو گئی۔ یوں سمجھو کہ مدّتوں کی آرزو پوری ہوئی۔ شادی کے چار سال بعد پیر کا درد بہت بڑھ گیا۔ ڈاکٹروں نے مشورہ دیا کہ ٹانگ کاٹ دی جائے۔ اُس زمانے میں بے ہوشی کی دوا تو ایجاد ہوئی نہ تھی اور ہوش و حواس کی حالت میں ٹانگ جیسی چیز کاٹنے میں جو تکلیف ہو سکتی ہے اُس کا تم اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔ مگر جواں مرد جوشیا نے اُف تک نہ کی۔ شہر کے بڑے بڑے لوگ یہاں تک کہ ملکہ اور بادشاہ بھی اس کی مزاج پُرسی کو آئے اور اُس کی جواں مردی پر اُسے مُبارک باد دی۔

آخری عُمر میں جوشیا نے اِٹری ٹوریا کے نام سے ایک گاؤں بسایا اور میاں بیوی وہیں اپنی بیٹی سینا کے ساتھ رہنے لگے۔ سائنس داں چارلس ڈارون کی ماں یہی سینا ہے۔

# ساون

**خلیل الرحمٰن مستقیمی**

ساون آیا، ساون آیا : کوئل نے یہ گیت سنایا
بادل آئے شور مچاتے : ہنستے گاتے ڈھول بجاتے
پانی برسا چھم چھم چھم چھم : کتنا اچھا ہے یہ موسم
ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں کیا ہیں : گویا جنت کا تحفا ہیں
دل کے پودے جاگ رہے ہیں : رنج و الم سب بھاگ رہے ہیں
باغوں میں ہریالی چھائی : ڈالی ڈالی ہے اترائی
آئیں پھر "پی پی" کی صدائیں : کتنی ہیں رنگین فضائیں
جھینگر نے وہ شور مچایا : اپنا دلکش نغمہ گایا
مینڈک ٹرٹر بول رہے ہیں : بھونرے بھی رس گھول رہے ہیں
ناچ رہے ہیں مور بنوں میں : گیتوں سے ہے شور بنوں میں
کیا اچھا جنگل کا سماں ہے : جنگل میں منگل کا سماں ہے
ہرے بھرے پربت کے دامن : بن گئے ہیں اب گویا گلشن

**سیدھا سلطان پور**

نظروں میں ہیں سمائے جاتے : سب کا دل ہیں چرائے جاتے
کھیتوں کا ہے سہانا منظر : دلکش ہے اور ہے جاں پرور
ننھے پودے جھوم رہے ہیں : جھک کر دھرتی چوم رہے ہیں
تالابوں میں چڑیاں آئیں : "قیں قیں" کرکے پھر چلائیں
ہلکی ہلکی سی ہیں پھواریں : اور ان میں بگلوں کی قطاریں
گاؤں میں ہیں جھولے کی بہاریں : سکھیاں سب گاتی ہیں ملہاریں
باغ میں میٹھے آم ہیں پکے : ان میں سے کچھ پیڑ سے ٹپکے
کوئی لال ہے، پیلا کوئی : زرد ہے کوئی، سیندوریا کوئی
کھانے میں ہو کیوں نہ یہ اچھا : یہ تو ہے جنت کا میوا
ہاں اب بادل گھر کر آیا : دیکھو خوب اندھیرا چھایا
ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا آتی ہے : دھیمے دھیمے کچھ گاتی ہے
آہا یہ برسات کا موسم : جنت ہے اب سارا عالم

# ـڑی صاحب

سید ابو تمیم صاحب فرید آبادی۔

مجھے صبح شام سیر کرنے کی عادت ہے۔ مگر اکیلا آدمی گھبراتا ہی رہتا ہے۔ سوچا تھا کہ کوئی ساتھی مل جائے تو سیر کا لطف بڑھ جائے مگر کوئی اللہ کا بندا دو میل پیدل چلنے کی حامی ہی نہ بھرتا تھا۔

میں نے عُبید خاں کو گانٹھا۔ یہ بڑے مستعد ہیں۔ اور بے چارے سارے دن کولھو کے بیل کی طرح کتابیں ہی لادے پھرتے ہیں۔ ایک گھنٹہ بھی نہیں کھیلتے۔ ان سے میں نے کہا "مسٹر عبید آپ پاگل ہو جائیں گے" انھوں نے پوچھا جی کیسے؟ میں نے کہا "ایسے کہ آپ پڑھتے تو ہیں بیس گھنٹے اور کھیلتے نہیں بیس منٹ کو بھی۔ بس یہ پاگل بن جانے کی نشانی ہے" انھوں نے جواب دیا "چچا جان کیا کریں۔ ہمیں کوئی اپنے ساتھ کھلاتا ہی نہیں۔ ہمارے جو ساتھی کھیلنے میں استاد ہیں وہ پڑھنے میں صفر ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ عُبید تم ہمارے ساتھ نہیں کھیل سکتے۔ جاؤ اپنے مہربان استادوں کے ساتھ کھیلو۔ جو تمھاری بڑی آؤ بھگت کرتے ہیں۔ اب بتائیے میں کیا کروں۔ کس استاد سے کہوں کہ آئیے میرے ساتھ کھیلیے"

میں نے کہا تم میرے ساتھ کھیلا کرو۔ بس آج سے میرے ساتھ سیر کو چلا کرو۔ میں تم کو بڑی عمدہ قسم کی ورزشیں بھی بتا دوں گا"

عُبید صاحب تیار ہو گئے اور ہماری سیر مزے دار ہو گئی۔

روزانہ وہ اندھیرے سے غل مچاتے آتے اور مجھے لے جاتے۔ راستے میں میری اُن کی باتیں بھی ہوتیں۔ آخر وہ گونگے تھے نہیں۔ اُن کی باتوں سے پتہ چلا کہ اُن کے بڑے اور چھوٹے دونوں بھائی اس بات سے خفا ہیں کہ عُبید کیوں سیر کو جاتا ہے میں نے عُبید صاحب سے کہا کہ اُن کی یہ بات بہت بے موقع ہے۔ اُن کا جی چاہے تو وہ بھی تمھارے ساتھ آ جایا کریں مگر وہ ایسے جل ککڑے تھے کہ نہ تو ساتھ سیر کو آتے نہ عُبید کا سیر کرنا گوارا کرتے۔

دو ہی ہفتے بعد میں نے اُن کو سکرٹری صاحب کا خطاب دے دیا۔ علاوہ سیر کے وقت کے وہ اکثر میرے پاس بیٹھے رہتے اور اسکول کا کام کرتے رہتے۔ میرے بھی بہت سے کام بچارے کر دیا کرتے تھے۔ میں اُن کے مشکل سوالوں میں مدد دے دیا کرتا تھا۔

سکرٹری صاحب کا خطاب ملنے سے اُن کے بھائی بہت جلے اور اُنھوں نے ترکیب ستانے کی یہ نکالی کہ ہمارے واپس آنے سے پہلے اپنی اماں کو ڈرا ڈرا کر اور شور مچا کر ناشتہ کرنے کو کہتے اور بچارے سکرٹری صاحب کا حصہ بھی چھین جھپٹ کر کھا لیا کرتے۔ دو چار دن تک تو سکرٹری صاحب کچھ مجھ سے بولے نہیں آخر یہ راز بچارے نے بھرّائی ہوئی آواز میں بتا دیا۔ میں نے یہ ترکیب کی کہ اُن کو ناشتہ اپنے ساتھ کروانے لگا۔ اور اُن کے جل ککڑے بھائیوں سے کہا کہ اب عنقریب میرا سکرٹری گاما پہلوان بن جائے گا۔ وہ سیر کرتا ہے، دوڑتا ہے ورزش کرتا ہے اور واپس آن کر دودھ، مکھن اور انڈا کھاتا ہے اور مٹھائی بھی۔ ہاں جناب"۔

سکرٹری صاحب کے چھوٹے بھائی میرے فقرے میں آ گئے۔ اُن کا مُنہ ذرا سا نکل آیا۔ بڑی دیر بعد بولے کہ ہم کو بھی سیر کو لے جایا کیجئے۔ میں نے کہا بے شک سیر کو چل سکتے ہو مگر ناشتہ تم اپنے گھر ہی کیا کرنا۔

اُن کو ناشتے سے مطلب تھا۔ یہ جواب سن کر خفا ہوتے چلے گئے اور اماں سے شکایت کی کہ دیکھئے وہ عُبید خاں بڑا بدنیت ہے۔ ناشتے کے مارے سیر کو جاتا ہے۔ مجھ سے بہتیرا چچا جان نے کہا کہ ناشتہ کر لو مگر میں کیا بدنیت تھا۔ غرض اس طرح اُنھوں نے اپنے بڑے بھائی کو بھی بھڑکا دیا اور اپنی آپا خفیہ کو بھی بھڑکا دیا۔

اب جو سکرٹری صاحب گھر میں گھسے تو سب طرف سے لعن طعن شروع ہوئی۔ بڑا ندیدا ہے۔ بڑا بدنیت ہے۔ سیر کے بہانے ناشتے کو جاتا ہے۔ ڈوب مرکیا بے غیرت بچہ ہے۔ وغیرہ وغیرہ دوسرے دن کیا دیکھتا ہوں کہ سکرٹری صاحب ناشتہ نہیں کرتے ہیں۔ بہتیرا بلاتا ہوں مگر وہ انکار ہی کئے جاتے ہیں۔ آخر کار بھاگ ہی گئے۔ کئی دن تک یہی تماشہ ہوتا رہا۔ ایک دن میں بھی سکرٹری صاحب کے جانے کے بعد چپکے چپکے اُن کے گھر پہنچا۔ وہاں ناشتہ تیار تھا۔ دسترخوان بچھا ہوا تھا سب بچے گھیرا باندھے بیٹھے تھے کسی طرف سے ان کی اماں کی آواز آ رہی تھی کہ خبردار جب تک عُبید نہ آ جائے ناشتہ مت کرنا۔

اتنے میں وہ بھی پہنچ گئیں اور سکرٹری صاحب بھی۔ چھوٹتے ہی چھوٹے بھائی نے کہا

ماں نے پوچھا۔ کیسے جانا۔ جواب دیا ان کی باچھوں پر مکھن لگ رہا ہے بڑے بھائی نے کہا اور ان کی صورت سے معلوم ہوتا ہے کہ پیٹ بھر رہا ہے۔ آپا خفیہ نے کہا۔ "کوئی بھی نہیں چیپڑ لگ رہی ہے۔

بڑے بھائی نے قہقہہ مار کر کہا "لے بی دیوانی آپا چیپڑ باچھوں میں لگتے ہیں یا آنکھوں میں"۔ آپا خفیہ کا نام اسی واسطے خفیہ ہے کہ وہ فوراً خفا ہو جاتی ہیں۔ انھوں نے بگڑ کر کہا "بڑے بدتمیز ہو۔ میں نے باچھیں کب کہا تھا؟ بھائی بولے "تو اس میں میری بدتمیزی کی کیا بات ہے۔ بدتمیز تو تم ہوئیں۔ میں تم سے بڑا ہوں"

آپا نے کہا "اسے بڑے بچارے کہیں سے نانا جان بن کر"

بھائی نے کہا "بس زیادہ زبان مت چلاؤ"۔

آپا نے منہ پھلا کر دسترخوان چھوڑ دیا اور پلنگ پر جا لیٹیں۔

اماں نے عبید کو غور سے دیکھا اور کہا "کوئی مکھن دکھن نہیں لگ رہا۔ چلو چپ چاپ سب ناشتہ کر کے جاؤ مدرسے"۔

میں نے سب کے قریب پہنچ کر کہا "میاں سکریٹری صاحب غضب کرتے ہو۔ دو توس، تین کچوریاں، ایک انڈا اور دودھ اور حصے کے دو لڈو کھا کر آئے۔ اور پھر یہاں جم کر بیٹھ گئے۔ یار تمھارا پیٹ نہ پھٹ جائے"

سب بچوں کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔ سکریٹری صاحب مطلب سمجھ گئے۔ مگر بولے "صاحب اپنا حق میں کیوں چھوڑ دوں۔ وہ ناشتہ تو میرے سکریٹری ہونے کا تھا"۔ بچوں کے چہرے زرد سے ہو گئے۔

"نہیں اب تم کو یہاں ناشتہ نہیں ملے گا"۔

استاد جی بڑے وہ ہو........"

"دیکھو اماں ان کی باتیں۔ نہیں۔ بس کل سے میں سیر کو جایا کروں گا۔ کیوں؟ کتنے دن ہو گئے ان کو جاتے ہوئے۔ کل ماسٹر صاحب مجھ سے کہہ رہے تھے کہ صبح اٹھتے ہی سیر کو جایا کرو"۔

میں نے پوچھا "تو کیا یہ حضرت سکریٹری صاحب روزانہ یہاں بھی ناشتہ کرتے ہیں؟"

سب نے مل کر جواب دیا "جی ہاں"

میں نے کہا "اچھا اُف فو۔ سنو سکریٹری صاحب ہم تم پر چار آنے جرمانہ کرتے ہیں"

کوئی بولا "چچا جان چھ آنے کیجیے"

کوئی اور بولا "ایمان سے آٹھ آنے۔ مزا آئے گا"

میں نے کہا "اچھا آٹھ آنے۔ بچوں کو منظور ہے؟"

سب نے ہنس ہنس کر اور کلکاریاں مار کر یہ جرمانہ منظور کیا۔ اس کے بعد میں نے آٹھ آنے

جیب سے نکال کر سکرٹری صاحب کو دے دیئے اور کہا "لو جاؤ آیندہ سے خبردار جو تم نے ہمارے علاوہ کسی اور کے ساتھ ناشتہ کیا۔ جاؤ یہ آٹھ آنے تمھارے ہیں۔ بچوں کے چہروں پر غم کی گھٹا چھاگئی سکرٹری صاحب کا سب سے چھوٹا بھائی تو ایسا جلا کہ اُٹھ کر میرے کاٹ ہی کھایا۔ اور کہا کہ میرے اوپر بھی کچھ جرمانہ کرو۔

میں نے جان بچانے کو ایک آنہ اُن پر جرمانہ کیا۔ ادا کیا اور واپس آگیا۔

بعد میں اطلاع ملی کہ بڑے بھائی صاحب نے کہا کہ آٹھ آنے کھونے والی یہ آپا جان تھیں۔ رُوٹھے روُٹھے بھی بیچ میں بول پڑیں نہیں تو چار آنے ہی میں بات ٹل رہی تھی ❖

## ۲۹ ستمبر ۱۹۳۸ء تاسیس نمبر

## مژدہ

ہم کئی بار پیامیوں سے درخواست کر چکے ہیں کہ پیام تعلیم کے خریدار بنا کر ہماری ہمّت بڑھائیے تاکہ ہم اچھے سے اچھا پیام تعلیم آپ کے لئے نکال سکیں۔ پیامیوں نے اس طرف توجہ بھی کی لیکن اس بار ہم نے یہ طے کیا ہے کہ جو پیامی ایک خریدار بنائے گا اس کو ۸ر انعام بصورت پیام تعلیم تاسیس نمبر ۱۹۳۹ء دیا جائے گا۔

اُمید ہے کہ ہر پیامی اس نمبر کے حاصل کرنے کی کوشش کرے گا جن کے پاس یہ نمبر ہوگا انھیں دوسرا بھیج دیا جائے گا۔

منیجر "پیام تعلیم"

# بیج اور پھل کس طرح پھیلتے ہیں

محمد ریاض الحسین صاحب بیگی ایم ایس سی عثمانیہ

۳

سنہا: اچھا اور یہ آپ نے کیا کہا تھا کہ پھلوں کی خوب صورتی دیکھ کر پرندے للچانے لگتے ہیں۔ اور انھیں کھانے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

انور:۔ تو میرے بھائی اس میں اعتراض کی کیا بات ہے۔ یوں سمجھو کہ دنیا ایک بازار ہے۔ اس کا کاروبار لین دین پر چلتا ہے۔ اور یہ انتظام ہماری تمھاری طرف سے نہیں قدرت کی طرف سے ہوتا ہے۔ پھلوں، پھولوں اور بیجوں سے حیوانوں کو فائدہ پہنچتا ہے۔ اور حیوانوں کی بدولت پرندوں کی نسل بڑھتی ہے ایک اور دلچسپ بات سنو۔ بعض بیجوں کی شکل کیڑوں جیسی ہوتی ہے۔ پرندے انھیں کیڑے سمجھ کر اٹھالے جاتے ہیں مگر جب اپنی غلطی معلوم ہو جاتی ہے تو پھینک دیتے ہیں۔ انڈی اور کھچی کے بیج اسی طرح کے ہوتے ہیں۔ انڈی کے بیجوں پر کچھ ایسے نشان ہوتے ہیں کہ کیڑوں کا شبہ ہوتا ہے۔

سنہا:۔ مگر پرندے پودوں کو نقصان بھی تو پہنچاتے ہیں۔

انور:۔ مگر قدرت نے اس کا بھی انتظام کر دیا ہے۔ اس قسم کے پھل زمین پر گرتے وقت مٹی کے رنگ کی طرح بھورے ہو جاتے ہیں۔ مثلاً بادام اور اخروٹ وغیرہ علاوہ اس کے ان کے بیج سخت غلاف میں محفوظ رہتے ہیں۔ جنوبی یورپ میں ایک پودا ہوتا ہے۔ اس کا پھل چھوتے ہی ڈالی سے گر جاتا ہے۔ مگر اس کا بیج گودا اور عرق بہت بودار ہوتا ہے۔ اگر جسم کو لگ جائے تو بہت ناگوار ہوتا ہے۔ آنکھ میں لگ جائے تو مرچیں سی لگنے لگتی ہیں۔ کانچ کوری کے پھلوں پر روئیں ہوتے ہیں انھیں چھوتے ہی خارش ہونے لگتی ہے اور بڑی تکلیف ہوتی ہے۔

ارے یہ تمھاری شیروانی کے دامن پر کیا لگا ہے

ادہ ہو یہ تو اکھاڑے یا کتّے کے بیج ہیں۔
اِس کا بتانا تو میں بھی بھول گیا تھا۔ بعض بیج اور پھل قدرت کی طرف سے پھیلنے کے لئے مجبور ہوتے ہیں۔ کتّے کے پھولوں کا رُخ نیچے کی طرف ہوتا ہے۔ یہ بھیڑوں بکریوں کے بالوں یا آدمیوں کے کپڑوں سے چمٹ جاتے ہیں۔ گوکھرو ننگے پیر چلنے والوں کے پیروں میں چبھ جاتے ہیں اور انھیں وہ نکال کر دور پھینک دیتے ہیں۔

سنہا :۔ ہاں مگر بھئی ایک بات تو بتاؤ۔ اکثر چھتوں کے نیچے، یا گھونسلوں کے قریب اور گلہریوں، چیونٹیوں اور چوہوں کے بلوں میں پودے کیوں کر اُگ آتے ہیں۔

انور :۔ ابھی بتاتا ہوں۔ بعض پرند پھل کھا کر بیج گھونسلوں میں چھوڑ دیتے ہیں۔ بیج دیوار کی مٹی میں مل جاتے ہیں اور مینھ برستے ہی اُگ آتے ہیں۔ گلہری اکثر اپنی غذا کا ذخیرہ جمع کرکے بھول جاتی ہے۔ برسات کے پانی سے یہ بھی اُگ آتے ہیں اور پودے بن جاتے ہیں۔ چیونٹی برسات کے لئے غذا جمع کرتی ہے۔ اگر یہی بیج یوں ہی پڑے رہیں تو اُگ آتے ہیں۔ علاوہ اس کے ہریالی کے بیجوں پر مٹھاس ہوتی ہے۔ چیونٹیاں انھیں اپنے سوراخوں میں لے جاکر جمع کرلیتی ہیں۔ مٹھاس چوسنے کے بعد یہ سخت، چکنے اور چیونٹیوں کے لئے بے کار ہوجاتے ہیں۔ یہ اِنھیں پھینک دیتی ہیں۔ اِس طرح یہ بیج بہت دور جاکر اُگ آتے ہیں۔ بعض بیج روغنی ہوتے ہیں۔ چیونٹیاں تیل چوس کر بیج پھینک دیتی ہیں۔ اِس بات کا تجربہ کرنا ہو تو ایسے بیج چیونٹیوں کے راستے میں ڈال کر دیکھ لو۔

سنہا :۔ اچھا۔ اِن بیجوں اور پھلوں کے پھیلانے میں اِنسان بھی کچھ حصّہ لیتا ہے۔

انور :۔ بہت کچھ۔ دور دور کے ملکوں سے پھل اور بیج منگواتا ہے۔ ایک تمباکو، آلو اور مکئی کو لیجئے یہ تینوں دوسرے ملکوں سے آئے ہیں۔ مگر اب ہندوستان میں اِس طرح پیدا ہوتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے یہ یہیں کے پودے ہیں۔ آم پہلے صرف ہندوستان میں پیدا ہوتا تھا اب دوسرے ملکوں میں بھی پہنچ گیا ہے۔
تمباکو امریکہ کی پیداوار ہے۔ پرتگالی اسے سنہ ۱۶۰۰ء میں ہندوستان لائے۔ اِسی طرح مکئی بھی۔ اب سے کوئی تین سو برس پہلے امریکہ سے لائے کینن کا پودا جنوبی امریکہ سے آیا اور سرکاری طور پر اِس کی کاشت سنہ ۱۸۶۲ء میں دارجلنگ اور نیل گری میں شروع ہوئی۔

انور :۔ ارے بھئی ذرا گھڑی تو دیکھو کیا بجا ہے سارے وہ ظفر اور اخلاق کھیل کر آرہے ہیں۔ خدا میں تو چھپ جاتا ہوں۔ نہیں تو میری گت بنائیں گے۔

# بچوں کی نظمیں

مولوی محمد شفیع الدین صاحب
کی
اِصلاح کے بعد

## نعتِ رسولِ کریم

ازجمال الدین مونس بدایونی

مسلّم ہے کہ اُن سے کوئی برتر ہو نہیں سکتا — محمد مصطفٰے کا کوئی ہمسر ہو نہیں سکتا
تمنّا ہے کہ ہو جاؤں نثارِ گنبدِ خضرا — علاجِ دردِ اُلفت اِس سے بہتر ہو نہیں سکتا
گناہگاروں کو حضرت بخشوائیں گے قیامت میں — مجھے دوزخ کی آتش کا کوئی ڈر ہو نہیں سکتا
غزل میری ہے یا نعتِ نبی کا یہ ترانہ ہے — کسی شاعر کا نغمہ اس سے بڑھ کر ہو نہیں سکتا
پڑی ہے چاٹ فنِ شاعری کی اِس کی گھٹی میں — وہ کہتے ہیں کہ مونس سا سخنور ہو نہیں سکتا

## آنکھ مچولی کھیلیں گے

محمد اکرام لاہور

مل جل ہم سب ہمجولی — اک میدان میں جائیں گے
ہاتھ پکڑ کر آپس میں سب — گھیرا ایک بنائیں گے
اک ہمجولی کی آنکھوں پہ — پٹی ہم بندھوائیں گے
بیچ میں اس کو کرکے کھڑا — تالی ایک بجائیں گے
ہم کو پکڑنے دوڑے گا وہ — اور ہم ہاتھ نہ آئیں گے
جس جانب وہ لپکے گا — ہم فوراً ہٹ جائیں گے
جب وہ کسی کو پکڑے گا — ہم سب شور مچائیں گے
کھیل کے آنکھ مچولی یوں — چھٹی اپنی منائیں گے

## اک بچّے کی مرغی

محمد طاہر عثمانی گیاوی

اک بچّے نے مرغی پالی — مرغی تھی وہ انڈوں والی
ان انڈوں سے بچے نکلے — ننھے منّے نیلے پیلے
دانا کھا کر بچے دوڑے — یہ بھی ان کے پیچھے لپکے
جب اُس نے بچوں کو پکڑا — مُرغی نے بھی جھپٹا مارا
بھاگے ڈر کر یہ بےچارے — چوں چوں کرتے بچے بھاگے

## ہماری زبان

اوم پرکاش جماعت پنجم

کیسی اچھی پیاری پیاری
اردو پیاری زبان ہماری
بھائی جان پڑھتے ہیں یہی — اماں جی کہتی ہیں یہ ہی
بیٹا ہندو مسلم سب ہی — اور تمھارے ابا جی بھی
کہتے ہیں یہ باری باری
اُردو پیاری زبان ہماری
کیسے میٹھے بول ہیں اِس میں — ہندی ترکی میل ہے اِس میں
ماہر ہیں پڑھنے میں اس کے — ہندو مُسلم سب قوموں کے

* یہ نظم عزیزہ اوم پرکاش نے اپنے اسکول میں یوم اُردو کے موقع پر پڑھی تھی اور انعام حاصل کیا تھا

سب کہتے ہیں پیاری پیاری
اُردو پیاری زبان ہماری

ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی ۔۔۔ ہیں آپس میں بھائی بھائی
سب نے مل کر ہے یہ بنائی ۔۔۔ سب خلقت دیتی ہے یہ گواہی

کہتی ہے یہ پیاری پیاری
اُردو پیاری زبان ہماری

آؤ مل کر خوشی منائیں ۔۔۔ ہم سب مل کر گانا گائیں
سب کو اس کے ترانے سنائیں ۔۔۔ ہم اردو کا روز منائیں

اور کہیں سب پیاری پیاری
اُردو پیاری زبان ہماری

## ننھا شاعر

عونی آفندی۔ مونگیر

سات برس کا ننھا شاعر ۔۔۔ دھوم ہے جس کی اندر باہر
انجم اس کا نام ہے پیارا ۔۔۔ صورت جیسے ماہ کا پارا
شام ہے اور جمنا کا کنارا ۔۔۔ پانی جس کا دودھ کی دھارا
ٹھنڈی ٹھنڈی ہر سو ہوائیں ۔۔۔ شاخ پہ بلبل کی وہ نوائیں!
نرم نرم سی گھاس پہ بیٹھا ۔۔۔ دل ہی دل میں ہے کچھ کہتا:
اُلجھے اُلجھے بال ہیں اس کے ۔۔۔ فکر سے پیلے گال ہیں اُس کے
نظریں اس کی نیچی نیچی ۔۔۔ فکر میں ڈوبے جیسے کوئی
کاغذ پنسل ہاتھ میں اس کے ۔۔۔ اس دھن میں کچھ شعر وہ کہہ لے
آخر اُٹھا، گھر کو آیا ۔۔۔ کچھ سوچا پھر سو کر اُٹھا

صبح کو اپنی نظم سنائی
دنیا یوں خوشیوں میں نہائی

## رات

اصغر پھلواری

رات نے اپنے پاؤں پسارے ۔۔۔ سویا سورج جاگے تارے
چھانے لگا دنیا پہ اندھیرا ۔۔۔ لینے لگیں چڑیائیں بسیرا
بند ہوئے سب کام ہمارے ۔۔۔ کامی اپنے گھر کو سدھارے
کچھ چھوٹے کچھ ان میں بڑے ہیں ۔۔۔ تارے ہیں یا ہیرے جڑے ہیں
نیند کے ماتے چھوٹے بچے ۔۔۔ گود میں ماں کی تھک کر سوئے
ایسے پڑا ہے اک اک تارا ۔۔۔ ٹوٹ گئی ہو جیسے مالا
رات بڑھی سناٹا چھایا ۔۔۔ نیند نے آکر سب کو گھیرا
تاروں بھرے آکاش کے نیچے ۔۔۔ ہندو مسلم سب ہی سوئے

شکر کرو سب پیامی بھائی
اس کا جس نے رات بنائی

## میرا کتا

خلیل الرحمٰن چمن۔

کتا میں نے ایک ہے پالا ۔۔۔ سب سے اچھا بھولا بھالا
رنگ ہے اُس کا کالا کالا ۔۔۔ کان پہ دھبہ اُس کے لالا
بال ہیں اس کے ایسے ملائم ۔۔۔ جیسے ہو کوئی روئی کا گالا
پنجے اُس کے شیر سے ملتے ۔۔۔ نام ہے اُس کا سب سے نرالا
سب کہتے ہیں اُس کو ٹائیگر[1] ۔۔۔ سب کا ہے وہ دیکھا بھالا

روز نہاتے ہیں یہ حضرت
چمن نے ہے اُس کو پالا

---

[1] کتے کا نام

# چرچل

ابرار احمد فاروقی، انبالہ

مسٹر چرچل انگلستان کے بہت بڑے لوگوں میں سے ہیں۔ اُن کا پورا نام ونسٹن لیونارڈ سپنسر چرچل ہے۔ آج کل یہ انگلستان کے وزیرِ اعظم ہیں اور موجودہ بڑی لڑائی کو بہت عقل مندی اور سوجھ بوجھ کے ساتھ چلا رہے ہیں۔

چرچل ۳۰ نومبر ۱۸۷۴ء میں پیدا ہوئے۔ اُن کی ماں امریکن تھی۔ بہت لائق اور سمجھ دار۔ اس نے اُن کی بہت اچھی طرح تربیت کی۔ چرچل نے ابتدائی تعلیم ہیرو میں پائی۔ پھر سینڈہرسٹ یونیورسٹی میں پڑھا۔ تعلیم سے فارغ ہو کر فوج میں نوکر ہو گئے۔ اور نوآبادیات کی لڑائیوں میں بہت سرگرمی سے حصہ لیا۔

جب جنوبی افریقہ میں بوئروں اور انگریزوں میں لڑائی چھڑی تو یہ انگلستان کے مشہور اخبار مارننگ پوسٹ کے نامہ نگار بن کر جنوبی افریقہ پہنچے۔ وہاں بوئروں کے ہاتھ قید ہو گئے۔ مگر اپنی عقل اور تدبیر کی بدولت اس مصیبت سے نجات پائی۔

جنوبی افریقہ سے واپس آ کر پارلیمنٹ کے ممبر ہو گئے۔ پارلیمنٹ میں ممبروں کی کئی ٹولیاں ہیں ایک تو مزدوروں اور عام غریب لوگوں کی بھلائی اور فائدے کو اپنے سامنے رکھتی ہے اُسے لیبر پارٹی یا مزدور پارٹی کہتے ہیں۔ ایک سرمایہ داروں اور امیر لوگوں کے فائدے کا خیال رکھتی ہے۔ یہ قدامت پسند پارٹی کہلاتی ہے۔ ایک ان دونوں کے بیچ میں ہے لبرل یا درمیانی پارٹی کہلاتی ہے۔ تو مسٹر چرچل پہلے درمیانی پارٹی کے حامی تھے۔ مگر جب پارلیمنٹ کے ممبر بنے تو قدامت پسند پارٹی میں شامل ہو گئے۔ کچھ عرصے کے بعد نوآبادیات کے انڈر سکریٹری مقرر ہوئے۔ پھر تجارتی محکمے کے صدر چنے گئے ۱۹۱۱ء میں محکمہ امیر البحری کے لارڈ مقرر [illegible] میں یہ محکمہ بہت ترقی کر رہا تھا [illegible] بڑی لڑائی [illegible] میں تھے لیکن وزارت [illegible] اور یہ استعفےٰ دے [illegible] ۱۹۱۷ء [illegible]

نے پھر انھیں بلایا۔ اور انھیں جنگ کا سکرٹری اور پھر ہوائی محکمے کا وزیر بنایا۔ اب کے کسی بات پر مزدور پارٹی سے اُن کی اَن بن ہوگئی اور اُنھوں نے پھر علیحدگی اختیار کرلی۔ اِسی زمانے میں اُنھوں نے ایک کتاب "دی ورلڈ کرائسس" چھ جلدوں میں لکھی یہ کتاب بہت مقبول ہوئی۔

سنہ ۱۹۲۴ء میں پھر پارلیمنٹ کے ممبر بنے، اپنے وزیر مالیات بنائے گئے اور چھ سال تک یہ کام خوش اسلوبی سے انجام دیتے رہے۔ سنہ ۱۹۳۰ء کے بعد کی زندگی پھر گویا خاموشی کی زندگی ہے اور موجودہ لڑائی سے پہلے اُنھوں نے قومی سیاست میں کوئی خاص حصہ نہیں لیا۔ اس زمانے میں وہ دوسرے ملکوں کے سیاسی حالات کو بہت گہری نظروں سے دیکھتے رہے۔ ان حالات سے اُنھوں نے اندازہ لگایا تھا کہ یورپ میں پھر لڑائی ہوگی اور بہت زوردار ہوگی وہ اس خطرے سے اور دوسرے ملکوں کی طاقت اور لڑائیوں کی تیاریوں سے اپنے ملک کو برابر خبردار کرتے رہتے تھے۔ انھیں یہ بھی اندازہ تھا کہ آنے والی لڑائی میں ہوائی طاقت کی اہمیت سب سے زیادہ ہوگی۔ اس لئے انگریزی حکومت کو برابر ہوائی طاقت بڑھانے کی طرف توجّہ دلاتے رہے۔

چرچل پہلے فرانس کے مقابلے میں جرمنی کے حامی تھے۔ مگر سنہ ۱۹۳۳ء میں جرمنی میں نازیوں کا زور ہوا تو انھیں بہت سے اندیشے پیدا ہوگئے۔ نازی پارٹی کی سرگرمیاں انھیں ایک آنکھ نہ بھاتی تھیں ڈکٹیٹروں کے وہ سخت مخالف تھے اور ان کی یہ رائے تھی کہ ڈکٹیٹروں کی نہایت سرگرمی کے ساتھ مخالفت کی جائے اور ان کے مقابلے کے لئے پوری جدّوجہد کی جائے اُنھیں جرمنی کی نیت اچھی طرح معلوم ہوگئی تھی۔ اور وہ حکومت کو بھی آگاہ کرتے رہتے تھے کہ ہٹلر ساری دنیا کو فتح کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔

چرچل سے پہلے انگلستان کے وزیرِ اعظم مسٹر چیمبرلین تھے۔ یہ امن وامان کے بہت حامی تھے اور کسی قیمت پر لڑائی مول نہیں لینا چاہتے تھے۔ اِنھی کے زمانے میں جرمنی نے چکوسلواکیا، آسٹریا۔ وغیرہ پر قبضہ کیا تو چرچل نے اِس کی بہت سخت مخالفت کی اور میونخ کے معاہدے کو جو انگلستان اور جرمنی کے درمیان ہوا تھا بالکل ناقابلِ تسلیم قرار دیا۔

موجودہ لڑائی میں ان کی خدمات کی پھر ضرورت ہوئی۔ اب کے وہ امیر البحر بنائے گئے۔ اُن کے زمانے میں مقناطیسی سُرنگوں اور یو بوٹ کے خطرے کی کامیابی کے ساتھ روک تھام کی گئی۔

مسٹر چیمبرلین اپنی امن کی پالیسی میں ناکام رہے تھے۔ پھر لڑائی کے زمانے میں مُلک کی ساری طاقتوں کو جمع کرنے اور اس سے کام لینے میں اور لڑائی کا سامان پوری سرگرمی سے تیار کرانے میں انھیں کامیابی

نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے لوگ ان کی وزارت کے مخالف ہوگئے اور انھیں استعفیٰ دینا پڑا۔ اب ملک میں اس عہدے کے لئے قوم کی نظر میں مسٹر چرچل سے زیادہ کوئی شخص موزوں نہیں تھا۔ اسی لئے انھی کو وزیر اعظم بنایا گیا۔ انھوں نے اس عہدے کو قبول کرتے ہی اپنی سرگرمی سے انگریز قوم کے حوصلو میں ایک تازہ روح پھونک دی اور اب تک وہ بہی جوش اور سرگرمی اور استقلال سے جرمنی کا مقابلہ کر رہے ہیں۔ انھیں یقین ہے کہ آخری فتح انگلستان کی ہوگی۔ مسٹر چرچل بہت بڑے ادیب اور مقرر بھی ہیں۔ اس زمانے میں جو ان کی تقریریں ہوئیں وہ وقت اور موقع کے لحاظ سے بہت مناسب تھیں اور بہت پسند کی گئیں۔ انھوں نے کئی اچھی اچھی کتابیں بھی لکھی ہیں ان کتابوں کو بھی بہی مقبولیت حاصل ہے۔

# پہیلیاں

خزانہ ایسا جادو کا نظر آیا مجھے گوہر
بڑھے گا کم نہیں ہوگا نکالو لوگ بھر بھر
(گڑھا یا سوراخ)

اس کی سب کو ہے خواہش اور وہ آتی ہے جب
ہوش کھو دیتے ہیں اور مدہوش ہو جاتے ہیں سب
(نیند)

ایک جانور ایسا ہے جو رات کو دن بتلائے
دن بھر سوئے خوب مزے میں شام کو ہوش میں آئے
جس کے سارے کام ہیں الٹے کیا جانوں کیا ہے وہ
تم ہی بتاؤ مجھ کو گوہر خاک سمجھ میں آئے
(چمگادڑ)

(معشوق احمد۔ گوہر)

# لطیفے

**مہمان**:۔ آج ترکاری میں نمک بہت زیادہ ہے۔

**میزبان**:۔ کیا بتاؤں میری بیوی صاحبہ اِس قدر فیاض واقع ہوئی ہیں کہ ہر چیز نہایت بیدردی سے خرچ کرتی ہیں۔

معشوق علی گوہر

**ماں**:۔ جعفر! تم نے اب تک منہ نہیں دھویا، جاؤ تمھیں کھانا نہیں ملے گا۔

**جعفر**:۔ دھو تو لیا امّی۔

**ماں**:۔ ہیں یہ منہ دھویا ہے؟ آنکھوں میں کیچڑ بھرے ہوئے ہیں۔

**جعفر**:۔ تو آپ نے تو بس منہ دھونے کو کہا تھا امّی وہ میں نے دھو لیا۔

# بچوں کا گوشہ

## شکاری

احمد منظور الحق درجہ ہفتم



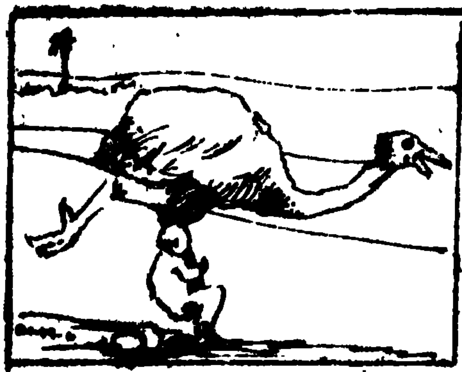
شہر بغداد میں حاجی حسن نامی ایک شخص رہتا تھا اس کی دلی تمنا تھی کہ وہ ایک مشہور اور تجربہ کار شکاری بن جائے اس ارادے سے اُس نے ایک اونٹ خریدا اور سفر کو روانہ ہوا - ابھی کچھ فاصلہ طے کیا تھا کہ ایک شُتر مُرغ نظر آیا اس نے تین انڈے دے رکھے تھے۔ حاجی بہت دیر تک منتظر رہا کہ کسی طرح پرندہ اپنا مقام چھوڑ دے۔ وہ اس کے انڈوں



سے اپنی بھوک کو بجھا کر شتر مرغ کو بھی حاصل کرنے کا خواہش مند تھا۔ آخرکار شتر مرغ غذا کی تلاش میں باہر نکل گیا۔ حاجی نے اس موقع سے فائدہ اُٹھایا ایک انڈا کھا کر بھوک کی آگ بجھائی۔ اس کے بعد اُس نے پھاوڑے سے ریت میں باقی دونوں انڈوں کے درمیان ایک گڑھا کیا۔ اور اس میں اُتر گیا اپنے آپ کو ریت سے چھپا لیا بس اپنی چکنی چندیا باہر



رہنے دی اور شُتر مُرغ کے اِنتظار میں لیٹ رہا۔ جب شتر مرغ واپس آیا تو پہلے تینوں انڈوں کو صحیح سالم پا کر خوش ہوا اور انڈے سینے کے لئے بیٹھ گیا۔ تھکا ہوا تھا جلد ہی نیند آگئی۔ کچھ دیر حاجی بے حس و حرکت پڑا رہا اس کی چندیا آہستہ آہستہ گرم ہونے لگی جب گرمی ناقابلِ برداشت ہوگئی تو اس نے بہت احتیاط سے اپنے ہاتھوں کو ریت سے باہر



نکالا۔ اور شتر مرغ کا پاؤں مضبوطی سے تھام کر لٹک گیا۔ شتر مرغ اس اچانک حادثے سے بہت گھبرایا اور اس مصیبت سے نجات پانے کے لئے بہت دیر تک کھینچ تان ہوتی رہی آخر کسی طرح اپنا پیر چھڑا کر بری طرح بھاگا۔ حاجی صاحب منہ تکتے رہ گئے۔

(ترجمہ)

# چچے کی چہچہاہٹ

زاہدہ خان، سونی پت

چاند پور ضلع جہلوال میں چچا چھکن رہا کرتے تھے۔ چچا چھکن کی چوک میں چاولوں کی دکان تھی۔ چچا چھکن کے چار چھوکرے تھے۔ چاروں اسکول میں تعلیم حاصل کیا کرتے تھے۔ چچا چھکن کی بیوی بہت چڑچڑے مزاج کی واقع ہوئی تھیں۔ اس وجہ سے چپ چپ رہا کرتے تھے۔ چوک والی چاولوں کی دکان میں زیادہ آمدنی نہ تھی ایک روز چچی چچا چھکن پر خوب چلائیں۔ چچا چھکن کو بھی تاؤ آیا اور گھر سے چل کھڑے ہوئے۔ چلتے چلتے چودہ میل چلے گئے تو ایک گاؤں نظر آیا اس کے چاروں طرف ہرے بھرے باغ تھے۔ چچا نے سوچا اس میں چلنا چاہیے۔ ایک لخت باغ میں گھس گئے۔ چاروں طرف نظر دوڑائی مگر کوئی چوکیدار نظر نہ آیا۔ چچا خوشی سے پھولے نہیں سمائے پیٹ بھر کر پھل کھانے۔ جب خوب سیر ہوگئے تو چچی کی یاد آئی اور جی للچایا کہ چچی کے لئے بھی چار چار ہر قسم کے پھل لے چلنے چاہئیں اور پھل توڑنے لگے۔ مگر اس اثنا میں چوکیدار بھی آگیا اور چچا کی وہ مرمت کی کہ چچا چچی کا کھایا پیا سب بھول گئے چچا کی جب مرمت ہوچکی تو چپکے سے چاند پور چلنے کی ٹھانی۔ چار ہی میل چلے ہوں گے کہ چار چور ملے۔ چوروں نے چچا چھکن سے کہا کہ کہاں جاتے ہو۔ چچا چوروں کو دیکھ کر گھبرائے اور کہا چاند پور جا رہا ہوں چاند پور۔ چور چلائے اور کہا وہاں مت جاؤ تمہیں ہمارے ساتھ چلنا ہوگا اتنا سن کر چچا چلا چلا کر رونے لگے وہ چور چچا کو ایک نامعلوم جگہ لے گئے اور چچا کو چار دیواری میں بند کردیا۔

جب چاروں چور چوری کرنے چلے گئے تو چچا نے چاروں کونے چھانے۔ ہر طرف چاندی سونے کے ڈھیر لگے ہوئے تھے انہیں دیکھ کر چچا کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ چچا کو ایک چھوٹا سا راستہ بھی نظر آیا۔ جھٹ پٹ چار گھوڑے کس کر اور ان پر سونا چاندی لاد کر خود بھی چڑھ گئے اور سب کے چابک رسید کئے۔ آناً فاناً میں گھوڑے ہوا سے باتیں کرنے لگے۔ آخر کار چچا خیریت سے چاند پور پہنچ گئے۔ ایک عرصے کے بعد چچی، چچا چھکن کو دیکھ کر بہت خوش ہوئیں۔ چچا نے پھر اپنی چاولوں کی دکان کھول دی اور وہ خوب چلنے لگی۔ چچا چھکن اب بہت امیر ہوگئے اور خوشی سے زندگی بسر کرنے لگے ●

# پیامِ برادری

عزیز بچیو اور بچو، خوش رہو اور تندرست۔ شکر ہے کہ پچھلے مہینے تھوڑی بہت بارش ہوگئی اور موسم کچھ خوش گوار ہوگیا ورنہ ساون تو سوکھا ہی گذر گیا۔ اِدھر یو۔پی میں تو فصلیں بھی خراب ہوگئیں۔ بعض علاقوں میں تو جوتنے بونے کی نوبت ہی نہ آئی موجودہ بارش سے فصلیں تو خیر کیا ہوں گی جانوروں کے لئے چارہ ہو جائے گا

اگست کے پرچے میں گلمرگ کی سیر کا حال لکھا گیا تھا وہاں سے واپسی پر سری نگر میں ایک ہوٹل میں ٹھہرے۔ سب کی رائے ہوئی کہ پہلگام بھی ہو آئیں۔ پہلگام سری نگر سے کوئی ۶۰، ۶۱ میل ہے۔ کوئی دو بجے لاری میں بیٹھے۔ رستہ سیدھا اور ہموار تھا۔ پہلگام سے تھوڑی دور پہلے کچھ چڑھائی تھی۔ مشہور قصبہ پان پور اسی رستے پر ملتا ہے۔ یہاں زعفران پیدا ہوتا ہے۔ اننت ناگ یا اسلام آباد بھی اسی راستے پر ہے۔ یہ بہت بڑا قصبہ ہے۔ سری نگر سے ۳۲ میل دور ہے۔ یہاں کی صنعت و حرفت مشہور ہے۔ گندک کا ایک چشمہ بھی ہے۔ ہم لوگوں کو اس چشمے کے دیکھنے کا بہت اشتیاق تھا۔ اتفاق سے ظہیر صاحب کو ہلکی ہلکی خارش بھی تھی۔ جونہی ڈرائیور نے بس روکی ہم لوگ اتر پڑے اور سیدھے حوض تک پہنچے۔ بس سے یہ کوئی ڈیڑھ فرلانگ کے فاصلے پر ہوگا ایک مندر ہے اس کے سامنے ایک حوض ہے اور پھر ایک اور حوض ہے ایک چشمے کا پانی اِن حوضوں میں آتا ہے اور باہر نکل جاتا ہے۔ مگر گندک کا چشمہ یہ نہیں تھا۔ وہ مندر کے داہنی طرف تھا۔ بس ایک چھوٹا سا حوض۔ ظہیر صاحب نے اور پھر میں نے اور حامد صاحب نے اس حوض میں غوطہ لگایا۔ دوسرے لوگوں کی ہمت نہیں پڑی۔ خیر صاحب نہا کر پھر لاری پر بیٹھے اور کوئی ڈیڑھ گھنٹے بعد پہلگام پہنچ گئے۔ یہاں تھوڑی دیر پہلے بارش ہوئی تھی۔ اس لئے خوب سردی تھی۔ ہم لوگ سری نگر سے آئے تھے وہاں اچھی خاصی گرمی تھی۔ اس غیر متوقع سردی سے ٹھٹھرے جا رہے تھے۔ اتنے لاری سے اترے اتنے ظہیر صاحب ایک ہوٹل والے سے بات چیت کر آئے۔ اُن کا اصرار تھا کہ ہم بھی اُنھی کے ساتھ ٹھہریں مگر میں اور پروفیسر عبدالغفور صاحب ایک الگ ہوٹل میں ٹھہرے

پہلگام سطح سمندر سے کوئی، ہزار فٹ کی اونچائی پر ایک وادی میں ہے۔ ہندوستانی بجائے گلمرگ کے یہیں رہنا زیادہ پسند کرتے ہیں۔ عام طور پر لوگ خیموں میں رہتے ہیں۔ ہوٹل بھی ہر طرح کے موجود ہیں۔ ایک چھوٹا سا بازار بھی ہے۔ ضرورت کی ہر چیز مل جاتی ہے۔ وادی میں تین نالے بھی پہاڑوں پر سے شور مچاتے ہوئے آتے ہیں اور آبادی سے ذرا آگے جا کر تینوں مل جاتے ہیں۔ رات کے سناٹے میں اُن کا شور کچھ عجیب لُطف پیدا کرتا ہے۔ ان پر جگہ جگہ لکڑی کے بہت خوب صورت پُل ہیں۔ سیاحوں کے خیمے یا تو دونوں طرف پہاڑ کی ڈھلانوں پر ہیں یا پھر نالوں کے کنارے۔ کہیں کہیں نالے کے کنارے جگہ جگہ سبزے پر بچھیں بھی ہیں۔ بھئی جگہ کم رہ گئی، پہلگام کا باقی دلچسپ حال آئندہ لکھیں گے۔

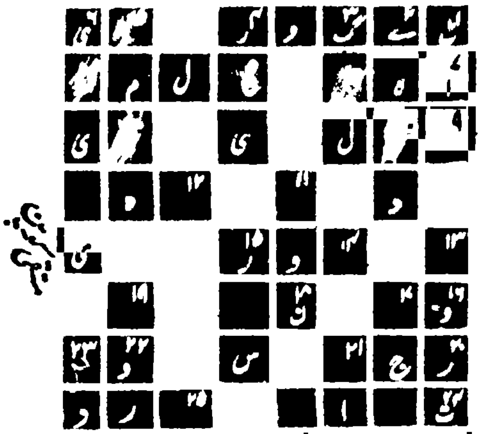
رُوس اور جرمنی کی لڑائی اس مہینے بھی پوری شدّت سے جاری رہی۔ جرمنی کو اتنے سخت مقابلے کی ہرگز اُمید نہ تھی۔ وہ آگے ضرور بڑھ رہا ہے مگر آہستہ آہستہ اور اپنے لاکھوں سپاہیوں کو قربان کرکے۔ رُوس نے ایک عقل کی بات یہ کی کہ پولینڈ کے جس حصّے پر اس کا قبضہ تھا وہ اس نے پولینڈ والوں کو واپس کر دیا۔ پولینڈ کے قیدی بھی چھوڑ دیے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ پولینڈ والے بھی رُوس کے ساتھ مل کر لڑ رہے ہیں۔ رُوس کو امریکہ اور انگلستان سے بھی ہتھیاروں کی مدد پہنچ رہی ہے۔ پورب میں جاپان، سیام یا تھائی لینڈ کی سرحدوں تک پہنچ گیا ہے۔ انگریزی اور امریکی حکومت نے بھی پوری تیاری کرلی ہے۔ سیام پر جاپانی حملہ ہوا تو یہ دونوں قومیں سیام کی مدد کریں گی۔ کیا عجب کہ اسی ڈر سے جاپان نے اپنا حملہ ابھی روک دیا ہو۔

ہندوستان کے لیے اس مہینے کا سب سے اہم حادثہ ڈاکٹر ٹیگور کی موت ہے۔ اس پرچے میں ان کی زندگی کا مختصر سا خاکہ چھپ رہا ہے۔ مفصل حالات آئندہ پرچے میں چھپیں گے۔ مولوی محمد شفیع الدین صاحب نیّر نے ہماری درخواست پر چند رباعیاں لکھ دی ہیں۔ اُمید ہے کہ پیامیوں کو پسند آئیں گی۔ ٹیگور پر تین پیامیوں نے حیدرآباد اور بہار سے مضمون لکھ کر بھیجے تھے افسوس ہے کہ ان کے لئے گنجائش نہ نکل سکی۔

بڑی خوشی کی بات ہے کہ معمّے کی مقبولیت اب دن بدن بڑھتی جاتی ہے۔ معمّا بنانے والے صاحب نے اس مرتبہ قاعدوں میں کچھ ادل بدل کر دیا ہے پیامی اُنھیں غور سے پڑھیں۔ انھوں نے پیام تعلیم کی طرف سے لفافے بھی تیار کرائے ہیں۔ ان پر پیام تعلیم کا پتہ چھپا ہوگا۔ یہ لفافے پیسے میں دو پڑیں گے۔ بعض پیامی پتہ غلط لکھ دیتے ہیں۔ اُن کا حل ہم تک نہیں پہنچتا۔ ان لفافوں کی وجہ سے اس غلطی کا امکان جاتا رہے گا جو بچے یہ لفافے منگانا چاہیں ٹکٹوں کی صورت میں قیمت بھیج دیں۔ ویسے چھوٹے موٹے انعاموں میں ہم خود یہ لفافے بھیج دیا کریں گے

(محمد حسین حسان)

# معمّا نمبر ۲۲



**پہلا انعام ۔ لَعَہ**

**دوسرا انعام ۔ للعہ**

## دائیں سے بائیں

(۱) ڈاکٹر ..... ۷ اگست کو ۸۰ سال ۳ ماہ کی عمر پاکر انتقال کرگئے۔

(۵) پنجابی جی ہاں کو ہاں... کہتے ہیں۔ ہمارے خیال میں غلط کہتے ہیں۔

(۷) ہرن

(۸) اگر برطانیہ کو چند ماہ اور ... مل گئی تو وہ جنگ کے لئے کافی تیاریاں کرے گا۔ (بے ترتیب)

(۹) اس لفظ کا الٹا اور سیدھا ایک ہے۔

(۱۰) ایک ما .. کا .. جا ... لایا۔

(۱۲) اس کا علاج لقمان کے پاس بھی نہیں تھا۔

(۱۴) بزرگوں سے ... سے بات کرنا خلاف تہذیب ہے۔

(۱۶) کھلا ہوا۔

(۱۸) .. لقمہ نہ تیرہ اُدھار۔

(۲۰) اس مہینے کی ۱۳ تاریخ کو حضرت علیؓ پیدا ہوئے تھے۔

(۲۲) غائب کے لئے استعمال کرتے ہیں۔

(۲۴) کہتے ہیں کہ .... کرنے سے تو خدا بھی مل جاتا ہے

(۲۵) ایسے آدمی کو ہم ... نہیں کہہ سکتے جو تاریک ایام میں سائے کی طرح غائب ہوجائے۔

## اوپر سے نیچے

(۱) آج کا کام کل پر ... دینا اچھا نہیں۔

(۲) یہودی کی جمع۔

(۳) کہتے ہیں کہ یوکرین کے علاقے میں جرمن فوجوں نے روسیوں کا ڈبہ ... کردیا۔

(۴) کالج میں دھوم مچ رہی ہے پاس پاس کی
عہدوں سے آ ... ہے صدا دور دور کی (اکبر)

(۵) ایسی ہر بات کو جس سے پورا مطلب سمجھ میں آئے ... کہتے ہیں۔

(۶) غریب نوجوان کے لئے ... بڑی مصیبت ہے۔

(۱۱) چھٹیوں کا مہینہ۔

(۱۳) اپنے اہم راز کا کسی ..... سے اظہار نہ کرو۔

(۱۵) جرمنوں سے بہت پہلے ہوائی چھتریاں ... میں استعمال کی جاتی تھیں

(۱۷) سب کو آتی ہے

(۱۹) اپنے بچے کو ... کا بچہ کہنا کس قدر شرم کی بات ہے۔

(۲۱) بہت سے بچے ابا کو با -- مہ کہتے ہیں (الٹا)

(۲۳) ڈس

# قواعد

۱۔ تمام مدرسوں کے بچے حل بھیج سکتے ہیں۔

۲۔ ایک حل کے ساتھ ایک آنے کا ٹکٹ آنا ضروری ہے۔

۳۔ ایک سے زیادہ حل بھی بھیجے جا سکتے ہیں۔ چار حلوں کی رعایتی فیس ۳ر آٹھ حلوں کی ۶ر ہے۔

۴۔ دونوں انعام تقسیم کر دیئے جائیں گے۔ قرعہ اندازی نہ ہوگی۔

۵۔ تمام حل ۱۸ ستمبر تک۔ دفتر پیام تعلیم جامعہ دہلی پہنچ جانے چاہئیں۔

۶۔ ایڈیٹر کا فیصلہ قطعی ہوگا۔

۷۔ پیام تعلیم میں چھپے ہوئے کوپن کے علاوہ اور کوئی کوپن نہیں لیا جائے گا۔

۸۔ کسی کوپن میں کوئی حرف کٹا یا مٹا ہوا ہوگا یا پنسل سے بھرا ہوا ہوگا تو مقابلے میں شامل نہ کیا جائے گا۔

۹۔ ایک خانے میں دو حرف نہ ہوں

۱۰۔ دال اور ڈال کا فرق نمایاں ہو۔ (دٗ - ڈ)

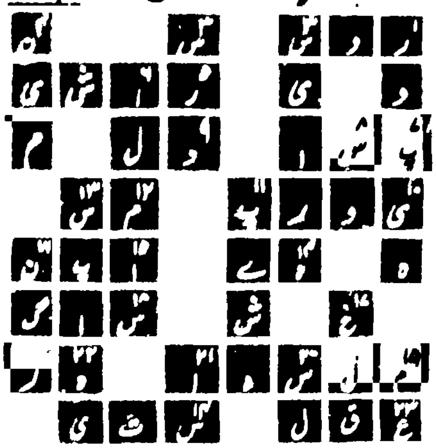
۱۱۔ چھوٹی اور بڑی ے کا فرق لازمی ہے (یٗ، ےٗ)

۱۲۔ جہاں جہاں نقطے کا استعمال ہو۔ وہاں نقطہ ضرور ہونا چاہئے۔

۱۳۔ املا کی غلطی بھی شمار کی جائے گی۔

۱۴۔ **پتہ** :۔ سب ایڈیٹر۔ پیام تعلیم ۔ مکتبہ جامعہ قرول باغ ۔ نئی دہلی۔

## معمّا نمبر ۲۱ کا صحیح حل



**صحیح حل　　　انعام اوّل　　　فی کس ۔۔۔**

۱۔ سید عطاء الرحمٰن بہاری ۔ دہلی

۲ ۔ کوثر بانو　　　"

---

**ایک غلطی　　　فی کس ۔۔۔**

۱۔ فرخ بیگم ۔ رامپور

۲۔ عباس میاں انصاری۔ سہارنپور

۳۔ محمد حسین فاروقی ۔ آناؤ

۴۔ ریاض احمد جائسی ۔ رائے بریلی

۵۔ غنی الرحمٰن ۔غنی پشاور

۶ محمد اختر ۔مظفر گڈھ

۷۔ محمد احمد ۔ حیدرآباد دکن

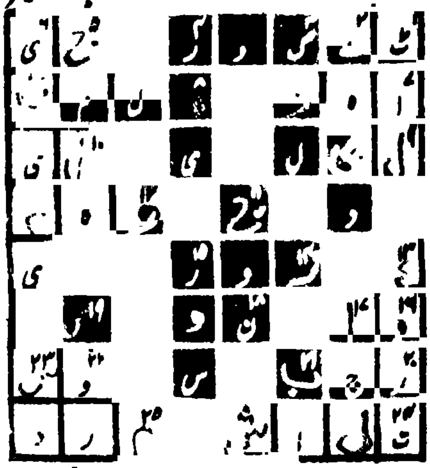
۸۔ سید عطاء الرحمٰن ہاشمی ۔ دہلی

۹۔ عمر کامل　　　"

۱۰۔ سید منصور حسن ۔ دہلی

۱۱۔ تنویر الدین ضیا　　　"

معما نمبر ۲۲ — کوپن نمبر



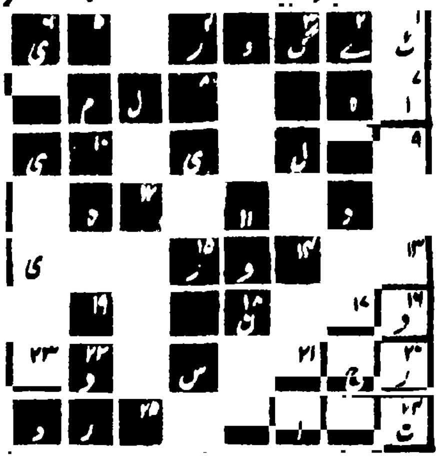
نام ............

پتہ ............

............

ٹکٹ ............

معما نمبر ۲۲ — کوپن نمبر



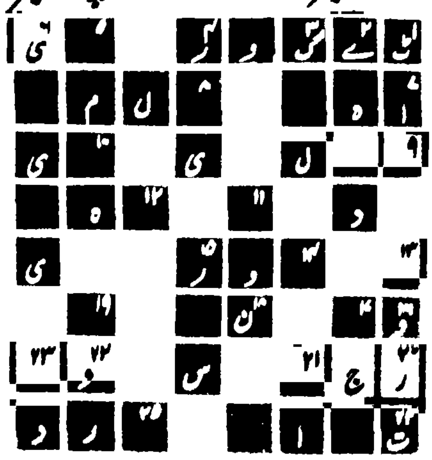
نام ............

پتہ ............

............

ٹکٹ ............

معما نمبر ۲۲ — کوپن نمبر



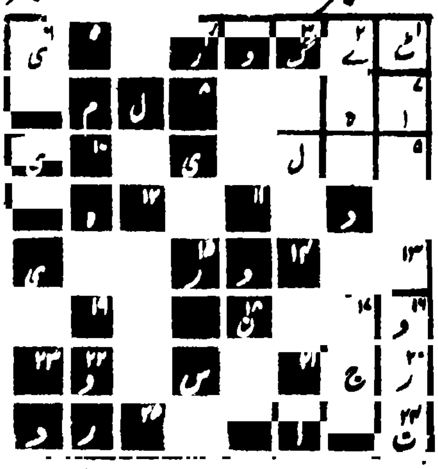
نام ............

پتہ ............

............

ٹکٹ ............

معما نمبر ۲۲ — کوپن نمبر



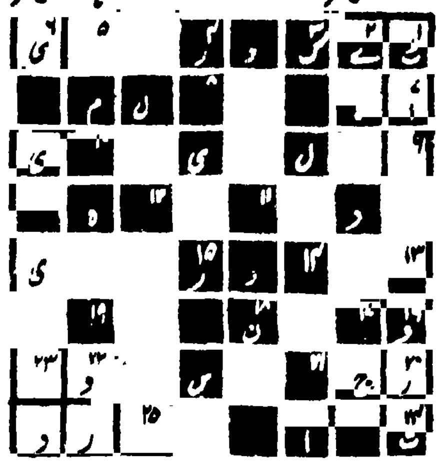
نام ............

پتہ ............

............

ٹکٹ ............

معمّا نمبر ۲۲　　کوپن نمبر



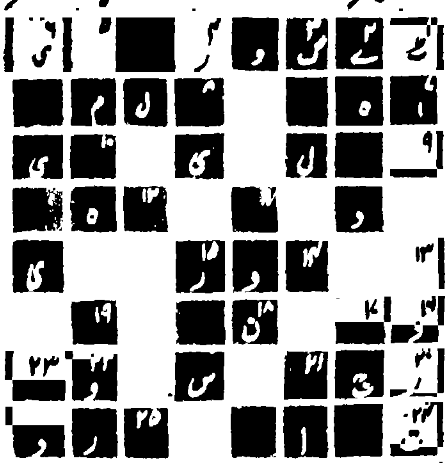
نام ..............................

پتہ ..............................

ٹکٹ ..............................



معمّا نمبر ۲۲　　کوپن نمبر



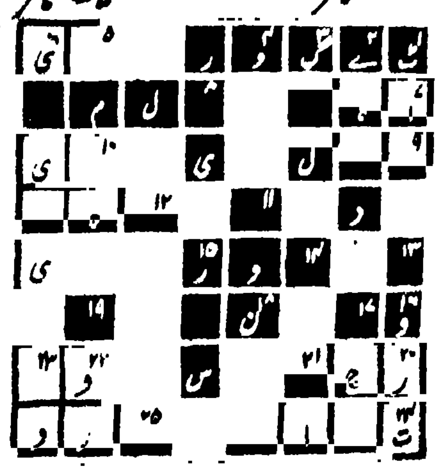
نام ..............................

پتہ ..............................

ٹکٹ ..............................



معمّا نمبر ۲۲　　کوپن نمبر



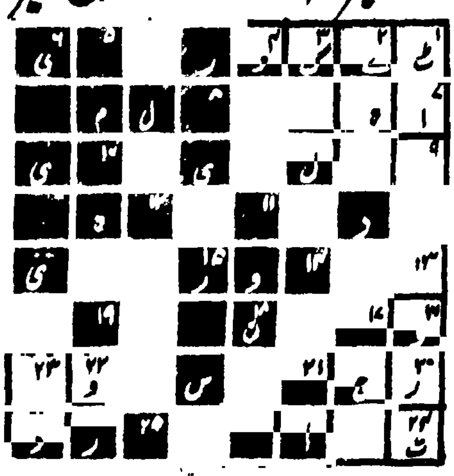
نام ..............................

پتہ ..............................

ٹکٹ ..............................



معمّا نمبر ۲۲　　کوپن نمبر



نام ..............................

پتہ ..............................

ٹکٹ ..............................



غور و خوض

(مرسلہ فضل محمد [illegible])



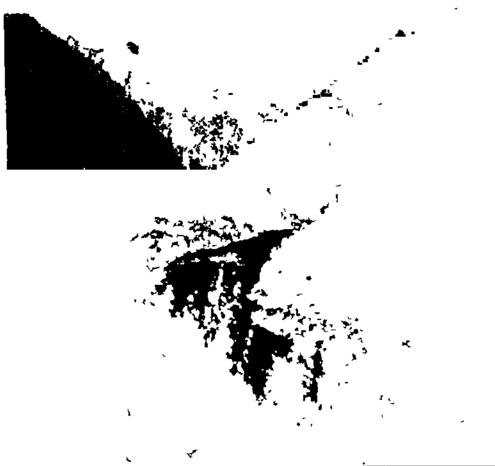
محمد صفدر صدیقی

(پیام برادری لاہور)



شالامار باغ لاہور

(مرسلہ محمد ظفر صدیقی)



آئس لینڈ میں ایک دریا کا اُوپری حصہ

(مرسلہ جعفر حسین جعفری سونی پت)

Regd. L. No. 1961

# ایک مُعلّم کی زندگی

(نومبر ۱۹۴۱ء میں شائع ہو جائے گی)

ایک اُستاد نے بہت ہی اچھے انداز میں اپنی آپ بیتی لکھی ہے۔ یہ آپ بیتی کیا ہے جامعہ ملیہ کی اکیس سال کی مکمل تاریخ ہے۔ جامعہ کے نئے اور پُرانے طالب علم۔ پیام تعلیم کے چھوٹے اور بڑے پڑھنے والے مولوی عبدالغفار صاحب مدھولی سے ضرور واقف ہوں گے۔ یہ تاریخ اِنھی کی لکھی ہوئی ہے کتاب دو جلدوں یعنی ۸۰۰ صفحوں کی ہے۔ قیمت مکمل سٹ کی چار روپے ہے۔ اگر نئے اور پُرانے جامعی اور پیام تعلیم پڑھنے والے عزیز ایک یا دونوں جلدوں کی قیمت پیشگی بھیج دیں تو کتاب کے چھپنے میں بہت سہولت ہو جائے۔ جامعی بھائیوں سے خاص طور پر درخواست ہے۔ یہ کتاب ہر لحاظ سے قیمتی ہو گی۔ ماہرین تعلیم کے لئے اس میں اکیس سالہ جدید تعلیمی تجربوں کا نچوڑ ہے۔
اِس پتے پر خط کتابت کی جائے۔

عبدالغفار صاحب مدھولی۔ مُدرس مدرسہ اِبتدائی
جامعہ ملیہ اِسلامیہ۔ ڈاکخانہ، جامعہ نگر، دہلی

# پیام تعلیم



مکتبہ جامعہ دہلی

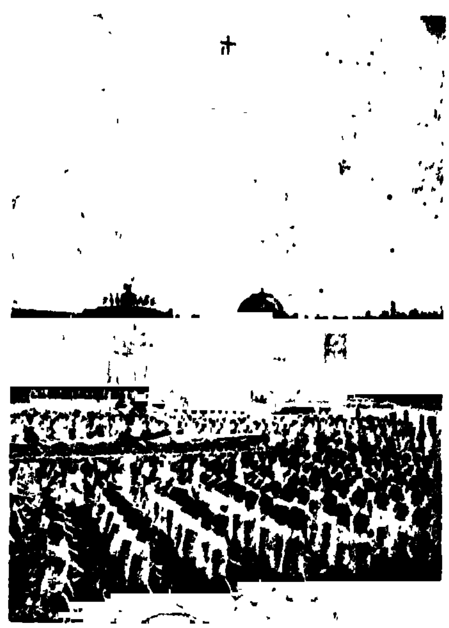


شالامار باغ کشمیر

(مرسلہ محمد ظفر صدیقی)



کریملن:- پچھلے زار روس کا شاہی محل ماسکو میں دریائے مساوا کے کنارے۔ آج کل اسٹالن اسی میں رہتا ہے



لینن گراڈ میں عورتوں کی جسمانی ورزش

دہلی، یوپی، سی پی، قلات، بنگال، برار، بہار، حیدرآباد اور پنجاب کے محکمہائے تعلیم کی طرف سے سرکاری طور پر منظور کیا گیا ہے۔

قیمت سالانہ عه/ فی پرچہ ۳ر

ایڈیٹر محمد حسین حسان

# فہرست مضامین




پرنٹر و پبلشر ڈاکٹر سید عابد حسین ایم اے، پی ایچ ڈی۔ محبوب المطابع پریس دہلی۔

# بچّوں سے باتیں

(ایڈیٹر)

پیام تعلیم کے سالنامے کی تیاریاں شروع ہوگئی ہیں۔ یہ پچھلے سال کی طرح اب کے بھی بجائے اکتوبر کے جنوری میں نکلے گا۔ اب کے اِس میں جغرافیے پر مضمون زیادہ ہوں گے مثلاً سیر دسفر، مہمیں، نئے نئے ملکوں کی دریافت وغیرہ

---

آج کل کے ناموافق حالات نے ہمارے لئے بڑی مشکل پیدا کر دی ہے۔ پھر بھی ہم اپنی سی کوشش کریں گے کہ رسالے کا معیار کسی طرح گھٹنے نہ پائے۔ اِس دفعہ بھی مولوی محمد شفیع الدین صاحب نیّر کی ایک بہت ہی اچھّی نظم اور ایک بہت اچھّی کہانی چھپے گی۔

---

منیجر صاحب پیام تعلیم سے یہ معلوم کرکے بہت خوشی ہوئی کہ پچھلے مہینے کی 'باتوں' کو پیامیوں نے بہت توجہ سے پڑھا بہت سے بچّوں نے خود پرچہ خریدا اور بہت سے بچّوں اور بڑوں نے خریدار بنائے۔ ان میں عزیزی خلیق الزماں (اندور) عزیزی خلیل الرحمٰن (بانکی پور) عزیزہ عائشہ خاتون (حیدرآباد دکن)، جناب عبدالرحمٰن صاحب اُستاد (اتمان زئی) جناب ام، اے سیدات صاحب (کلکتہ) خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

---

اُمید ہے کہ پیامی اگلے سالنامے تک اپنے رسالے کے بہت سے خریدار بنا دیں گے۔ خریداروں کی تعداد جتنی زیادہ ہوگی سالنامہ اتنا ہی دلچسپ اور شاندار نکلے گا۔

---

بچّوں کی نظموں میں یہ نظمیں اِصلاح کے قابل نہیں سمجھی گئیں۔ تین بے وقوف (عثمان آباد) پیام تعلیم (آگرہ) بندر کی کارگذاری (جالنہ)؛ دوسرے شاعروں کی چند رباعیاں اور نظمیں بچّوں نے اپنے نام سے بھیج دی ہیں۔ یہ بھی نہ چھپ سکیں گی۔ یہ بچّے اکتوبر تک ۱؍ کے ٹکٹ بھیج کر اپنی نظمیں منگالیں۔ اس کے بعد یہ ردّی کر دی جائیں گی۔

---

معمّا بنانے والے صاحب نے یہ طے کیا ہے کہ معمّوں کے حلوں کے لفافے ہر مہینے کی آخری یعنی ۳۰ تاریخ کو ایک ساتھ کھولے جائیں۔ اِس لئے پیامیوں کو چاہیے ٭٭

٭٭ کہ حلوں کے علاوہ کوئی شکایتی یا کتابیں منگانے کا خط لفافے میں نہ رکھیں ورنہ یا تو اُن کی تعمیل نہ ہوگی یا بہت دیر میں ہوگی۔

# شرافت کا پُتلا

محمد شفیع الدین صاحب نیّر

شرافت کے پُتلے ہیں ننھے میاں
شرافت ہے اُن کے چلن سے عیاں

بہت نیک ہیں اور بہت باتمیز
سبھی اُن کو رکھتے ہیں دِل سے عزیز

چھُٹائی بڑائی کو ہیں مانتے
بڑوں کو بڑا ہیں وہ گردانتے

وہ رہتے ہیں سُتھرے وہ رہتے ہیں صاف
نہ دیکھا کبھی ہم نے اِس کے خِلاف

بہن بھائیوں پر بگڑتے نہیں
وہ ناحق کسی سے جھگڑتے نہیں

خوشی اور محنت سے پڑھتے ہیں روز
ترقی کے زینے پہ چڑھتے ہیں روز

وہ اوروں کے دُکھ سُکھ کا رکھتے ہیں دھیان
اسی بات سے اُن کی قائم ہے شان

غریبوں کے بھی کام آتے ہیں وہ
اور اُن کے لئے دُکھ اُٹھاتے ہیں وہ

غرض یہ کہ ہیں خوب ننھے میاں
شرافت کا جوہر ہے اُن میں عیاں

# ثُریا کا خواب

۳

ع۔ م۔ ا۔ سکریٹری اردو سوسائٹی، پٹنہ

میز پر نیپکن اِس طرح سے کھانا چُنا تھا جیسے ثُریا کے ابّا کی میز پر چُنا جاتا تھا۔ مگر کھانے میں بسکٹ مکھن، حلوے، مُربّے وغیرہ کے علاوہ اور بھی بہت سی ایسی چیزیں تھیں جن کو ثُریا نے دیکھا تک نہ تھا۔ مسٹر جُمّا نے خود بھی کھانا شروع کیا اور ثُریا کے سامنے بھی کھانا لگا دیا۔ ثُریا کھاتی تو کیا دعوت کے مہمانوں اور اُن کے عجیب عجیب قسم کے لباس کو ٹکٹکی لگائے دیکھ رہی تھی۔ ثُریا کے پاس ہی دوسری میز پر ایک گیدڑ صاحب تشریف رکھتے تھے۔ کالی شیروانی، سر پر ترکی ٹوپی اور آنکھوں پر سنہری عینک ۔ اُن کی ٹھڈّی پر داڑھی دیکھ کر ثُریا کو گھر کی "بڑھیا نانی" یاد آگئیں اُن کی ٹھڈّی پر بھی چند لانبے لانبے بال تھے مسٹر جُمّا کو دیکھتے ہی یہ اپنی کرسی سے اُٹھے اور یہ کہتے ہوئے "آہا ....... ہا ........ مسٹر جُمّا ہیں؟" ان لوگوں کی میز پر آگئے۔ "ارے بھائی اتنے دنوں سے کہاں تھے تم؟" مسٹر جُمّا نے بھی اُن کو آتے دیکھ کر خالی کرسی بڑھا دی۔ "کیا بتاؤں مُدکی صاحب۔ آپ سے ملنے کو تو جی بہت چاہتا تھا مگر ان دنوں فرصت ہی نہ ملی۔" پھر ثُریا کی طرف دیکھ کر جُمّا نے مُدکی صاحب سے کہا "مولانا یہ ثُریا بیگم ہیں۔ کرنل شجاعت صاحب کی لڑکی۔" پھر ثُریا سے بولے اور آپ مسٹر مُدکی "کل خشکی چوپایا کمیٹی" کے سکریٹری ہیں۔" ثُریا نے جلدی سے اپنے ہاتھ سے توس رکھ کر مُدکی صاحب سے ہاتھ ملایا۔

"آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی بیگم۔ سچ پوچھیے تو آپ ہی جیسے لوگوں کے شریک ہونے سے تو ہماری کمیٹی کو ترقی ہو سکتی ہے۔"

ثُریا کو بڑی فکر ہوئی کہ اُن کو جواب کیا دے۔ گھر میں امّی یا ابّا نے یہ کبھی بتایا ہی نہ تھا کہ نئے مہمان سے ملتے وقت کس طرح اُن سے بات چیت کرنا چاہیے۔

"اچھی بات ہے" مسٹر جُمّا بولے۔ "پہلے دعوت سے تو فارغ ہو لیجیے۔ پھر اطمینان سے باتیں کیجیے گا۔" ثُریا جُمّا کے اِس جواب سے مسکرا اُٹھی کیسا اچھا

ہئے میرا جمّا " اس نے دل میں کہا اور پھر توس اُٹھا کر کھانے لگی نیچی نظروں سے مُدکی صاحب اور اُن کے لباس کو بھی دیکھتی جاتی تھی اُس نے اُن کے کھانے کی رکابی دیکھی تو اس کا نوالا مُنہ کا مُنہ میں رہ گیا۔ جیسے کسی چلتی مشین کا کوئی پرزہ ٹوٹ گیا ہو۔ مُدکی صاحب کی رکابی میں دو اُبلے ہوئے چوہے رکھے تھے۔ ایک میں سے تو وہ اپنے کانٹے سے آدھا چٹ کر چکے تھے اور دوسرا ویسے ہی پڑا تھا۔ ثریا نے پھر تعجب سے ان چوہوں کو دیکھا اور پوری میز پر ایک نظر ڈالی" ارے" حیرت سے اُس کا مُنہ کھُلا کا کھُلا رہ گیا..... پھلوں والی رکابی کے پاس ہی ایک گہری رکابی میں کوئی دس، بیس چوہے رکھے تھے۔ مُدکی صاحب کو پورے پورے چوہے کھاتے دیکھ کر ثریا کو بڑی گھن معلوم ہوئی۔ اُسے ایسا معلوم ہوا جیسے اُس کے پیٹ میں بہت سے چوہے کود رہے ہوں۔ اُبکائی آنے لگی۔ اُس نے باقی توس رکابی میں چھوڑ دئے اور پانی کے جگ کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

"ہیں.......... ہیں.......... ؟" مسٹر جمّا نے اس کو پانی کی طرف ہاتھ بڑھاتے دیکھ کر کہا" ارے" مدکی صاحب یکا یک بولے" آپ نے اِن چوہوں کو تو چکھا ہی نہیں۔ (باقی آدھے چوہے کو حلق سے اُتار کر) ذرا کھائیے تو سہی۔ سچ مچ بڑے مزے دار ہیں۔" ثریا کو مدکی صاحب کی یہ بات بالکل نہ بھائی۔ اُس نے بڑے غور سے اُن کی طرف دیکھا "جی نہیں، میں چوہے نہیں کھاتی۔"

"او...... ہاں" مسٹر جمّا بولے۔ "ننھی بی! میں تو بھول ہی گیا تھا تم نے اُن کو تو کھایا ہی نہیں۔" اُنھوں نے خوب موٹا سا چوہا کانٹے سے اُٹھا کر ثریا کی رکابی میں رکھ دیا۔ اُسے کھا کر بلقیس آپا کے ہاتھ کا کسٹرڈ نہ بھول جاؤ تو پھر جمّا نام نہیں۔"

"جمّا ؟ ؟" وہ صرف اتنا ہی کہہ سکی۔

"جی ہاں، جی ہاں" مُدکی صاحب گردن ہلا کر کہنے لگے۔ "ارے کسٹرڈ بھی بات ہے صاحب کیا کہنے ہیں۔ اِس کے۔"

"میں آپ لوگوں کی طرح جانور نہیں مدکی صاحب" ثریا کو بہت غصّہ آ گیا۔

"ہاہا........ ہاہا........ ہوہو" میز کے تمام لوگ ثریا کے اِس جملے پر ہنس پڑے اور ثریا کھسیانی ہو کر انھیں دیکھنے لگی۔

"اجی بیگم صاحب" مدکی صاحب ہنستے ہوئے بولے" یہ آپ کے یہاں والے چوہے نہیں جنھیں مسٹر جمّا چٹ کیا کرتے ہیں" (جمّا کی طرف دیکھتے ہوئے) کیوں صاحب؟"

"ہاں، ہاں، ننھی بی" مدکی صاحب ٹھیک کہہ رہے ہیں تم ذرا چکھ کر تو دیکھو۔"

ثریا نے پھر ایک بار اپنی رکابی میں پڑے ہوئے

چوہے کو غور سے دیکھا۔ ارے اس کا رنگ تو چوہوں جیسا نہیں۔ دُم بالکل شہتوت جیسی۔ لاشئے سے منہ پر آنکھوں کے حلقوں سے کشمش کے دو دانے نکلے ہوئے۔ اور پیر؟ گویا تھے ہی نہیں۔ جیسے ربڑ کے چوہے۔

مُنّا :۔ دیکھو، دیکھو ذرا کھا کر تو دیکھو۔

"اور کیا، یہ چوہے تھوڑے ہی ہیں"۔ مدنی صاحب ابھی تک ہنس رہے تھے۔ ثریا کو اب یقین آیا کہ کوئی مٹھائی ہے۔ چوہے کی شکل کی۔ اس نے ڈرتے ڈرتے اپنا کانٹا اُس کے پیٹ میں چبھو دیا۔ کانٹے کی نوک پر بڑا سا ایک اخروٹ نکل آیا۔ اُس کی دُم کھینچی تو یہ سچ مچ بڑا سا شہتوت تھا۔ پھر یہ ہنستی ہوئی اپنی رکابی کے چوہوں کو کھانے لگی۔

"سچ مچ یہ بہت اچھے ہیں"۔ اُس نے مسکراتے ہوئے مدنی صاحب سے کہا اپنی بے جا خفگی پر وہ بہت شرمندہ تھی۔

"اور کھائیے نا"۔ مدنی صاحب نے جواب دیا اور دو چوہے اُٹھا کر ثریا کی پلیٹ میں ڈال دئے۔ وہ بہت دیر تک سوچتی رہی مگر اُس کی سمجھ میں نہ آیا کہ یہ مزے دار مٹھائی کس چیز کی بنی ہے۔ کسٹرڈ۔ پڈنگ سوپ۔ فرنی، جیلی"۔ یہ تمام کھانے اس کی بلقیس آپا پکایا کرتی تھیں۔ مگر اس کا مزا ان سبھوں سے الگ تھا۔ تین چار چوہے کھا کر ثریا اور دوسری چیزیں کھانے لگی۔ پھر میز پر چھری، کانٹے اور مدنی صاحب کی چپڑ چپڑ کی آواز کے سوا بالکل خاموشی چھا گئی۔ ثریا کھاتی جاتی اور اپنے چاروں طرف کے جانوروں، پرندوں اور مچھلیوں کو دیکھتی جاتی۔ یکایک مدنی صاحب نے اپنی شیروانی کی جیب سے کوئی گول سی چیز نکالی گھڑی جیسی۔ یہ اس کو دیکھ کر بولے "اوہو، آدھا اتوار ہو گیا اور ابھی مجھے اور بہت سے کام کرنے ہیں"۔

"ارے آدھا اتوار ہو گیا"۔ ثریا نے حیرت سے پوچھا۔ کیسی گھڑی ہے آپ کی؟"

"جی، جی"۔ مدنی صاحب نے پھر اپنی گھڑی دیکھی۔ "جی نہیں، منگل کو پانچ گھنٹے باقی ہیں"۔ مجھ سے دیکھنے میں غلطی ہوئی"۔

ثریا کو اور بھی تعجب ہوا۔ گھڑی میں ایک، دو تین، چار، پانچ، چھ، سات بجا کرتے ہیں۔ مگر ان کی گھڑی عجیب قسم کی ہے"۔ ذرا مجھے دکھائیے گا"۔

"ہاں، ہاں کیوں نہیں لیجئے دیکھئے"۔ ثریا نے جو گھڑی ہاتھ میں لی تو نہ تو اُس کے ابا کی گھڑی جیسے اس پر نشان تھے اور نہ ویسی سوئی تھی بس سات لکیریں تھیں اور تین سوئیاں۔ اُس نے گھڑی اپنے کان کے پاس لگائی، مگر ٹِک ٹِک کی آواز نہ آئی۔ ثریا نے ہلکے سے دو اک بار ہلایا بھی پھر بھی ٹِک ٹِک نہ ہوئی۔

ثریا :۔ یہ ٹک ٹک نہیں کرتی کیا؟ (باقی)

# رابندر ناتھ ٹیگور

مسعود حسین خان جامعی۔ ام۔ اے

پچھلے مہینے بنگال کے مشہور شاعر رابندر ناتھ ٹیگور کے انتقال کی خبر پیامِ تعلیم میں چھپ چکی ہے۔ ہمارے خیال میں ہر ایک بیامی ٹیگور کو کسی نہ کسی طرح جانتا ہوگا۔ تم میں سے بعض نے سنا ہوگا کہ وہ بہت بڑے شاعر تھے۔ بعض نے اُن کا نام اقبال کے ساتھ سنا ہوگا۔ اب ہم تمھیں اُن کی زندگی کے مختصر سے حالات بتائیں گے۔

رابندر ناتھ ٹیگور ۷ مئی ۱۸۶۱ء میں شہر کلکتہ میں پیدا ہوئے۔ یہ سال بڑا مبارک سال تھا۔ رابندر ناتھ کے علاوہ پنڈت جواہر لال کے والد پنڈت موتی لال بھی اسی سال پیدا ہوئے۔ رابندر بڑے کھاتے پیتے گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد۔ دیویندر ناتھ ٹیگور بہت بڑی جائداد کے مالک تھے رابندر اپنے ماں باپ کے تمھیں سن کر تعجب ہوگا چودھویں بچے تھے۔ اِن سے بڑے تیرہ بھائی بہن اور تھے۔

رابندر بچپن سے خوب صورت، تندرست ذہین اور ہوشیار تھے۔ ۵-۶ برس کی عمر میں اُنھیں اسکول بھیجا گیا۔ اسکول میں رابندر کا جی بالکل نہ لگتا۔ اس لئے تھوڑے ہی دنوں بعد بھاگنا شروع کردیا۔ ماں، باپ نے انھیں پڑھنے کے لئے بھیجا تھا مگر رابندر نے وہاں جاکر شاعری شروع کردی۔ آپ کو یہ سُن کر تعجب ہوگا کہ وہ ۹-۱۰ برس کی عمر میں بنگالی زبان میں شعر کہنے لگے تھے۔ ماسٹر صاحبان رابندر سے ناراض تھے۔ پکڑ پکڑ کر بلواتے مگر اُستاد کی ذرا آنکھ بچی اور رابندر غائب! یہاں ایک بات ہم صاف صاف کہہ دیں۔ رابندر کی دیکھا دیکھی کہیں آپ بھی اسکول سے نہ اُڑنے لگیے گا۔ یہ نہ سمجھیے کہ رابندر کو پڑھنے کا شوق نہ تھا۔ وہ گھر پر دُنیا بھر کی کتابیں دن بھر پڑھا کرتے تھے۔ جبھی تو ۹-۱۰ برس کی عمر میں شعر کہنا شروع کردیا اور ابھی ۱۲-۱۳-۱۴ برس ہی کے تھے کہ ایک کتاب لکھ ماری۔ ہے آپ میں اتنی ہمت؟ اگر آپ سمجھتے ہیں اور سمجھتے ہی نہیں بلکہ لکھ بھی سکتے ہیں تو بھی ہماری طرف سے تو اجازت

بنے کہ تمھارا جی چاہے تو اِسکول جاؤ۔ نہ چاہے تو تمھاری مرضی۔

۱۴ سال کی عمر میں ہنستے کھیلتے رابندر کو پہلا صدمہ پہنچا۔ اس سال اُن کی پیاری ماں ساردا دیوی کا انتقال ہوگیا۔ رابندر کو اُن کے باپ نے اب اسکول سے اٹھالیا اور گھر پر ہی اُن کی تعلیم کا انتظام کیا۔ گھر پر اُ۔ اس کے بعد دوبارہ کچھ دِنوں تک اسکول میں پڑھ کر اُنھوں نے انگریزی سیکھی۔ ۱۶ برس کی عمر تک تو اُنھیں انگریزی زبان میں لکھنے کی خوب مہارت ہوگئی۔ اس زمانے میں جو مضمون اُنھوں نے کلکتہ کے انگریزی اخباروں اور رسالوں میں لکھے اُنھیں دیکھ کر انگریز تک عش عش کرنے لگے۔

رابندر ناتھ نے یورپ کے بہت سفر کیے۔ سب سے پہلا سفر اُنھوں نے اپنے بڑے بھائی کے ساتھ سترہ برس کی عمر میں انگلستان کا کیا۔ انگلستان میں اُنھوں نے انگریزی لکھنے اور پڑھنے کی خوب مشق بڑھائی۔ لیکن کوئی ڈگری نہ لی۔ وہ لکھنے پڑھنے میں بی اے۔ ایم اے کی ڈگریوں کے قائل نہ تھے۔ وہ اپنی مادری زبان بنگالی میں بھی برابر لکھتے رہے۔ بیس سال کی عمر میں اُنھوں نے بنگالی زبان میں کئی اچھے اچھے ڈرامے لکھے۔

رابندر ناتھ انگلستان سے واپس آئے تو ہندوستان میں کچھ نیا ہی رنگ ڈھنگ نظر آیا ہر طرف آزادی آزادی کے نعروں کی گونج تھی۔ اب ہندوستانی چاہتے تھے کہ اپنے ملک کی باگ ڈور خود ہی سنبھالیں۔ رابندر بھلا کیسے چپ بیٹھ سکتے تھے۔ بہت سے زیادہ ملک اور ملک والوں کے دُکھ اور رنج کو کون سمجھ سکتا تھا۔ وہ کتابیں لکھنے کے ساتھ ساتھ بڑے جوش کے ساتھ ملک کی سیوا میں لگ گئے۔

رابندر ناتھ نے اس عرصے میں بہت کچھ لکھا [illegible] بنگالی زبان میں اور انگریزی میں بھی نئے نئے قصے کہانیاں ڈرامے اور اچھی اچھی نظمیں لکھیں۔ اسی عرصے میں جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں اُنھوں نے ملک [illegible] قوم کی خدمت بھی جی توڑ کر کی، پر شاعر [illegible] ایک ایسی الگ تھلگ جگہ، ایک ایسے دور [illegible] کونے میں جاکر بسنا چاہتا تھا جہاں امن [illegible] شانتی۔ ملک کی خدمت اور بڑے بڑے قوم [illegible] کرنے کے لئے تو بہتیرے لوگ موجود [illegible] لڑکوں اور لڑکیوں کی تعلیم و تربیت [illegible] نہ دیتا تھا۔ پیا میو! کل تم ہی تو [illegible] کی باگ ڈور سنبھالنے [illegible] والا اور تمھیں ڈھنگ کا [illegible] تو کل تمھارے دیس کا کیا حال [illegible] کھوتے کے! رابندر ناتھ [illegible] طرح سمجھ لیا۔ وہ ابھی تک [illegible] ہوئے تھے۔ اُن کے خیال [illegible]

تو بھاگنا ہی اچھا۔ اسی وجہ سے سنہ ۱۹۰۱ء میں اپنے ایک گاؤں میں ایک اسکول کھولا اس نئی بستی کا نام شانتی نکیتن (امن کی جگہ) رکھا۔ شانتی نکیتن اب کوئی ننھا منا اسکول نہیں۔ یہ رابندر ناتھ کی ان تھک کوششوں سے ایک بہت بڑا کالج بن گیا ہے۔ جہاں دور دور سے طالب علم پڑھنے آتے ہیں۔ اور جہاں ہندی، سنسکرت، اردو، فارسی، چینی روسی، جرمن وغیرہ زبانوں کے علاوہ تصویر کشی اور گانے کی بھی تعلیم دی جاتی ہے۔ لیکن یہ نہ سمجھنا کہ شانتی نکیتن علاء الدین کے چراغ سے بنایا گیا ہے۔ رابندر ناتھ نے اس کے بنانے میں بڑا ہی دُکھ اور رنج سہا انھوں نے اس کے لیے اپنا سب کچھ تج دیا۔ وقت پڑنے پر اپنی جائداد، کتابیں اور اپنی بیوی کا زیور تک بیچ دیا۔ شانتی نکیتن رابندر ناتھ کے بڑے گاڑھے پسینے کی کمائی ہے۔

شانتی نکیتن بن جانے اور اس کے پڑھنے اور ترقی کرنے پر رابندر ناتھ بہت خوش تھے۔ یہیں انھوں نے اپنے لیے ایک جھونپڑا ڈال لیا۔ اپنی باقی عمر اس میں گذار دی۔ ان کی کوششوں اور قربانیوں کے اب انھیں پھل بھی ملنے شروع ہوگئے سنہ ۱۹۱۳ء میں انھیں نظموں کی سب سے اچھی کتاب گیتانجلی پر یورپ کا مشہور انعام نوبل پرائز[۵] ملا۔ اس کتاب کا ترجمہ اردو میں بھی ہوگیا ہے۔

دوسرے ہی سال سرکارِ انگریزی کی طرف سے انھیں "سر" کا بڑا خطاب ملا۔ جسے رابندر ناتھ نے سنہ ۱۹۱۹ء میں اس وجہ سے واپس کر دیا کہ وہ سر کوے کر کیا کریں۔ جب ہندستانیوں کے سر ڈنڈوں سے خاک کی جاتی ہے۔

رابندر ناتھ ٹیگور اپنے شانتی نکیتن کو بہت کم چھوڑتے۔ چھوڑتے تو مجبوراً سفر کے لیے۔ انھوں نے بڑھاپے میں بھی یورپ کے دو تین سفر کیے۔ اس مرتبہ وہاں کے بڑے بڑے لوگوں آئنسٹائن اور مسولینی وغیرہ سے ملاقاتیں کیں۔ سنہ ۱۹۳۲ء میں رضا شاہ شاہِ ایران کی دعوت پر وہ ایران بھی گئے۔ انھیں آخر عمر میں گانے اور تصویر کشی کا بڑا شوق ہوگیا تھا وہ بہت جلد اعلیٰ درجے کی تصویریں بنانے لگے یہی کہ وہ لندن اور پیرس کی نمائشوں میں دکھائی جانے لگیں۔

[۵] ڈاکٹر الفریڈ نوبل (NOBEL) سویڈن کا بہت مشہور انجنیر اور کیمیا ساز تھا اُس نے اِس کیمیا سازی کی بدولت کروڑوں روپے کمائے مگر اس آمدنی کو اس نے اچھے کاموں میں لگایا اس نے وصیت کی کہ ہر سال ادب، کیمیا، طب اور سائنس میں جو لوگ کوئی خاص اور نمایاں کام کریں تو انھیں میری جائداد کی آمدنی میں سے انعامات دئے جائیں (ہر انعام کوئی سوا لاکھ روپے کا) یہ انعام سنہ ۱۹۰۲ء سے تقسیم ہونے لگا تھا۔ سنہ ۱۹۱۳ء میں ادب کا انعام ٹیگور کو ملا۔

رابندر ناتھ ٹیگور بہت بڑے شاعر تھے۔ انھوں نے بڑی اچھی اچھی کہانیاں اور قصّے بھی لکھے۔ وہ تقریر بھی بڑی اچھی کر سکتے تھے۔ لیکن ان کے من کی سب سے بڑی موج شانتی نکیتن کا اسکول تھا۔ بچپن میں چونکہ وہ خود اسکول سے بھاگ چکے تھے۔ اس لئے اب انھوں نے ایک ایسا اسکول بنایا جہاں سے کسی کا بھاگنے کو جی نہ چاہے۔ وہ خود بہت عرصے تک شانتی نکیتن سے دور نہیں رہ سکتے تھے وہ کہیں ہوتے ان کی آنکھوں میں شانتی نکیتن کے آموں کے کنج، کالے کالے گھنے بادل اور ہرے بھرے میدان بسے رہتے۔ ایسے ہی ہرے بھرے میدانوں، گھنے بادلوں اور آموں کے کنجوں کو چھوڑ کر وہ اس سال کے بھادوں (۷ اگست ۱۹۴۱ء) میں شانتی نکیتن جا سے چل بسے ۔

کیا خوب آدمی تھا۔ کچھ دن ہوئے دہلی کے آل انڈیا ریڈیو اسٹیشن نے ہندوستان کے چند بڑے بڑے لیڈروں اور زیادہ تر ادبی خدمت کرنے والے بزرگوں کے حالات پر تقریریں کرائی تھیں۔ تقریر کرنے والے بھی ایسے تلاش کئے تھے جن کا ان بزرگوں سے خوب میل ملاپ تھا۔ حالی پبلشنگ ہاؤس دہلی نے ان تقریروں کو بہت سلیقے اور نفاست کے ساتھ کتاب کی صورت میں چھاپ دیا ہے۔ زیادہ عمر کے پیامیوں کے لئے کام کی چیز ہے۔ ضخامت ۲۰۰ صفحے ہیں۔ لکھائی چھپائی اور کاغذ بھی اچھا ہے۔ کتاب مجلّد ہے اور اوپر بہت خوب صورت کور یا گرد پوش ہے۔

عہ میں حالی پبلشنگ ہاؤس دہلی سے مل سکتی ہے۔

**بتیسی**:- از جناب وقار احمد صاحب۔ اس کتاب میں بچوں کے لئے بتیس ہنسی کی کہانیاں ہیں۔ قریب قریب سبھی دلچسپ ہیں۔ اور انھیں شروع کرنے کے بعد پوری کتاب ختم کئے بغیر چین نہیں آتا۔ ان کہانیوں میں کسی نہ کسی عقل کی بات پر زور دیا گیا ہے۔ چھیانوے صفحے ہیں لکھائی، چھپائی اور کاغذ اچھا، ٹائٹل خوب صورت۔ انوار احمدی پریس الہ آباد سے عہ میں مل سکتی ہے۔



محمد یحییٰ - پٹنہ کالج

# کھیل میں کام کرنے والے

چُنّو ............ ایک شریر اور چالاک لڑکا

مدن ............ چُنّو کا دوست

گھسیٹا خاں ............ چُنّو کا دوست مگر چُنّو سے بیزار

طوطا رام ............ چُنّو کا ساتھی اور گھسیٹا کا دوست۔

منشی جی ............ ہوسٹل میں باورچی خانے کے منتظم

## سین

کھیل کا میدان ۔ چُنّو، طوطا اور گھسیٹا آپس میں باتیں کر رہے ہیں۔

وقت :- شام کوئی ۴½ بجے۔

گھسیٹا۔ بھائی چُنّو اب تو امتحان بھی ختم ہو گئے اب تو کہیں سیر کو چلو۔

طوطا۔ ہاں ، ہاں ضرور - پڑھتے پڑھتے بھائی میں تو بالکل عاجز آ گیا۔

چُنّو۔ یہی تو میں بھی سوچ رہا تھا - پر چلیں کہاں

گھسیٹا۔ ارے دوست پچھلی گرمیوں میں ہم پک نک کر گئے تھے۔ اب کے پھر کیوں نہ چلیں؟

طوطا :- ضرور - خوب پک نک رہی تھی - کیوں بھائی چُنّو؟ -

چُنّو :- ہاں تھی تو مزے کی - مگر کب چلوگے؟

طوطا :- کل چلیں - کل اتوار ہے نا - کیوں گھسیٹا؟

گھسیٹا :- بالکل ٹھیک - مگر بھائی کچھ سامان بھی تو کرنا ہوگا۔

چُنّو :- ارے ، سامان کیا؟ چل کر بازار سے کچھ پھل اور چاکلیٹ خرید لیں گے۔

طوطا :- اور ہاں بھئی چُنّو! تمھارے گھر سے جو حلوا آیا

ہے اُسے بھی رکھ لینا
گھسیٹا :۔ (ہنستے ہوئے) ضرور وہی تو سب سے ضروری چیز ہے۔
چُنّو :۔ ہاں بھئی اچھا یاد دلایا۔ مگر اس کے ساتھ چار کا سامان لازمی ہے۔
گھسیٹا :۔ تم فکر نہ کرو۔ سب انتظام ہو جائے گا۔
طوطا :۔ کل صبح سویرے ٹھیک ۶ بجے روانہ ہونا ہے۔
چُنّو :۔ اور اُسی جگہ نا؟
طوطا :۔ ہاں۔ ہاں اُسی جگہ

## سین

(جنگل۔ اسٹو جلنے کی آواز آ رہی ہے)
گھسیٹا :۔ ابھی تو کوئی سات بجے ہوں گے۔ ناشتہ کرنے میں مزا نہ آئے گا۔ پہلے ذرا تھک لیں۔
طوطا :۔ ہم آنکھ مچولی کیوں نہ کھیلیں؟
گھسیٹا :۔ چُنو، ضرور ضرور
چُنّو :۔ چور کون بنے گا؟
گھسیٹا :۔ آؤ میں بتاؤں (گنتا ہے) ایک دو تین چار، پانچ، چھ، سات، آٹھ، نو، دس۔ بھئی چُنّو تم نکل گئے۔ اب میں اور طوطا رہ گئے۔
چُنّو :۔ (ہنس کر) اچھا ہوا بھئی میں تو بچ گیا۔ اب طوطا اپنی خیر منائے۔

گھسیٹا :۔ ایک، دو، تین، چار، پانچ، چھ سات، آٹھ، نو، دس۔
چُنّو :۔ ارے گھسیٹا پکڑا گیا۔ جا، اب چور بن۔
طوطا :۔ شکر خدا کا، میں بچ گیا۔
گھسیٹا :۔ کُٹنا ہی درخت ہوگا۔ اچھا دور جا کر چھپ جاؤ۔ میں ایک سے لے کر سو تک گننے کے بعد آنکھیں کھول دوں گا۔
چُنّو :۔ اچھا میں چلا۔ (چُنّو چلا جاتا ہے۔)
گھسیٹا :۔ بھائی طوطا موقع اچھا ہے۔ اب مار ہاتھ۔
طوطا :۔ اوہو خوب سوجھی تجھے۔
گھسیٹا :۔ ڈبے سے تمام چیزیں نکال لیں پھر اس جھاڑی کی اوٹ میں چاکلیٹ اور حلوے سے شغل کریں۔
طوطا :۔ بس بالکل ٹھیک۔ مگر جلدی۔
(دونوں مل کر تمام چیزیں نکالتے ہیں اور جھاڑی کے پیچھے جلدی جلدی کھاتے ہیں)
چُنّو :۔ (چُنّو دور سے بولتا ہے) ارے بھائی گھسیٹا ابھی تک تمہاری سو تک گنتی ختم نہیں ہوئی۔ کیا گننا بھول گئے؟ (قریب آتا ہے) دونوں کے دونوں غائب! کھانے کا بکس تو یہیں پڑا ہے (سامنے سے دونوں آتے دکھائی دیتے ہیں) واہ بھئی واہ دونوں کہاں چلے گئے تھے۔ یہ کھیل ہے یا مذاق۔

**گھسیٹا:**۔ خوب، مذاق کی ایک ہی رہی۔ میں تو تمھیں ڈھونڈھ رہا تھا۔

**چُنّو:**۔ واہ۔ میں تمھیں ڈھونڈھ رہا ہوں اور تم مجھے۔ خیر چھوڑو۔ تمھیں کھیلنا نہیں ہے۔ آؤ ناشتہ کریں۔

(گھسیٹا اور طوطا ایک دوسرے کو دیکھ کر ہنستے ہیں۔)

**چُنّو:**۔ اس میں ہنسنے کی کون سی بات ہے۔

**طوطا:**۔ تم بکس کھولو نا۔ ہم یہاں بیٹھے ہیں۔ (چُنّو بکس کھولتا ہے اور خالی پاتا ہے۔)

**چُنّو:**۔ (کھسیانی ہنسی ہنس کر) اچھا یہ بات ہے۔ خیر دیکھا جائے گا (دونوں زوروں سے ہنستے ہیں۔)

## سین

(چُنّو اپنے دوست مدن کے ساتھ ہوسٹل میں۔)

**مدن:**۔ چُنّو۔ اِن کم بختوں نے تمھیں خوب ہی الّو بنایا

**چُنّو:**۔ کوئی ترکیب بتاؤ یار؟

**مدن:**۔ بالکل آسان ہے۔ وہ دیکھو۔ منشی جی اپنے کمرے میں بیٹھے ہیں۔ بس اُن کے پاس تھوڑا سا حلوا لے کر چلے جاؤ۔ سارا کام بن جائے گا

**چُنّو:**۔ (اُچھل کر) بس خوب رہا۔ شاباش مدن۔

(چُنّو منشی جی کے پاس جاتا ہے)

**مُنشی جی:**۔ کیوں رے چُنّو نالائق۔ کیا ہے؟

**چُنّو:**۔ منشی جی گھر سے کچھ حلوا آیا تھا۔ میں نے سوچا میرے منشی جی کے دانت نہیں ہیں۔ خوب مزے سے کھائیں گے۔

**مُنشی جی:**۔ لا بیٹا۔ شاباش۔ بڑا ہی اچھا لڑکا ہے۔

## سین

شام کا وقت مُنّو اور چُنّو گپ کر رہے ہیں

**مدن:**۔ کیوں چُنّو دے آئے حلوا منشی جی کو۔

**چُنّو:**۔ ہاں بھائی۔ مگر دیکھو بھائی کامیاب بھی ہوتا ہوں یا نہیں۔

**مدن:**۔ (کان میں کچھ کہہ کر) میری بات مانو سب کام ٹھیک ہو جائے گا۔

**چُنّو:**۔ میں سمجھ گیا! اچھا اب چلتا ہوں۔ وقت ہو گیا

**مدن:**۔ ہاں جاؤ ہوشیار رہنا۔

(چُنّو منشی جی کے کمرے میں)

**مُنشی جی:**۔ کیوں رے۔ چُنّو بیٹا۔ حلوا لایا ہے۔ نالائق۔

**چُنّو:**۔ نہیں منشی جی ایک بات کہنی تھی۔

**مُنشی جی:**۔ کہہ کیا کہنا ہے۔ نالائق۔

**چُنّو:**۔ گھسیٹا اور طوطا کے پیٹ میں درد ہے آج رات

کھانا نہیں کھائیں گے۔

منشی جی: دونوں شریر ہیں۔ زیادہ کھا گئے ہوں گے۔ نالایق ہیں سب۔

## سین

کھانے کا کمرہ ہوسٹل کے تمام لڑکے جمع ہیں منشی جی کھانا کھلوا رہے ہیں طوطا اور گھسیٹا داخل ہوتے ہیں

منشی جی:۔ ارے گھسیٹا اور طوطا تم یہاں کیوں آئے۔ پیٹ کا درد اچھا ہو گیا۔ نالایق۔

طوطا اور گھسیٹا:۔ جی، جی، جی۔ پیٹ میں درد!

کس کے پیٹ میں درد تھا؟ نہیں تو

منشی جی:۔ ارے جی، جی کا بچہ۔ نالائق جھوٹ بولتا ہے۔ نالائق۔ چھنو بیٹے نے مجھ سے کہا ہے۔ وہ بڑا اچھا لڑکا ہے۔ وہ کبھی جھوٹ نہیں کہہ سکتا جاؤ تم لوگ۔ کھانا نہیں ملے گا۔ آج کی رات۔ اگر کچھ ہو جائے گا تو میں پکڑا جاؤں گا۔

(گھسیٹا اور طوطا جاتے ہیں)

## سین

دس بجے ہوسٹل میں۔ رات کا وقت

طوطا:۔ ارے گھسیٹے یار چھنو نے تو خوب بدلا لیا ارے یار اب تو آ منتیں قُل ہو اللہ پڑھ رہی ہیں۔ (پیچھے سے ایک آواز) "اور کھاؤ حلوا اور چاکلیٹ"

پردہ

---

# سائنس کا مشغلہ

بازار سے ایک شیشے کا مرتبان، پتلا تھوڑا سا الومنیم اور لوہے کے چند باریک باریک ذرے اور واٹر گلاس جو انڈا رکھنے کے کام آتا ہے اور شہد کی طرح گاڑھا ہوتا ہے) لے آؤ۔ مرتبان میں ریتے کی تہہ بچھا دو اس پر لوہے اور الومنیم کے ٹکڑے اس ترکیب سے بچھاؤ کہ پانی پڑنے سے ہلیں ڈُلیں نہیں اس کے بعد ایک حصّہ واٹر گلاس تین حصّہ پانی میں ملا کر مرتبان میں ڈال دو۔ مرتبان بھر جانا چاہیے چند دن بعد مرتبان میں ایک ہرا بھرا لہلہاتا ہوا باغ تیار ہو جائے گا کبھی کبھی مرتبان کے میلے پانی کو نکال دینا چاہیے۔ اس کی ترکیب یہ ہے کہ مرتبان صاف پانی کی بالٹی میں رکھ دو۔ اس طرح میلا پانی نکل جائے گا اور صاف پانی مرتبان میں آ جائے گا۔ مگر اس کے لئے کافی احتیاط کی ضرورت ہے۔

# انگلستان میں تعلیم کیسے پھیلی

شانتی سروپ شاستری

ہمارے دیس میں پڑھنے لکھنے کا رواج دن پر دن بڑھتا ہی جا رہا ہے۔ جگہ جگہ نئے نئے مدرسے کھل رہے ہیں۔ پرانے مدرسوں کو ترقی دی جا رہی ہے۔ پڑھنے لکھنے کے طریقے بدلے جا رہے ہیں۔ جو نوجوان اور بوڑھے بے پڑھے لکھے رہ گئے ہیں ان کے پڑھنے لکھنے کا بھی انتظام کیا جا رہا ہے۔ ان سب کوششوں پر بھی ہندوستان میں پڑھے لکھوں کی تعداد سو میں کُل آٹھ ہے۔ دنیا میں بہت ہی کم ایسے ملک ہوں گے جہاں پڑھے لکھے اتنی کم تعداد میں ہوں گے۔ یورپ کا تو کچھ پوچھنا ہی نہیں۔ ایک انگلستان ہی کو لے لو وہاں اس وقت پڑھے لکھوں کی تعداد سو میں ستانوے ہے۔ کیا سمجھے؟ ہندوستان میں سو میں آٹھ اور انگلستان میں سو میں ستانوے! کتنا بڑا فرق ہے۔ مگر یہ ترقی ایک دن میں نہیں ہوئی انگریز قوم اور انگریزی حکومت کو اس کے لئے بہت کچھ کوشش کرنا پڑی ہے۔ آج ہم تمہیں یہی بتانا چاہتے ہیں کہ انگلستان میں پڑھنے لکھنے کا رواج کیسے اور کب سے ہوا۔

پرانے، بہت ہی پرانے زمانے کے انگریز کو زندگی اچھی طرح گذارنے کے لئے بہت اچھا شکاری اور بہادر سپاہی بننا ضروری تھا اور بس۔ پڑھنے لکھنے کا تو ذکر ہی کیا۔

سینکڑوں برس بعد اس ملک میں ایک اور قوم آئی۔ یہ سیکسن قوم تھی۔ اس قوم نے شکار اور سپاہ گری کے ساتھ ساتھ زمین جوتنا، فصل بونا، کاٹنا، اناج کو سنبھال کر رکھنا۔ غرض کھیتی باڑی کی سب باتیں سیکھیں۔ پھر زمانے نے کچھ اور ترقی کی اور بھیڑیں پالنے اون کاتنے اور کپڑا بننے کا رواج ہوا اس کے علاوہ لوگوں نے تجارت اور لین دین کی باتیں سیکھنی شروع کیں۔ سپاہ گری اب بھی بہت ضروری تھی۔ نوجوان فرصت کے وقت تیر اندازی اور نیزے بازی سیکھتے تھے۔

اس زمانے میں پڑھنا لکھنا کوئی ایسی عزت کی بات بھی نہیں تھی۔ یہ کام پادریوں کا سمجھا جاتا تھا۔ صرف

رئیسوں کے بچّے اُن پادریوں کے پاس آکر پڑھنا لکھنا سیکھتے تھے۔

پھر ایک اَور قوم نارمن نے اِنگلستان پر حملہ کیا۔ اُنھوں نے اِس مُلک پر قبضہ کرتے ہی بڑے بڑے گرجے بنوائے۔ اِن گرجوں کے ساتھ ساتھ مدرسوں کا بھی انتظام کیا۔ آس پاس کے ضلعوں کے ہونہار بچّے اِن اِسکولوں میں آتے تھے۔ عام لوگوں کے لئے تعلیم کا کوئی انتظام نہیں تھا۔ حضرت عیسیٰ کی وفات کے چودہ سو سال بعد تک پورے یورپ میں پڑھنے لکھنے کا رواج بس برائے نام تھا۔ کوئی راجہ یا رئیس اپنا نام لکھ جانتا تھا تو یہ گویا بڑی بات تھی۔ صرف پادری لوگ پڑھنا لکھنا جانتے تھے اور اِسی کی بدولت عام لوگوں پر اپنی دھونس قائم رکھتے تھے۔ اور یوں کہو کہ من مانی کرتے تھے۔

ان گرجوں میں لاطینی زبان کا رواج تھا عبادت بھی اِسی زبان میں ہوتی تھی۔ پادریوں کے مدرسوں میں پڑھائی بھی لاطینی زبان میں ہوتی تھی اس کے بعد ایک انگریز بادشاہ ہنری ہشتم کے زمانے میں عیسائیوں کی مذہبی کتاب انجیل کا ترجمہ انگریزی زبان میں ہوا اس کے کچھ حصّے لوگوں کو پڑھ کر سُنائے بھی جاتے تھے۔ ہنری ہشتم بہت ظالم بادشاہ تھا اُسے ڈر ہوا کہ اِس کتاب کو پڑھ کر لوگوں میں اس بات کا خیال پیدا ہو جائے گا کہ اُن پر ظلم ہو رہا ہے۔ اُس نے تمام گرجے تباہ کردئے۔ اِن گرجوں کے ساتھ اِسکول بھی ختم ہوگئے۔ بس تھوڑے سے مدرسے باقی رہ گئے۔ یہ چند بڑے بڑے شہروں کے بیوپاری اور تاجر لوگوں نے کھولے تھے۔ ہنری کے بعد کوئی دو سو برس تک یہی حال رہا۔

اب ایک شخص رابرٹ نے اتوار کے مدرسے جاری کئے عام بچّوں کی پڑھائی کے سلسلے میں یوں سمجھو کہ یہ پہلی کوشش تھی۔ اِن مدرسوں کے علاوہ گرجوں اور مذہبی انجمنوں کی مدد سے بھی کچھ مدرسے چلتے رہے ایک سو سال تک یہی صورت رہی۔ اِس عرصے میں انگلستان میں بہت سے کارخانے کُھل گئے دیہاتی اپنے گاؤں سے شہر میں آآکر ان کارخانوں میں مزدوری کرتے تھے۔ اِن دیہاتی مزدوروں اور کارخانے کے مالکوں میں اکثر جھگڑے ہوتے رہتے تھے اور نوبت بلووں تک پہنچ جاتی تھی۔ یہ لوگ خود تو بہت سیدھے سادے ہوتے تھے۔ اپنے نفع نقصان کو بھی نہیں سمجھ سکتے تھے۔ اِن کے لیڈر جو بات بتا دیتے تھے بس وہی کرتے تھے۔ یہ لیڈر خود جاہل ہوتے تھے کبھی کبھی ایسی باتیں کر بیٹھتے تھے جن سے بے چارے مزدوروں کو فائدے کی جگہ نقصان پہنچ جاتا تھا۔ انگلستان کی حکومت سے یہ باتیں چھپی ہوئی نہیں تھیں۔ وہ اِن بُرائیوں کا سبب محض جہالت سمجھتی تھی یہ بات بھی اِس کی سمجھ میں آگئی تھی کہ ملک کے پڑھے لکھے لوگ

زرخیز زمینوں، مشینوں اور کارخانوں سے بھی کہیں زیادہ قیمتی ہیں سنہ۱۸۳۳ء سے حکومت بچّوں کی تعلیم کے سلسلے میں مذہبی انجمنوں کی مدد کرنے لگی۔ پھر بھی آج سے سو سال پہلے تک مُلک میں پڑھے لکھوں کی تعداد ایک چوتھائی سے زیادہ نہ بڑھ پائی۔ مدرسے بہت کم تھے۔ جو کچھ تھے اُن کی حالت اچھی نہ تھی۔ یورپ کے دوسرے مُلک پڑھنے لکھنے میں بہت زیادہ ترقی کر رہے تھے۔ انگلستان کے سمجھ دار لوگوں نے محسوس کیا کہ اگر پڑھائی کا یہی حال رہا تو انگلستان یہ بات میں دُنیا کے دوسرے مُلکوں سے پچھڑ جائے گا اس لئے اُنھوں نے طے کر لیا کہ مُلک کے ہر ایک لڑکے اور لڑکی کو پڑھا لکھا بنا دیا جائے۔ آج سے کوئی ۷۰ برس پہلے یعنی سنہ۱۸۷۰ء میں انگلستان میں بچّوں کی پڑھائی کے بارے میں ایک قانون منظور ہوا۔ ہر ایک بچے کے لئے مدرسے میں جانا لازمی قرار دے دیا گیا۔ بعض مدرسوں میں بچوں کے رہنے کا انتظام بھی کیا گیا۔ آج سے ۴۰ سال پہلے سنہ۱۹۰۲ء میں پڑھائی کے بارے میں ایک اور قانون بنا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ سرکاری مدرسوں میں بچّوں سے فیس نہ لی جائے۔ اور پڑھائی بالکل مُفت ہو۔ اب تک مزدور بچے آدھے وقت تو کارخانوں میں کام کرتے تھے اور آدھے وقت پڑھتے تھے۔ اس سے اُن کی تعلیم ادھوری رہ جاتی تھی سنہ۱۹۱۸ء میں یعنی پچھلی بڑی لڑائی کے بعد ایک اور قانون بنا اور ۱۶ سال کی عمر کی لڑکیوں اور لڑکوں کے لئے پورے وقت کی پڑھائی لازمی کر دی گئی۔ پھر تعلیم مکمّل کرنے کے لئے ۱۸ سال کی عمر تک چند گھنٹے مدرسے کی حاضری ضروری کر دی گئی۔ باقی وقت کارخانوں میں کام کرنے کی اجازت دی گئی۔

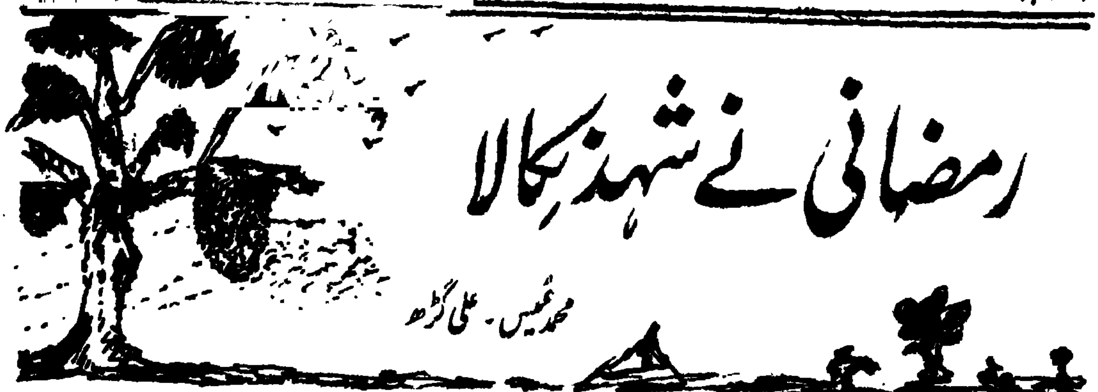
یہ انگریزوں کی اٹھارہ سو (۱۸۰۰) سال کی تعلیمی ترقی کی مختصر سی تاریخ ہے۔ پچھلے پچاس سال میں انگریز قوم نے تعلیم کے معاملے میں حیرت میں ڈالنے والی ترقی کی اور اب تو انگلستان میں شاید ہی کوئی انگریز بے پڑھا لکھا ہوگا۔ اِتنی ترقی کبھی نہ ہوتی۔ اگر حکومت پڑھائی کے لئے اتنی سہولتیں پیدا نہ کرتی۔ حکومت نے صرف پڑھائی کے مدرسے ہی نہیں کھولے بلکہ دستکاری کے مدرسے۔ تجارت یا بیوپار سکھانے کے اسکول کھیتی باڑی، ڈاکٹری، وکالت، انجنیری کے اسکول کھولے۔ اونچی تعلیم کے لئے یونیورسٹیاں کھولیں اسکولوں اور کالجوں میں گھوڑا سواری، تیراکی اور فوجی طریقے کی ڈرل سکھانے کا انتظام کیا گیا۔ پھر عجائب گھر، چڑیا گھر اور کتب خانے قائم کئے۔ جگہ جگہ نمائشوں کا انتظام کیا گیا۔ پھر خود لوگوں میں بچّوں کی تعلیم سے عام دلچسپی پیدا ہوئی۔ ان کے لئے اچھے اچھے رسالے اور اخبار نکلنے لگے۔ مزے مزے کی دلچسپ کتابیں چھپنے لگیں۔ بڑوں کے اخباروں میں بھی کچھ صفحے بچّوں کے لئے خاص کر دئے گئے۔

سنتے ہیں فرانس اور روس وغیرہ میں بچوں کی پڑھائی کا اور بھی اچھا انتظام ہے۔ ہمارا دیس ابھی ان سب ملکوں سے پیچھے ہے۔ بہت پیچھے مگر اب سمجھدار لوگوں کی توجہ کچھ کچھ اس طرف ہوگئی ہے۔ اگر ہمت کوشش، صبر اور استقلال سے کام لیا گیا تو کیا عجب جو کچھ دنوں میں ہم بھی دوسرے ملکوں کے مقابلے میں اپنا سر اونچا کر سکیں۔

# حساب دانوں کی کہانیاں

۱۔ پرانے زمانے میں تھیلس ایک مشہور حساب دان گذرا ہے۔ وہ آج سے کوئی ڈھائی ہزار برس پہلے (۶۴۰ قبل مسیح میں) ملٹس میں (یونان کا ایک مشہور شہر) پیدا ہوا۔ وہ نمک بیچ کر اپنا گذارا کرتا تھا۔ اس کے پاس بہت سے گدھے تھے۔ اس زمانے میں وہ ایک ایسی مشین کے بارے میں غور کر رہا تھا جس کی مدد سے اکیلا آدمی تیس یا چالیس من وزن اٹھا سکے۔ ایک دن وہ اپنے گدھوں اور خچروں پر نمک لاد کر بیچنے جا رہا تھا۔ راستے میں ایک ندی پڑتی تھی۔ اتفاق سے ایک خچر ندی میں گر گیا۔ تھیلس نے ہزار کوشش کی۔ ڈنڈے بھی مارے مگر وہ بہت دیر میں اٹھا۔ خچر کو اٹھتے ہی معلوم ہوا کہ وزن پہلے سے بہت کم ہے۔ کیونکہ نمک پانی میں گھل گیا تھا۔ اب وہ جب ہی ندی میں سے گذرتا جان بوجھ کر بیٹھ جاتا۔ اور اس وقت اٹھتا جب نمک کافی گھل جاتا۔ تھیلس ہر قسم کی کوششیں کر کے تھک رہا۔ مگر کوئی تدبیر بن نہ آئی ایک دن اس نے اس خچر پر روئی اور اسفنج کے ٹکڑے لاد دئے۔ خچر ہمیشہ کی طرح بیٹھ گیا۔ اب کے اس کے مالک نے اسے اٹھانے کی کوشش نہیں کی۔ بلکہ دور کھڑا مسکراتا رہا۔ جب تھوڑی دیر کے بعد خچر اٹھا تو وزن پہلے سے دوگنا تھا۔ کیونکہ روئی اور اسفنج میں پانی بھر گیا تھا۔ مگر ٹھہری ہوگئی۔ اسے ایسی نصیحت ہوئی کہ ندی میں بیٹھنا بند ہوگیا۔

۲۔ ایتھنز یونان کا دار الخلافہ ہے۔ پانچویں صدی قبل مسیح میں وہ ہر قسم کے علم وفن کے لئے مشہور تھا۔ اسی زمانے میں وہاں طاعون پھیل گیا۔ اور لوگ سینکڑوں کی تعداد میں مرنے اور گھر چھوڑ چھوڑ کر بھاگنے لگے۔ یونانیوں نے اپنے مندروں میں جا کر خدا کے حضور میں دعا کی۔ چنانچہ ایک غیبی آواز سنائی دی۔ کہ اس مندر سے دگنا ایک مندر اور بنایا جائے بیماری دور ہو جائے گی۔ فوراً معمار لگا دئے گئے۔ اور نئے مندر کی لمبائی، چوڑائی اور اونچائی پہلے مندر سے دگنی رکھ کر مندر بنا دیا گیا۔ مگر بیماری پہلے سے بھی زیادہ پھیل گئی۔ لوگوں نے پھر دعا کی۔ تو آواز آئی کہ یہ مندر پہلے سے آٹھ گنا ہے چنانچہ ایک اور مندر بنایا گیا جس کا طول پہلے سے دگنا تھا اور اونچائی اور چوڑائی اتنی ہی تھی۔ مگر بیماری کم نہ ہوئی۔ وہاں کے باشندوں نے پھر دعا کی تو معلوم ہوا کہ اس مندر کی شکل پہلے مندر سے مختلف ہے۔ چنانچہ لوگ افلاطون کے پاس گئے اور اس نے انہیں اقلیدس کے پاس بھیج دیا۔ اقلیدس بہت بڑا حساب دان تھا۔ اس نے انہیں مندر بنانے کا طریقہ بتا دیا اور بیماری دور ہوگئی۔



# رمضانی نے شہد نکالا

محمد عمیس ۔ علی گڑھ

رمضانی صاحب میرے نوکر ہیں اور ادریس صاحب میرے چھوٹے بھائی ۔ انھی دونوں کا قصہ آج مجھے سُنانا ہے۔

ایک دن یہ دونوں بدحواس شور مچاتے، دوڑتے میرے پاس آئے۔ میں سمجھا گھر میں آگ لگ گئی ہے لیکن ان کی باتوں سے پتہ چلا کہ خیر آگ تو نہیں لگی ہے لیکن ایک شہد کا چھتہ ضرور "دریافت" ہوا ہے یہ دونوں خوشی کے جوش میں اس قدر بے خود تھے کہ ٹھیک سے منہ سے بات نہیں نکل رہی تھی جیسے کولمبس نے امریکہ دریافت کرلیا ہو۔

یہ خوش خبری مجھ تک پہنچانے کے بعد یہ حضرت اس بات پر ضد کر رہے تھے کہ اس چھتے پر دھاوے کی تیاری فوراً شروع کردی جائے۔ ورنہ مکھیاں شہد لے کر اُڑ جائیں گی۔ اس آخری بات پر ان کو اس قدر کامل یقین تھا اور اس طرح قسموں پر قسمیں کھا رہے تھے ۔ جیسے اپنی آنکھوں سے مکھیوں کو بستر باندھتے دیکھا ہو۔ ساتھ ہی ساتھ یہ بھی درخواست تھی کہ اس کارِ خیر میں میں بھی جہاں تک ہوسکے مدد کروں اور اس کام کا صلہ اپنے حصے کے شہد کی شکل میں پاؤں۔

خیر صاحب ۔ جب میں نے پوچھا کہ آخر وہ بدبخت چھتا ہے کہاں ؟ تو بجائے سیدھا سادھا جواب دینے کے دونوں نے نئے سرے سے تمہید اُٹھائی یعنی یہ بیان کرنا شروع کیا کہ وہ چھتا دریافت کیسے ہوا۔ "دریافت" کا سہرا دونوں اپنے سر لینا چاہتے تھے۔ اِس لئے دونوں نے ایک ساتھ بولنا شروع کیا۔ پتہ چلا کہ کوٹھے پر ایک کمرے کی نالی میں ہے۔ "دریافت" کا سہرا رمضانی کے سر بندھا کیونکہ اُنھوں نے قسم کھا کر ثابت کر دیا کہ سب سے پہلے کوئی ایک ہفتہ ہوا اُنھوں نے اس کمرے میں بھنبھناہٹ کی آواز سنی تھی۔ اب یہ محض اتفاق کی بات کہئے کہ ان کو نالی میں جھانک کر دیکھنے کا خیال نہیں آیا۔ اور ادریس صاحب نے پہلے دیکھ لیا۔

نتیجہ اس ہنگامے کا یہ ہوا کہ کوئی پانچ منٹ بعد مجھے اس مہم پر روانہ ہونے والے دستے کی سرداری یا سپہ سالاری قبول کرنی پڑی۔ ہم لوگ فوراً محلے کے ایرے غیرے نتھو خیرے لونڈوں کو جمع کرکے حملے کی تیاری میں مصروف ہوگئے۔

دستے کی ترتیب یہ تھی۔ آگے آگے سپہ سالار صاحب ہاتھ میں ایک موٹی سی چھڑی لئے ہوئے تھے۔ اس کارآمد ہتھیار کی ضرورت، ذرا ضرورت سے زیادہ جوشیلے مجاہدین کو قابو میں رکھنے کے لئے پیش آئی اور دورانِ سفر میں بے حد مفید ثابت ہوئی۔ سپہ سالار کے مرتبے کو مدِنظر رکھتے ہوئے کوئی ایک قدم پیچھے رمضانی صاحب تھے۔ ان کی شان یہ تھی کہ بغل میں کالا کمبل، سیدھے ہاتھ میں پلیٹ کاندھے پر تولیا۔ بائیں ہاتھ میں ایک مشعل، جو ایک لکڑی کے سرے پر کپڑا باندھ کر بنائی گئی تھی۔ ان کے پیچھے تماشائیوں کا ایک گروہ تھا۔

ہم لوگوں کا یہ جلوس بہت دھوم دھام کے کمرے کے دروازے پر رکا۔ کوئی دو منٹ میں رمضانی مسلح ہوچکے تھے۔ اس شان سے کہ داہنے ہاتھ پر تولیا بندھا تھا۔ بائیں ہاتھ میں مشعل بائیں ہاتھ کا کام دشمن کے قلعے میں بدحواسی پھیلانا تھا۔ اور داہنا ہاتھ مالِ غنیمت بٹورنے کے لئے وقف تھا۔ تولیا اس لئے لپیٹا گیا تھا کہ مکھیاں کہیں ہاتھ میں نہ کاٹ کھائیں۔ کمبل ابھی بغل ہی میں دبا تھا۔

رمضانی صاحب نالی کے پاس کمبل اوڑھ کر بیٹھے پلیٹ سامنے رکھی اور مشعل جلا کر بولے آپ لوگ تیار ہو جائیے۔ ہم لوگ کہنے کے مطابق فوراً تیار ہوگئے یعنی کمرے کے کواڑ بند کر دیے گئے۔ رمضانی صاحب کام شروع کرنے والے تھے اس لئے ہم لوگ کواڑ سے کان لگا کر کھڑے ہوگئے۔

تھوڑی ہی دیر کے بعد مکھیوں کے بڑے زور سے بھنبھنانے اور رمضانی صاحب کے کھو کھو، کھو کھو ہنسنے کی آواز آئی۔ بولے "قسم اللہ کی۔ بڑے گستے میں ہیں گُل کی گُل!" پھر کچھ کھڑ کھڑ کی آواز آئی اور اس کے بعد رمضانی صاحب کی سُریلی آواز "ہا ہا! یہ ترتراتا مال!" معلوم ہوا کہ یہ کھڑکھڑ کی آواز شہد کے چھتے کا ایک ٹکڑا توڑ کر پلیٹ میں رکھنے کی تھی۔

فتح کی یہ پہلی خوش خبری سُن کر لونڈے خوشی سے اُچھلنے کودنے لگے لیکن تقدیر کھڑی ہنستی تھی۔ آہ! کسے معلوم تھا کہ کیا ہونے والا ہے۔ کسی شاعر نے سچ کہا ہے ؎

ہنسی کے ساتھ یاں رونا ہے مثلِ قلقلِ مینا

رمضانی صاحب کی سُریلی آواز ابھی ہمارے کانوں میں گونج رہی تھی کہ اچانک ـــــ انھوں

بے تلملا کر ایسی چیخ ماری کہ کچھ بزدل تو ڈر کے گھبرا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ باقی لوگ بے تابی سے کہا "کیا ہوا رمضانی؟ کیا ہوا رمضانی؟" کا شور مچانے لگے۔ جواب میں رمضانی صاحب نے بہت مدھم آواز میں کچھ من منا کر فرمایا جس سے یہ نتیجہ نکالا گیا کہ ایک مکھی نے کمل میں گھس کر گردن پر ڈنک لیا ہے۔ سخت تکلیف ہو رہی ہے۔

رمضانی صاحب کی آواز اتنی کم زور تھی کہ معلوم ہوتا تھا بس اب چلے اور نزع کا وقت قریب ہے۔ اس وقت سچ پوچھیے تو نہ تو ہمیں رمضانی صاحب کے ڈسے جانے کا غم تھا اور نہ اُن کے وفات پانے کا۔ غم اس کا تھا کہ کہیں ہمت ہار کر رمضانی صاحب فرار نہ ہو جائیں۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ محنت اکارت۔ کیونکہ باہر کھڑی ہوئی بزدلوں کی جماعت میں بدقسمتی سے کوئی بھی اِس قابل نہ تھا کہ "مرحوم" کی جگہ لے سکے۔ شہد کھانے کے لئے اب سوائے اس کے کوئی چارہ نہ تھا کہ رمضانی صاحب کو مکھیوں سے انتقام لینے کا جوش اور شاباش وغیرہ دے دِلا کر دوبارہ زندگی کی روح پھونکی جائے۔

رمضانی صاحب کے معاملے میں ابھی ہم اِس نسخے پر عمل بھی نہ کرنے پائے تھے کہ کمرے کے اندر سے یکبارگی پیروں کی دھما دھم اور کمل کی پھٹا پھٹ کی آوازیں آنا شروع ہوئیں۔ ساتھ ہی ساتھ رمضانی صاحب گلا پھاڑ کر کواڑ پیٹتے ہوئے چیخے "بس اب کھول دیجیے۔ بخش میاں!".... .... اب نہیں رہوں گا اس کے اندر......... ارے مر گیا........ ....... اجی مکھیاں گھس گئیں کمل میں ............" اور جب ہم نے اپنی حفاظت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے کواڑ کا تھوڑا سا پٹ کھولا تو رمضانی اِتنے زور شور سے کواڑ سے رگڑ کھاتا اور بدن سے تہمد نوچتا نکل کر بھاگا۔ جیسے توپ سے گولا چھوٹا ہو۔

یہ منظر دیکھ کر سب کے اوسان خطا ہوگئے اور وہ زور شور کی بھگدڑ مچی جیسے بکریوں کے گلے میں چیتا آن کودا ہو۔

وہ دِن اور آج کا دِن رمضانی نے پھر کبھی شہد نکالنے کی کوشش نہیں کی۔

# چراغ کی کہانی

مرزا اسکندر بیگ گورکھپور

انسان کبھی بے کار نہیں بیٹھا رہتا نہ پرندوں اور دوسرے جانوروں کی طرح سورج ڈوبتے ہی پڑ کر سو جاتا ہے۔ بلکہ رات کا ایک اچھا خاصا حصہ اپنے کام میں لاتا ہے۔ لیکن رات کو کام کرنے کے لئے روشنی کی ضرورت ہے۔ جب سورج ڈوب جاتا ہے تو اندھیرا ہو جاتا ہے۔ کسی اور طرح سے روشنی پیدا کی جائے تاکہ رات کو کام کیا جا سکے۔ رات کو چاند اور ستاروں کی مدھم روشنی ناکافی ہوتی ہے اور جب بادل گھر آتے ہیں تو وہ بھی بے کار ہو جاتی ہے۔ پھر روشنی کس طرح پیدا کی جائے؟

یہی سوال تھا جو شروع شروع میں انسان کے دماغ میں چکر لگا رہا تھا اور اس کے حل کرنے کی فکر تھی۔ اس نے دیکھا کہ رات کے اندھیرے میں جگنوؤں کے چمکنے سے روشنی ہو جاتی ہے اُس نے اس روشنی سے فائدہ اُٹھانا چاہا اور ایک سوراخ دار ناریل کے خول یا ایک سوراخ دار تونبی میں چند ننھے ننھے جگنو پکڑ کر بند کر دیے۔ یہ گویا انسان کا پہلا چراغ تھا جس سے اُس نے روشنی حاصل کی۔ لیکن ان کیڑوں کی پیدا کی ہوئی روشنی زیادہ تیز نہ ہوتی تھی۔ اس لئے انسان کو کسی دوسرے ذریعے کی فکر ہوئی۔ چراغ کی ترقی میں دوسرا قدم وہ تھا جب اُس نے اپنے غار میں جلائی ہوئی آگ سے درخت کی ایک ٹہنی کو روشن کیا اور اس سے چراغ کا کام لینے لگا۔ اسی کو مشعل کہتے ہیں اب اس مشعل میں کچھ ترقی ہوئی اور وہ ایسی کھپاچیوں سے بنائی گئی جن میں تیل یا چربی کا جز تھا۔ اس طرح روشنی زیادہ تیز اور پائدار ہو گئی۔ اس کے بعد کسی درخت کے پتوں میں موم یا چربی مل دی گئی اور انھیں ایک لکڑی کی چھڑ کے چاروں طرف لپیٹ دیا گیا۔ یوں روشنی اور صاف ہو گئی اور اس قسم کی مشعلیں شمعیں کہلائی جانے لگیں۔ کچھ عرصے بعد عقلمندوں نے معلوم کیا کہ اگر مشعل کے چاروں طرف چکنائی پوت دی جائے تو روشنی اور بھی عمدہ اور پائدار ہو جائے گی۔ بس

پھر کیا تھا ہر جگہ اسی طرح کی مشعلیں بننے لگیں۔ ایسی مشعل کی روشنی بہت زیادہ ہوتی تھی اور لطف یہ ہے کہ جلتے وقت دُھواں بھی بہت کم ہوتا تھا۔ ہزاروں سال تک اسی قسم کی مشعلوں سے کام چلتا رہا۔ اس کی ترقی میں ایک اہم قدم اس وقت اُٹھایا گیا جب الفریڈ اعظم (Alfred the Great) کے زمانے میں سوت کی ایک بتی پر چربی یا لاکھ کی ایک تہہ سی چڑھائی جانے لگی اور یوں موم بتی وجود میں آئی۔ عموماً کئی موم بتیاں ایک ساتھ روشن کی جاتی تھیں جن کی روشنی سے گھر میں اچھا خاصا اُجالا ہو جاتا تھا۔ آج کل کی موم بتیاں اُن سے اچھی تو ہیں لیکن اصول دونوں کا ایک ہی ہے۔

ابھی تک تو صرف شمع اور مشعل ہی کی ترقیوں کا ذکر ہوا ہے لیکن اُن کی ترقی کے ساتھ ساتھ ایک اور قسم کے چراغ میں بھی ترقی ہو رہی تھی۔ جب انسان کو یہ معلوم ہو گیا کہ جانوروں کی پگھلی ہوئی چربی آسانی سے جلنے لگتی ہے تو اُس نے ایک اور قسم کا چراغ بنایا جس کی ترقی یافتہ صورت آج کل کے لیمپ ہیں۔ شروع شروع میں کسی خول دار چیز یا کسی جانور کی کھوپڑی میں چربی پگھلا ڈال دی جاتی تھی۔ اور اس میں درخت کے ریشے بٹ کے ڈال دئے جاتے تھے جو بتی کا کام دیتے تھے اس چراغ کی بناوٹ سادہ تھی اور یہ ہلکا بھی تھا۔ ہوتے ہوتے سنکھ وغیرہ کی جگہ مٹی کے دئے استعمال ہونے لگے۔ اِن میں ایک طرف بتی کے لئے جگہ ہوتی تھی۔ ایسے دیوں کا آج تک ہندوستان وغیرہ میں رواج ہے رفتہ رفتہ اِن میں بجائے چربی کے سرسوں، ارنڈ، نیم اور مونگ پھلی کا تیل استعمال ہونے لگا۔ دیوالی کے موقع پر جو چراغاں ہوتا ہے۔ اُس میں زیادہ تر یہی دئے ہوتے ہیں اور میٹھا تیل استعمال کیا جاتا ہے۔

قدیم رومیوں اور یونانیوں (Romans & Greeks) میں جو لیمپ استعمال ہوتے تھے وہ عموماً فانوس نما ہوتے تھے اور اِن میں تیل کی کپّی بند ہوتی تھی۔ بیچ میں ایک سوراخ ہوتا تھا۔ اس میں سے بتی گذاری جاتی تھی اور تیل ڈالا جاتا تھا۔ اکثر اِن لیمپوں میں ایک درجن سے زیادہ چراغ ہوتے تھے اِن میں الگ الگ بتیاں ڈالی جاتی تھیں جتنی زیادہ بتیاں ہوتی تھیں اسی قدر روشنی بھی زیادہ تیز ہوتی تھی اٹلی کے مقام کارٹونہ کے عجائب گھر میں ایک ایسا لیمپ موجود ہے جس میں الگ الگ سولہ بتیاں ہیں۔ یہ عجیب و غریب لیمپ آج سے پونے تین ہزار برس پہلے اتروریہ کے بُت خانے میں روشن ہوا تھا۔ (پہلی بار)

اِس قسم کے لیمپ صرف اُس زمانے میں مہذب طبقے ہی میں استعمال نہ ہوتے تھے بلکہ اب بھی اُن کا رواج ہے۔ کبھی کبھی یہ لیمپ بے حد خوب صورت ہوتے تھے لیکن اُن کی روشنی زیادہ نہ ہوتی تھی اور ان میں سے دُھواں بہت نکلتا تھا جو گھر کی تمام چیزوں کو

کو سیاہ کر دیتا تھا۔ آخر کار ان میں بھی اصلاح شروع ہوئی۔

۱۷۸۴ء میں آرگینڈ (Argand) نامی ایک سوئس (Swiss) ڈاکٹر نے جو ان دنوں لندن میں تھا، ایک نیا لیمپ ایجاد کیا جو ان تمام لیمپوں سے عمدہ تھا۔ آرگینڈ نے پرانے لیمپ میں کیا اصلاح کی؟ کسی معمولی لیمپ کو دیکھو جس میں مٹی کا تیل جلتا ہے۔ تم دیکھو گے کہ اس کی چمنی بتی کو ہوا کے جھونکوں سے محفوظ رکھتی ہے اور اسی کے ذریعے سے ہوا آیا جایا کرتی ہے۔ آرگینڈ نے اسی اصول کو سامنے رکھا۔ لیمپ کے اس حصے کو جس میں چمنی ہوتی ہے غور سے دیکھنے پر معلوم ہوگا کہ اس میں ہوا کے آنے جانے کے لئے راستہ موجود ہے اسی راستے سے وہ بتی تک پہنچتی ہے۔ کیونکہ گرم ہوا (جو بتی کے جلنے کی وجہ سے گرم ہو جاتی ہے) ہلکی ہونے کی وجہ سے اوپر کو اٹھتی ہے۔ لہٰذا اس لیمپ کی ساخت میں اس اصول کو مدِنظر رکھا گیا تھا کہ جلتے وقت بتی کو زیادہ سے زیادہ تازہ ہوا مل سکے۔ آرگینڈ نے جو بتی اپنے لیمپ میں استعمال کی وہ پتلی اور چپٹی تھی اس لئے اپنی جسامت کے اعتبار سے زیادہ سے زیادہ ہوا لے سکتی تھی۔ اس قسم کے لیمپ کی روشنی بہت عمدہ ہوتی تھی اور بتی کی لو صاف اور شفاف ہوتی تھی۔ علاوہ اس کے جلتے وقت اس میں سے دھواں گویا نکلتا ہی نہ تھا۔

آرگینڈ کی اس ایجاد کی ہر جگہ دھوم مچ گئی۔ اور اگلے بیس سالوں میں لیمپ بنانے میں اتنی ترقیاں ہوئیں جتنی پچھلی بیس صدیوں میں بھی نہ ہوئی تھیں طرح طرح کے برنرز (Burners) (لیمپ کا وہ حصہ جس میں بتی ڈالی جاتی ہے اور جس پر چمنی جمائی جاتی ہے) ایجاد ہوئے۔ لیکن ان میں وہی آرگینڈ والا اصول کام کر رہا تھا۔

آرگینڈ کی اس ایجاد کے بعد اسکاٹ لینڈ کے ایک شخص ولیم مرڈک (William Murdock) نے گھروں کو روشن کرنے کا ایک نیا طریقہ معلوم کیا۔ لوگ مدت سے جانتے تھے کہ جب چربی یا [illegible] جلا ہے تو دونوں میں سے اٹھتے ہوئے ابخرات بہت وقت بہت صاف روشنی دیتے ہیں اور یہ جلنے والی چیز گیس ہوتی ہے۔ چربی یا کوئلہ نہیں یا تیل والے لیمپ کی بتی کی لو تیل کو حرارت پہنچاتی ہے جس سے تیل میں سے گیس نکلتی ہے۔ ۱۷۹۲ء میں ولیم مرڈک نے اس گیس سے بہت عمدہ کام لیا۔ اس نے ٹین کے ایک بہت بڑے برتن میں کوئلہ کو خوب دہکایا اور اُن سے نکلی ہوئی گیس اور نلکیوں کے ذریعے اپنے [illegible] حصے میں پہنچا دیا۔ جہاں کہیں وہ [illegible] تھا گیس کی نلکی کی ڈھبری کھول دیتا

نکلنے لگتی تو ذراسی دیا سلائی لگانے سے فوراً جل اُٹھتی تھی۔ اس کی روشنی بہت تیز عمدہ اور صاف ہوتی تھی۔ اس میں سے دھواں بالکل نہیں نکلتا تھا لیکن اس طرح روشنی کرنے میں ایک بڑا عیب یہ تھا کہ اگر کہیں گیس کے نل میں سوراخ ہوجاتا تھا تو گیس نکلنے پر جلد ہی آگ لگ جاتی تھی۔ کیونکہ یہ گیس فوراً آگ پکڑتی ہے۔

اس خرابی کو دور کرنے کی کوشش ہو رہی تھی کہ سنہ ۱۸۷۶ء میں ایک نئی قسم کی روشنی ایجاد ہوئی جس نے گیس کی روشنی کو ختم کردیا۔ یہ روشنی بجلی کی تھی۔ اس کا تجربہ پہلے پہل لندن والوں کے سامنے سرہمفری ڈیوی نامی سائنس داں نے کیا۔ اس نے ۲۰۰۰ سیل کی بیٹری بنائی اُس کے + اور - (مثبت اور منفی) تاروں کے قریب لانے سے ان کے بیچ میں روشنی کی ایک لکیر سی دکھائی دی سب سے پہلے جو برقی لیمپ ایجاد ہوا اُسے ارک لیمپ (Arc Lamp) کہتے ہیں گیس کاربن (Gas Carbon) کی ایک پتلی سی چھڑ میں سے بجلی کی لہر گذاری جاتی ہے۔ اور اس کے ایک طرف ایک قوس سا قائم ہوجاتا ہے۔ یہ بے حد روشن ہوتا ہے

اس قسم کی بجلی کی روشنی بہت تیز ہوتی ہے چنانچہ ارک لیمپوں سے صرف بازار اور گلیاں روشن کی جاتی تھیں۔ لیکن اس ایجاد سے پہلے روشنی کے لئے گیس لیمپ ہی استعمال ہوتے تھے (سنہ ۱۸۱۰ء میں لندن کا بیشتر حصہ گیس کے لیمپوں سے روشن ہوتا تھا سنہ ۱۸۲۱ء میں پہلے پہل امریکہ کے شہر بالٹیمور میں گیس کی روشنی ہوئی تھی) رفتہ رفتہ بجلی کی روشنی میں ترقی ہوئی۔ اور اس کی سب سے ترقی یافتہ صورت آج کل کے بجلی کے قمقمے (بلب) ہیں۔ اب بجلی کی روشنی بہت سستی ہوگئی ہے۔ اور ہر شہر میں بجلی کے قمقمے دکھائی دیتے ہیں۔ اس کو سستا کرانے میں امریکہ کے ایک موجد سر طامس ایلوا ایڈیسن نے بڑی مدد کی۔ ان کا انتقال سنہ ۱۹۳۱ء میں ہوا۔

مشعل، شمع، لیمپ، گیس کے لیمپ اور بجلی کے قمقمے، چراغ کی ترقی کے مختلف قدم ہیں اب ذرا خیال کرو کہ چراغ کے سلسلے میں انسان نے کیسی کیسی ترقیاں کی ہیں پہلے پہل لکڑی کی ایک چھڑ جلائی جاتی تھی جس سے تمام غار سیاہ ہوجاتا تھا اب یہ حال ہے کہ بٹن دبایا نہیں کہ تمام گھر میں روشنی ہوگئی نہ دھوئیں اور کاجل کا اندیشہ اور نہ گیس سے نقصان پہنچنے کا خدشہ۔

# بچوں کی نظمیں

مولوی محمد شفیع الدین صاحب نیّر کی اصلاح کے بعد

## بُلبُل

احمد سلمان - جامعہ نگر

آجا آجا بُلبُل آجا | پیارے پیارے بُلبل آجا
اچھا سا اِک گیت سُناجا | پیاری صورت اپنی دِکھاجا

آجا آجا بُلبُل آجا
پیارے پیارے بلبل آجا

اِتنا مجھ سے ڈرتا ہے کیوں | پیار نہیں تو کرتا ہے کیوں
جنگل جنگل پھرتا ہے کیوں | گرم ہوا میں مرتا ہے کیوں

آجا آجا بلبل آجا
پیارے پیارے بُلبل آجا

تجھ کو اچھا کھانا کھلاؤں | ٹھنڈا ٹھنڈا پانی پلاؤں
باغ کی تجھ کو سیر کراؤں | اچھے اچھے پھول دکھاؤں

آجا آجا بُلبُل آجا
پیارے پیارے بُلبل آجا

میری آنکھ کے تارے بلبل | میرے دل کے سہارے بُلبل
دنیا بھر کے پیارے بُلبل | میرے اچھے پیارے بُلبل

آجا آجا بُلبُل آجا
پیارے پیارے بُلبل آجا

سلمان کا دِل تجھ پہ فِدا ہے | زرد تو یہ تو ہی نے [illegible]
آجا تو بس یہ ہی دوا ہے | بتلا تیرے دِل میں [illegible]

آجا آجا بلبل آجا
پیارے پیارے بُلبل آجا

## مینا

قمر محمود خاں [illegible]

پالی ہے میں نے ننھی سی مینا | ہوتا ہے اُس کا [illegible]
زرّیں ہے اُس کی چھوٹی سی منقار | دیکھے سے جس کو [illegible]
چھوٹی سی آنکھیں پھیلے ہوئے پر | مینا کا میری [illegible]
پالا ہے میں نے عرصے سے اُس کو | ہوتی ہے تسکین [illegible]
باتوں سے میری راحت ہے پاتی | گاتا ہے [illegible]
مجھ سے ہمیشہ باتیں ہے کرتی | [illegible] میرے [illegible]

کاہے کو کانٹوں [illegible]
وہ مجھ سے [illegible]

## چڑیا

مبارک زماں خاں تعلیم گنج

دیکھو پھدکنے والی چڑیا  پیاری پیاری اچھی چڑیا
صبح کو منگل گانے والی  پیڑ پہ دھوم مچانے والی
چھوٹے چھوٹے پر پھیلا کر  بیٹھی ہے دیوار پہ آ کر
دانا کھانے آئی ہے یہ  شور مچانے آئی ہے یہ
محنت کرنا اور کمانا  خود کھانا بچوں کو کھلانا
ہر دم اس کا کام یہی ہے  صبح یہی ہے شام یہی ہے

دانا ہم بھی اب ڈالیں گے
ہم بھی اک چڑیا پالیں گے

## پیاری عفت

عبدالقدیر جیلپوری ۔ ندوہ لکھنؤ

عفت لڑکی بھولی بھالی  سب سے انوکھی سب سے نرالی
بال بھی اس کے کالے کالے  بالوں میں سیدھی مانگ نکالے
کپڑے پہنے اچھے اچھے  پاؤں میں اس کے سونے کے لچھے
گھر کا کام خوشی سے کرتی  جو کچھ کرتی جی سے کرتی
وہ نہ بھی سر چڑھنے والی  ہر دم لکھنے پڑھنے والی
دیکھیں تو خوش ہوں آپ بھی اس سے  خوش ہیں سب ماں باپ بھی اس سے

کرتے ہیں سب اس سے محبت
کنبے کی رونق گھر کی زینت

## ستارے

محمد آفاق علی ۔ فتح گڑھ

پیکو چھوٹے تارو چمکو  کیا جانیں ہم تم کو کیا ہو

کوسوں اوپر اس دنیا سے  اپنی چمک تم ہو دکھلاتے
روشن سورج جب چھپ جاتا  اور اندھیرا سا چھا جاتا
اپنی اپنی مشعل لے کر  تم ہو نکل کر آتے باہر

روشن ہو دنیا کو کرتے
اور ہو سب کی دعائیں لیتے

## تین بے وقوف

ایس اے ۔ بشیر ۔ گورکھپور

ایک قصہ تمھیں سناتا ہوں  رونے والوں کو بھی ہنساتا ہوں
لیکن قصہ ہے یہ عجب پر لطف  ہے نصیحت بھی جس میں لطف کا لطف
یعنی تھے تین بے وقوف کہیں  کر رہے تھے بحث ندی کے قریں
ایک کہتا تھا میرے یارو سنو  ختم باتیں کرو ہماری سنو
گرچہ لگ جائے اس ندی میں آگ  مچھلیاں جائیں گی کہاں یہ بھاگ
دوسرے نے کہا ارے احمق  میں ہمیشہ کہوں گا جو ہے حق
ہیں درخت اس لئے یہاں پہ کھڑے  تاکہ گر آگ اس ندی میں لگے
مچھلیاں پانی سے نکل آئیں  اور درختوں پہ جھٹ سے چڑھ جائیں
تیسرے نے کہا خوشا چہ خوب  کہہ گئے دل کو جو ہوا مرغوب
مچھلیوں کو سمجھ رکھا ہے کیا  بھینس اور بکری یا کوئی بھینسا
کہ چڑھیں بے دریغ پیڑ پہ یہ  اور سستی کریں نہ ہرگز یہ
بچو اور بچیو ذرا سوچو  ختم قصہ ہوا نصیحت لو
بے وقوفوں سے دوستی نہ کرو  رائگاں وقت کو کبھی نہ کرو
دشمنِ عقل مند ہے بہتر  دوست سے عقل میں جو ہے کمتر

تم بشیر کی یہ بات مان بھی لو
ہے بزرگوں کا قول جان بھی لو

# چمار کا لڑکا

عبدالواسع چکنگلوری

انگلستان میں ایک گاؤں ہے ڈمبی شائر ویلز اب سے کوئی ۸۵ سال (نومبر ۱۸۵۱ء) پہلے کا ذکر ہے وہاں ایک چمار کے گھر ایک لڑکا پیدا ہوا۔ ماں باپ نے اس کا نام ہنری جونز رکھا۔

اس لڑکے کے ماں باپ بہت غریب تھے اس کا دادا ایک باغ میں کام کرتا تھا اور سب جاکے کو کل چار شلنگ فی ہفتہ مزدوری ملتی تھی۔ ان کا گھر بھی بہت چھوٹا تھا۔ بس دو چھوٹی چھوٹی کوٹھریاں کوئی سوا تین تین گز لمبی۔ اِنھی میں گھر گرہستی کا سامان تھا اور انھی میں سات آدمیوں کا کنبا رہتا تھا اور ہاں ایک کوٹھری میں ہنری نے جوتے سینے کی دُکان بھی لگا رکھی تھی۔ جگہ کی تنگی کا یہ حال تھا کہ کھانے کے وقت ننھے ہنری کو مشکل سے جگہ ملتی تھی۔ کبھی کبھی تو اُسے کھڑے کھڑے کھانا پڑتا تھا۔ بچّوں کی چیخ پکار گاہکوں کی بحث تکرار کے سبب گھر میں ہر وقت ہُلڑ سا مچا رہتا تھا۔

ہنری کے باپ کی آمدنی ۲۰ شلنگ فی ہفتہ تھی۔ بہت ہی معمولی اور سادہ کھانا کھاتے تھے پھر بھی گھر کا خرچ مشکل سے چلتا تھا۔ اِن مشکلوں پر بھی یہ خاندان ہنسی خوشی زندگی کے دِن گذارتا تھا۔ سچ ہے غریب آدھے پیٹ کھا کر بھی خوش اور مطمئن رہ سکتا ہے۔

ہنری کچھ بڑا ہوا تو گاؤں کے مدرسے میں بھیج دیا گیا اس مدرسے کا اُستاد بہت جلاد تھا۔ ہاتھ میں ہر وقت بید رہتا تھا اور ذرا ذرا سی غلطی پر بُری طرح مارتا تھا۔ گرمیوں گرمیوں یہ مدرسہ بند رہتا تھا۔ اس زمانے میں مدرسے کے بچے کھیتوں میں مزدوری کرتے۔ وہاں اِنھیں کھیتوں میں سے شلغم نکالنے اور صاف کرنے کا کام دیا جاتا۔ ہنری بھی اپنے بڑے بھائی کے ساتھ کھیتوں پر جاتا۔ اس وقت اُس کی عمر ساڑھے پانچ برس تھی۔ بچّوں کے لئے یہ بہت محنت کا کام تھا۔ کبھی کبھی تو ننھا ہنری اس قدر تھک جاتا کہ بڑے لڑکے اُسے اُٹھا کر گھر لاتے۔ آخر عاجز آ کر ہنری نے کھیتوں میں جانا چھوڑ دیا

اور گھر میں اپنے باپ کی مدد کرنے لگا۔ باپ کو جوتے سیتے ہوتے دیکھتا اور خود بھی سیتا۔ تھوڑے ہی دنوں میں اس کام میں بہت ہوشیار ہو گیا۔ کبھی کبھی تو اس کے باپ کو اس کام میں اس سے مشورہ لینا پڑتا۔ وہ اس کام کو خوب جی سے سیکھتا تھا اور چاہتا تھا کہ اس میں ماہر ہو جائے اور ساری دنیا میں شہرت حاصل کرے۔

بارہ سال کی عمر میں اُس نے پڑھنا لکھنا ختم کر دیا اور پورے وقت اپنے باپ کا ہاتھ بٹانے لگا۔ اس کی ماں کو چمار کا پیشہ ناپسند تھا۔ وہ چاہتی ہنری باغبان بنے یا لہار۔ مگر ہنری کے باپ کو اس سے اختلاف تھا۔ غرض دو آدمیوں نے مل کر محنت کی تو کام اچھا چلنے لگا۔ آہستہ آہستہ ہنری کے باپ نے اچھی خاصی دُکان کھول لی۔

اُسی زمانے میں اُس کا ایک دوست ٹام ٹاؤن کے مدرسے میں اُستاد بن کر آیا۔ روزانہ کے میل ملاقات سے دونوں میں اور بھی گہری دوستی ہو گئی۔ ٹام نے ایک دن اُسے آگے پڑھنے اور کسی اسکول میں داخل ہونے کا مشورہ دیا۔ خود ہنری کے دل میں بھی یہی خواہش تھی مگر سوال خرچ کا تھا۔ اُس کے ماں باپ تو بالکل مجبور تھے۔ بس یہ سوال سامنے آتے ہی وہ دل مسوس کر رہ جاتا تھا۔ مگر پڑھنے کی خواہش اُس کے دل میں برابر بڑھتی رہی اور اُس نے پکا ارادہ کر لیا کہ چاہے کچھ بھی ہو پڑھے گا ضرور۔ آخر کسی نہ کسی طرح وہ ایک مدرسے میں داخل ہو گیا تین دن مدرسے جاتا باقی دن باپ کا کام سنبھالتا۔

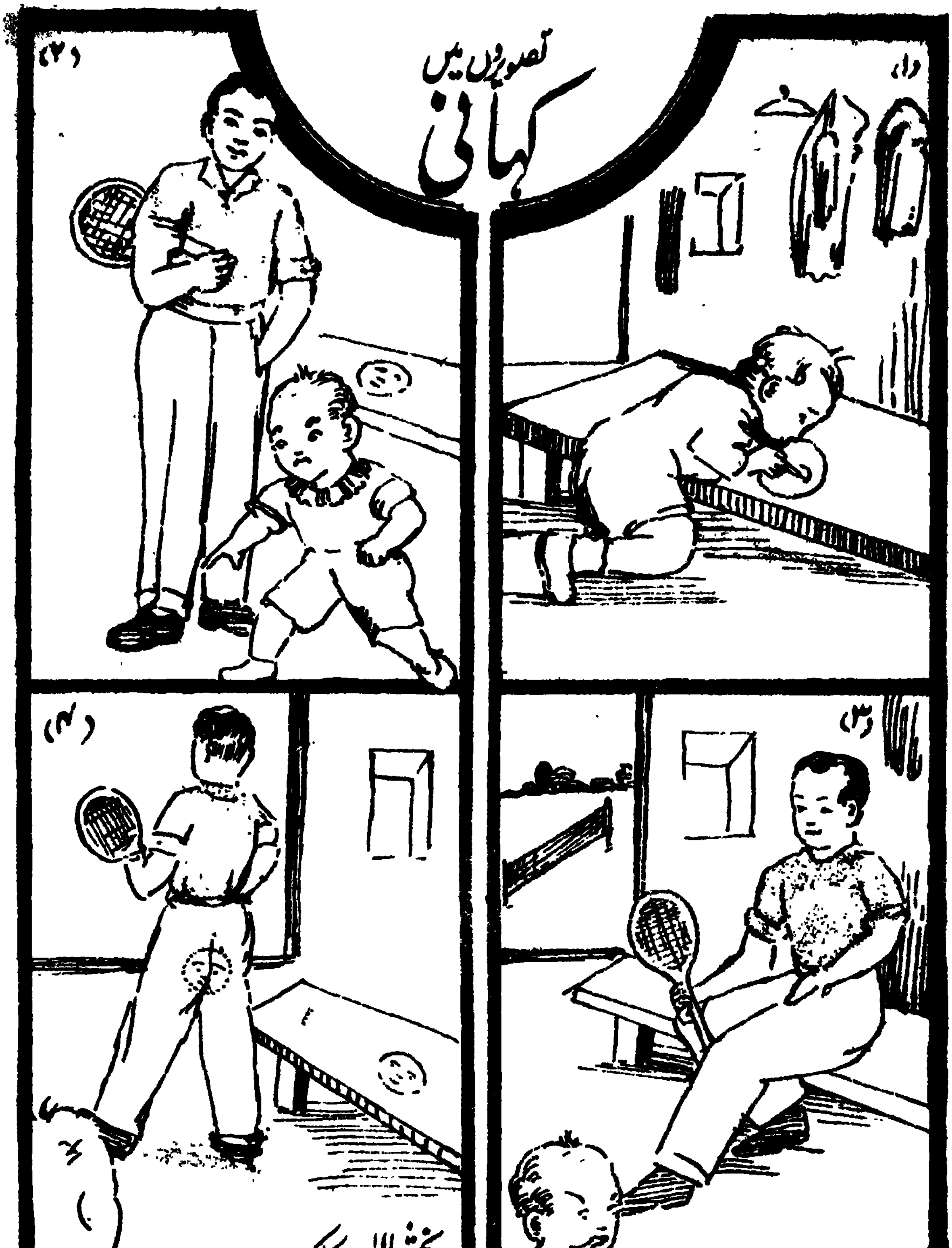
اس زمانے میں ایک سالانہ امتحان ہوتا تھا "کوئن اسکالرشپ" جو لڑکا یہ امتحان پاس کر لیتا اُسے بیانگر کے اُستادوں کے مدرسے میں بھیج دیا جاتا۔ ہنری رات دن محنت کرکے امتحان میں بیٹھا اور اوّل آیا۔ اس کے بعد وہ دو سال تک بیسرڈ کالج میں پڑھتا رہا۔ یہاں کے امتحان میں بھی وہ سب سے اوّل رہا۔

۱۹ سال کی عمر میں اُسے برن مان کے مدرسے میں پڑھانے کی جگہ ملی۔ اس کام میں اُسے بہت کامیابی ہوئی اور بہت جلد وہ ایک اچھا اُستاد مشہور ہو گیا۔ ۲۳ سال ([illegible]) کی عمر میں اس نے گلاسگو یونیورسٹی سے انٹرنس کا امتحان پاس کیا۔ ان پے در پے کامیابیوں سے اس کی ہمت بہت بڑھ گئی تھی۔ گلاسگو یونیورسٹی میں اس کی زندگی اچھی گذری۔ طرح طرح کی مشکلوں نے اُس کا پیچھا یہاں بھی نہ چھوڑا۔ سب سے اہم سوال خرچ کا تھا۔ کبھی کبھی تو وہ اتنا نا اُمید ہو جاتا تھا کہ آگے پڑھنے کا خیال چھوڑ دیتا تھا۔ آخر قدرت نے اس کی مدد کی۔ اس زمانے میں "کلارک فیلوشپ" کا امتحان ہونے والا تھا۔ اس امتحان میں پاس ہونے والوں کو سرکاری وظیفہ دیا جاتا تھا۔ ہنری بھی اپنے اُستاد

کی ہدایت پر امتحان میں شریک ہوا اور کامیاب ہوگیا۔ اب اُسے چار سال کے لئے ۲۲۵ پونڈ سالانہ وظیفہ ملنے لگا۔

اپنی عمر کے بتیسویں سال بیانگر کالج کا پروفیسر بنایا گیا اس کے بعد سینٹ انیڈ ریوز یونیورسٹی میں پروفیسر مقرر ہوا۔ یہاں اُس نے تین سال تک بہت خوش اسلوبی اور محنت سے کام کیا تین سال کے بعد گلاسگو یونیورسٹی میں فلسفۂ اخلاق کا پروفیسر مقرر ہوا۔ اس زمانے میں یہ بہت علمی اعزاز کی جگہ تھی اور بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتی تھی۔ ہنری ۱۸ برس تک اس یونیورسٹی میں اپنے طالب علموں کو فلسفۂ اخلاق کی تعلیم دیتا رہا۔ پچھلی بڑی لڑائی (سنہ ۱۹۱۴ء سے سنہ ۱۹۱۸ء) میں اُس نے اپنے ملک و قوم کی بہت خدمت کی۔ آخر سنہ ۱۹۲۲ء میں ۷۰ سال کی عمر میں اس کا انتقال ہوگیا۔

بلند ہمتی اور صبر و استقلال کی بدولت ایک چمار کا لڑکا بھی پروفیسر بن سکتا ہے ✦


تصویروں میں
کہانی
(۱)
(۲)
(۳)
(۴)
بخش الٰہی، کلکتہ

# رُوس

محمد عبدالحی — حیدرآباد دکن

پیامیوں نے اخبارات میں پڑھا ہوگا کہ جرمنی نے رُوس پر حملہ کر دیا ہے۔ اور بڑی گھمسان لڑائی ہو رہی ہے۔ اس وقت مناسب ہوگا اگر پیامیوں کو اس ملک کا مختصر سا حال بتا دیا جائے۔

آج کل عام طور پر رُوس اس علاقے کو لیتے ہیں جو اتحادِ جمہوریہ اشتراکیہ سوویٹ

*Union of Socialist Soviet Republick*

یا یو۔ ایس۔ ایس۔ آر کی حکومت میں ہو۔ خواہ وہ حصّہ یورپ کا ہو یا ایشیا کا۔

رُوس کا رقبہ ہندوستان اور برما دونوں کے رقبے سے قریب قریب آٹھ گنا ہے۔ رُوس کی مغربی سرحد فن لینڈ ریاست ہائے بالٹک سے لے کر پورے شمالی اور بحرۂ بیرنگ تک پھیلی ہوئی ہے۔ ایران، ترکی اور رومانیہ




[۱] یہ نقشہ صرف مغربی رُوس کا ہے اس سے موجودہ لڑائی کے سمجھنے میں بھی بہت کچھ مدد مل سکتی ہے۔

روس کے جنوب میں ہیں۔

موجودہ روسی حکومت کا رقبہ ۱۹۳۳ء میں ۸۲۴۴۱۹۲۱ مربع میل تھا آبادی ۔۔۔۔۔۔ ۱۴۶۔

اس جنگ کے شروع میں روس نے جرمنی کا ساتھ دیا اور پولینڈ اور فن لینڈ کے کچھ حصوں پر قبضہ کرلیا مگر معلوم نہیں کیا صورتیں پیش آئیں کہ ان دونوں میں بھی چل گئی اور جرمنی کی پوری توجہ اس وقت روس کی طرف ہے۔ واقعات نے کروٹ لی

آج کل روس کی قومی دولت بہت زیادہ تر قریب قریب تمام قیمتی دھاتیں ملتی ہیں۔ سونا۔ چاندی لوہا وغیرہ۔ باکسائیٹ بھی پایا جاتا ہے۔ یہ المونیم تیار کرنے کے کام آتا ہے۔ المونیم ہوائی جہازوں کے لئے بہت ضروری چیز ہے۔ ان چیزوں کے علاوہ سب سے زیادہ اہم چیز پٹرول ہے۔ یہ روس کے ایک علاقے کوہ قاف میں کثرت سے پایا جاتا ہے۔

روس کی زمین بہت زرخیز ہے۔ مختلف قسم کے اناج اور ترکاریاں پیدا ہوتی ہیں۔ گیہوں بھی کثرت سے پیدا ہوتا ہے۔ جنگلی جانوروں کی بھی کثرت ہے۔ جیسے ریچھ۔ بھیڑیے اور لومڑی وغیرہ۔ ایک جانور سابل بھی پایا جاتا ہے۔ اس کا سمور بہت قیمتی ہوتا ہے۔

روسی علاقہ پہلے سلاقیوں سے آباد تھا۔ یہ سلاقی لوگ کب آئے اور کیوں آئے اس کا پتہ نہیں چلتا۔ ان قبیلوں میں اتحاد و اتفاق نہیں تھا۔ اسی وجہ سے یہ لوگ باہر کے حملہ آوروں سے زیادہ دن تک محفوظ نہ رہ سکے۔ مختلف زمانوں میں مختلف لوگوں نے یہاں پر حکومت کی ہے دسویں صدی میں یہاں عیسائی مذہب کو ترقی ہوئی۔

روس کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ پہلا روس کا وہ حصہ جو یورپ میں واقع ہے۔ اس میں وائٹ رشیا۔ یوکرین ٹرانس کاکیشیا، ترکستان، ازبکستان تاسکیستان شامل ہے۔ یہ یورپی حصہ بحر منجمد سے کوہ قاف تک اور پولینڈ سے ارانس تک پھیلا ہوا ہے۔ دوسرا حصہ ایشیائی روس ہے۔ اس میں سیبریا شامل ہے یہ ارالس سے پاسیفک تک پھیلا ہوا ہے اس میں ایشیائے کوچک کا حصہ بھی شامل ہے۔

پہلا روسی شاہنشاہ جس نے زار کا لقب اختیار کیا ایوان (Ivan) تھا ۱۵۳۳ء شہر ماسکو اس وقت پایۂ تخت تھا۔ اس شاہنشاہ کے جانشینوں میں سب سے مشہور پیٹر تھا۔ اس نے سینٹ پیٹرس برگ آباد کیا اور اس کو پائے تخت قرار دیا۔ کیتھرائن دوم اور اس کے جانشینوں نے حکومت کا رقبہ بڑھادیا اس میں ایشیا اور یورپ کے حصے بھی شامل تھے نپولین کے دور میں اور اس کے بعد

رُوس ایک طاقت ور حکومت خیال کی جانے لگی تھی۔

۱۹۰۴ء میں جاپانیوں نے کوریا کے لیے رُوس سے لڑائی کی اور جیت گیا۔ لڑائی کے بعد مُلک میں بے روزگاری بڑھ گئی۔ شروع میں زار نے عوام کو حقوق وغیرہ دینے کا وعدہ کیا۔ ڈوما[۱] ۱۹۰۶ء میں قائم کی گئی۔ اس مجلس نے زار سے حقوق اور اختیارات طلب کئے۔ زار نے مجلس کو ختم کر دیا۔ وہ اسی طرح مجلسیں قائم کرتا اور رُوسیوں کو بہلاتا رہا۔ یہاں تک کہ پچھلی بڑی لڑائی چھڑ گئی رُوس نے سربیا کا ساتھ دیا۔ جو اتحادیوں میں سے تھا۔ مگر رُوس لڑائی کے لئے تیار نہ تھا۔ وہاں کے امیر آرام طلب اور عیش پرست تھے۔ خود زار اپنی بیوی کے اشاروں پر چلتا تھا۔ روز بروز مُلک کی حالت خراب ہونے لگی۔ یہاں تک کہ صرف جنوری ۱۹۱۷ء میں دس لاکھ سے زیادہ رُوسی سپاہی فوج سے بھاگ گئے۔ ۱۱ مارچ ۱۹۱۷ء کو مُلک میں انقلاب شروع ہوا۔ ۱۵ مارچ ۱۹۱۷ء کو زار تخت سے الگ ہو گیا۔ اس کے بعد ایک اتحادی حکومت بنائی گئی۔ یہ حکومت بعد میں بالشویکی جماعت ہو گئی۔ جس میں مشہور انقلابی لینن اور ٹراٹسکی شامل تھے۔

انقلاب کے چند روز بعد جرمنی سے صلح کی گئی رُوسی حکومت سے چند مُلک آزاد ہو گئے جو یہ ہیں۔ فن لینڈ، پولینڈ، اِستھونیا، لٹویا اور لتھوانیا۔

رُوس کا آخری زار نکولاس دوم تھا اُسے انقلابیوں نے قتل کر دیا۔ اس کے خاندان کے اور لوگوں کو بھی ۱۶ جولائی ۱۹۱۸ء میں قتل کر دیا گیا۔

۱۹۲۲ء میں ایک انجمن اشتراکیہ سوویٹ جمہوریت قائم کی گئی۔ اس میں رُوس، یوکرین۔ سفید رُوس اور ٹرانس کاکیشین فیڈریشن شامل تھے۔

۱۹۲۴ء میں قانون پر نظر ثانی کی گئی اور اس وقت سے رُوس سوویٹ کی حکومت میں ہے۔ (سوویٹ کے معنی رُوسی زبان میں جماعت کے ہوتے ہیں۔)

۱۹۲۴ء میں لینن کا انتقال ہوا۔ اس کی جگہ پر جوزف اسٹالن نے قبضہ کیا۔ یہ اس وقت بھی رُوس کا کرتا دھرتا ہے۔ اسٹالن نے حکومت پر قبضہ کرتے ہی ٹراٹسکی کو مُلک سے نکال دیا اور اس کے

---

[۱] وہ جماعت جس میں رُوس کے عام لوگوں کے منتخب کئے ہوئے لوگ مُلکی معاملات پر رائے دینے کا حق رکھتے تھے۔

بہت سے ساتھیوں کو قتل کرا دیا۔

۱۹۲۹ء میں پانچ سال کا ایک زراعتی صنعتی پروگرام تیار کیا گیا جس کی وجہ سے رُوس دنیا کا ایک بہتر زراعتی اور صنعتی ملک بن گیا۔ ۱۹۳۳ء میں امریکہ نے اس رُوسی حکومت کو تسلیم کر لیا۔ ۱۹۳۴ء میں اس کو مجلس اقوام میں جگہ ملی۔ مُلک میں حکومتی کام سوویٹ کے ذریعے ہوتا ہے۔ "آل رشین کانگریس آف سوویٹس" تمام صوبہ واری اور ضلع واری سوویٹس اس کے ماتحت ہیں۔ ہر ایک کام کے لئے یہیں سے ممبر بنائے جاتے ہیں۔ جو اپنے کام کے ذمے دار ہوتے ہیں۔

اب رُوس میں اعلیٰ پیمانے پر صنعتی کاروبار شروع ہو گئے ہیں۔ فوج بھی باقاعدہ ہو گئی۔ ہوائی اور بحری طاقتیں بھی بڑھ گئی ہیں۔ تعلیم لازمی ہے یہاں کا سکہ شیروانٹز (Chervontz) کہلاتا ہے۔ رُوس میں پانچ دن کا ہفتہ ہوتا ہے۔ چھ ہفتوں کا ایک مہینہ بارہ مہینوں کا سال۔ زاید دنوں میں انقلاب کا جشن منایا جاتا ہے۔ اس وقت رُوس لڑائی کی مصیبت میں پھنسا ہوا ہے۔ نپولین کے حملے کے بعد رُوس پر یہ دوسرا ہیبتناک حملہ ہے نپولین کو تو ناکامی ہوئی تھی دیکھئے جرمنی کا کیا انجام ہوتا ہے لڑائی بہت زوروں پر ہو رہی ہے۔ جرمنی نے اعلان کیا کہ وہ دس ہفتوں میں رُوس کو ختم کر دے گا۔

# بچوں کی کوششیں

## میری مینا

عمر کامل - دہلی

میری مینا بھی کیا پیاری ہے۔ جب مزے مزے کی باتیں کرتی ہے تو میرا دل باغ باغ ہو جاتا ہے۔ جب میں گھر آتا ہوں تو پنجرے میں اُچھل اُچھل کر کہتی ہے "عمر میاں تم آگئے لے بی زبیدہ، اے بی زبیدہ بچے کے ہاتھ دُھلاؤ، دستر بچھاؤ، کھانا کھلاؤ" جب تک میں ہاتھ مُنہ دھوکر دسترخوان پر نہیں بیٹھ جاتا اُس وقت تک وہ یہی آواز لگاتی رہتی ہے جس وقت میں کھانا شروع کرتا ہوں تو وہ کہتی ہے "میاں کھاؤ، بیٹا کھاؤ" میں کہتا ہوں "مینا تم بھی تو کھاؤ" تو وہ کہتی ہے "میں بھی کھاتی ہوں" اور پیالی میں چونچ ڈال کر کھانے لگتی ہے۔ میں کھاتا جاتا ہوں اور اس سے مزے مزے کی باتیں کرتا جاتا ہوں میں پوچھتا ہوں "تمہارا مزاج تو اچھا ہے" تو وہ بھی کہتی ہے "تمہارا مزاج تو اچھا ہے" میں کہتا ہوں "الحمدللہ" تو وہ بھی کہتی ہے "الحمدللہ"

بنگالے کی مینا کے بھی کیا کہنے۔ خوب بولتی ہے۔ دو چار دفعہ جو کچھ سُنتی ہے وہ کہنے لگتی ہے اُس سے جب کہتے تھے مینا کالے کوے کی جورو ہو تو کہتی "اُدئی میں کیوں ہوتی" اس پر سب گھر والے ہنستے۔ اس مینا کا سیاہ رنگ، سبز چونچ زرد پنجے، اور چونچ کے دونوں طرف لکیریں پڑی ہوئی ہوتی ہیں۔ بڑی اچھی قیمت سے بکتی ہے۔ یہاں کی مینا سے مختلف ہوتی ہے۔ مگر افسوس کہ عمر میں زیادہ نہیں ہوتی۔ دو چار سال میں کانٹا نکلتا ہے اور مر جاتی ہے

## کیا تم جانتے ہو؟

محمد ظفر صدیقی - لاہور

(۱) پنسل ٹیڑھی کیوں نظر آتی ہے؟ ایک پانی کا برتن لو اور اس میں ایک پنسل ڈالو۔ جہاں پنسل پانی میں ہوگی وہاں ٹیڑھی نظر آئے گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب سورج کی کرنیں پانی میں داخل ہوتی ہیں تو وہ جھک جاتی ہیں یہ سائنس کا ایک اصول ہے

(۲) ہم گرج پہلے سنتے ہیں یا بجلی پہلے دیکھتے ہیں؟ بادلوں کے گرجنے کے وقت تم بجلی پہلے دیکھو گے یا گرج پہلے سنو گے بجلی پہلے دیکھو گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بجلی ۱۰۰۰۰ . ۱۸۶ میل فی سیکنڈ سفر طے کرتی ہے اور گرج ۱۱۰۰ فٹ فی سیکنڈ سفر طے کرتی ہے۔

(۳) ناخنوں پر سفید نشان۔ تم نے کبھی بیماری کے بعد اپنے ناخنوں پر سفید نشان دیکھے ہوں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بدن میں خون کم ہو جاتا ہے۔ اگر انسان کی صحت اچھی ہو مگر خون کم ہو تو یہ سفید نشان ضرور ہوتے ہیں۔

(۴) آسمان نیلا کیوں نظر آتا ہے؟ آسمان کے نیلے ہونے کی وجہ یہ ہے کہ سورج کی روشنی سات رنگوں کی ہے اور ہوا میں بہت سے ذرے اُڑتے پھرتے ہیں۔ یہ ذرے نیلا رنگ جذب کر لیتے ہیں اور ہم کو آسمان نیلا نظر آتا ہے۔

(۵) چھتری کس نے ایجاد کی؟ ہم کسی خاص شخص کے متعلق نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ چین کے لوگ چھتری کا استعمال ہزاروں سال سے کر رہے ہیں مگر انگلستان میں پہلی دفعہ جس شخص نے چھتری استعمال کی اس کا نام جان ہانوے تھا۔ اب سے کوئی ۱۵۵ برس پہلے (۱۷۸۶ء)

(۶) ہم پانی پر کیوں تیر سکتے ہیں؟ قدرتی طور پر انسانی جسم میں ہوا بھری ہوئی ہے جس کی وجہ سے انسان پانی سے ہلکا ہے۔ سمندر یا دریا میں تیرنے میں آسانی رہتی ہے۔ تالابوں میں اتنی آسانی نہیں ہوتی۔ سمندر میں نمک گھلا ہوا ہوتا ہے۔

(۷) کیا مچھلی آنکھ بند کر سکتی ہے؟ مچھلیوں کے لئے یہ ناممکن ہوتا ہے کہ آنکھ بند کریں۔ کیونکہ اُن کی آنکھوں پر پپوٹے نہیں ہوتے۔ جب وہ سو جاتی ہیں تو بھی اُن کی آنکھیں کھلی رہتی ہیں۔ سانپ کی آنکھیں بھی اسی طرح کی ہوتی ہیں۔

## برسات

از محمود خان۔

گرمیوں میں جب سورج کی شعاعیں سیدھی سر پر پڑتی ہیں تو سمندروں اور ندیوں کا پانی بھاپ بن کر اُوپر چلا جاتا ہے اور جب وہ پہاڑوں سے ٹکراتا ہے تو بوندیں بن جاتا ہے۔ بوندیں بھاری ہوتی ہیں اس لئے ہوا انھیں سنبھال نہیں سکتی اور وہ گرنے لگتی ہیں اسے ہم بارش کہتے ہیں۔ اب آپ بارش پر غور کیجئے کہ اُس سے کیا کیا فائدے ہیں ہندوستان ایک زراعتی ملک ہے اور یہاں سب سے زیادہ کاشتکاری ہوتی ہے۔ بارش سے سب سے زیادہ فائدہ کاشتکاری کو پہنچتا ہے۔ جس سال بارش نہیں ہوتی اس سال غلّہ پیدا نہیں ہوتا اور ہوتا بھی ہے تو بہت کم ہوتا ہے لیکن زیادہ بارش بھی مضر ہے کیونکہ کھیت میں غلّہ سڑ جاتا ہے اور پھر وہی مہنگائی کی مصیبت۔

# عید کا تحفہ




یہ پرچہ تمہیں رمضان شریف میں ملے گا اس کے بعد عید آئے گی عید میں تم اپنے دوستوں اور ساتھیوں کو عید کارڈ ضرور بھیجو گے۔ یہ کارڈ اب کے بازار سے نہ خریدنا۔ تم خود ہی کیوں نہ بناؤ۔ ہماری جامعہ کے بچوں نے تو بہت سے کارڈ بنا ڈالے ہیں۔ بہت خوب صورت خوب صورت اوپر (۱) (۲) دو پھول ہیں۔ انھیں کارڈ کے کونوں پر بنالو۔ باقی بیل اور پھول حاشیے کے لئے ہیں۔ یہ ہاتھ کا بنا ہوا تحفہ ان بازار کے کارڈوں سے کہیں زیادہ قیمتی ہوگا۔ ان پھولوں میں اپنی پسند کے رنگ بھرلو۔

(سید عروج الحسن)

عبدالغفار صاحب کی کتاب ایک معلّم کی زندگی کی ضخامت کوئی ایک ہزار صفحے ہوگئی ہے۔ اس لئے قیمت بھی مجبوراً چار کی جگہ پانچ روپے کردی گئی ہے۔ لیکن اس کا اثر پچھلے آرڈروں پر نہیں پڑے گا۔
اس کتاب کا ایک دلچسپ ٹکڑا اگلے پرچے میں شائع ہوگا

# پیامِ برادری

عزیز بچیو اور بچو! خوش رہو اور تندرست۔ لیجئے صاحب اکتوبر بھی آن پہنچا۔ یوں سمجھو کہ جاڑوں کی آمد ہے۔ مگر کبھی اس مہینے میں موسم بہت خراب ہو جاتا ہے، دلی میں خاص کر۔ اب سے چار پانچ برس پہلے تو مچھروں کی بہت کثرت تھی ملیریا وبا کی طرح پھیلتا تھا۔ اب وہ بات تو نہیں ہے مگر خطرہ دور اب بھی نہیں ہوا ہے۔ ملیریا بخار مچھروں کے کاٹنے سے آتا ہے۔ اس لئے دلی کے یا اُن جگہوں کے رہنے والے جہاں مچھر بہت ہوتے ہیں مچھر دانی لگا کر سویا کریں۔ یا کم سے کم سوتے وقت کوئی بُودار تیل مل لیا کریں۔ آج کل صبح کو نہانا اور کچھ ہلکی ورزش بھی ضرور کرنا چاہیئے۔

---

پچھلے پرچے میں ہم کشمیر کی سیر کا حال بہت تھوڑا لکھ سکے تھے شاید پہلگام کا ذکر تھا۔ ہاں تو پہلگام میں ہم تین دن ٹھہرے۔ پہلے دن تو وہیں پہلگام میں اِدھر اُدھر گھومتے رہے۔ دوسرے دن عابد علی خاں صاحب، پروفیسر غفور صاحب، احمد خاں اور میں کچھ توس اور کچھ انڈے اور تھوڑے سے آم ساتھ لے آڑو کے ارادے سے پیدل چل کھڑے ہوئے۔ آڑو پہلگام سے کوئی آٹھ میل ہے۔ اونچائی کوئی آٹھ ہزار فٹ ہوگی۔ پیدل اور گھوڑوں کے چلنے کے لئے بس ایک پتلی سی پگڈنڈی ہے۔ پگڈنڈی کے ساتھ دریائے رہتا ہے۔ خیر صاحب ہم کبھی چڑھائی پر چڑھتے کبھی اُتار پر دوڑتے ہوئے مارا مار آگے بڑھتے چلے گئے۔ راستے میں آڑو کے قریب کچھ چرواہے ملے۔ یہ جموں کی طرف کے رہنے والے تھے۔ اس زمانے میں پہاڑوں کی برف پگھل جاتی ہے اور یہ اپنے جانور چرانے کے لئے بڑی دور دور تک نکل جاتے ہیں۔ یہ لوگ کرگل جا رہے تھے۔ ہم لوگوں نے اُن کے ساتھ ایک تصویر کھینچ لی۔ کوئی ۱۰ بجے ہم لوگ آڑو پہنچ گئے۔ یہ بہت چھوٹا سا گاؤں ہے۔ مشکل سے پندرہ بیس گھر ہوں گے۔ بہت خراب خستہ، دو، چھوٹی چھوٹی دکانیں تھیں۔ ایک دکان پر ہم نے چائے بنوا کر پی۔ یہیں ایک شخص کے پاس ملائی کی بنی ہوئی روٹی دیکھی، مزہ چکھنے کے لئے ایک خریدی مگر کسی سے کھائی نہ گئی۔

آڑو سے کلہائی گلیشیر بہت تھوڑی دور رہ جاتا ہے۔ حامد صاحب کے دل میں اس گلیشیر کے دیکھنے کی مدت سے خواہش تھی۔ اب اس قدر قریب آکر ایک دبی ہوئی خواہش سب کے دل میں جوش اٹھا مگر چلتے وقت تو کوئی ارادہ تھا نہیں نہ کوئی سامان ساتھ تھا۔ حامد صاحب نے بہت دوڑ دھوپ کی کہ کرائے پر کچھ کمل اور ٹوپیاں وغیرہ مل جائیں مگر کامیابی نہ ہوئی۔ گاؤں کے پاس سبزے پر بیٹھ کر توس کھائے اور ایک ایک آم چکھا۔ کچھ دیر لیٹے۔ ڈاک بنگلے کے چپراسی اور گاؤں کے لوگوں سے گپیں ہانکیں۔ غرض خوب سستائے۔ اتنے میں ساڑھے بارہ بج گئے رائے ہوئی کہ اب لوٹ چلنا چاہیے۔ واپس پر جانے کا ایک دوڑ چلا۔ جنہوں کے علاقے کے کچھ اور گڈریے مل گئے تھے۔ ان سے بات چیت ہوئی۔ یہ کلہائی کی طرف جا رہے تھے کہنے لگے تم ہمارے پاس آجانا ہم تمہارا سب انتظام کر دیں گے مگر یہ ان کی مہمان نوازی تھی ورنہ ان کے پاس خود بہت مختصر سامان رہتا ہے۔ چائے پی کر ہم لوگ روانہ ہو گئے۔ حامد صاحب اور احمد خاں کی رفتار بہت تیز تھی۔ پروفیسر صاحب بہت سنبھل سنبھل کر اور ہم بہت اطمینان سے چل رہے تھے کوئی پونے چار بجے پہلگام پہنچ گئے۔ سفر بہت دلچسپ رہا دوسرے دن تیسرے پہر کو پہلگام سے سری نگر آ گئے۔

---

روس اور جرمنی کی لڑائی کو یہ تیسرا مہینہ ہے مگر ابھی کوئی نتیجہ نہیں نکلا ہے۔ بلکہ لڑائی کی شدت دن بدن بڑھتی ہی جاتی ہے۔ روس پوری طاقت سے جرمنی کا مقابلہ کر رہا ہے پھر بھی جرمن فوجیں کچھ نہ کچھ آگے بڑھ رہی ہیں بعض بعض جگہ انھوں نے دریائے نیپر کو بھی پار کر لیا ہے۔ لینن گراڈ کو انھوں نے گھیرے میں لے لیا ہے۔ روسی بھی اس کی حفاظت میں اپنی جانیں لڑا رہے ہیں۔ اس وقت وہاں بہت سخت کشت و خون ہو رہا ہے۔

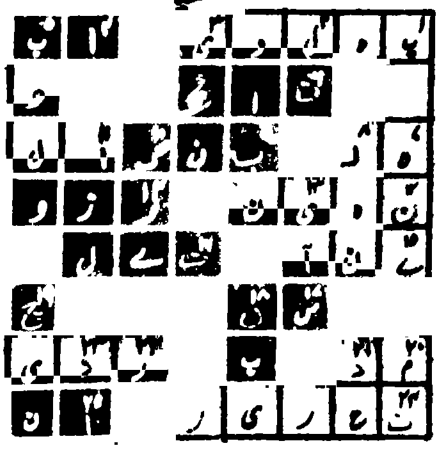
ادھر ایران میں انگریزوں اور روسیوں نے ایرانی حکومت کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیا ہے۔ انگریزی اور روسی فوجیں طہران تک پہنچ گئی ہیں۔ رضا شاہ پہلوی تخت سے الگ ہو کر اصفہان چلے گئے۔ ان کی جگہ ان کے بیٹے بادشاہ بنائے گئے۔ انگریزوں اور روسیوں کا اعتراض تھا کہ ایران میں جرمنوں کی سرگرمیاں بڑھتی جا رہی ہیں۔ ایرانی حکومت کے جواب سے انگریزوں کو تشفی نہ ہوئی اور انھوں نے روسیوں کے ساتھ مل کر ایران پر حملہ کر دیا اس حملے کے دو اہم مقصد اور بھی تھے۔ ایران کے تیل کے چشموں پر قبضہ کرنا اور روس کی مدد کے لئے راستہ حاصل کرنا یہ دونوں مقصد بھی پورے ہو گئے انگریزوں اور روسیوں نے اطمینان دلایا ہے کہ لڑائی کے بعد ان دونوں کی فوجیں ایران کو خالی کر دیں گی جاپان اور امریکہ میں صلح و صفائی کے معاہدے کے لئے بات چیت ہو رہی ہے۔ اس سلسلے میں کچھ رکاوٹیں پیدا ہو گئی ہیں مگر بات چیت جاری ہے۔ تازہ خبریں یہ ہیں کہ جرمنوں نے کیوے لیا۔ سیام پھر خطرے میں ہے۔

# معمّہ نمبر ۲۳

پہلا انعام ۶؎

دوسرا انعام ۴؎

## مشقی کوپن



## دائیں سے بائیں

(۱) ایران کے بادشاہ رضا شاہ . . . تخت سے دست بردار ہوگئے۔
(۴) . . لوگ یہ سمجھنے لگے ہیں کہ ہندوستان جنگ کے خطرات سے قریب ہے۔
(۶) کیمیاگر کی ایک . . کی کسر مشہور ہے۔
(۷) . . روز صبح اور رات کو بستر پر دراز ہونے سے پہلے آنکھیں ٹھنڈے پانی سے دھولیا کرو۔
(۹) اس صوبہ کے وزیر اعظم مسلم لیگ سے علٰحدہ ہوگئے۔
(۱۰) انکار کے لئے بولتے ہیں۔
(۱۳) روز (بے ترتیب)
(۱۵) مصیبت . . . کے بعد اس کی فکر بیکار ہے۔ (الٹا)
(۱۶) صابن سے آسانی سے صاف ہوجاتا ہے۔
(۱۷) دیکھئے کس . . میں جنگ کا خاتمہ ہو۔
(۲۰) دریا کے پانی کا بڑھنا۔
(۲۴) مسلم قومی لیڈر کی ہر . . . . قوم سے بڑے بڑے کام کراسکتی ہے۔
(۲۵) عرب میں جو قافلے چلتے ہیں . . کی رفتار عام طور پر دو میل فی گھنٹہ ہوتی ہے۔

## اوپر سے نیچے

(۱) . . . . کے بعد اس پر غور نہ کرنا ایسا ہی ہے جیسے کھانا کھاکر ہضم نہ کرنا۔
(۲) . . ہر چیز کی بری ہوتی ہے۔
(۳) یہ چمن . . . ہی رہے گا اور ہزاروں جانور اپنی اپنی بولیاں سب بول کر اڑ جائیں گے سوداؔ
(۵) آغا اب تمہیں دس روپے ماہانہ ملیں گے اور آئندہ سال سے پندرہ روپے ملنا شروع ہوں گے . . . منظور ہے۔
(۸) زیور کا آخری نتیجہ فروخت یا . . . .
(۱۰) بھنی ریت (بے ترتیب)
(۱۱) کامل بنے جو . . . سے وہ ہے کمال تیرا۔
(۱۳) انتہائی اس میں بھی بعض انسان بڑی ہمت سے کام لیتے ہیں۔
(۱۸) خداوندِ عالم نے ایک لاکھ چوبیس ہزار . . . بھیجے ہیں
(۱۹) اس کے کھلونے زیادہ تر ہندوستان میں رائج ہیں۔
(۲۰) بڑھاپے میں . . خراب ہوجاتی ہے۔
(۲۱) جرمنی اور روس کی لڑائی میں بے . . . حساب فوج ماری گئی۔
(۲۲) جامعہ میں ہاتھ کا کاغذ . . . سے بنایا جاتا ہے۔
(۲۳) مکرر ادا کرنے سے آپ کے مالک کے والد بول اٹھیں گے۔

# قواعد

۱۔ تمام مدرسوں کے بچے حل میں حصہ لے سکتے ہیں۔

۲۔ ایک حل کے ساتھ ایک آنے کا ٹکٹ آنا ضروری ہے

۳۔ ایک سے زیادہ حل بھی بھیجے جا سکتے ہیں۔ چار حلوں کی رعایتی فیس ۳؍ ۔ آٹھ حلوں کی ۶؍ ہے۔

۴۔ دونوں انعام تقسیم کر دئے جائیں گے۔ قرعہ اندازی نہ ہوگی۔

۵۔ تمام حل ۲۰ اکتوبر تک دفتر پیام تعلیم جامعہ دہلی میں پہنچ جانے چاہئیں

۶۔ ایڈیٹر کا فیصلہ قطعی ہوگا۔

۷۔ پیام تعلیم میں چھپے ہوئے کوپن کے علاوہ اور کوئی کوپن نہیں لیا جائے گا۔

۸۔ کسی کوپن میں کوئی حرف کٹا یا مٹا ہوا ہوگا یا پنسل سے بھرا ہوا ہوگا تو مقابلے میں شامل نہ کیا جائے گا۔

۹۔ ایک خانے میں دو حرف نہ ہوں۔

۱۰۔ دال اور واؤ کا فرق نمایاں ہو۔ ( ڈ - وٗ )

۱۱۔ چھوٹی اور بڑی ے کا فرق لازمی ہے۔ ( ی - ے )

۱۲۔ جہاں جہاں نقطے کا استعمال ہو وہاں نقطہ ضرور ہونا چاہیے۔

۱۳۔ املا کی غلطی بھی شمار کی جائے گی۔

۱۴۔ پتہ:۔ سب ایڈیٹر "پیام تعلیم" مکتبہ جامعہ قرول باغ - نئی دہلی

## معما نمبر ۲۲ کا صحیح حل

| | | | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|---|---|
| [۶] ی | [۵] ج | ■ | ر | [۴] و | [۳] گ | [۲] ے | [۱] ٹ |
| ت | م | ل | [۸] ہ | ■ | و | ہ | [۷] ا |
| ی | [۱۰] ل | ■ | ی | ■ | ل | و | [۹] ل |
| م | ہ | [۱۲] د | ■ | [۱۱] ج | ■ | د | ■ |
| ی | ■ | ■ | [۱۵] ر | و | [۱۴] ز | ■ | [۱۳] ص |
| ■ | [۱۹] ا | ■ | و | [۱۸] ن | ■ | [۱۷] ا | [۱۶] و |
| [۲۳] ہ | [۲۲] و | ■ | س | ■ | [۲۱] ب | ج | [۲۰] ر |
| و | ر | [۲۵] د | ■ | ش | ا | ل | [۲۴] ٹ |

**صحیح حل** — **انعام اوّل** — **فی کس عہ**

(۱) محمد احمد - حیدر آباد دکن (۲) محمد عمر مجددی المقری رام پور

(۳) رحیم الدین، دہلی (۴) سید منصور حسین۔ دہلی

**ایک غلطی** — **فی کس ۹؍**

۱۔ صادق حسین - ناگپور

۲۔ محمد مائل احمد - حیدر آباد دکن

۳۔ نصیر الدین احمد - کاکناڑہ

۴۔ سید محمد مہدی - پٹنہ

۵۔ سید خلیل احمد - بھوپال

۶۔ عربیہ خاتون - حیدر آباد دکن

۷۔ محمد عمر - مرزا پور

۸۔ مصطفیٰ علی - بمبئی

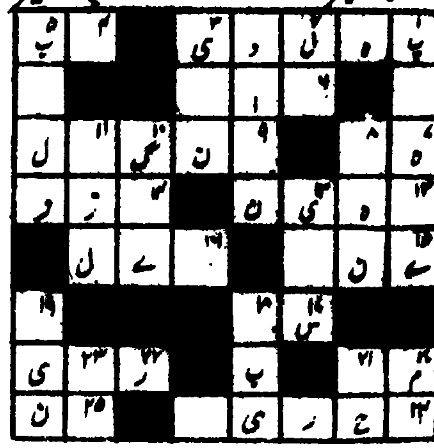
۹۔ محمد عبد الرزاق - حیدر آباد دکن

۱۰۔ تقی محسن - انبالہ شہر

(۱۱) احمد منظور الحق - حیدر آباد دکن

(۱۲) محمد عبد المجید - حیدر آباد

معمّا نمبر ۲۳ کوپن نمبر



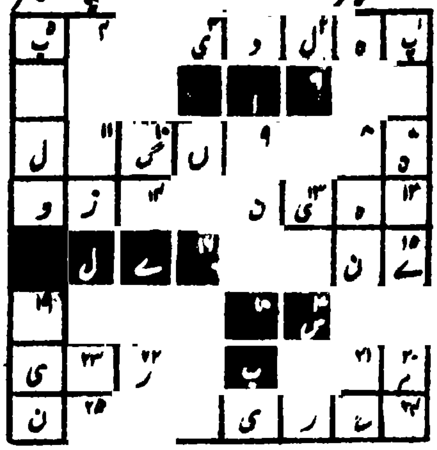
نام ..........................................

پتہ ..........................................

..........................................

ٹکٹ ..........................................

معمّا نمبر ۲۳ کوپن نمبر



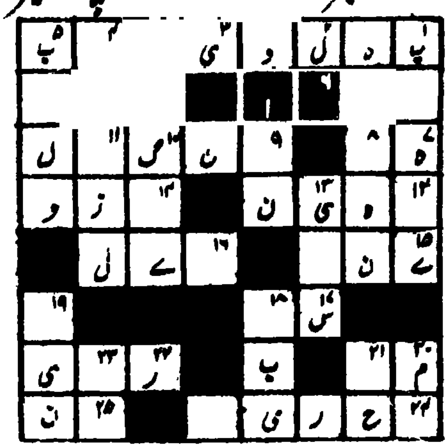
نام ..........................................

پتہ ..........................................

..........................................

ٹکٹ ..........................................

معمّا نمبر ۲۳ کوپن نمبر



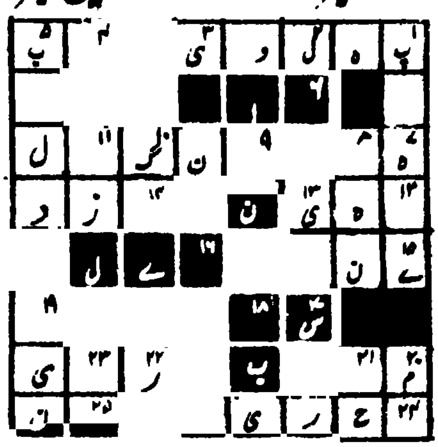
نام ..........................................

پتہ ..........................................

..........................................

ٹکٹ ..........................................

معمّا نمبر ۲۳ کوپن نمبر



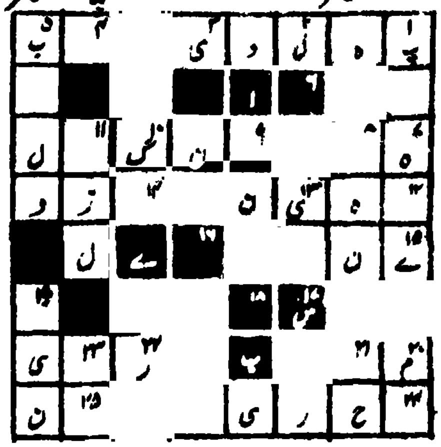
نام ..........................................

پتہ ..........................................

..........................................

ٹکٹ ..........................................

## معمانمبر ۲۳
## کوپن نمبر



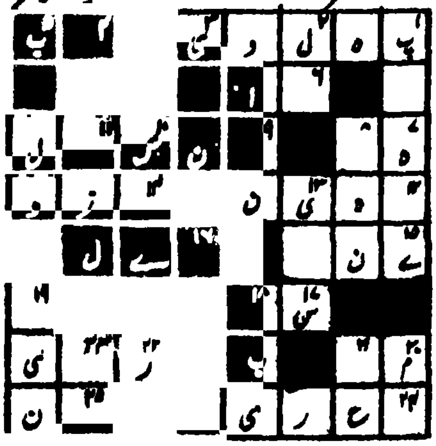
نام ........................................

پتہ ........................................

........................................

ٹکٹ ........................................

## معمانمبر ۲۳
## کوپن نمبر



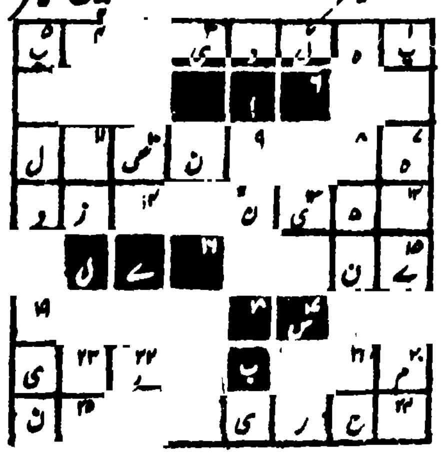
نام ........................................

پتہ ........................................

........................................

ٹکٹ ........................................

## معمانمبر ۲۳
## کوپن نمبر



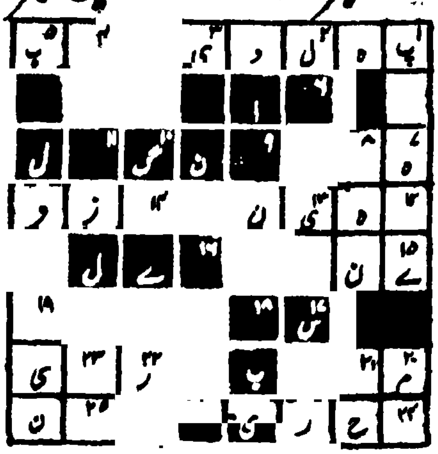
نام ........................................

پتہ ........................................

........................................

ٹکٹ ........................................

## معمانمبر ۲۳
## کوپن نمبر



نام ........................................

پتہ ........................................

........................................

ٹکٹ ........................................

جلد بیاسی



سلیم الدین شمیم جالنوی



ام۔ خانم اللہ نثار۔ چار سدہ



سید عبدالرحمان میاں (شاہ جہاں پور)



محمد ظفر صدیقی لاہور

Regd. L. No. 1961

# ایک معلّم کی زِندگی

## نومبر ۱۹۵۱ء میں شائع ہو جائے گی

یہ کتاب دو جلدوں میں شائع ہو رہی ہے ہر ایک جلد تقریباً پانچ سو (۵۰۰) صفحوں کی ہے اور مجلّد ہے جامعہ کی نئی اور پرانی دو درجن تصویریں ہیں۔ چونکہ کل ضخامت ایک ہزار صفحے ہوگئی ہے اِس لئے مکمل سٹ کی قیمت للعہ/ کے بجائے ھہ/ روپے کر دی گئی ہے۔ کتابی سائز ۲۰×۳۰/۱۶

یہ کتاب عبد الغفّار صاحب مدھولی کی آپ بیتی ہی نہیں بلکہ جامعہ کی دلچسپ اور رواں تاریخ بھی ہے اور اکیس سال کے تعلیمی تجربوں کا نچوڑ بھی۔ یقین ہے کہ بچے اور بڑے دونوں اسے دِل لگا کر پڑھیں گے۔

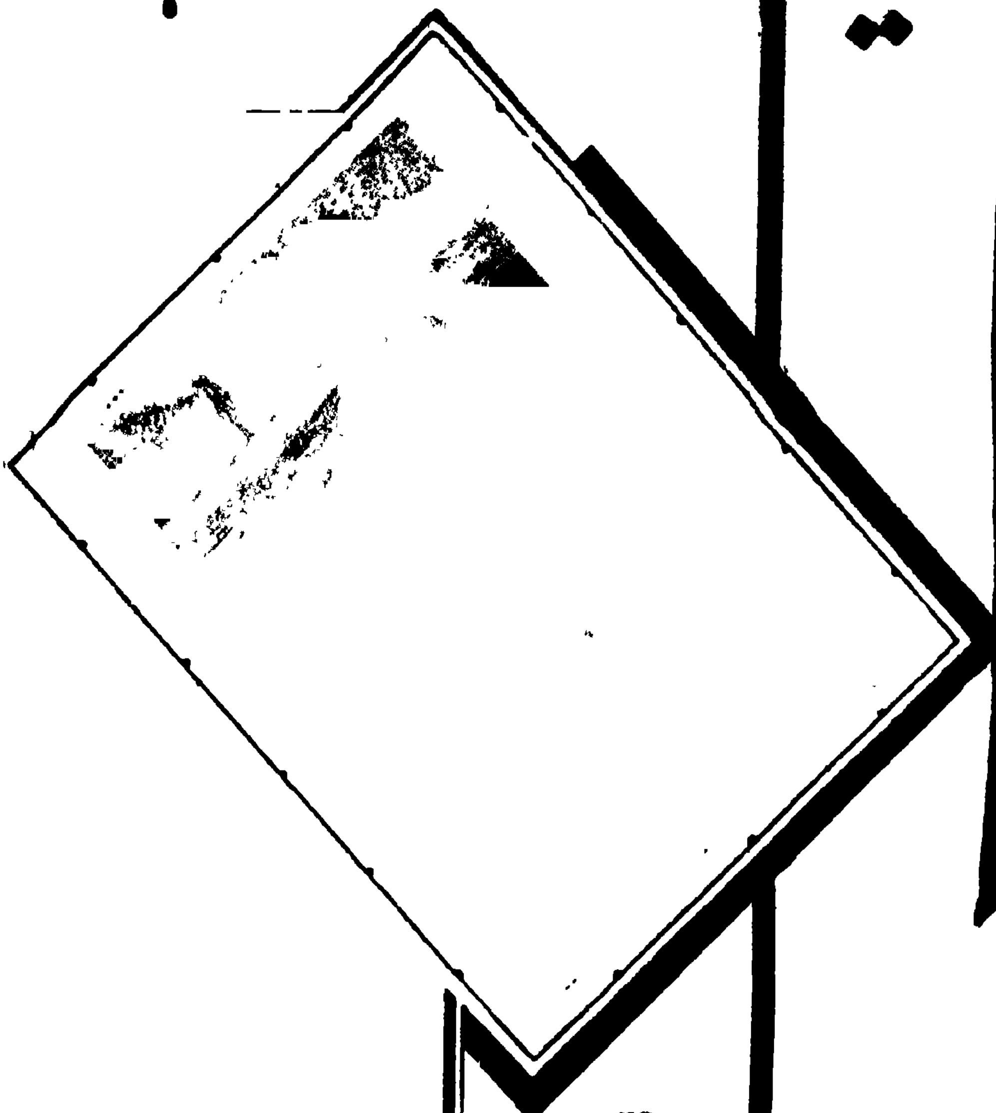
جو خریدار جامعہ کے یوم تاسیس ۲۹ر اکتوبر ۱۹۵۱ء تک مکمل سٹ کے دام پانچ روپے پیشگی بھیجیں گے اُن کے لئے محصول ڈاک (۱۱/) معاف ہوگا۔

اب تک جن حضرات سے مبلغ للعہ/ وصول ہوئے تھے اُن سے زائد مطالبہ نہ کیا جائے گا اور محصول ڈاک بدستور معاف رہے گا۔ نیز جن کے آرڈر وی، پی کے لئے آچکے ہیں اُن سے بھی کتاب کی قیمت للعہ/ ہی لی جائے گی۔ البتہ محصول ڈاک خود اُن کے ذمّے ہوگا۔

**مکتبہ جامعہ**

**نئی دہلی**

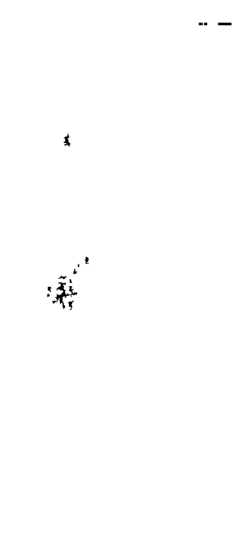
# پیام تعلیم





مکتبہ جامعہ دہلی

## چند پیامی



محمد عبدالحسیب حیدرآبادی
پیام دہلی کے خاص مضمون نگار



اقبال مرزا لاہور



محترمہ آپا جان



محمد الدین موحد بدایونی

پیام تعلیم دہلی، یوپی، سی پی، قلات، بنگال، برار، اندور، میسور حیدرآباد اور پنجاب کے محکمہائے تعلیم کی طرف سے سرکاری طور پر منظور کیا گیا ہے۔ "منیجر"

قیمت سالانہ عہ/ - فی پرچہ ۳/

# پیام تعلیم
دہلی

ایڈیٹر
محمد حسین حسان

جلد ۲۴ نمبر ۱۱

## فہرست مضامین



پرنٹر و پبلشر ڈاکٹر سید عابد حسین ایم اے، پی ایچ ڈی۔ محبوب المطابع پریس، دہلی

نومبر ۱۹۴۱ء

# بچوں سے باتیں

ایڈیٹر

سالنامے کا کام بہت سرگرمی سے ہو رہا ہے۔ جناب نیر صاحب کی ایک بہت اچھی کہانی اور ایک نظم ہمیں مل گئی ہے۔ اور دوسرے مضمون بھی جلد پہنچنے والے ہیں۔

---

جو عزیز پیامی اپنی نظمیں سالنامے میں چھپوانا چاہتے ہیں وہ زیادہ سے زیادہ ۱۵ نومبر تک بھیج دیں۔ یہ نظمیں خود انھی کی لکھی ہوئی ہوں۔ دوسروں کی نظمیں اپنے نام سے بھیج دینا بہت شرم ناک بات ہے۔

---

بچوں کی کوششیں اس مرتبہ تین صفحوں میں آئی ہیں پھر بھی کوئی ۸۰، ۹۰ مضمون ابھی باقی ہیں یہ مضمون ترتیب سے چھپیں گے۔ بچے صبر سے کام لیں۔ مضمون جس قدر مختصر ہوں گے اتنے ہی جلد چھپ سکیں گے۔

---

ثریا کا خواب بچوں نے بہت پسند کیا۔ کہانی کا باقی حصہ ابھی بہت ہے لیکن دسمبر میں رسالے کی جلد ختم ہو رہی ہے اس لئے اگلے پرچے میں باقی حصہ سب کا سب چھاپ دیا جائے گا۔

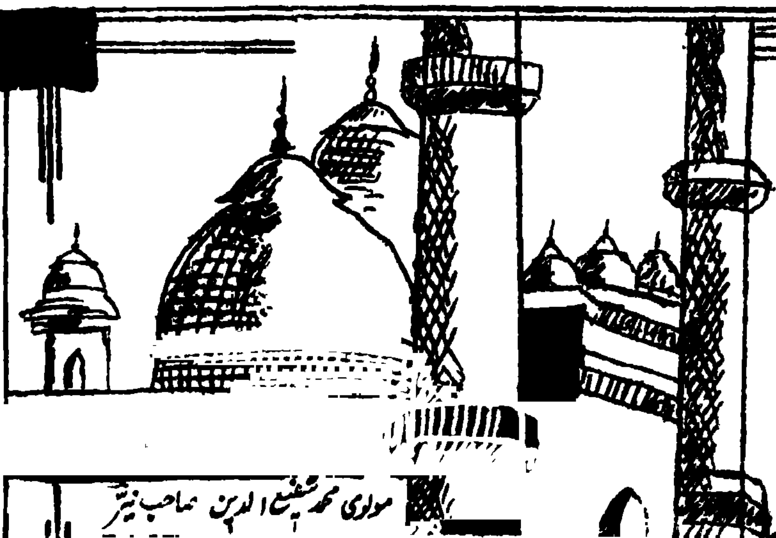
---

ٹیگور والا مضمون عام طور سے پسند کیا گیا۔ مسعود حسین خاں صاحب جامعی نے بہت اچھے انداز میں ان کے حالات بیان کئے ہیں اس پرچے میں مضمون کا دوسرا حصہ چھپ رہا ہے۔ یہ ٹیگور کی شاعری پر ہے اور ہمیں امید ہے کہ بچے اسے اور بھی پسند کریں گے۔

---

پیامِ تعلیم صوبۂ سندھ، کلکتہ کارپوریشن ریاست اندور اور ریاست قلات میں بھی سرکاری طور پر منظور ہو چکا ہے۔ مکتبے کے سرگرم اور پرجوش کارکن خالد صاحب کی کوششوں کو اس کامیابی میں بہت کچھ دخل ہے۔

---



# عید کی خوشی

مولوی محمد شفیع الدین صاحب نیّر

خوشیوں کا ابر چھایا | منظر یہ دِل کو بھایا
زہرہ نے گیت گایا | نغمہ نیا سُنایا
خوش ہوگئی خُدائی
عیدِ سعید آئی

بچّوں کا حال دیکھو | سب کو نہال دیکھو
غم پائمال دیکھو | نِکلا ہلال دیکھو
لو وہ دِیا دِکھائی
عیدِ سعید آئی

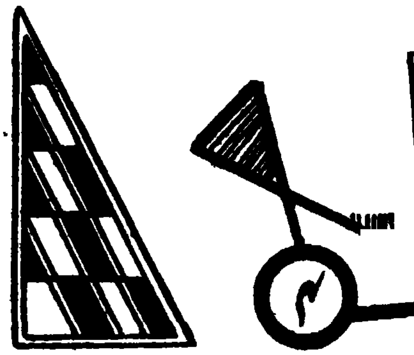
ہے عید ہم کو پیاری | آئی خوشی کی باری
اس کی خوشی ہے نیاری | سب پر ہے وجد طاری

دل کی کلی کھلائی
عید سعید آئی

کپڑے اُتار ڈالو ٭ پہلے ذرا نہالو
یہ کام اب نہ ٹالو ٭ جوڑا نیا نکالو
لو پہن اس کو بھائی
عید سعید آئی

پھر عید گاہ جاؤ ٭ پڑھ کر نماز آؤ
جی بھر کے شیر کھاؤ ٭ مل کر ہنسو ہنساؤ
سب بہن اور بھائی
عید سعید آئی

غنچے بھی ہنس رہے ہیں ٭ تارے بھی ہنس رہے ہیں
بچے بھی ہنس رہے ہیں ٭ بوڑھے بھی ہنس رہے ہیں
نیّر خوشی ہے چھائی
عید سعید آئی



# ثریّا کا خواب

۴

ح، م، اسلم

**مدکی صاحب**" ہاں، ہاں کرتی کیوں نہیں، دیکھوں ذرا مجھے دیجئے"

ثریا کے ہاتھ سے گھڑی لے کر مدکی صاحب نے اپنے کان سے لگائی اور بولے " توبہ میں بھی کیا چوپایہ ہوں اس میں کنجی تو ہے نہیں۔ پھر چلے تو کیوں کر۔"

اور پھر اپنے ایک لمبے ناخن کو گھڑی کے سوراخ میں ڈال کر گھمانے لگے جیسے اس میں کنجی دے رہے ہوں۔ "آپ کے پاس گھڑی ہے مسٹر جمّا؟ ذرا دیکھئے تو کیا وقت ہوا ہے۔"

جمّا نے واسکٹ کی جیب سے چھوٹی سی ایک گھڑی نکالی اور اسے دیکھ کر بولے۔

"جمعرات تین گھنٹے زیادہ۔"

"جمعرات تین گھنٹے زیادہ؟؟" مدکی صاحب نے جمّا کے اس جملے کو زور سے دُہرایا" جمّا نے یہ کمبخت کب سے بند ہے۔"

**ثریا**:۔ تمھارے پاس بھی ایسی گھڑی ہے جمّا؟

**جمّا**:۔ تم نے نہیں دیکھا اسے؟ بلقیس آپا کی وہ جو پرانی بیٹی ہے نا اُسی میں تو میں اسے رکھا کرتا ہوں۔"

**ثریا**:۔ ہاں میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ تم بھی ایسی نرالی گھڑی رکھتے ہو۔

**مدکی صاحب**:۔ نرالی کیوں ثریا بیگم۔

**ثریا**:۔ آپ لوگوں کی گھڑی ......" ابھی ثریا نے اتنا ہی کہا تھا کہ انگارے جیسا لال ایک لانبا سا گرگٹ ان لوگوں کی میز کے پاس رینگتا ہوا آیا۔ اس کی بڑی بڑی آنکھیں اور چوڑے سے بد صورت منہ سے ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ وہ کسی کو کاٹ کھائے گا۔ اُس نے مدکی صاحب کی طرف کھڑے ہو کر اپنے منہ کو کھولتے ہوئے کہا" مولانا! شاہ نے صدر صاحب کو کچھ اہم کام کے لئے بلایا ہے اور آپ کو بھی یاد فرمار ہے ہیں۔"

**مدکی صاحب**:۔ طانیقل خان اس وقت شاہ کے پاس ہیں؟ مدکی صاحب نے گرگٹ سے پوچھا۔

**گرگٹ**:۔ جی ہاں۔ ابھی ابھی ایک روز ہوا کہ وہ وہاں گئے تھے۔

**مدکی صاحب:۔** اچھا تم چلو میں ابھی آتا ہوں۔

ٹک ٹک۔ ٹک۔ ٹک ......کٹ" گرگٹ نے جھکتے ہوئے کہا اور روانہ ہو گیا۔

**ثریا:۔** یہ کون تھا جمّا؟

**جمّا:۔** شاہ کا سپاہی

**مدکی صاحب:۔** آپ بھی چلتے ہیں مسٹر جمّا؟

**ثریا:۔** آپ کے شاہ کے یہاں؟

**جمّا:۔** نہیں آپ جائیے مجھے کچھ اور لوگوں سے بھی ملنا ہے۔

**ثریا:۔** نہیں نہیں جمّا۔ مجھے شاہ کو دیکھنے کا بہت شوق ہے۔ چلو نا پھر واپس آکر لوگوں سے ملاقات کر لینا۔

"ہاں، ہاں چلئے مسٹر" مدکی صاحب اپنی کرسی سے اٹھتے ہوئے بولے۔ "ثریا بیگم بھی ہمارے شاہ کو دیکھ لیں گی۔"

**ثریا:۔** ہاں جمّا چلو، چلو، میں شاہ کے دربار میں ضرور جاؤں گی۔

**جمّا:۔** اچھا چلو۔ مگر میں وہاں زیادہ دیر تک ٹھہروں گا نہیں۔

**ثریا:۔** اچھا اچھا میں ٹھہرنے کو نہ کہوں گی۔

ثریا جمّا کی انگلی پکڑے مدکی صاحب کے ساتھ جانے لگی۔ اِدھر اُدھر کی میزوں سے گھومتے گھامتے اور عجیب عجیب قسم کے جانوروں اور پرندوں کو کرسیوں پر بیٹھے اور کھاتے ہوئے دیکھتے یہ لوگ چلے جا رہے تھے۔ جس میز کے پاس سے یہ تینوں گذرتے، اس جگہ کے لوگ اِن لوگوں کو حیرت سے تکنے لگتے اور پھر مدکی صاحب پر نظر پڑتے ہی کوئی نہ کوئی اُن کو سلام کے لئے اپنا ہاتھ، چونچ یا ڈینہ ضرور اُٹھا لیتا اور مدکی صاحب بھی جلدی جلدی سے مسکرا کر اُس کا جواب دے دیتے۔ ثریا کو دیکھ کر سبھی کو حیرت ہو رہی تھی اور ثریا کو جانوروں سے زیادہ اُن کے طرح طرح کے کپڑوں کو دیکھ کر تعجب ہو رہا تھا۔ خرگوشوں کے عمدہ عمدہ سوٹ ہاتھیوں کی رنگ برنگ کی ساریاں۔ پرندوں کے ریشمی فراک اور مچھلیوں کے نرالے لباس۔ کوئی جانور ثریا کو اپنی آنکھوں سے گھور گھور کر دیکھنے لگتا تو ثریا ڈر کے مارے جلدی سے جمّا کی انگلی مضبوطی سے پکڑ لیتی اور اِدھر اُدھر سے اپنا منہ پھیر لیتی۔ بہت دیر تک گھومتے گھامتے یہ لوگ ایسی جگہ پہنچے جہاں چھوٹی چھوٹی جھاڑیوں کے بیچ میں ایک پتلی سی پگ ڈنڈی سیدھی چلی جا رہی تھی۔ دور ہرے ہرے میدان کے کنارے یہ پگ ڈنڈی ختم ہو گئی تھی اور ایک ننھا سا مکان چمک رہا تھا۔ بالکل جیسے ثریا کے ابا کے ڈرائنگ روم والا تاج محل جھاڑی میں سے کبھی کبھی کوئی بھنگا "کر۔ کر۔ کر" کرتا اِدھر سے اُدھر گذر جاتا آگے آگے مدکی صاحب اپنی چھڑی گھماتے۔ بیچ میں

ثریا اور اس کے پیچھے مسٹر جاجیب چاپ چلے جا رہے
تھے۔ راستے میں گھونگے مدکی صاحب کی چھڑی کی آواز
سے جلدی سے ایک کنارے ہو جاتے۔ لال پیلے
اُجلے، نیلے۔ چھوٹے چھوٹے گھونگے ثریا کو بہت
بھلے معلوم ہو رہے تھے۔ اُس کے جی میں آیا کہ ایک
کو ہاتھ میں اُٹھائے مگر اُن کے جسم پر دو بڑی بڑی
سینگوں جیسی چیز دیکھ کر اس کی ہمت نہ ہوئی۔
چلتے چلتے ثریا نے اچانک مدکی صاحب کے پیروں
کی طرف دیکھا تو اُسے بڑا تعجب ہوا۔ اُن کے جوتے
چمڑے کے نہ تھے۔ بڑے بڑے آموں کی سفید سفید
چپٹی چپٹی دو گٹھلیاں تھیں۔ مدکی صاحب کے ٹیڑھے
پیروں پر یہ جوتے عجیب طرح کے معلوم ہو رہے تھے
مگر اُن سے ویسی ہی آواز آ رہی تھی جیسی ملقیس آپا کی
اونچی ایڑی والی چپل سے آتی تھی۔ "چوں، چوں، چر"
بالکل ویسے ہی گویا چمڑے کے جوتے ہوں۔
ثریا نے دل میں کہا "کیسی عجیب جگہ ہے جو
چیز دیکھو نرالی جو بات سنو انوکھی۔ یہ سب جمّا کی
مہربانی ہے۔ کیا مزے میں کیسی کیسی نئی نئی جگہوں کی
سیر ہو رہی ہے۔ یہ گیدڑ، بلّیاں، گرگٹ اور
مچھلیاں بھی ہم لوگوں جیسا کھانا کھاتے ہیں، کام کرتے
ہیں! اور کپڑے بھی پہنتے ہیں!! عجیب جانور ہیں
یہ ....... اور تو اور اُن کا بادشاہ بھی ہے۔
وزیر بھی چوپایا کمیٹی ....... ہونہہ۔ یہ مدکی
صاحب تو بڑے دلچسپ جانور ہیں۔ آپ کے پاس
گھڑی بھی ہے مگر کنجی نہیں دیتے۔ جمعرات تین گھنٹہ
زیادہ۔ ایک، دو، تین، چار، سات، پانچ تو
اس میں بجتے ہی نہیں اور بجتے بھی ہیں تو جمعرات جمعہ
اتوار، سنیچر....... کیسی نرالی گھڑی ہے.......
ثریا یہ سب باتیں سوچ رہی تھی۔ کہ سامنے وہ ننھا سا
محل آگیا۔ اور سب لوگ اُس کے قریب آ کر رک گئے۔
چھوٹا سا مکان تھا۔ مگر اُس کی دیوار چاندی جیسی چمک
رہی تھی۔ ننھے ننھے خوب صورت دروازوں پر ریشمی
پردے لٹک رہے تھے۔ ثریا کی گڑیوں جیسا گھر تھا۔
مگر ذرا اس سے بڑا اور بہت خوب صورت۔ اس کا
گول گنبد اور سنہری برجیاں ثریا کے کاندھوں
اتنی اونچی تھیں۔ ثریا اس ننھے سے محل کو دیکھ کر بہت
خوش ہوئی۔ یکایک مکان کے اندر سے ایک چھوٹا سا
خوب صورت سا مکڑا باہر آیا اس کے ایک ہاتھ میں
ایک ننھی سی صراحی تھی دوسرے میں ایک چاندی کا
گلاس۔ مدکی صاحب کو دیکھتے ہی مکڑے نے دو چار مرتبہ
اپنے پیروں کو زمین سے اُٹھایا۔ مدکی صاحب نے بھی
ایسا ہی کیا۔ اس کے بعد مکڑے نے صراحی سے گلاس
میں پیلے پیلے رنگ کا تھوڑا سا پانی انڈیلا اور
مدکی صاحب کی طرف بڑھا دیا۔ مدکی صاحب دو
گھونٹوں میں غٹاغٹ کر کے چڑھا گئے

(باقی آئندہ)

۲

# شاعر ٹیگور

مسعود حسین خاں جامعی، ایم اے

"میرے گیت ایسے سادے ہوں جیسے سویرے بستر سے اُٹھنا۔ ایسے جیسے شبنم کے قطروں کا پتّوں سے ڈھلکنا۔

ایسے سادے جیسے بادلوں میں رنگین دھاریاں جیسے رات کے وقت ہلکی ہلکی بارش"

یہ ٹیگور کے الفاظ ہیں جن کے حالات تم پچھلے مہینے پیام تعلیم میں پڑھ چکے ہو۔ سمجھے! ٹیگور کس نرم و نازک طریقے سے بات کہنا چاہتے ہیں۔ ان کے کہنے کا انداز کیسا ہے؟ لہجہ کیا ہے؟ دیکھو نیند کے متعلق کہتے ہیں۔

"تم جانتے ہو بچوں کی آنکھوں میں نیند کہاں سے آتی ہے؟

لوگوں کا بیان ہے کہ پرستان میں کنجان جنگلوں کے سائے میں چھپا ہوا ایک گاؤں ہے جس پر جگنو اپنی ہلکی ہلکی روشنی ڈال رہے ہیں۔ وہاں ایک حسین پودا ہے اس پودے میں دو شرمیلی کلیاں لٹک رہی ہیں بس یہی وہ جگہ ہے جہاں سے بچے کی آنکھوں کو نیند چومنے آتی ہے۔"

اچھا اب یہ بھی سُنئے کہ یہ نیند غائب کہاں ہو جاتی ہے۔

ماں کہتی ہے "بتاؤ میرے بچے کی آنکھوں سے نیند کون اُڑا کرلے گیا؟

میں اس تاریک غار میں جا کر دیکھوں گی جہاں مختلف صورتوں کے پتھروں میں سے ہو کر ایک چھوٹا سا چشمہ بہتا ہے۔

مولسری کے درختوں کے جھنڈ میں ڈھونڈوں گی، اس خوابوں بھرے سایے میں ڈھونڈوں گی جہاں ایک کونے میں کبوتر غوں غوں کر رہے ہیں، تاروں بھری رات میں ڈھونڈوں گی جہاں پریوں کی پازیب کی جھنکار سُنی جاتی ہے۔

بانس کے جنگل میں شام کے وقت جب ہر طرف سناٹا ہوگا اور ہوا کے لمبے لمبے سانسوں کی سائیں سائیں آوازیں آ رہی ہوں گی تو میں اُسے جا کر

ڈھونڈوں گی "۔

ٹیگور کے ہونٹوں پر تھکن کے باوجود مسکراہٹ کھیلتی ہے۔ وہ بڑھاپے میں بھی جوانوں کی سی اُمنگ ولولہ اور جوش رکھتے ہیں۔ اُن کا جسم بوڑھا ہو چکا ہے مگر دل جوان ہے۔

"کیا مضائقہ اگر میرے بال سفید ہوتے جاتے ہیں۔ میں ہمیشہ ایسا ہی جوان رہوں گا جیسے گاؤں کے دوسرے آدمی ہیں۔

ان میں سے بعضوں کی مسکراہٹ میں سادگی ہے اور بعضوں کی آنکھوں میں چمک ہے

بعضوں کے آنسو دن ہی میں اُبل پڑتے ہیں اور بعض کے رات کے اندھیرے میں چپکے چپکے ڈھلک جاتے ہیں۔ اِن سب کو میری ضرورت ہے۔ مجھے اتنی فرصت نہیں کہ میں موت پر غور کروں "

ٹیگور نے اقبال کی طرح وطن کی شان میں بڑے اچھے اچھے گیت لکھے ہیں۔ اُنھوں نے مُلک کی بپتا کو اچھی طرح سمجھ لیا تھا۔ جس طرح ساری عمر اس کی خدمت اپنے قوتِ بازو سے کی، اسی طرح وہ اسے اپنے خوابوں کی دُنیا میں بھی نہیں بھولے۔ گیتان جلی کا ایک ترانہ پڑھیے۔

"جہاں انسان کے ذہن کو کوئی ڈر نہ ہو۔ جہاں سر بلند رہتا ہو۔ جہاں علم آزاد ہو۔ جہاں دُنیا فرقہ بندی سے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم نہ ہو گئی ہو، جہاں الفاظ سچائی کی گہرائی سے نکلتے ہوں

جہاں کوشش کا ان تھک ہاتھ ہر کام کو پورا کر دیتا ہو۔

جہاں خراب رواجوں کے خشک ریگستان میں عقل کا صاف شفاف چشمہ غائب نہ ہو جاتا ہو۔

جہاں (تو اے مالک) تو خیال اور عمل کی لامحدود وسعتوں کی طرف ذہن کی رہنمائی کرتا ہے۔

ایسی آزاد فضا کے نیچے اے مرے مالک، مرے مُلک کو غفلت کی نیند سے جگا دے "

یہ تھا ٹیگور کا خواب !! آپ نے اقبال کا "نیا شوالہ" پڑھا ہوگا تو آپ کو اقبال کا خواب بھی یاد ہوگا۔ اگر ٹیگور آپس میں میل ملاپ چاہتے ہیں تو اقبال بھی دل کی سونی بستی کو پریم نگر بنانا چاہتے ہیں۔

اور شاعروں کی طرح ٹیگور کے چاروں طرف عمر کا گھیرا نہیں پڑا ہوا ہے ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ وہ بوڑھے جوان اور بچے سبھی تھے بلکہ ہم تو یہ کہیں گے کہ وہ بڑے اچھے بچے تھے۔ انھیں بچوں سے دلچسپی آخر عمر تک رہی اور انھوں نے بچپن پر بڑی اچھی اچھی نظمیں لکھی ہیں۔ ان کی اِن نظموں کا ترجمہ " ماہِ نو " کے نام سے اُردو میں بھی ہو گیا ہے۔ اِن نظموں کا انداز اتنا رسیلا ہے اور مطلب کچھ ایسے نرالے سہل لفظوں میں بیان کیا گیا ہے کہ اگر تم پڑھو تو کہو " واہ بھئی یہ تو بڑا ہی آسان ہے۔ ہم تو سب سمجھ گئے۔ پر جو

ہم سے سچ سچ پوچھو تو بھی ہماری سمجھ میں اچھی طرح نہیں آیا۔ اچھا آؤ ہم تم دونوں مل کر سمجھنے کی کوشش کریں۔

بچہ کہتا ہے۔ ”اماں تم کہتی ہو کہ ابا نے بہت سی کتابیں لکھی ہیں اور برابر لکھتے رہتے ہیں۔ میری سمجھ میں تو آتا نہیں!

خدا جانے انھیں ہر وقت لکھنے میں کیا مزا آتا ہے۔

جب میں ابا کا قلم یا پنسل اٹھاتا ہوں اور ان کی کتاب پر ا، ب، ت لکھ دیتا ہوں تو اماں تم مجھ پر ناراض ہوتی ہو۔

جب ابا لکھتے ہیں تو تم ایک لفظ بھی نہیں بولتیں

جب ابا بہت سے کاغذ خراب کرتے ہیں تو اماں تم کچھ نہیں کہتیں۔ لیکن اگر میں ذرا سا کاغذ کشتی بنانے کے لئے لیتا ہوں تو تم کہتی ہو بچے تو بہت ہی دق کرتا ہے۔

ابا جو کاغذ کے تختے کے تختے کالے نشان ڈال کر سیاہ کر دیتے تو ---------؟“

تم نے دیکھا ٹیگور بات کتنے سہل انداز میں کہتے ہیں۔ ٹیگور بات چپکے سے کہتے ہیں۔ اتنے چپکے سے جیسے تتلیاں چپکے سے آپس میں ملتی ہیں اور کچھ کہہ کر الگ ہو جاتی ہیں۔ اور پھر یہ بات اتنے ہی چپکے سے دل میں اتر جاتی ہے۔ ہم نے بعض بنگالی زبان جاننے والوں سے یہ بھی سنا ہے کہ اُن کے بول بڑے ہی آسان ہوتے ہیں۔ ان میں بڑی گھلاوٹ اور رس ہوتا ہے۔ ان کی باتیں دل کو خوش کرتی ہیں۔ اور آنکھوں کے سامنے رنگین پردے لاتی ہیں۔ اور شاعر چھوڑئے، مگر ہاں ٹیگور نے کلیوں کا چٹکنا سنا ہے تاروں بھری راتیں پریوں کی پازیب کی جھنکار سنی ہے۔ مور اور کبوتر کے دل کی دھڑکن کو محسوس کیا ہے کنول کی کشتی میں تیرتے ہیں اور بنگال کی سنہری صبح اور رنگ بھری شام میں بادلوں پر سورج کی کرنوں کا ناچ دیکھا ہے۔ دراصل اُن کی شاعری اس چشمے کے مانند ہے جو آہستہ آہستہ بہتا ہے جس میں لہریں ہیں۔ طوفان نہیں ہے وہ طوفان نہیں جو اقبال چاہتے ہیں۔

اونچی جس کی لہر نہیں ہے وہ کیسا دریا ہے
جس کی ہوائیں تند نہیں وہ کیسا طوفاں

بس تو ٹیگور اور اقبال میں لہر اور طوفان کا فرق ہے۔ اب یہ تمھاری خوشی کہ تم لہر پر بہنا چاہتے ہو یا طوفان پر ::

# ایک معلم کی زندگی

عبداللہ [illegible] صاحب مدہولی

(۳)

۱۹۳۶ء کے جنوری کا آخری دن جامعہ والوں کے لئے بہت خوشی کا دن تھا۔ اسی دن اُستادوں کے اور لڑکوں کے درمیان کرکٹ کا شاندار میچ ہوا۔ یہ جامعہ کی زندگی میں تاریخی حیثیت رکھتا ہے۔ کھیل میں تفریح کا پہلو بھی تھا اور سنجیدگی کا بھی۔

میچ تیگ کے جلسے کے بعد یعنی ساڑھے دس بجے شروع ہونے والا تھا۔ آج کل جس جگہ باغبانی ہوتی ہے اُسی میدان میں یہ اکھاڑا جمع تھا۔ میدان کے ایک طرف کرسیاں بچھی ہیں۔ ان پر اساتذہ بیٹھے ہیں۔ خوانچے والے میدان کا چکر لگا رہے ہیں۔ طرح طرح کی آوازیں سنائی دیتی ہیں۔ لڑکوں کی ٹولیاں میدان کے چاروں طرف جہاں تہاں بیٹھ گئی ہیں۔

لڑکوں میں بہت جوش و خروش ہے۔ اُستاد بھی اپنی جماعت کو کامیاب دیکھنا چاہتے ہیں۔ لڑکے پھر بھی لڑکے ہیں۔ اُن کو اپنے کھیل، پھرتی اور محنت پر پورا اعتماد ہے۔ اساتذہ کی جماعت میں بس چند ہی لوگ ایسے ہیں کہ جم گئے تو جم گئے ورنہ عام کھلاڑی تو...............

ٹھیک ساڑھے دس بجے ٹن ٹن گھنٹی بجی۔ سب کے کان کھڑے ہوئے۔ اے لو وہ دونوں فریق میدان میں آگئے ہیں آگے آگے لڑکوں کے کیپٹن ابوبکر (ثانوی) اور اُستادوں کے کیپٹن سید نصیر احمد صاحب غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ لڑکوں کی طرف سے کیپٹن کے علاوہ عبدالشکور، اسمٰعیل خاں، حسن سبحانی، اخلاق الرحمٰن، ملک محمد صدیق، غضنفر علی خاں، محمد عمر، ملک محمد ابراہیم، شبیر احمد خاں، خلیل خاں نظر آتے ہیں۔ استادوں میں نصیر احمد صاحب کیپٹن کے علاوہ پروفیسر محمد مجیب صاحب..... ماسٹر برکت علی صاحب، سید نذیر نیازی صاحب اکبر علی صاحب (نگراں مدرسہ) شفیق الرحمٰن صاحب

(ناظم ہمدردان جامعہ) حامد علی خاں (مہتمم مکتبہ) علی احمد صاحب احمد علی صاحب، حفیظ الدین صاحب عبدالخالق صاحب - سید مجتبیٰ حسین صاحب نمایاں نظر آرہے ہیں - ذاکر حسین صاحب (شیخ الجامعہ) آنکھوں کے علاج کے لئے بمبئی گئے ہوئے ہیں - ورنہ وہ بھی اس ٹیم میں ضرور شریک ہوتے - اس سے پہلے قرول باغ میں جو میچ ہوا تھا اُس میں اُنھوں نے کئی رن بنائے تھے

وہ لیجئے لڑکوں نے "ٹاس" بھی جیت لیا - اُنھوں نے اخلاقاً اور مصلحتاً اپنے بزرگوں کو پہلے کھیلنے کی دعوت دی ہے - اُستادوں کی پہلی جوڑی احمد علی صاحب اور حامد علی خاں صاحب پر مشتمل ہے احمد علی صاحب نے پہلے کھیلنا شروع کیا - یہ کرکٹ کے بہترین کھلاڑی ہیں - کھیل کو خوب سمجھتے ہیں اگر جم جائیں تو سمجھئے وارے نیارے ہیں - ان کے کھیل میں خوب صورتی نہیں ہے - لیکن رن بنانے کا گُر اُنھیں آتا ہے - آدمی کافی تیز اور پھرتیلے ہیں - یہ لیجئے اُنھوں نے پہلے ہی بال پر چوا رسید کیا - تالیاں بجیں - دوسری بال پر صرف ایک رن بناکر دوسری طرف پہنچ گئے - آہا ! اب حامد علی خاں صاحب کی باری ہے - یہ لمبے آدمی ہیں - کلائی میں قوت بھی ہے لیکن کھیل سے ناواقف ہیں - شاید اِس میدان کے مرد نہیں ہیں - یہ بھی اس فکر میں ہیں کہ بے تکی اڑائیں - لیجئے خیریت ہوئی پہلی گیند پر بال بال بچ گئے - بالر اُن کی کمزوری سے واقف ہوگیا ہے - اُس نے ذرا ہلکی بال دی تو یہ بلے کو گھماتے ہوئے آگے بڑھے - گیند سے ملاقات بھی نہیں ہوئی تھی کہ وہ یہ یک ہوکر سیدھی وکٹ میں گھس گئی اُن کا آؤٹ ہونا تھا کہ لڑکوں نے پہلی کامیابی پر تالیاں بجائیں - اُستادوں کے ابھی پانچ رن بن سکے ہیں -

اُستادوں کے تیسرے کھلاڑی پروفیسر محمد مجیب صاحب ہیں ہلکے پھلکے آدمی - قدوقامت میں چھوٹے - قدروقیمت میں بڑے، کرکٹ شاذ و نادر ہی کھیلتے ہیں - آج تو اپنی جماعت کی مدد کرنے آئے ہیں - مجیب صاحب جیوں ہی بلا اے کر میدان کی طرف بڑھے - سارے مجمع نے تالیاں بجائیں ان کا کھیل دیکھنے کے لئے لوگ سنبھل کر بیٹھ گئے لڑکوں نے اپنی فیلڈنگ مختصر کرلی اور بالر نے انڈر ہینڈ (Under hand) گیند پھینکنی شروع کی پہلی گیند تو مجیب صاحب نے روک لی - دوسری پہ ایک رن بنایا -

اب احمد علی صاحب پھر بالر کے مدِمقابل ہیں الوبکر جو لڑکوں کی ٹیم کے سب سے عمدہ بالر ہیں اُن کو جلد از جلد آؤٹ کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں - کیونکہ اُن کا جم جانا خطرناک ہے -

لیکن یہ بھی کچھ کم چالاک نہیں ہیں۔ ہر گیند دیکھ بھال کر مارتے ہیں۔ پہلی گیند تو اُنھوں نے روک لی۔ دُوسری پر پھر ایک چوّا لگایا اور تیسری پر دو رن بناکر دوسری طرف چلے گئے۔ اب مجیب صاحب کے کھیلنے کی باری ہے۔ اس دفعہ یہ پہلی گیند پر ہی آؤٹ ہوگئے۔ بارہ رن پر اساتذہ کا دُوسرا وِکٹ گر گیا۔ لڑکے اپنی کامیابی کی رفتار پر خوش اور مطمئن ہیں۔

مجیب صاحب کی جگہ برکت علی صاحب نے لی۔ اس خیال سے کہ کچھ تو رن بنیں۔ یہ میدان میں داخل ہوئے تو اُن کے چہرے سے فکر اور پریشانی ظاہر ہو رہی تھی۔ ان کی سنجیدگی بتلا رہی تھی کہ اُنھیں اپنی جماعت کے جیتنے کی اُمید کم ہے۔ برکت صاحب کھیل کو خوب سمجھتے ہیں اور بہت محتاط کھلاڑی ہیں وکٹ کے قریب پہنچتے ہی انھوں نے درمیانی دایاں بایاں وکٹ لیا۔ کریز کو ناپا، سوا بلے پر ایک لکیر کھینچی راستے کی کنکریاں ہٹائیں۔ بالر پر ایک معنی خیز نگاہ ڈالی۔ اور بلے کو نہایت احتیاط سے زمین پر رکھ کر کھیلنے کے لئے تیار ہوئے، تیاری تو یہ بتا رہی ہے کہ آج برکت صاحب "سو" سے اِدھر دم نہ لیں گے۔ پہلی گیند تو اُنھوں نے آگے بڑھ کر روک لی۔ دُوسری پر بلّا گھمایا لیکن گیند وکٹ سے ذرا ہٹ کر نکل گئی۔ دُوسری گیند پر یہ جو آؤٹ ہونے سے بچے تو اور زیادہ سنبھل گئے۔ تیسری گیند بہت سیدھی تھی اور ٹھیک درمیانی وکٹ پر گر رہی تھی۔ برکت صاحب نے اپنا اگلا پیر بڑھا کر جوں ہی گیند روکی بالر نے (How is that) کا نعرہ لگایا۔ امپائر نے ال، بی ڈبلیو دے دیا۔ پھر تو لڑکوں نے زور زور سے تالیاں بجائیں۔ اور ایک دُوسرے کی طرف دیکھ کر ہنسنے اور مذاق کرنے لگے۔ برکت صاحب واپس آکر اپنے ساتھیوں سے کہنے لگے "امپائر کا فیصلہ مشکوک ہے" لڑکے اس لئے خوش تھے کہ اگر انھیں کھیلنے کا موقع ملتا تو یہ گھنٹوں کھیلتے رہتے۔

اس کے بعد اُستادوں نے بہت کوشش کی لیکن کھیل کا رنگ جم نہ سکا۔ بعض نے دو ایک ہاتھ دکھائے اور کچھ رن بنائے۔ لیکن اکثر کورے ہی لوٹ آئے۔

آخری وِکٹ کا گرنا تھا کہ مجمع میں ایک شور برپا ہوگیا۔ لڑکے خوش خوش اُچھلنے کُودنے لگے دو چار منٹ کے لئے سارا میدان گرد و غبار سے اٹ گیا۔

دس منٹ کے وقفے کے بعد لڑکوں نے کھیلنا شرُوع کیا۔ اساتذہ فیلڈنگ کے لئے میدان میں جم کر کھڑے ہوگئے۔ لڑکوں کی طرف سے پہلے ابوبکر عبدالشکور کھیلنے کے لئے آئے۔ لڑکوں اور اُستادوں نے تالیوں سے ان کا استقبال کیا۔

(باقی آئندہ)

# سپاہی بچہ

سید ابو تمیم، فرید آبادی

فضلو بڑا شریر بچہ تھا۔ ایک رات اور ایک دن مسلسل میرا اور اُس کا ساتھ رہا۔ ریل کے سفر میں میں بھی اُس کی شرارتوں سے عاجز آ گیا تھا اور دوسرے مسافر بھی۔ اچھل کر ریل کے ڈبے کے مچان پر جا بیٹھا پھر کچھ دیر بعد دھوں سے کود پڑا۔ چلتی ریل میں دروازہ پکڑ کر لٹک جاتا۔ سارے مسافر خوف سے لرزتے رہتے منع بھی کرتے مگر وہ کب سننے والا تھا۔

وہ ایک ایسے خاندان کا بچہ تھا جن کی عمریں لڑائی کے میدان میں زیادہ کٹی تھیں۔ مگر جب سے ہمارا ملک انگریزوں کے پنجے میں آیا ہے لوگ پالتو طوطوں اور مرغیوں کی طرح کم زور، پست ہمت اور ڈرپوک ہو گئے ہیں۔ بجائے بہادری کے کاموں کے آرام کرسیوں پر بیٹھ کر زندگی گذارتے ہیں۔ فضل الدین (فضلو کا پورا نام ہے) کے عزیز اور رشتے دار بھی آرام طلب ہو گئے ہیں۔

جب وہ سترہ، اٹھارہ برس کا ہوا تو اُس کے ایک ماموں نے اُسے کسی نواب کا مصاحب بنانا چاہا۔ یہ صاحب بڑے دلدار لوگ ہوتے ہیں۔ نوابوں کو ہنساتے رہنا۔ جھوٹ بولتے رہنا۔ دوسروں کی غیبت کرتے رہنا۔ نوابوں کی چاپلوسی کرتے رہنا اُن کا کام ہوتا ہے۔ ان کا دین ایمان بس یہ رہ جاتا ہے کہ دولت کماؤ، چکنی غذا کھاؤ۔ تھوڑی دیر نوابوں کو خوش کرو۔ اور موج اُڑاؤ ............

لاحول ولا قوۃ۔

کچھ دن تک فضلو کو نواب صاحب کے ہاں جانا پڑا۔ وہاں اور بیسیوں جوان اور بوڑھوں کی طرح اُسے بھی ہاتھ باندھے اور گردن جھکائے کھڑا رہنا پڑا۔ ان مصاحبوں کی خوشامدی باتوں اور فریب و مکر کی بات چیت سے وہ تنگ آنے لگا۔ مگر اُس کا ماموں خوش تھا۔ وہ دیکھتا تھا کہ نواب صاحب فضلو پر بہت مہربان ہیں۔ انعام اکرام دیتے رہتے ہیں ساتھ رکھتے ہیں۔ جب فضلو موجود نہیں ہوتا ہے تو اُسے یاد فرماتے ہیں۔ مگر فضلو کو اس زندگی سے وحشت ہوتی جا رہی تھی۔ آخر اُس سے یہ بے غیرتی کی زندگی

نہ کٹ سکی۔

ایک دن گھر سے فرار ہوگیا مشکل سے اس کی جیب میں بیس روپے ہوں گے اور نہ کوئی کپڑا : تنا بس جو جوڑا تن پر تھا وہی اس کی ملکیت تھا۔

وہ سیدھا پونا پہنچا اور فوج میں بھرتی ہوگیا۔ وہ موٹر چلانی جانتا تھا اس کے ماموں کے پاس تھی اور اسی پر اس نے ہاتھ صاف کیا تھا۔.... فوج میں اس کو موٹر کا کام دیا گیا اور شاید ۱۹ روپے تنخواہ ٹھہری۔ بھرتی ہونے کے بعد اس نے اپنے ماموں اور والد کو اطلاع دے دی۔ اس کی بہنیں بہت روئی پیٹیں۔ اس لئے نہیں کہ وہ مر جائے گا بلکہ اس لئے کہ ۱۹ روپے بہت کم ہوتے ہیں۔ وہ کہتی تھیں کہ اتنے کے تو نوکر ہمارے ہاں ہیں۔

کچھ دن بعد وہ باہر بھیج دیا گیا۔ شاید اس کی ساری پلٹن۔ ابھی چند دن ہوئے اس کا تار ملا کہ میں بمبئی پہنچ گیا ہوں اور پنجاب جا رہا ہوں۔ دلی کے اسٹیشن پر اس سے ملنے گیا۔

ریل آئی اور اس کے ساتھ گھبرائے ہوئے لوگوں کی بھیڑ، جن کی آنکھیں پھٹی ہوئی، سانس پھولے ہوئے اور اوسان خطا تھے ........ یہ لوگ یا تو ریل میں بیٹھنے والے تھے یا اُن کے کوئی عزیز اترنے والے تھے۔ میں نے چاہا کہ اُن کی طرح گھبرا جاؤں۔ مگر نہ گھبرا سکا۔ اترنے والے اُتر گئے اور بیٹھنے والے گھس گئے تو صرف قلیوں کا شور باقی رہ گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ سامنے سے فضلو چلا آرہا ہے، مگر کس شان سے! اہاہا۔ دیکھنے کے قابل تھا وہ۔ کالی فوجی نیلی ٹوپی ذرا سی ترچھی۔ خاکی قمیص جس کے بازو پر "نائیک" کی نشانی سلی ہوئی؛ خاکی نیکر۔ گرم بری جراب اور کوئی ۲۰ سیر کا کالا جوتا........ جب وہ آرہا تھا تو جوتا بھی چین چاں کر رہا تھا اور پلیٹ فارم بھی لرز رہا تھا۔ سینہ اس کا چوڑا ہوگیا تھا اور رنگ ذرا سا کالا۔ قد اُس وقت مجھے بہت لمبا معلوم ہوا، حالانکہ میرے قد سے اب بھی وہ بہت چھوٹا تھا........ مجھے دیکھتے ہی چمٹ گیا۔ میں نے اُس کی پیٹھ ٹھونکی بھینچا اور کان کترنا چاہا۔

میں اُسے چائے کے ہوٹل میں لے گیا۔ چائے پلائی۔ وہ چائے پیتا رہا اور میں اُسے دیکھتا رہا۔ اب فضلو شرارت کا پتلا نہیں تھا۔ بڑا متین بن گیا تھا (شاید اب بھی وہ اپنے ساتھیوں سے شرارت کرتا ہو۔) مجھے اس پر بڑا پیار آرہا تھا۔ جب وہ نواب صاحب کے چنگل سے نکل کر بھاگا تو اس وقت بھی مجھے بہت خوشی ہوئی تھی۔

میں نے پوچھا کہو فضلو تم کہاں رہے اس عرصے میں؟ اُس نے کہا "سوڈان اور ابی سینا کی لڑائیوں میں"۔

میں نے پوچھا لڑائی دیکھی بھی یا کہیں دور ہی

تھے ؟"

کہنے لگا۔"واہ صاحب۔ ہم تو عموماً حملے کے وقت فوج کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ حبش کی تمام لڑائیوں میں میں نے شرکت کی۔ جو شہر ہتھیار ڈال دیتے تھے، اُن میں پہلے ہم ہی داخل ہوتے تھے"

میں نے پوچھا کیوں بھائی یہ اٹلی والے اتنے بپلپلے کیوں نکلے ؟

کہنے لگا اُن کے پاس نہ تو اچھے ہتھیار تھے اور نہ اچھی فوجی تعلیم دی گئی تھی۔ میں نے دریافت کیا "کبھی تمہاری فوجوں سے دو بدو (آمنے سامنے) بھی لڑائی ہوئی ؟ یعنی سنگینوں کی جنگ ؟" کہا "ہاں کئی دفعہ۔ مگر اُن کی رائفلیں بہت پرانی ہوتی تھیں۔ اور اکثر کے پاس سنگین ہوتی ہی نہ تھی۔ البتہ اُن کے پاس تین نال کی رائفل بڑی خطرناک چیز تھی۔ اُن کے ہوائی جہاز بہت کم زور تھے اور چلانے والے بالکل اناڑی ........ جب وہ پکڑے جاتے تھے تو ہم پر ایک مصیبت ہوتی تھی۔ اُن کو بھیڑ بکریوں کی طرح لاریوں میں بند کرکے لانا لے جانا ہمارا ہی کام ہوتا تھا راستے بھر چاؤں چاؤں کرتے اور لڑتے بھڑتے جاتے تھے"

میں نے اس کی بات ختم ہوتے ہی پوچھا میاں تم مرے نہیں۔ بولا "جی نہیں مگر میری گاڑی پر گولیاں کئی مرتبہ لگیں۔ دشمن بھاگتا تھا تو ہم کو اُن کا پیچھا کرنا پڑتا تھا اور بعضے بھاگتے بھاگتے بھی گولی چلا دیتے تھے"

میں نے پوچھا جو کبھی گولی تمہاری کھوپری پر لگ جاتی تب کیا ہوتا تھا؟ مسکرا کر بولا۔ ہوتا کیا ؟ اجی گولی سے زیادہ تو خطرناک چیز ہاتھوں کے بم ہوتے ہیں مگر ہمارے دشمن کے دستی بم ایسے گھٹیا تھے کہ دس فٹ سے بھی کسی کے لگتے تو بس ذرا سی کھال پھٹ جاتی تھی۔ اچھا وقت ریل کا کم ہے، کچھ خاندان کا حال تو سنائیے۔ میں نے کہا "لو سنو تمھارے ابا کی پنشن ہو گئی۔ تمھاری ایک بھانجی اللہ کے ہاں گئی۔ تمھارے ایک چچا زاد بھائی نے اپنی بیوی پر بندوق کا فیر کر دیا۔ اب وہ سرکاری مہمان ہیں۔ شاید دو سال کی سزا ہوگی۔ مگر تم یہ تو بتاؤ کہ تم نواب صاحب کی مصاحبت سے کیوں گھبرا کر بھاگے تھے، اچھے خاصے تھے وہاں معقول تنخواہ، عمدہ غذا نرم بستر اور عمدہ موٹروں کی سواری ملتی تھی ......"

میری بات کاٹ کر کہا "آپ مجھے چھیڑئے مت۔ آپ جانتے ہیں کہ نرم بستر اور چکنی غذائیں۔ رنڈیوں اور ان کے بھڑوں کو بھی ملتی ہیں مگر اُن کی عزت کوئی کرتا ہے؟ ایمان اور خودداری بیچ کر زندگی گذارنے سے بہتر تو موت ہے۔ اب اگر میں مرا تو لوگ یہی کہیں گے نا کہ دشمن سے مقابلہ کرتے ہوئے مرا۔ یہ تو نہیں کہیں گے کہ کسی نواب کی چاپلوسی اور خوشامد کرتا ہوا مرا۔" میں نے اُس کی کمر ٹھونکی اور مرحبا کہا

وہ اُٹھا۔ نیکر کو ذرا اونچا کیا اور چرچر کی آواز کے ساتھ ہوٹل سے نکلا ...... لوگ اس کو دیکھ رہے تھے اور میں دل ہی دل میں اُس کو داد دے رہا تھا +

# جھوٹ کے پاؤں

گنیش چندر سکسینہ

ایک مُرغا تھا پیڑ پر بیٹھا
کھائے مُرغے کو دِل میں یہ آئی
پھر مُخاطب ہوئی وہ مُرغے سے
جانور اِک جگہ ہوئے تھے جمع
اِس لئے نیچے تم اُتر آؤ
مُرغ کافی تجربہ رکھتا تھا
اور بولا کہ حال سب سمجھاؤ
اِتّفاقاً شِکاری کُتّے دو
کُتّے نزدیک آتے جب دیکھے
بھاگنے کا کیا اِرادہ جو
بولی بِلّی یہیں رُک نہیں سکتی
مُرغ بولا مجھے یہ کہنا ہے
کِس لئے ڈر کے بھاگتی ہے بُوا
بولی تیری طرح سے یہ کُتّے
کہا مُرغے نے بات یہ سچ ہے
یہ کہانی نہیں ہے عبرت ہے

اُس کو بِلّی نے دُور سے دیکھا
پیڑ کے نیچے چل کے وہ آئی
کچھ سُنا تم نے جو ہوا ہے طے
ہوئے آپس کا کُشت و خوں ہے منع
نہ ڈرو مجھ سے اور نہ گھبراؤ
اُس کی مکّاری پہ وہ ہنسنے لگا
سایہ ٹھنڈا ہے بیٹھ کر ستاؤ
آتے دِکھلائی دیئے بِلّی کو
چاہا بِلّی نے راستہ ناپے
مُرغا چِلّایا ٹھہرو بات سُنو
کہنا جو کچھ ہے تم کہو جلدی
خوف کُتّوں سے اب تجھے کیا ہے
بدگمانی ہے یہ تری بے جا
بے خبر لیگ کے ہیں فیصلے سے
جھوٹ کے پاؤں ہی نہیں ہوتے
ماننے والوں کو نصیحت ہے

بات مکّاری کی کبھی سُن کر
کرنا ہرگز نہ یک بیک باور

# گویا لڑکا

عبدالواسع
چک مگلوری

انگلستان میں ایک جگہ ہے مانس فیلڈ نوٹنگھم یہاں ایک معمولی مزدور پیٹرک فلنگھان کے گھر میں ایک لڑکا پیدا ہوا۔ ماں باپ نے اس کا نام جیمز فلنگھان رکھا۔ اس کا باپ پیٹرک فلنگھان ایک آوارہ مزدور تھا۔ تمباکو کے ایک کارخانے میں کام کرتا تھا۔ ۲۰ شلنگ ہفتہ وار ملتے تھے۔ اپنے کام میں بہت ہوشیار تھا مگر شراب پینے کی بری لت پڑ گئی تھی۔ ساری آمدنی اسی میں خرچ ہو جاتی تھی۔ پھر جب وہ شراب پی کر بدمست ہوتا تو بیوی بچوں پر بہت ظلم کرتا۔ مارتا۔ پیٹتا اور گھر سے نکال دیتا۔ غرض پورا خاندان ایک مصیبت میں مبتلا تھا۔

جیمز فلنگھان کچھ بڑا ہوا تو اس کے باپ نے اسے بھی اپنے ہی کارخانے میں نوکر رکھا دیا۔ جیمز کے ساتھی مزدور بہت شہدے اور آوارہ تھے۔ ان کی ہر بات سے بازاری پن ظاہر ہوتا تھا۔ جیمز کی آواز اچھی تھی اور رات کو کھانے کے بعد گایا کرتا تھا تمام مزدور اسے گھیرے رہتے تھے۔ اسے انھوں نے اپنے رنگ میں رنگ لیا تھا۔

ایک دن جیمز کا ایک ساتھی اسے شراب کی ایک بھٹی میں لے گیا۔ اور اسے گانے پر مجبور کیا۔ لوگوں نے اس کے گانے کو بہت پسند کیا اور اس دن بھٹی کی شراب بہت بکی۔ اب تو بھٹی کا مالک بھی اسے بہت چاہنے لگا۔ جیمز کے گانے زیادہ تر تھیٹروں کے ہوتے تھے۔ جب تماشا دیکھنے جاتا تو یہ گانے یاد کر لیتا اور بھٹی میں آکر سناتا۔

جیمز پادریوں کا وعظ سننے کے لئے ہر اتوار کو گرجا ضرور جاتا تھا۔ ان وعظوں سے اس کے دل پر اچھا اثر ہوتا تھا۔ آخر ایک دن ایک پادری کے وعظ نے اس کی کایا ہی پلٹ دی۔ جیمز نے تمام برائیوں سے توبہ کی اور عہد کیا کہ زندگی بھر مخلوق کی خدمت کرے گا۔ اس وقت اس کی عمر سولہ برس تھی لکھنا پڑھنا بالکل نہ جانتا تھا پر وہ اسی دن قاعدہ خرید لایا اور پڑھنا شروع کر دیا۔ تھوڑی سی شدھ بدھ ہو گئی تو چھوٹی چھوٹی کتابیں پڑھنے لگا۔ اب وہ دن میں کوئلے کی کان میں کام

کرتا اور رات کو کتابیں پڑھتا۔ تھوڑے دنوں میں اُسے اچھا خاصا لکھنا پڑھنا آگیا۔ اُس نے حمد و نعت کی بہت سی نظمیں بھی زبانی یاد کرلیں۔ ان نظموں کا اس پر اور بھی اچھا اثر ہوا۔ یہاں تک کہ کبھی کبھی دُعا پڑھنے کے لئے اُسے گرجا میں بھی بُلایا جانے لگا۔ اب تو اُسے اپنی قابلیت بڑھانے کا اور بھی شوق ہوا اور تھوڑے ہی دنوں میں اُس نے بہت اچھی قابلیت حاصل کرلی۔ اور اُسے گاؤں کے مدرسوں کا نگراں مقرر کردیا گیا۔

اُس نے اپنے گاؤں میں وعظ کہنا بھی شروع کردیا۔ لوگ اُس کا وعظ بہت شوق سے سُنتے۔ وہ روزانہ سولہ گھنٹے کام کرتا۔ اُس نے بائبل بھی خوب غور سے پڑھی۔ اُس کے صفحے کے صفحے پڑھتا چلا جاتا اور اُن کا مطلب خوب اچھی طرح سمجھا دیتا۔ لوگوں پر اس کی ان باتوں کا بہت اثر ہوتا تھا۔ کان کے مزدور یعنی اُس کے ساتھی اس کی اس حیرت میں ڈالنے والی کایا پلٹ کو دیکھ کر دانتوں تلے اُنگلی دبا لیتے تھے۔

ہوتے ہوتے اُس کے وعظ کی شہرت دور دور پھیل گئی۔ جگہ جگہ لوگ اُسے وعظ کے لئے بُلانے لگے۔ ایک گاؤں کے لوگوں پر تو اس کے وعظ کا اتنا اثر ہوا کہ اس سے چھ مہینے تک برابر وعظ کہلواتے رہے۔ لوگ روزانہ جوق در جوق اس کی تقریر سُننے آتے تھے۔ مجمع اتنا زیادہ ہوتا تھا کہ جیمز کو کُرسی یا میز پر کھڑے ہو کر تقریر کرنی پڑتی تھی۔

جیمز نے پڑھنے لکھنے کا شغل برابر جاری رکھا اور اپنے اسی شوق اور مُسلسل محنت کی بدولت عالم و فاضل بن گیا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ وہ نوٹنگھم کا پادری بنا دیا گیا۔ جیمز نے یہاں کے گرجا میں تقریروں کا سلسلہ شروع کیا۔ ان وعظوں نے یہاں کے لوگوں میں ایک زندگی پیدا کردی۔ اس کے بعد وہ بری میٹون چرچ میتھوڈسٹ کا بڑا پادری مقرر کیا گیا۔

لندن کے ٹرینٹی گرجا میں لوگ بہت کم آتے تھے بات یہ تھی کہ وہاں کے پادریوں کو اپنے کام سے دلچسپی نہیں تھی۔ آخر جیمز کو یہاں بُلایا گیا۔ شروع شروع میں اُسے کچھ ایسی کامیابی نہیں ہوئی۔ پہلے دن وعظ میں کُل ۳۶ آدمی آئے وہ بھی غریب طبقے کے۔ بہت کچھ دوڑ دھوپ اور سوچ بچار کے بعد ایک تدبیر اُس کی سمجھ میں آئی۔ وہ گلی کوچوں میں جگہ جگہ وعظ کہتا پھرتا اس کا اثر لوگوں پر بہت اچھا ہوا۔ اور اب یہ حالت ہوئی کہ جہاں پہلے چند ادنیٰ اور غریب لوگ آتے تھے وہاں اب عمارت میں تِل دھرنے کو جگہ نہ ملتی تھی آخر عمارت کو بڑھانے کی ضرورت ہوئی۔ اس کام کے لئے ضرورت تھی روپے کی۔ روپے اکٹھا کرنے کے لئے اس نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ گاؤں گاؤں جا کر وعظ کرتا اور آخر میں چندہ جمع کرتا۔ اِس طرح اُس نے کافی روپیہ جمع کرلیا۔ اس روپے سے چند مہینوں میں عمارت بن کر تیار ہوگئی اس عمارت کا نام سینٹ جارج ہال رکھا گیا

اب جیمز کی مذہبی قابلیت کا چرچا انگلستان کے علاوہ دوسرے ملکوں میں بھی ہونے لگا۔ نیوزی لینڈ اور آسٹریلیا والوں نے اُسے اپنے یہاں آنے کی دعوت دی اِن دونوں ملکوں پر اس کے وعظ بہت کامیاب رہے۔ ان مُلکوں کے لوگوں نے اسے اپنے یہاں بہت عزّت و احترام کے ساتھ مہمان رکھا۔

یہاں سے لوٹ کر اس نے کئی کتابیں چھاپیں اس کے وعظوں کی طرح اس کی کتابیں بھی تمام دنیا میں مقبول ہوئیں جیمز سنہ ۱۹۱۶ء میں بیمار پڑا اور سنہ ۱۹۱۸ء میں اس دُنیا سے رُخصت ہوگیا۔ انگریزی پارلیمنٹ کے تمام ممبر اس کے جنازے میں شریک تھے۔ سچ ہے بلند ہمتی اور محنت و استقلال کی بدولت ایک بازار میں اور تھیٹر کے گانے گانے والا بے علم لڑکا بھی اتنا عروج حاصل کرسکتا ہے ✦

## شفق

مبارک حسین خاں ازھر

ہوئی شام پھولی شفق آسماں پر
تنی سُرخ بانات سارے جہاں پر

یہ پیارا سماں بھی بہت خوش نما ہے
افق پر حقیقت میں سونا چڑھا ہے

ہوا ہے جو رنگین دریا کا پانی
بنا لال شربت ہے دریا کا پانی

درختوں نے بھی سُرخ بانات پہنی
لگی جھومنے اُن کی ایک ایک ٹہنی

پلک مارتے ہی یہ منظر نرالا
ہوا دُور آنکھوں سے دن کا اجالا

غرض یوں ہی مٹتی ہے ہر شے یہاں کی
ہر اک چیز فانی ہے ازھر یہاں کی

# آنکھ مچولی

ایم اقبال حسین اچکار، دھرم پور

ریاست گانگپور کے ایک گاؤں میں ایک شخص نے ہاتھی فراہم کرنے کا ٹھیکہ لے رکھا تھا روزانہ اس کے یہاں سے سو پچاس ہاتھی دوسری جگہ بھیجے جاتے تھے۔

ٹھیکے دار کے ہاتھی خانے میں جہاں ہر قسم کے چھوٹے بڑے ہاتھی موجود تھے وہاں ۲۰، ۲۵ چھوٹے چھوٹے بچے بھی تھے۔ یہ دیکھنے میں بہت خوب صورت اور بھلے معلوم ہوتے تھے۔ ہاتھیوں کے بچے ہاتھی خانے میں دن رات دھما چوکڑی مچائے رکھتے۔ گاؤں کے چھوٹے چھوٹے ناسمجھ بچے اکثر ہاتھی خانے کے گرد جمع ہوجاتے اور ہاتھیوں کے بچوں کی خوش فعلیاں دیکھ دیکھ کر دل ہی دل میں خوش ہوتے اور آپنے ہمجولیوں کے ساتھ آنکھ مچولی کھیلتے۔

ایک روز گاؤں کے بچے آنکھ مچولی کھیلنے کے لئے ہاتھی خانے کے میدان میں گھیرا بنائے کھڑے تھے اور ان میں سے ایک بچے کو چور بنا کر اس کی آنکھوں میں پٹی باندھ رہے تھے۔ اتنے میں ہاتھی خانے کے ہاتھیوں کے ۱۰، ۱۵ بچے گاؤں کے بچوں کے پیچھے آکر چپکے سے کھڑے ہوگئے۔ ان بچوں کو مطلق خبر نہ ہوئی۔ یہ تو بس اپنی دھن میں پٹی باندھے جانے والے بچے کو دیکھ رہے تھے کہ پٹی بندھ جائے اور تالی بجے تو ہم لوگ بھاگیں اتنے میں تالی بجی اور بچے اندھا دھند بھاگنے لگے۔ اب جن بچوں کے پیچھے ہاتھیوں کے بچے کھڑے تھے وہ اُن سے ٹکرا ٹکرا کر ادھر اُدھر لڑھک پڑھک گئے۔ ہمجولیوں کی نظر جونہی ہاتھیوں کے بچوں پر پڑی گھبراہٹ میں "ہاتھی آیا بھاگو" کہہ کر بے تحاشا اپنے اپنے گھروں کی طرف بھاگے ہاتھیوں کے بچے بھی گاؤں کے بچوں کے پیچھے دوڑے اور تھوڑی دور آگے ان بچوں کو جا لیا اور اپنی اپنی سونڈوں میں لپیٹ کر ہاتھی خانے کے میدان میں جہاں بچے آنکھ مچولی کھیل رہے تھے لے آئے اور ان بچوں کو اپنے گھیرے میں لے کر ایک نے اپنی سونڈ آنکھوں میں رکھ کر بچوں کو اشارے سے بتایا کہ ہم بھی آنکھ مچولی کھیلیں گے گاؤں کے بچے پہلے تو اپنے آپ کو ہاتھیوں کے محاصرے میں دیکھ کر خوف سے چیختے چلاتے رہے بعد میں آنکھ مچولی

کا تماشا دیکھ کر رونا دھونا سب بھول گئے اور ہاتھیوں کے بچوں کے ساتھ مل کر آنکھ مچولی کھیلنے لگے۔

ہاتھیوں کے بچوں کے ساتھ کھیلتے کھیلتے گاؤں کے بچے نڈر ہو گئے۔ اکثر کوئی بچہ کبھی چور ہوتا تو آنکھوں میں پٹی بندھی ہوتی اور وہ ہاتھیوں کے جھنڈ میں بلا خوف و خطر گھس جاتا اور ہاتھوں سے ٹٹول ٹٹول کر ہاتھیوں کے بچوں کو پکڑ لیتا۔ "چور چور" آواز سن کر تمام بچے ہاتھی خانے میں گھس کر ہاتھی کے بچے کو کھینچ تان کر باہر میدان میں لے آتے۔ "چور ہاتھی کا بچہ" اپنی سونڈ سے آنکھیں بند کر لیتا۔ بچے تالی پیٹ کر ادھر ادھر ہاتھی خانے میں گھس پڑتے اور بڑے بڑے ہاتھیوں کی ٹانگوں کے بیچ سے نکل جاتے کبھی ان کی اوٹ میں چھپے رہتے۔

ہاتھیوں کے بچوں کے ماں باپ انسان کے بچوں کے ساتھ مل کر آنکھ مچولیاں کھیلنے کا تماشا دیکھ دیکھ کر بہت خوش ہوتے اور خوشی میں گاؤں کے تمام بچوں کو اپنے اوپر سوار کرا کے جنگل کی سیر کرانے لے جاتے پھر جنگل سے لوٹ کر بچوں کو گاؤں میں اتار کر اپنے ہاتھی خانے کو روانہ ہوتے۔

ہاتھیوں کے بچے گاؤں کے بچوں سے کچھ ایسے مل جل گئے تھے کہ اگر کبھی ہمارے گاؤں کے بچے آنکھ مچولی کھیلنے نہ آتے تو یہ گاؤں جا کر انھیں بلا لاتے، اور ان سے آنکھ مچولی کھیلتے ✽

---

# سعادت

## (قہقہہ نمبر)

جناب لطیف فاروقی صاحب پیام تعلیم کے پرانے مضمون نگار ہیں۔ یہ سعادت کے نام سے بچوں کا ایک پندرہ روزہ رسالہ بہت کامیابی سے نکالتے ہیں۔ اس رسالے کے دو شاندار خاص نمبر بھی نکلتے ہیں۔ سالنامہ اور قہقہہ نمبر۔ اس مرتبہ بھی ہمیشہ کی طرح قہقہہ نمبر بہت اہتمام سے نکالا ہے۔ مضامین سب دلچسپ اور مزے مزے کے ہیں۔ لکھنے والوں میں جناب نصیر احمد صاحب جامعی۔ جناب مولوی شفیع الدین صاحب نیر۔ جناب فضل الٰہی صاحب عارف (اور خود ایڈیٹر صاحب) قابل ذکر ہیں۔ رسالے کی لکھائی چھپائی کاغذ لیتھو کی تصویریں سبھی چیزیں اچھی ہیں۔ قہقہہ نمبر کی قیمت الگ نہیں لی جاتی بلکہ سالانہ قیمت (عہ) میں شامل ہے۔ مقام اشاعت :-

دفتر سعادت : لاہور

# گڑیا اور گڈے کی شادی

نذیر بجل صاحب

تعلیمی مرکز کے چھوٹے بچوں نے ایک دفعہ دریا کی سیر کی۔ وہاں کا منظر اُن کو بہت پسند آیا۔ ہم نے اُن کو بتایا کہ ہمارے ملک میں کشمیر ایسی اچھی جگہ ہے جہاں اس قسم کے بہت اچھے اچھے نظارے دیکھنے میں آتے ہیں۔ مثلاً پہاڑیاں جہاں شام کے وقت ایک عجیب خاموشی ہوتی ہے اور جب چاند کی چاندنی کھلتی ہے تو کالے کالے درخت، ندی نالوں کا شور کرتا ہوا، پانی دودھ کی طرح سفید۔ اور پھر ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا۔ اسی طرح وہاں کی سہانی صبح، پہاڑوں کے دامن میں بہتا ہوا صاف پانی جس پر اِدھر اُدھر ڈونگے اور کشتیاں پڑی پھرتی ہیں۔ پرندوں کا چہچہانا اور پوست کے کھیتوں میں سرخ سرخ پھول جو صبح کی ٹھنڈی ہوا کے ہلکے ہلکے تھپیڑوں سے معلوم ہوتا ہے جاگ اُٹھے ہیں اور آنکھیں کھول کھول کر اِدھر اُدھر تک رہے ہیں۔ اور پھر پہاڑوں کی اونچی چوٹیاں جن پر کہ ہرے سبزے کی بہار بہت ہی بھلی معلوم ہوتی ہے

لڑکوں کو وہ ملک بہت پسند آیا اور سب نے ارادہ کیا کہ ہم اس قسم کا ایک چھوٹا سا ملک اپنے اسکول میں بنائیں گے۔ اب ان کا یہ بہت اچھا کھیل تھا۔ سب نے مل کر اتنا کام کیا کہ سچ مچ ایک اچھا خاصا ٹیلا بنا کر کھڑا کر دیا۔ ندی، نالے نکالے۔ اُن پر پل بنا کے سڑکیں بنائیں اور اُن کے ساتھ ساتھ تار کے کھمبے بھی کھڑے کیے۔ ریل کی پٹری، گاڑی اور انجن تیار کیا۔ موٹریں اور تانگے بنائے۔ چھوٹے چھوٹے گھر بنائے۔ پوست کے پھولوں کا کھیت بنایا۔ طرح طرح کے درخت بنالئے۔ میں نے جب اُن کو کشمیری لوگوں کی بہت سی کہانیاں سنائیں تو وہ اور بھی بہت سی چیزیں بنانے لگے۔ مثلاً مٹی کے برتن، چٹائیاں، کھلونے اور بالوں کے نمدے، اس طرح جماعت میں بہت سا سامان تیار ہوگیا۔ پھر ایک دفعہ ایسا ہوا کہ دو لڑکے چھٹی لے کر اپنے شادی بیاہ میں چلے گئے جب واپس آگئے تو دن بھر دولہا دلہن کا چرچا رہا۔ سب بچوں نے مل کر طے کیا کہ ہم

گڑیا اور گڈے کی شادی کریں ورنہ شادی کشمیریوں کے رسم و رواج کے مطابق ہو۔ جماعت میں اب اور ہی جوش نظر آنے لگا۔ بہت سی چیزیں مثلاً کپڑے، زیور برتن، کچھ بننے لگے۔ کچھ جمع ہونے لگے۔ اسی ٹیلے یا کشمیر کے ماڈل میں ایک طرف گڈے کا گاؤں بنا دوسری طرف گڑیا کا گاؤں بنا۔ آتش بازی تیار ہوئی اور شادی کی تیاریاں دھوم دھام سے ہونے لگیں۔ کوئی ۳ مہینے یہ کام برابر ہوتا رہا۔ یہ سب تیاریاں مکمل ہوئیں تو ایک مقررہ دن بہت دھوم دھام سے شادی رچی

پہلی جماعت کے بچوں نے دوسری جماعت والوں کو بھی دعوت دی اور بڑی جماعتوں کے لڑکوں میں سے ایک ایک دو دو نمائندے چن لئے گئے جو اسکول کی دوسری دلچسپیوں کے خاص کارکن یا سردار تھے۔ پہلے ایک جلسہ ہوا۔ بچوں نے رپورٹ پڑھی۔ نظمیں سنائیں اور اپنا تیار کیا ہوا سینما دکھایا۔ اس میں کشمیری مناظر کی ڈرائنگ تھی سب بچے اور استاد دیکھ کر بہت خوش ہوئے پھر دوسری جماعت والوں نے سہرا پڑھا، جو بہت ہی اچھا تھا۔ جناب مولوی شفیع الدین صاحب نیر نے لکھ کر دیا تھا اور باتیں لکھنے سے پہلے آپ کو وہ سہرا سناتے ہیں

## سہرا

گڈے میاں نے باندھا ہے سہرا — دیکھو تو کیسا اچھا ہے سہرا
گڑیا دلھن ہے گڈا ہے دولھا — دولھا دلھن کا پیارا ہے سہرا
پھولوں کی خوشبو پھیلی ہوئی ہے — محفل میں ساری مہکا ہے سہرا
پھولوں کی لڑیاں پھولوں کی چھڑیاں — خوشیوں کی گھڑیاں لایا ہے سہرا
چاند اور سورج اس پر فدا ہیں — آنکھوں کا اُن کی تارا ہے سہرا
بچے بھی خوش ہیں، خوش ہیں بڑے بھی — خوشیوں کا شاید تحفہ ہے سہرا

گڈے میاں کی شادی رچی ہے
نیر بھی لکھ کر لایا ہے سہرا

یہ سہرا پڑھنے والے نے اتنا اچھا پڑھا کہ دو تین بار پڑھوایا گیا۔ کیا بچے کیا بڑے ہم سب نیرؔ صاحب کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ اس کے بعد اور بھی طرح طرح کی نظمیں پڑھی گئیں۔ خاص طور سے ایک نظم سب نے بہت پسند کی۔ یہ نظم گڈے کی طرف سے ایک لڑکے نے پڑھی۔ اس میں گڈا اپنے وطن کی یوں تعریف کرتا ہے۔

مرا دیش سندر نظاروں کی دُنیا
حسیں پربتوں کوہساروں کی دُنیا
لیفٹنوں کی دنیا بہاروں کی دُنیا
وطن ہے مرا چاند تاروں کی دُنیا
مرا دیش سندر نظاروں کی دُنیا

یہ نظم بہت لمبی ہے۔ لیکن اوپر کے بند سے اندازہ کر لیجئے کہ کتنی اچھی ہوگی۔ پڑھنے والے نے ایسی عمدہ لَے سے گایا ہے کہ ہر طرف سناٹا چھا گیا۔ اس کے بعد نہایت عمدہ دعوت ہوئی۔ چھوٹے چھوٹے بچوں نے بہت سا چندہ جمع کیا تھا۔ ان کا ایسا اہتمام دیکھ کر ہر کوئی خوش ہو رہا تھا۔ پورے دو گھنٹے کی رونق اور چہل پہل کے بعد بچوں کا یہ کھیل ختم ہو گیا۔

# ذہن میں رکھئے......؟

(۱) رسالہ ہر ماہ پابندی اور احتیاط کے ساتھ ۲۰ تاریخ کو تمام خریداروں کے پاس بھیج دیا جاتا ہے۔ اگر آپ کے پاس ۷، ۸ تاریخ تک رسالہ نہ پہنچے تو سمجھ لیجئے کہ راستے میں گم ہو گیا۔

(۲) رسالہ نہ پہنچنے کی اطلاع زیادہ سے زیادہ ۱۵ تاریخ تک کر کے دوبارہ طلب کیا جا سکتا ہے۔ اس کے بعد تعمیل ذرا مشکل ہے۔

(۳) ہر قسم کی خط و کتابت کرتے وقت نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دیجئے جو پتے کے اوپر چٹ پر درج ہوتا ہے بغیر نمبر خریداری کے وصول ہونے والے خطوں کی تعمیل نہ کی جائے گی۔

(۴) جو صاحب آئندہ سال خریداری جاری نہ رکھنا چاہیں۔ براہِ کرم اس کی اطلاع زیادہ سے زیادہ ۲۰ تاریخ تک دفتر کو ضرور دے دیا کریں۔

(۵) معمے کے کوپن کے ساتھ سوائے معمے کے کسی دوسری قسم کی خط و کتابت ہرگز نہ کیجئے۔ دیر میں تعمیل ہونے یا نہ ہونے کا دفتر ذمے دار نہیں۔

"منیجر"

# بچوں کی کوششیں

## اُڑن کھٹولا

ریحانہ زمان سکینہ

ننھا محمود اپنا سبق یاد کر رہا تھا۔ اس کو سبق یاد کرتے کرتے نیند آگئی۔ اتنے میں ایک اُڑن کھٹولا اُس کے پاس آیا۔ اُس میں سے آواز آئی کہ میاں محمود آؤ تمھیں دُنیا کی سیر کرالاؤں۔ محمود بہت حیران ہوا کہ یہ آواز کہاں سے آئی۔ اُس نے چاروں طرف دیکھا تو اُس کو ایک چھوٹا سا بونا نظر آیا وہ سر سے پاؤں تک ہرے کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ اُس نے محمود سے نہایت ہی ادب سے کہا کہ آؤ میاں تمھیں دنیا کی سیر کرالاؤں۔ مجھ سے ڈرو مت آؤ کھٹولے میں بیٹھ جاؤ۔ محمود بھی ڈرتے ڈرتے اُس میں بیٹھ گیا۔ محمود کا اس میں بیٹھنا تھا کہ وہ اُڑن کھٹولا تو اُڑنے لگا۔ محمود کو جو ٹھنڈی ہوا لگی تو وہ ایک طرف سکڑ کر بیٹھ گیا۔ اُس نے نیچے جھانک کر دیکھا تو بہت چھوٹے چھوٹے آدمی، موٹریں تانگے نظر آئیں۔ وہ بونے سے پوچھنے لگا کہ میاں بونے یہ تو بتاؤ کہ تم ہو کون اور نیچے یہ چھوٹے چھوٹے آدمی کون ہیں" اُس نے کہا کہ میں بون دیس کے راجا کا ایک درباری ہوں اور وہاں کے راجہ نے مجھے آپ کو بلانے کے لئے بھیجا ہے اور یہ جو تم نیچے دیکھ رہے ہو یہ تمھاری دنیا ہے تمھیں معلوم ہے کہ اِس وقت ہم کئی ہزار فٹ کی بلندی پر پہنچ چکے ہیں۔ اتنے میں اُن کا کھٹولا ایک دم رُک گیا" بونے نے کہا:۔" میاں اب اُتر و یہی بون دیس ہے جیسے ہی ان کا کھٹولا رکا۔ بہت سے آدمی آگئے۔ یہ سب چھوٹے چھوٹے تھے۔ اُنھوں نے بونے کو جھک جھک کر سلام کیا بونے نے کہا۔" یہ ہمارے مہمان ہیں اور یہ ہمارے بون دیس کی سیر کرنا چاہتے ہیں۔ کوئی ۱۵ یا ۲۰ منٹ چلنے کے بعد محمود وغیرہ شاہی محلوں میں پہنچے وہاں جاکر محمود کو پتہ لگا کہ یہ بونا راجہ کا درباری نہیں بلکہ بون دیس کا راجہ ہے۔ محمود نے تمام بون دیس کی سیر کی۔ چھوٹے چھوٹے باغ۔ چھوٹی چھوٹی دکانیں۔ یہ وہاں کے بونوں کے ساتھ مل کر نہایا۔ اور اُن کے ساتھ کھانا کھایا۔ اُنھوں نے اسے طرح طرح کے کرتب دکھائے" اس کا دل تو وہاں سے جانے کو نہ چاہتا تھا۔ لیکن اس بونے نے کہا کہ" آؤ میاں میں تم کو چاند دیس کی سیر کرالاؤں"۔ پھر یہ دونوں اُسی کھٹولے میں بیٹھ گئے۔ چاند دیس جانے کے لئے اُن کو اور اوپر جانا پڑا۔ تمام دن تو وہاں کچھ رونق نہ ہوئی لیکن جب شام ہوئی اور چاروں طرف چراغ روشن ہوئے اُس نے نیچے دیکھا دُنیا آسمان کی طرح لگ رہی تھی، چھوٹے چھوٹے ستارے بھی دکھائی دینے لگے۔ اب تو بہت ڈرا کہ رات ہوگئی۔ ابا ناراض ہوں گے۔ اس نے بونے سے کہا:۔" مجھے لے چلو لیکن بونے نے کہا کہ ابھی اور سیر کرو" مگر محمود نے چھلانگ ماردی اور دریا میں جاگرا اتنے میں محمود کیا دیکھتا ہے کہ نہ وہ بونا ہے نہ وہ دریا۔ پلنگ سے نیچے گرا ہوا ہے اور بھائی جان کہہ رہے ہیں اُٹھو، سکول جانے کی تیاری کرو۔

# دوست وہ جو وقت پر کام آئے

بدر عالم فاروقی۔

ایک تھکا ماندہ مُسافر ایک درخت کے سایے میں سو رہا تھا اچانک ایک شیر جنگل سے نکلا اور دبے پاؤں اس کی طرف بڑھا۔ اسی لمحہ مسافر کا کُتّا دوڑتا ہوا آیا وہ زور سے شیر پر بھونکنے لگا اور اپنے آقا کو جگا دیا۔ مسافر نے جلدی سے اپنے کُتّے کو گود میں اُٹھایا اور درخت پر چڑھ گیا۔ شیر کو اپنے شکار کے کھو جانے پر بہت غصّہ آیا اور درخت کے ارد گرد چکّر لگاتا رہا۔ آخر نااُمید ہو کر جنگل میں چلا گیا۔ کُتّے نے اس قدر اونچی آواز سے بھونک کر درحقیقت اپنے آقا کی جان بچائی (ترجمہ)

---

# پریوں کا تحفہ

مس افسری مرزا مرتضیٰ بیگ۔ اعظم گڈھ

ایک روز اختر اپنے باغیچے میں تالاب کے درخت کے پاس چُپ چاپ بیٹھا تھا۔ آج اُس کا دل نہ لگتا تھا اور وہ سوچ رہا تھا کہ کاش اس کے پاس کوئی خوب صورت چڑیا ہوتی جس سے وہ کھیلا کرتا۔ اتنے میں اسے پاس کے تالاب سے پانی اُچھالنے کی ہلکی ہلکی آواز سُنائی دی۔ اس نے نگاہ اُٹھائی تو دیکھا کہ تین ننھی ننھی پریاں تالاب میں تیر رہی ہیں۔ اختر ڈرتا ڈرتا ان کے پاس گیا اور ادب کے ساتھ چُپ کھڑا ہو گیا۔ پریاں نہایت محبّت سے اختر کے ساتھ پیش آئیں۔ اس تالاب کے اندر ایک بڑا دروازہ تھا۔ اس سے وہ اختر کو اندر لے گئیں۔ پہلے اُسے ایک بہت بڑا باغ نظر آیا۔ اس میں نارنگی سیب کیلا اور بہت سے اچھے پھلوں کے خوب صورت درخت اور طرح طرح کے پھول تھے۔ اس کے بعد ایک اور کمرے میں لے گئیں جہاں اچھے اچھے کھانے چُنے ہوئے تھے۔ اختر نے خوب پیٹ بھر کر کھایا۔ پریوں نے اس کو محلوں اور باغوں کی سیر کرائی جن کو دیکھ کر اختر کو بہت تعجب ہوا۔ وہ اختر کو اس کمرے میں بھی لے گئیں جہاں بہت سی چڑیاں تھیں۔ اختر کو ایک نیلی سنہرے تاج کی چڑیا بے حد پسند آئی۔ شام ہو رہی تھی اس وجہ سے اختر گھر جانا چاہتا تھا چلتے وقت پریوں نے وہی نیلی چڑیا اُسے تحفے میں دی۔ اختر خوش خوش گھر واپس آ رہا تھا کہ راستے میں شیر کو کھڑے ہوئے دیکھ کر گھبرا اُٹھا۔ اور اُس کی آنکھ کھُل گئی۔ یہ معلوم کر کے کہ یہ سب خواب تھا وہ بہت حیران ہوا۔ چند دن بعد اُس کے ابّا سفر سے واپس آئے اور اُسے تحفے میں ویسی ہی نیلی چڑیا دی جیسی پریوں نے دی تھی۔ اب تو وہ بہت خوش ہوا۔ اس نے دل میں کہا "پریوں نے مجھے یہی تحفہ دیا تھا"

---

# مہربان شہزادی

ذاکر حسین۔ برار

کسی زمانے میں ایک ویران محل میں ایک خوب صورت شہزادی رہتی تھی۔ محل کے قریب ایک چھوٹا سا باغیچہ تھا جس میں * طرح طرح کے خوب صورت پھولوں کے درخت تھے۔ یہاں شہزادی ہر روز ٹہلا کرتی تھی۔ ایک دن وہ ٹہل رہی تھی کہ جھاڑیوں میں سے ایک کوّا اُس کے سامنے اُڑ کر گرا۔ کوّے کا سارا بدن خون سے بھرا ہوا تھا اور تمام پر ٹوٹے ہوئے تھے۔ شہزادی کو کوّے پر بہت رحم آیا وہ بولی "میں کس طرح تمھاری مصیبت دور کر سکتی ہوں"

کوّے نے کہا "شہزادی صاحبہ میں حقیقت میں بدشکل جانور نہیں ہوں بلکہ ایک شہزادہ ہوں مجھ کو ایک بُری پری نے کوّے کی شکل میں بدل دیا۔ اور تمام کوّوں نے مجھ سے لڑکر میرے پروں کو نوچ ڈالا ہے۔ تم اگر میرے واسطے کچھ تکلیف اُٹھاؤ تو میں اچھا ہو سکتا ہوں۔ رات کو سوتے وقت اکیلی لیٹو اور جو کچھ دیکھو یا سنو اس سے نہ ڈرو نہ بولو۔ اور اگر ڈر دگی یا کچھ بولوگی تو خرابی ہوگی"۔ شہزادی راضی ہوگئی۔ رات کو بچھونے پر لیٹ کر سونے کی کوشش کی۔ مگر نہ سو سکی۔ آدھی رات کو کسی کے چلنے کی آواز آئی۔ اس کا دل دھڑکنے لگا۔ مگر ہمت کر کے دیکھتی ہی رہی چند بدشکل اور خوفناک چڑیلیں کمرے کے اندر داخل ہوئیں۔ انھوں نے ایک پتیلی چولھے پر رکھ کر آگ جلادی۔ جب پتیلی کا پانی اُبلنے لگا تو بھتنیاں شہزادی کو اس میں دھکیلنے کے لئے آگے بڑھیں۔ شہزادی نے آنکھ بند کرلی اور منہ سے ایک آواز بھی نہ نکالی اسی وقت باغ کے اندر مرغ نے ککڑوں کوں کہا بھتنیاں غائب ہوگئیں۔ شہزادی لیٹی کھڑکی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ کوّا اُڑ کر کھڑکی کی طرف آیا اور کہا "شہزادی میں پہلے سے بہت اچھا ہوں۔ میں تمھاری تکلیف کا شکریہ کسی طرح ادا نہیں کرسکتا"۔ دو برس تک بے چاری شہزادی نے تکلیف اُٹھائی۔ جب بھتنیاں اس طرح آتیں مرغ بانگ دے دیتا اور بھتنیاں غائب ہو جاتیں۔ ایک روز کوّے نے کہا "پیاری شہزادی تم کو ایک سال اور تکلیف برداشت کرنی پڑے گی۔ اس کے بعد میں ایک شہزادہ ہو جاؤں گا تم کسی جگہ نوکری کرلو"۔ شہزادی راضی ہوگئی اور نوکری کرنے لگی شہزادی کا آقا بہت سختی کرتا اور اُس سے محنت کام کرواتا۔ آخر اس کے ہاتھ سخت اور لال ہوگئے ایک روز چرخہ کاتتے میں اور اپنے ہاتھ کو افسوس کے ساتھ دیکھنے لگی۔ کچھ آواز سن کر اُس نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو ایک خوب صورت نوجوان شخص کو قریب کھڑا دیکھا شہزادے نے کہا "میں وہی شہزادہ ہوں پیاری شہزادی تم نے میرے لئے تکلیف برداشت کی اور ان چڑیلوں سے آزاد کیا، اب تم میری ملکہ ہو چلو اسی محل میں ہم دونوں زندگی بسر کریں گے"۔ وہ دونوں واپس محل میں پہنچے۔ انھوں نے دیکھا کہ بجائے ویران محل کے وہاں ایک خوشنما محل ہے۔ پھر وہ دونوں خوش خوش اس محل میں زندگی بسر کرنے لگے

## جیسی نیت ویسا پھل

احسان اسحٰق ڈوڈھی

ایک لکڑہارا جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر شہر میں لاتا، انھیں بیچ کر اپنے بیوی بچوں کا پیٹ پالتا ایک بار اس کی کلہاڑی دریا میں گر گئی۔ غریب لکڑہارا دریا کے کنارے بیٹھ کر رونے لگا۔ اتنے میں ایک فرشتہ آسمان سے اُترا اور اُس سے رونے کی وجہ پوچھی۔ لکڑہارے نے سب حال بتایا فرشتے نے جھٹ دریا سے ایک سونے کا کلہاڑی نکالی اور کہا "یہی تمھاری کلہاڑی ہے؟" اس نے کہا "نہیں جناب یہ میری نہیں"۔ فرشتے نے پانی سے ایک اور چاندی کی کلہاڑی نکالی لکڑہارے نے پھر وہی جواب دیا۔ فرشتہ پھر پانی میں اُتر گیا اور ایک لوہے کا کلہاڑی لے آیا۔ لکڑہارے نے کہا "ہاں جناب یہی میری کلہاڑی ہے"۔ فرشتے نے کہا "تم ایماندار آدمی ہو تمھیں یہ تینوں کلہاڑیاں انعام میں دی جاتی ہیں"۔ لکڑہارا بہت خوش ہوا اور انھیں بیچ کر امیر ہو گیا۔ اس بات کا چرچا ہوا ایک چالاک آدمی نے سوچا کہ ہم بھی کچھ اور کمالائیں اس نے ایک کلہاڑی دریا میں گرادی اور رونا شروع کر دیا۔ فرشتے نے آکر پوچھا کہ تم کیوں روتا ہے؟ اس نے جواب دیا میری کلہاڑی دریا میں گر پڑی ہے۔ فرشتہ جھٹ دریا میں سے ایک سونے کی کلہاڑی لے آیا۔ اُس آدمی نے کہا "ہاں ہاں جناب ۴

۴ یہی میری کلہاڑی ہے"۔ فرشتہ اس کی مکاری کو سمجھ گیا اور بولا "لکڑہاروں کی کلہاڑیاں ہی سونے کی ہوتی ہیں"۔ یہ سن کر وہ شرمندہ ہو گیا اور ناامید ہو کر چلا گیا۔

# بچوں کی نظمیں

مولوی محمد شفیع الدین صاحب نیر کی اصلاح کے بعد

## تارے

طیب رسول تمنا بلیاروی

یہ چھوٹے چھوٹے تارے
جگ مگ کرتے ہیں سارے
ہیں کتنے پیارے پیارے
یہ ننھے ننھے تارے
ہیں چمکیلے یہ تارے
ہیں روشن ان سے سارے
ان سے بھولے بھٹکے بے چارے
پاتے ہیں رستہ سارے
ہیں خوب ہی روشن تارے
بھاتے ہیں ہم سب کو سارے

## میز کا پنکھا

ممتاز ظفر۔ عمر ۹ سال

پنکھا میرا چلنے والا
اپنے پنکھ سے ہلنے والا
پنکھا بولا بازو ہلا کر
کرتا کیا ہے مجھ کو چلا کر
میں بولا ہنس کر یوں اس سے
ٹھنڈی ہوا ہوں لیتا تجھ سے
جب میں چاہوں تجھ کو چلاؤں
اور جب بھی چاہوں ٹھہراؤں
تو بجلی سے چلنے والا
ٹھنڈی ہوا ہے دینے والا
پیتل کے ہیں پنکھ جو تیرے
بھاتے ہیں وہ دل کو میرے

تو چلتا ہے میں پڑھتا ہوں
چون چون مت کر میں پڑھتا ہوں
تو گرمی سے مجھ کو بچاتا
میرے پسینے کو ہے سکھاتا
گرمی میں آرام ہے دیتا
دم بھر بھی آرام نہ لیتا
تو ہے میرے دل کو پیارا
تیرا چلنا مجھ کو گوارا
تجھ سے میں سبق سیکھوں گا
میں بھی اپنا کام کروں گا
ڈبے میں میں تجھ کو رکھوں گا
ڈھکنا تیرے سر پہ دھروں گا

## بارش و سبزہ

قمر نیا ہیڑہ

یہ رمجھاتی بارش یہ لہلہاتا سبزہ
یہ مسکراتی بارش یہ کھلکھلاتا سبزہ
یہ راگ گاتی بارش یہ وجد کرتا سبزہ
یہ دھیمی دھیمی بارش یہ دل لبھاتا سبزہ
جنگل بھی اب ہرے ہیں تالاب بھی بھرے ہیں
دلچسپیوں کے میری سامان ہو رہے ہیں
نہریں بھری ہوئی ہیں ندیاں بھی چل رہی ہیں
اور چھوٹی چھوٹی چڑیاں خوشیاں منا رہی ہیں

پودوں کی خوشیاں دیکھو پیڑوں کی خوشیاں دیکھو
انساں کی خوشیاں دیکھو چڑیوں کی خوشیاں دیکھو

سبزہ بھی ہر طرف ہے بوٹے بھی ہر طرف ہیں
پودے بھی ہر طرف ہیں اور پھل بھی ہر طرف ہیں

کوئل بھی خوب کوکے باغوں میں مور بولے
ان سب کے ساتھ مل کر گیت اک تو بھی گائے

---

## آرزو

شہزادہ پرویز

اک جھیل کے کنارے سرسبز باغیچہ ہو
اُس باغیچے کے اندر دارالمطالعہ ہو
اُس جا رکھی ہوئی ہوں دُنیا کی سب کتابیں
اُن پر چڑھی ہوئی ہوں سونے کی صاف جلدیں
بکھرے پڑے ہوں میزوں پہ کچھ رسالے
ٹھنڈی ہوائیں جن کے اُلٹا رہی ہوں ورقے
انجیل اور گیتا قرآن بھی یہیں ہو
دُنیا ہے جس سے چمکی وہ شان بھی یہیں ہو
اس جھیل کے کنارے جب شام کو میں جاؤں
اپنے تخیلوں کی دُنیا الگ بساؤں
لوں ہاتھ میں قلم اور گیت وہ سناؤں
ایسے ہوں گیت جن سے ہنسوں اور رُلاؤں
کاغذ کی سرزمیں پر جب ناچے قلم میرا
دُنیا وہ دھن میں ناچے ہر شام ہی سویرا
ہو جاؤں محو اتنا پرویز شاعری میں
ٹہنی پہ اپنی غنچہ ہنس کر مجھے جگا دے

---

## بہار

مشتاق مرزا۔ جماعت ہشتم ج

دیکھو آئی بہار | کیسی چھائی بہار
بارش ہونے لگی | شاما گانے لگی
ہوا ٹھنڈی چلی دیکھو آئی بہار
کیسی چھائی بہار

آہا بوندیں گریں | آہا کلیاں کھلیں
آہا شاخیں ہلیں | دیکھو آئی بہار
کیسی چھائی بہار

سوندھی سوندھی سی بو | بولی کوئل وہ کو
چل! باغ کو تو | دیکھو آئی بہار
کیسی چھائی بہار

پھول بھی ہیں ہزار | نہیں جن کا شمار
وہ چمک وہ نکھار | دیکھو آئی بہار
کیسی چھائی بہار

آؤ پھرنے کو جائیں | گاتا اچھا سا گائیں
مل کے خوشیاں منائیں | دیکھو آئی بہار
کیسی چھائی بہار

چلو مشتاق اب | دیکھو آئی بہار
کیسی چھائی بہار

# عظیم بیگ چغتائی

سید ابوالبشر گورکھپوری

پچھلے دو مہینوں میں اردو زبان کے دو مشہور ادیب اس دنیا سے چل بسے۔ حضرت فانی بدایونی اور مرزا عظیم بیگ چغتائی۔ فانی بدایونی اردو کے شاعر تھے۔ اور عظیم بیگ چغتائی اردو نثر لکھنے والے۔

مرزا عظیم بیگ چغتائی پنجاب میں پیدا ہوئے۔ بچپن سے بہت ذہین اور تیز تھے۔ میٹرک پاس کرنے کے بعد کالج میں داخل ہوگئے۔ ابھی ایف۔ اے بھی پاس نہ کیا تھا کہ مصیبتوں اور پریشانیوں نے آگھیرا۔ باپ سے کسی بات پر ناچاقی ہوگئی اور یہ ایک الگ گھر میں رہنے لگے۔ اب رہنے سہنے کھانے پینے اور پڑھنے لکھنے کا خرچ انھی پر آ پڑا تھا۔ یہ بڑی مایوسی کی حالت تھی، اور کوئی ہوتا تو ہمت ہار جاتا اور پڑھنا لکھنا چھوڑ بیٹھتا۔ مگر مرزا عظیم بیگ نے ہمت و استقلال سے کام لیا۔ مضمون اور کتابیں لکھ لکھ کر بیچتے اور اپنا خرچ چلاتے۔ بی اے پھر ایل ایل بی پاس کر کے جاورے میں وکالت شروع کردی اور یوں سمجھو کہ مصیبت کے بادل محض ان کی ہمت و استقلال کی بدولت چھٹ گئے

وکالت کے ساتھ ساتھ مرزا صاحب لکھنے پڑھنے کے لئے بھی وقت نکال لیتے تھے۔ وہ اردو کے بہت بڑے مزاحیہ لکھنے والوں میں تھے۔ مزاحیہ یعنی ایسے مضمون جن میں مزاح یا ہنسی کی باتیں ہوں۔ تم نے پچھلے پرچوں میں سید ابو نعیم صاحب کا مضمون سکرٹری صاحب اور محسن صاحب کا مضمون رمضانی نے شہد نکالا۔ پڑھا ہوگا۔ بس اسی قسم کے مضمون۔ مزاحیہ کہلاتے ہیں۔ مرزا مرحوم کو ایسے مضمون لکھنے میں بہت مہارت تھی۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ ان کی زندگی کا سرمایہ یہی مزاحیہ مضمون ہیں۔ اردو میں مزاحیہ نویسی کا رواج ابھی تھوڑے دنوں سے ہوا ہے۔ پھر بھی بہت سے اچھے لکھنے والے پیدا ہوگئے ہیں۔ جیسے رشید صدیقی صاحب۔ مرزا فرحت اللہ بیگ، پطرس، شوکت تھانوی وغیرہ۔ ان میں سے بعض لکھنے والوں نے تو اتنا لکھا اتنا لکھا کہ ان کے مضمونوں میں بے مزگی اور پھیکا پن پیدا ہونے لگا۔ مرزا عظیم بیگ نے بہت لکھا ہے گھر کی پریشانیوں کی وجہ سے وہ کچھ مجبور بھی تھے

مگر انھوں نے اپنے آپ کو سنبھالے رکھا اور اپنے مضمونوں کے معیار کو نیچے نہیں گرنے دیا

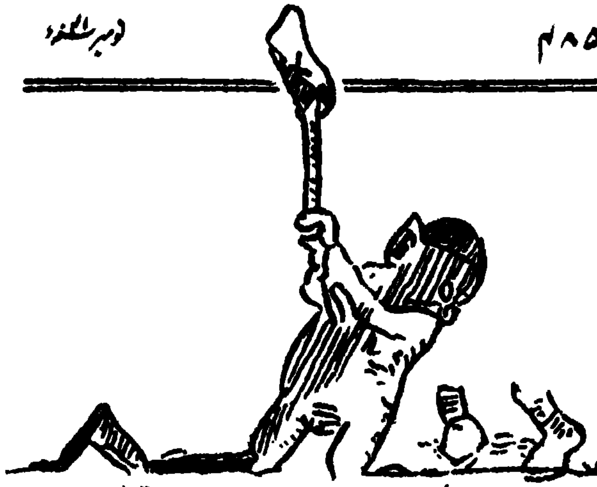
انھوں نے بہت تھوڑے دنوں میں مزاحیہ مضمون لکھنے کی اتنی مشق بڑھائی تھی۔ اُن کے بعض مضمون اور ناول تو ایسے ہیں کہ بار بار پڑھنے کو جی چاہتا ہے۔ مثلاً کولتار، مرزا کرسٹے، انگوٹھی کی مصیبت وغیرہ وہ [illegible] کی طرح ہنسی ہنسی میں لکھتے تھے [illegible] پڑھنے والوں میں بھی ایسے ہی قہقہوں [illegible] بات پیدا کرنا یا بات کا بتنگڑ اور [illegible] کا [illegible] مرزا مرحوم [illegible] بہت کمال حاصل تھا۔ اکثر [illegible] مذاق [illegible] کام کی بات کہہ جاتے تھے۔ لیکن کہیں [illegible] لکھنے کا انداز کچھ ایسا تھا کہ [illegible] کوئی [illegible] خندہ کرنے [illegible] نہیں رہ سکتا۔

شروع زمانے کی غیر معمولی محنت اور دماغی پریشانیوں کی وجہ سے اُن کی تندرستی خراب ہو گئی تھی۔ بیچارے کو کبھی آرام و اطمینان سے بیٹھنے کا موقع نہیں ملا۔ آہستہ آہستہ مرض نے دِق اور سِل کی شکل اختیار کر لی پچھلے چار برسوں میں مرض بہت بڑھ گیا تھا ایسی حالت میں بھی جس طرح بھی بن پڑتا اُردو ادب اور اُردو زبان کی خدمت کرتے رہتے[5]

مرزا مرحوم نے جوانی میں انتقال کیا۔ اُن کا لکھنے پڑھنے کا مشغلہ تو ابھی جوانی تک پہنچا بھی نہ تھا۔ پھر بھی اتنی تھوڑی مدت میں اور ایسی مسلسل پریشانیوں میں اُردو ادب کا جو ذخیرہ چھوڑ گئے ہیں۔ اُنھیں دیکھ کر ہر شخص یہ کہنے پر مجبور ہو گا کہ انھوں نے جو کچھ کیا اپنی بساط سے بہت زیادہ کیا۔ مرحوم کو اس کا خود بھی احساس تھا۔ مرنے سے پہلے کہا کرتے تھے۔ میں دُنیا سے ناکام نہیں جا رہا ہوں بلکہ میں نے جو کام بھی کیا اس میں مجھے کامیابی ہوئی۔ مرزا مرحوم ۱۰ اگست کو اس دنیا سے رخصت ہوئے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

[5] انھوں نے بچوں کے لئے بھی ایک کتاب لکھی ہے "کیا اور کیوں" یہ نظامی پریس بدایوں میں چھپی ہے۔



# ظریف قاتل

(خاور جبلپوری)

ایران کی بادشاہت دوسرے ملکوں کی طرح آسانی سے نہیں بدلتی۔ عموماً ایسے موقعوں پر بدامنی پھیل جاتی ہے اور قتل و غارت اور لوٹ مار کا بازار گرم ہو جاتا ہے۔ گویا بادشاہ کے مرتے ہی ایرانی دنیا بالکل نئی ہو جاتی ہے۔ پھر نہ تو کوئی قانون ہی باقی رہتا ہے۔ نہ قاعدہ نہ انتظام۔ ہر شخص آزاد اور خود مختار نظر آتا ہے۔ سارے حکام معزول اور فوجی نظام درہم برہم ہو جاتا ہے اور جب تک دوسرا بادشاہ تخت و تاج سنبھال کر مفسدوں کی روک تھام فوج کا انتظام اور افسروں کی بحالی کا اعلان نہ کر دے سارا ملک قیامت کا نمونہ بنا رہتا ہے۔

میں ایک روز سہ پہر کے وقت اپنے دوستوں کے ساتھ گھوڑے پر سوار شہر سے باہر سیر و تفریح کے لئے نکلا اور سب کی صلاح سے یوشن تپہ کی طرف چلا۔

یوشن تپہ طہران سے پورب کی طرف اور کافی دور ایک پُرفضا مقام ہے جہاں ناصر الدین شاہ نے پہاڑ کی بلندی پر عالی شان عمارتیں تعمیر کرائی ہیں بڑا سا باغ لگوایا ہے اور بہترین عجائب خانہ بنوایا ہے۔ دوسری طرف گھوڑ دوڑ کا وسیع میدان ہے جہاں ہر سال اعلیٰ حضرت خود تشریف لاتے ہیں اور بہت سے مرد عورت تماشا دیکھنے آیا کرتے ہیں۔

ہم لوگ یہاں پہنچ کر گھوڑوں سے نیچے اُترے انھیں ملازم کے سپرد کر کے باغ کے اندر داخل ہو گئے اور باغ کی خوب صورت نہریں. خوش نما پھولوں اور رسیلے پھلوں سے لدے ہوئے درختوں سے گذرتے ہوئے باغ کے درمیانی حصے تک پہنچ گئے۔ آگے بڑھنا ہی چاہتے تھے کہ داروغہ نے قریب آکر سلام کیا اور کہا۔

"شاید آپ عمارتوں کے اندر جانا چاہتے ہیں؟"

میں نے جواب دیا "جی ہاں اگر کوئی حرج نہ ہو تو یہی ارادہ کر کے گھر سے آئے ہیں۔"

داروغہ:۔ معاف کیجئے گا اس وقت تو داخلے کی اجازت نہیں مل سکتی بادشاہ سلامت شاہ عبدالعظیم

کی زیارت سے فارغ ہو کر یہاں تشریف لانے والے ہیں۔ نہ معلوم کس وقت چلے آئیں اور آپ کے ساتھ مجھے بھی ندامت اٹھانی پڑے۔

جھٹپٹے کے وقت ہم باغ سے باہر آئے۔ گھوڑوں پر سوار ہوئے اور شہر کی طرف واپس لوٹے۔ لیکن پھاٹک کے قریب پہنچتے ہی کیا دیکھتے ہیں کہ تمام کوچہ و بازار سونے پڑے ہیں۔ کہیں کہیں دو ایک آدمی کھڑے آہستہ آہستہ باتیں کر رہے تھے اور ہماری طرف تعجب سے دیکھتے جاتے تھے۔

توپ خانے کے میدان تک ایک ایک کر کے سب ساتھی جدا ہو گئے اور مجھے تنہا آگے جانا پڑا۔ تھوڑی دور آگے چل کر کیا دیکھتا ہوں کہ ناصریہ اسٹریٹ پر میرے ایک دوست جلدی جلدی قدم اٹھائے ہوئے چلے آرہے ہیں اُنھوں نے سلام کیا اور یہ کہہ کر آگے بڑھ گئے۔

"مرزا صاحب! یہ وقت اکیلے پھرنے کا نہیں ہے جلدی سے گھر پہنچ جائیے"

میں نے گھوڑا تیز کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد جب گھر پہنچا تو سب نے میری سلامتی پر مبارک باد دی اور مجھے بھی یہ معلوم کر کے اطمینان ہوا کہ بادشاہ کو قتل کر دینے کے بعد پچھلے دستور کے خلاف کوئی خاص گڑبڑ نہیں ہوئی۔

خیر سے گھر میں کھانے پینے کا معقول انتظام تھا رات خیریت سے گذری۔ صبح ہوتے ہی ایک ملازم کو اصلیت معلوم کرنے بھیجا اُس نے واپس آکر خوش خبری سنائی کہ بادشاہ کا قتل ہو جانے پر بھی خلافِ معمول ایران میں امن قائم رہا۔

تفصیل پوچھنے پر اُس نے کہا۔

وزیرِ اعظم کی دانش مندی سے ملک میں بدامنی نہ پھیلنے پائی۔ جس وقت ناصر الدین شاہ کو گولی کا نشانہ بنایا گیا تو وزیرِ اعظم نے اُن کی موت چھپا کر ولی عہد کو تار دے دیا اور جواب آنے کے بعد اُن کی بادشاہت اور اپنی وزارت کی برقراری کا سرکاری اعلان سارے شہر میں کرا دیا۔ اس لئے اب کسی بدامنی اور بے اعتدالی کا خوف باقی نہیں رہا۔

دوسرے واقف کار لوگوں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کل ناصر الدین شاہ، شاہ عبدالعظیم کے مقبرے کو زیارت کے لئے گئے تھے۔ جمعہ کا دن عام زیارت کے لئے ہوتا ہے اس دن مجمع بہت زیادہ تھا۔ یورپ کی سیر سے واپسی پر شاہ موصوف نے اپنا حفاظتی گارڈ موقوف کر دیا تھا حالانکہ وزیرِ اعظم نے اُس کی مخالفت بھی کی اور عرض کیا کہ بادشاہ کو ہمیشہ حفاظت سے رہنا چاہئے۔ لیکن بادشاہ نے اس بات کو پسند نہ کیا۔

ٹھیک اس وقت جب وہ ہزاروں آدمیوں کے درمیان شاہ عبدالعظیم کی زیارت سے فارغ ہو کر

امام زادہ حمزہ کے مقبرے کی طرف جا رہے تھے ایک شخص سوداگروں کی وضع قطع میں آیا اور بلند آواز سے کہنے لگا۔

"حضورِ عالی انصاف چاہتا ہوں"

بادشاہ اس کی درخواست سُننے کے لئے رُک گئے اُس نے عرضی نکالنے کے لئے جیب میں ہاتھ ڈالا اور نہایت اطمینان سے پستول نکال کر بادشاہ کے سینے پر دو فیر کر دیے۔ نشانہ کامیاب رہا وہ اسی وقت تڑپ کر ٹھنڈے ہو گئے۔ قاتل گرفتار کر لیا گیا لیکن وزیرِ اعظم کے حکم سے فوراً سارے مجمع کو مقبرے سے باہر نکال دیا گیا اور مشہور کر دیا گیا کہ بادشاہ کا صرف پیر زخمی ہوا ہے اور وہ زندہ ہیں۔

اس کے بعد اُن کی نعش کو زندہ آدمی کی طرح بگھی میں بٹھا دیا گیا۔ وزیرِ اعظم قریب بیٹھ گیا اور پنکھا جھلتا رہا جس سے عام لوگوں کو ان کی موت کا یقین نہ ہو سکا۔

واقعی اگر وہ دانش مندی سے کام نہ لیتا تو اس موقع پر امن و امان قائم رکھنا مشکل ہو جاتا بعد کی خبروں سے معلوم ہوا کہ بادشاہ کا قاتل مشہور و معروف سید جمال الدین افغانی کا مُرید مرزا رضا کرمانی ہے۔ بعض لوگوں کا یہ بھی خیال تھا کہ مرزا رضا بابی ہے اور چونکہ شاہ مرحوم بابیوں کے سخت مخالف تھے اس لئے انھیں قتل کر دیا گیا۔

۲

ناصر الدین شاہ کے قتل کے بعد ہی اعلیٰ حضرت مظفر الدین شاہ تبریز سے طہران واپس آ گئے۔ بادشاہ کے قتل اور اُن کے قاتل سے متعلق آئے دن نئی نئی خبریں اور افواہیں سننے میں آ رہی تھیں اور اس کے سرا یاب ہونے تک ایران کے گوشے گوشے میں اسی دلچسپ موضوع پر اظہارِ خیالات کیا جا رہا تھا۔

قاتل کو شاہی قلعے میں قید کیا گیا۔ بہت لوگوں نے اس سے مختلف قسم کے سوالات کئے وہ اپنی جان سے ہاتھ دھوئے ہوئے بیٹھا تھا۔ اس لئے کسی کی پرواہ نہ کرتا اور تحقیقات کے وقت کبھی خاموش رہتا کبھی سخت جواب دے دیتا اور کبھی ہنسی مذاق میں ٹال دیا کرتا تھا۔

بادشاہ کے قتل کی اصلیت معلوم کرنے کی ہر چند کوشش کی گئی مگر کوئی مفید نتیجہ نہ نکلا۔

ایک دن ایک خواجہ سرا اُس کے پاس پہنچا اور بہت ہی سخت و سست کہہ کر پوچھا کہ تو نے ایسی ذلیل حرکت کیوں کی۔

خواجہ سرا کو معلوم تھا کہ مرزا رضا جیل خانے میں ہے اور اُسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا

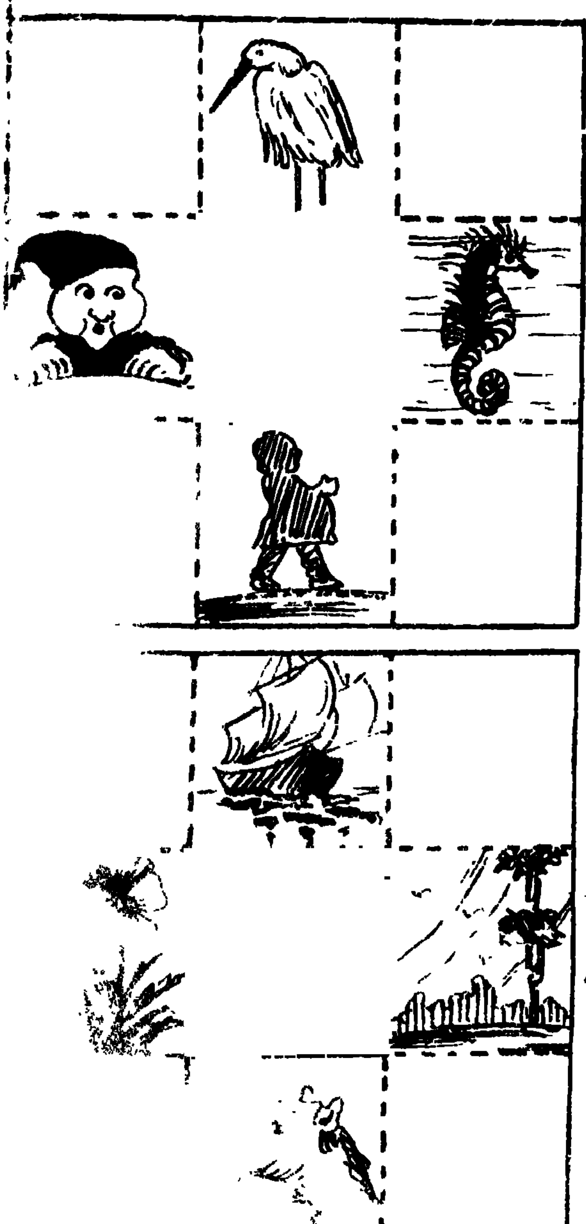
(باقی آئندہ)



# جادو کی تصویریں



(انوار احمد - لکھنؤ)



یہ دیکھو کھیل کا کھیل اور جادو کا جادو۔ ذرا ایک آدھ دیکھو کچھ زیادہ سامان کی بھی ضرورت نہیں۔ صرف دو بھونڈی چھوٹی تصویریں تھوڑا سا کاغذ ایک سفید شیشہ اور تھوڑی سی لئی۔ بس۔ یہ یں اگر رنگین ہوں تو بہت اچھا ہے۔ سائز یہ ہے کہ ۔ ۔ کاغذ کے دو ٹکڑے ہوں ۔ ۔ انچ کے اور شیشہ لو ۲ × ۲ انچ کا پہلے دونوں کاغذوں کو کھنچی ہوئی لائنوں پر موڑ دو دونوں میں بیچ کے جو کالے خانے ہیں انھیں کاٹ کر نکال دو۔ جن جن خانوں میں تصویریں ہیں ان میں تصویریں چپکا دو اب بیچ والا خانہ رہ گیا جسے تم نے کاٹ کر نکال دیا ہے کرو یہ کہ دونوں کاغذوں کی دوسری طرف اس خانے کے چاروں طرف لئی لگاؤ اور شیشے پر چپکا دو۔ اس طرح دونوں کاغذوں کی پشتیں ایک ہی میں مل گئیں۔ دیکھا کیسی آسان ترکیب ہے۔ اب تمھارا کھیل بالکل تیار ہے۔

ہاں اس کھیل کی کرامتیں بھی سن لو۔ تم دونوں مڑے ہوئے کاغذ میں سے صرف ایک کو کھولو گے تو چار کی جگہ تمھیں پانچ تصویریں نظر آئیں گی چار تو کاغذ کے اوپر کی اور ایک شیشے کے نیچے کی۔ ۔ تم اپنے دوستوں میں سے کسی کو یہ کھیل ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جو تصویر کو کہے گا درمیان میں آ جائے گی۔ اب وہ جس تصویر کو بتائے پہلے شیشے پر موڑ دو پھر دوسری تصویریں۔ اب اسے باتوں میں لگا کر شیشے کو پلٹ دو اور دوسرا کاغذ کھول کر دکھا دو ۔ یہ دیکھ کر حیران رہ جائے گا کہ اس کی بتائی ہوئی تصویر بیچ میں ہے۔

# نادان شکاری



شکار کرنے گئے، خود شکار ہو گئے

ایس۔ ٹی۔ عبدالجبار۔ مدراس

# عید کی نوید

**ام طاہر رتی گلبرگوی**

نوید عید ہے اس کی خوشی کا کیا کہنا
ہے باغ باغ ہر اک آدمی کا کیا کہنا

بہار پر ہیں چمن میں یہ لالہ و سنبل
شباب پر ہیں گلاب و جوہی کا کیا کہنا

چہک رہی ہے اِدھر عندلیب گلشن میں
چٹک رہی ہے اُدھر ہر کلی کا کیا کہنا

کئے ہیں زیبِ بدن سب لباس پاک و صاف
سبھی ہوں جس میں مگن اُس خوشی کا کیا کہنا

اب عید گاہ سے پھر میلے جائیں گے بچے
عجیب لطف ہے اس دل لگی کا کیا کہنا

کھلونے اُمّی کو دِکھلا رہا ہے لا لا کر
کِھلا سا جاتا ہے اِس ننھے جی کا کیا کہنا

فقیر آس لگائے ہزاروں بیٹھے ہیں
جو دے گا راہِ خُدا اُس سخی کا کیا کہنا

ہزاروں عیدیں مبارک ہوں تم کو اے بچو
رتی کی ہے یہ خوشی اس خوشی کا کیا کہنا

# پیام برادری

عزیز بچیو اور بچو! خوش رہو اور تندرست۔ رمضان شریف خیریت سے گذر گئے عید آئی اور چلی گئی۔ ہماری خواہش تھی کہ یہ رسالہ تمھیں عید کے دن ملے۔ مگر قانونی پابندیوں کی وجہ سے ایسا نہ ہو سکا۔ ہماری طرف سے دیوالی اور عید کی مبارک باد قبول کرو۔ بڑی خوشی کی بات ہے کہ اب کے دونوں تیوہار ایک ہی مہینے میں آکر پڑے۔ تمھیں ایک خوش خبری سنائیں۔ بہت اچھی خوش خبری!!! تمھاری آپا جان کوئی ایک سال کے بعد پھر جامعہ میں واپس آگئیں۔ انھیں لڑائی کی وجہ سے حکومت نے پونا میں نظر بند کر دیا تھا وہ تم سب کو سلام کہتی ہیں اور اس بات سے بہت ہی خوش ہیں کہ اس عرصے میں اکثر اپنے خطوں میں تم ان کی خیریت پوچھتے رہے۔ تم انھیں مبارک باد کا خط بھیجنا چاہو تو پیام تعلیم کی معرفت بھیجنا۔

روس اور جرمنی کی لڑائی اس مہینے بھی پورے زور وشور سے جاری رہی۔ جرمنی نے روس کے بہت سے شہر فتح کر لئے۔ لینن گراڈ پر ابھی قبضہ تو نہیں ہوا ہے مگر روسی فوجیں آہستہ آہستہ کمزور پڑ رہی ہیں۔ ادھر جرمنوں نے روس کے دارالسلطنت ماسکو کو بھی گھیرے میں لے لیا ہے اور حالت بہت ہی خطرناک ہے۔ حکومت کے دفتر وغیرہ بھی ماسکو سے دوسرے شہر قازان چلے گئے ہیں۔ انھیں ابھی تک انگلستان اور امریکہ سے کوئی مدد نہیں مل سکی ہے۔ پھر بھی اُن کے دل نہیں ٹوٹے ہیں اور اپنے وطن کی حفاظت میں بڑی بہادری کے ساتھ جانیں قربان کر رہے ہیں۔

ادھر یورپ میں جاپانی فتنہ پھر کچھ کچھ جاگتا معلوم ہوتا ہے وہاں کی وزارت بھی بدل گئی ہے اور جو شخص وزیر اعظم بنا ہے وہ انگریزوں کا پُرانا دشمن ہے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ جاپان روس کی شکست کا انتظار کر رہا ہے۔ روس ہار گیا تو وہ سائبریا سے اُس پر حملہ کرے گا روس بھی اس بات کو جانتا ہے اُس نے سائبریا میں بہت سی فوجیں بھیج دی ہیں۔ علاوہ اس کے چین میں جاپان کے خلاف نئی سرگرمی پیدا ہو گئی ہے۔ اس میں بھی غالباً روس ہی کا اشارہ ہے۔

شاہ ایران کو انگریزوں نے ایران سے باہر کسی دوسرے ملک میں بھیج دیا۔ انگریزی اخبار اُن پر طرح طرح کے الزام لگا رہے ہیں حالانکہ یہی اخبار لڑائی سے پہلے اُن کی تعریفوں کا پل باندھ دیتے تھے۔

اس مرتبہ بچوں کی نظموں کے بارے میں مولوی محمد شفیع الدین صاحب نیر کو شکایتیں ہیں ایک تو یہ کہ بار بار لکھنے پر بھی بچے دوسروں کی نظمیں

اپنے نام سے بھیج دیتے ہیں۔ دوسرے جو کچھ لکھتے ہیں بہت لا پرواہی سے لکھتے ہیں۔ اتنی غلطیاں ہوتی ہیں کہ انھیں ٹھیک کرنا مشکل ہوتا ہے ہمارا مقصد پیامِ تعلیم کے صفحے بھرنا نہیں ہے۔ نہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ نیّر صاحب کو شعر کے شعر اپنی طرف سے بڑھانے پڑیں۔ ہماری خواہش تو یہ ہے کہ جن پیامیوں کی طبیعت موزوں ہے اور شعر کہنے کی صلاحیت رکھتے ہیں ان کی ہمت بڑھائی جائے اور انھیں آگے بڑھنے کا موقع دیا جائے۔ نثر کے مضمون بھی ہمارے پاس بے شمار آ رہے ہیں ان میں بھی زیادہ تر کہانیاں ہوتی ہیں۔ ہم بہت دنوں سے اپنے پیامیوں سے کہہ رہے ہیں کہ لکھنے کی باتیں علاوہ کہانیوں کے اور بھی ہیں ہم انھیں یہ بھی بتانا چاہتے ہیں کہ سب مضمون پیامِ تعلیم میں تو چھپ نہیں سکتے۔ بعض مضمون دو دو سال سے ہمارے پاس رکھے ہیں۔ اور ابھی تک چھپنے کی نوبت نہیں آئی ہے۔ اگر پیامی مضمون کے ساتھ ٹکٹ بھی رکھ دیا کریں تو اصلاح و مشورے کے بعد واپس کر دیے جائیں۔

پچھلے سال لکھنؤ کے پیامیوں نے اپنے قلمی رسالے جگاؤ کا سالنامہ چھپوایا تھا۔ اب اسی قسم کی کوشش حیدرآبادی بچوں نے کی ہے اور ادب کے نام سے اپنے پرچے کا سالنامہ بہت سلیقے سے شائع کیا ہے۔ اس کے اسسٹنٹ ایڈیٹر عزیزی معین الدین انصاری اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں۔

"...... ہم نے بھی مدرسۂ عالیہ کے طلبا کی ایک چھوٹی سی برادری بنائی ہے اور یہ رسالہ اسی برادری کی جانب سے شائع ہو رہا ہے۔ ہم اس برادری کو پیام برادری کی شاخ بنانا چاہتے ہیں ...... ہم نے اپنے سالنامے میں فہرست مضامین پر پیام برادری کا موٹو گرم (جاگو اور جگاؤ) بھی اُتارا ہے" رسالے میں مضمون سب بچوں کے ہیں لیتھو کی تصویریں بھی انھی کے ہاتھ کی بنائی ہوئی ہیں لکھائی چھپائی ترتیب غرض ہر چیز میں اہلیت اور سلیقے کا ثبوت دیا گیا ہے۔ ہم اس کامیابی پر اپنے عزیزوں کو دلی مبارک باد دیتے ہیں۔ اسی قسم کی ایک کوشش پندرہ روزہ رسالہ پیامی (بنارس) بھی ہے۔ یہ اچھا خاصا نکلتا ہے مگر لکھائی چھپائی اور مضامین میں ابھی ترقی کی گنجائش ہے۔ ہمارے خاص مضمون نگار جناب سید عروج الحسن صاحب پیامِ تعلیم کے پچھلے معموں کو (حل سمیت) کتابی صورت میں شائع کر رہے ہیں۔ کتاب میں ایسی ہدایتیں بھی ہوں گی جن کی وجہ سے کوپن بھرنے اور الفاظ کے صحیح استعمال کرنے میں بہت مدد ملے گی علاوہ اس کے آئندہ معموں میں کسی پچھلے معمے کا اشارہ ہوگا تو اسے سمجھنے میں بھی سہولت ہوگی۔ عروج صاحب کی خواہش ہے کہ اس کا نام تم ہی تجویز کر دو۔ مگر جلد۔

جو بچے پیامِ تعلیم کے خریدار نہیں ہیں وہ ہم سے اکثر معمے کے کوپن منگاتے رہتے ہیں۔ یہ کوپن اکثر اُن کے پاس دیر میں پہنچتے ہیں اور انھیں حل کر کے وقت پر بھیجنے میں دقت ہوتی ہے۔ اس مشکل کو دور کرنے کی ایک ترکیب ہماری سمجھ میں آئی ہے اور وہ یہ کہ ان کا انعام (ایک دفعہ میں) اگر عا بھی آ جائے تو پیامِ تعلیم ایک سال کے لئے اُن کے نام جاری کر دیا جائے (پیامِ تعلیم کی اصلی قیمت عہ ہے) اُمید ہے کہ پیامی اس تجویز کو پسند کریں گے

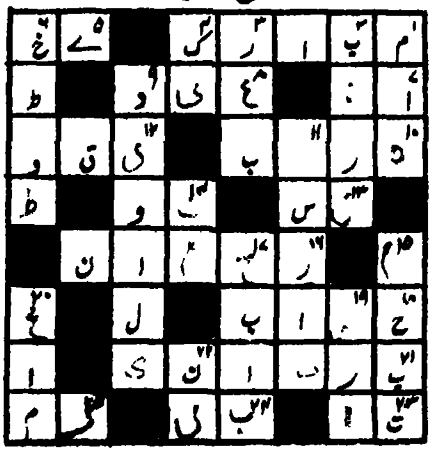
(محمد حسین حسان)

# معمّا نمبر ۲۴

پہلا انعام ۔ ۶ر

دوسرا انعام ۔ للعہ

## مشقی کوپن



## دائیں سے بائیں

(۱) مسلمانوں کو عید اور ہندوؤں کو دلوالی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ہو

(۵) لفظ بمعنی برف

(۷) ابلہ

(۸) ۔ ۔ ۔ آئی عید آئی دیکھئے
خوش ہوئی ساری خدائی دیکھئے — نیّر

۱۰-(۱۲) اُلٹا

(۱۳) ہمیں ۔ ۔ ۔ اُمید ہے کہ آپ معمّوں سے اپنی دلچسپی قائم رکھیں گے (بے ترتیب)

(۱۴) بے سوچے سمجھے ر ۔ ۔ اچھی نہیں۔

(۱۵) چھوٹے سے بھی ۔ ۔ سے بات کرنا اچھا نہیں لگتا۔

(۱۶) اس لفظ کا اطلاق سوائے خُدا کے کسی اور پر جائز نہیں ہے۔

(۱۸) عام طور پر طلبہ اس مضمون سے گھبراتے ہیں۔

(۲۱) روس میں کافی علاقہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ہے۔

(۲۳) چھوٹے بچے کھیل میں چھُپ کر جب سامنے آتے ہیں تو یہ لفظ کہتے ہیں

(۲۴) پتھر کی مورت

(۲۵) چھوٹے بچے ۔ ۔ عمر بچوں میں کھیلنا پسند کرتے ہیں۔

---

## اوپر سے نیچے

(۱) ایک ہی ۔ ۔ ۔ میں ہندو اور مسلمانوں کے خوشی کے بڑے تہوار پڑجانے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن میں جلد اتحاد ہو جائے گا۔

(۲) دیکھئے روس کے بعد کس کی ۔ ۔ ۔ آتی ہے۔

(۳) اگر لڑکوں پر اُستاد کا صحیح ۔ ۔ ۔ نہیں تو وہ ان کو پڑھا نہیں سکتا

(۴) اس معمّے ۔ ۔ کامیابی صرف چار الفاظ پر منحصر ہے۔

(۶) اپنے اعزا اور احباب کے ۔ ۔ ۔ کا جواب نہ دینا بد اخلاقی ہے۔

(۹) نظر نہ آئی اسے رات جب کہیں کالی
چراغ لے کے چلی ڈھونڈنے کو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ — یزم

(۱۱) یہ اکثر تباہی کا باعث ہوتا ہے

(۱۲) چھوٹے سے بھی تو کے بجائے ۔ ۔ سے بات کرنا چاہئے

(۱۵) کیوں کر ممکن ہے کہ ۔ ۔ ۔ ۔ اپنا اثر نہ کرے۔

(۱۷) انسان کی زندگی ۔ ۔ ۔ ۔ کی مانند ہے۔

(۱۹) فلسفی کو بحث کے اندر خدا ملتا نہیں
ڈور کو سلجھا رہا ہے پر ۔ ۔ ۔ ملتا نہیں

(۲۰) یہ ایک ۔ ۔ ۔ خیال ہے کہ انسان کی عزت پیشے سے ہے

(۲۲) جنگ کی وجہ سے ہتھیاروں میں ۔ ۔ ۔ نئی ایجادیں ہورہی ہیں

# قواعد

۱۔ تمام مدرسوں کے بچے حل میں حصہ لے سکتے ہیں۔

۲۔ ایک حل کے ساتھ ایک آنے کا ٹکٹ آنا ضروری ہے۔

۳۔ ایک سے زیادہ حل بھی بھیجے جا سکتے ہیں۔ چار حلوں کی رعایتی فیس ۳؍ ۔ آٹھ حلوں کی ۶؍ ہے۔

۴۔ دونوں انعام تقسیم کر دئے جائیں گے۔ قرعہ اندازی نہ ہوگی۔

۵۔ تمام حل ۱۰ نومبر تک دفتر پیام تعلیم مکتبہ جامعہ دہلی میں پہنچ جانے چاہئیں۔

۶۔ ایڈیٹر کا فیصلہ قطعی ہوگا۔

۷۔ پیام تعلیم میں چھپے ہوئے کوپن کے علاوہ اور کوئی کوپن نہیں لیا جائے گا۔

۸۔ کسی کوپن پر کوئی حرف کٹا یا مٹا ہوا ہوگا یا پنسل سے بھرا ہوا ہوگا تو مقابلے میں شامل نہ کیا جائے گا۔

۹۔ ایک خانے میں دو حرف نہ ہوں

۱۰۔ دال اور ڈال کا نمایاں فرق ہو (د ۔ ڈ)

۱۱۔ چھوٹی اور بڑی ے کا فرق لازمی ہے۔ (ی ۔ ے)

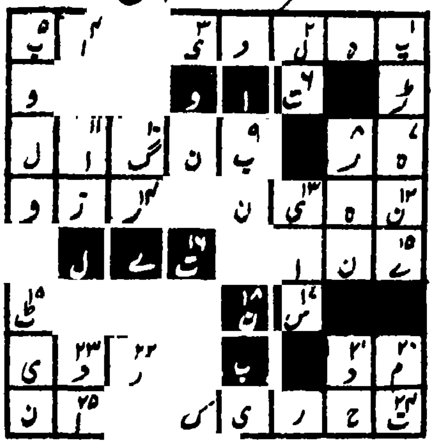
۱۲۔ جہاں جہاں نقطے کا استعمال ہو۔ وہاں نقطہ ضرور ہونا چاہیے۔

۱۳۔ املا کی غلطی بھی شمار کی جائے گی۔

(۱۴) حلوں کے بارے میں شکایتی خطوں کے لئے جوابی کارڈ یا ایک ٹکٹ آنے چاہئیں۔ شکایت ٹھیک ہوئی تو اُن کے پیسے انعام میں شامل کر لئے جائیں گے ورنہ اطلاع مل جائے گی۔

۱۵۔ **پتہ:**۔ سب ایڈیٹر۔ "پیام تعلیم" مکتبہ جامعہ (قرول باغ ۔ نئی دہلی)

# معمّا نمبر ۲۳ کا صحیح حل



## صحیح حل انعام اوّل فی کس ۶؍

(۱) سید وزیر حیدر ۔ دہلی

(۲) محمد ضیاء الدین ۔ ناگپور

## ایک غلطی فی کس ۵؍

(۱) نصیر حسن ۔ دہلی

(۲) حمیدہ بیگم ۔ ״

(۳) محمد نظیر الحسن ۔ مونگیر

(۴) محمد اقبال صدیقی ۔ گنگاوتی

(۵) سید نسیم رضا ۔ دہلی

(۶) سید محمد احمد ۔ فتح پور

(۷) حبیب انصاری ۔ لکھنؤ

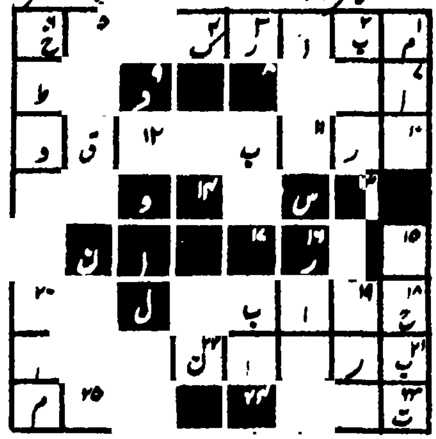
(۸) احمد مسطور الحق ۔ حیدرآباد دکن

(۹) سید ریاست عباس ۔ دہلی

(۱۰) مصطفےٰ علی ۔ بمبئی

پچھلے معمّے میں کچھ غلطیاں رہ گئی تھیں۔ اس مرتبہ بہت احتیاط کی گئی ہے۔ حل دیکھتے وقت اس کا لحاظ رکھا گیا ہے۔

معما نمبر ۲۴ کوپن نمبر



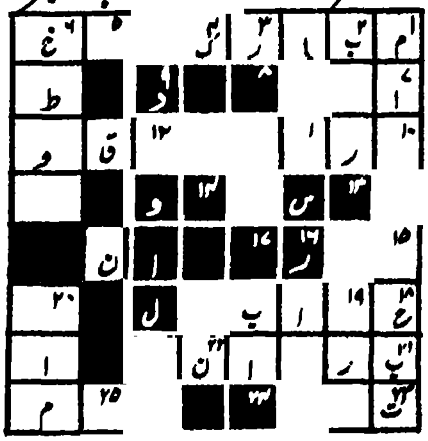
نام ..............................

پتہ ..............................

..............................

ٹکٹ ..............................

معما نمبر ۲۴ کوپن نمبر



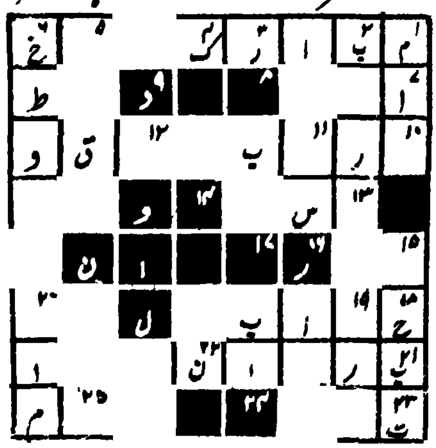
نام ..............................

پتہ ..............................

..............................

ٹکٹ ..............................

معما نمبر ۲۴ کوپن نمبر



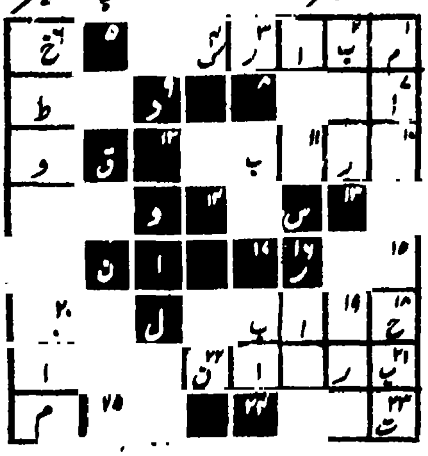
نام ..............................

پتہ ..............................

..............................

ٹکٹ ..............................

معما نمبر ۲۴ کوپن نمبر



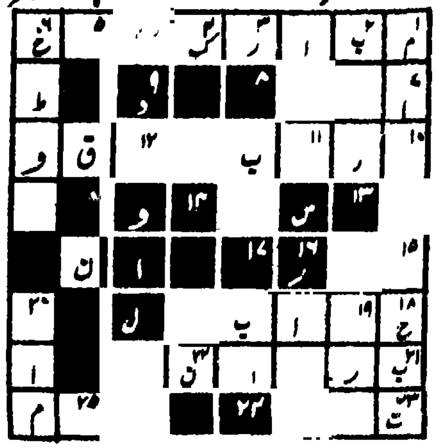
نام ..............................

پتہ ..............................

..............................

ٹکٹ ..............................

**معمہ نمبر ۲۴** کوپن نمبر



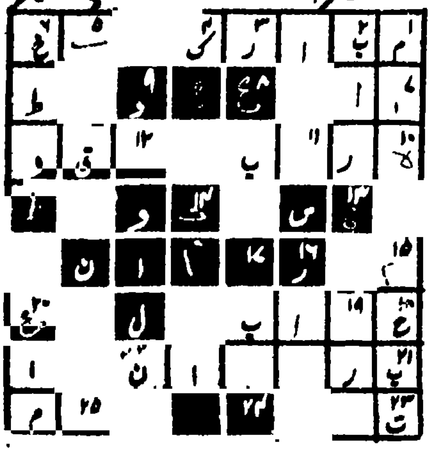
نام ..................

پتہ ..................

..................

ٹکٹ ..................

**معمہ نمبر ۲۴** کوپن نمبر



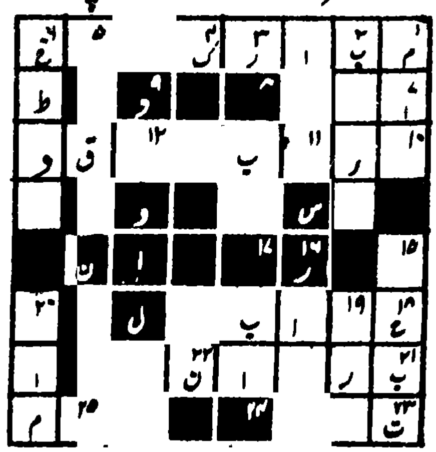
نام ..................

پتہ ..................

..................

ٹکٹ ..................

**معمہ نمبر ۲۴** کوپن نمبر



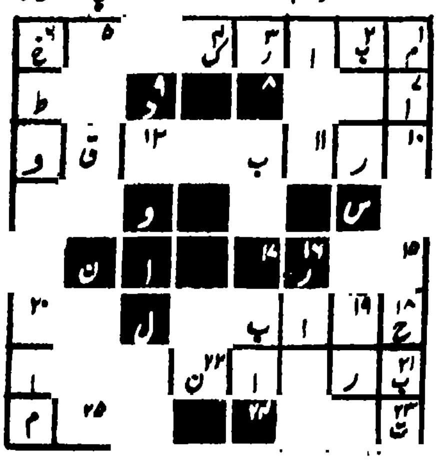
نام ..................

پتہ ..................

..................

ٹکٹ ..................

**معمہ نمبر ۲۴** کوپن نمبر



نام ..................

پتہ ..................

..................

ٹکٹ ..................

# ایک معلم کی زندگی

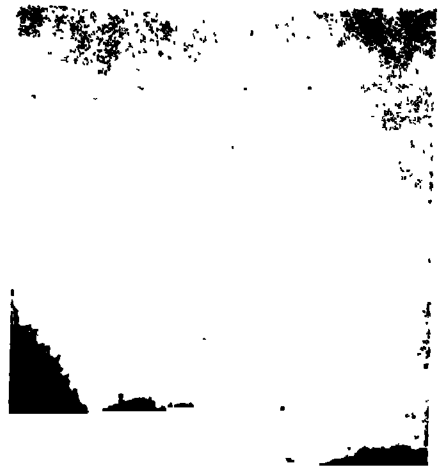
## نومبر سنہ ۱۹۴۱ء کے آخر میں شائع ہو جائے گی

یہ کتاب دو جلدوں میں شائع ہو رہی ہے۔ ہر ایک جلد تقریباً پانچ سو (۵۰۰) صفحوں کی ہے اور مجلد ہے۔ جامعہ کی نئی اور پرانی دو درجن تصویریں ہیں۔ چونکہ کل ضخامت ایک ہزار صفحے ہو گئی ہے اس لئے مکمل سٹ کی قیمت للعہ کے بجائے ضہر کر دی گئی ہے۔

کتابی سائز ۲۰×۳۰/۱۶

یہ کتاب عبدالغفار صاحب مدہولی کی آپ بیتی ہی نہیں بلکہ جامعہ کی دلچسپ اور رواں تاریخ بھی ہے اور اکیس سال کے تعلیمی تجربوں کا نچوڑ بھی۔ یقین ہے کہ بچے اور بڑے دونوں اسے دل لگا کر پڑھیں گے۔

اب تک جن حضرات سے مبلغ للعہ وصول ہوئے تھے ان سے زائد مطالبہ نہ کیا جائے گا اور محصول ڈاک بدستور معاف رہے گا۔ نیز جن کے آرڈر وی پی کے لئے آچکے ہیں ان سے بھی کتاب کی قیمت للعہ ہی لی جائے گی۔ البتہ محصول ڈاک خود ان کے ذمے ہو گا۔



قطب مینار

مرسلہ عبدالشافی اعظم گڑھ



عکس

مرسلہ علی عباس لکھنوی



مقبرہ [illegible] الدولہ [illegible]

مرسلہ [illegible]

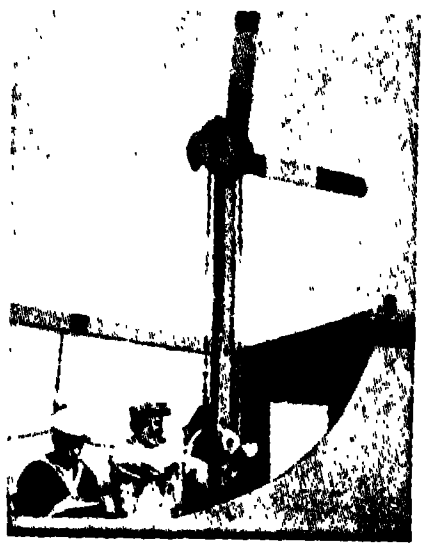
# پیام تعلیم



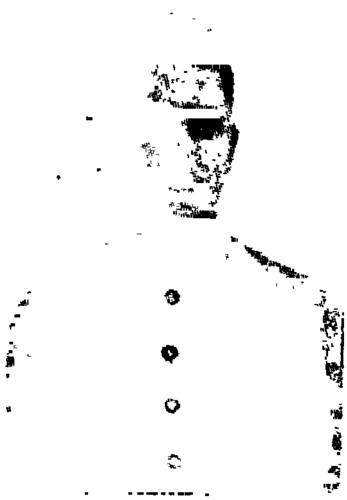
مکتبہ جامعہ دہلی



کیا مصیبت ہے
آغا سلوم دہلی



پیام رسانی ایک جہاز سے دوسرے جہاز کو



محمد الدین، سہد بدایوں

پیام تعلیم ، دہلی ، یوپی ، سی پی ، بہار ، بنگال ، برار ، اندور ، میسور ، حیدرآباد اور پنجاب کے محکمہائے تعلیم کی طرف سے سرکاری طور پر منظور کیا گیا ہے

# پیام تعلیم دہلی

قیمت سالانہ عہ/ - فی پرچہ ۳/

ایڈیٹر محمد حسین حسان

نمبر ۱۲ | فہرست مضامین ٭ دسمبر سنہ ۱۹۴۶ء | جلد ۲۴



پرنٹر پبلشر ڈاکٹر سید عابد حسین ایم اے پی ایچ ڈی - محبوب المطابع پریس دہلی

# بچوں سے باتیں

ایڈیٹر

پیام تعلیم کا اگلا پرچہ سال گرہ نمبر ہوگا۔ یہ ۲۸ر دسمبر کو چھپے گا اور جنوری کی پہلی تاریخ کو پیامیوں کے ہاتھوں میں ہوگا۔ ہم اس کی تیاری کے لئے بہت اہتمام کر رہے ہیں مگر کاغذ کے دام روزانہ بڑھ رہے ہیں تصویروں کا کاغذ ابھی سے نایاب ہے۔ یہی دو چیزیں پرچے کی خوش نمائی کے لئے ضروری ہیں۔ باوجود اس کے ہم اپنی طرف سے پرچے کو خوشنما اور دلچسپ بنانے کی پوری کوشش کریں گے۔

---

سالنامے کے سلسلے میں پیامیوں کے مضمون اور نظمیں آنی شروع ہوگئی ہیں۔ ان نظموں اور مضمونوں کے پہنچنے کی آخری تاریخ دس دسمبر ہے۔ مضمون بہت محنت سے لکھا ہوا ہو اور بہت صاف اور خوش خط ہو، اسی طرح نظمیں بھی بہت صاف صاف لکھی ہوئی ہوں۔

---

مضمون اگر جغرافیے، سائنس وغیرہ پر ہوں گے تو ان کے چھپنے کا زیادہ امکان ہے۔ جغرافیے میں سیر

و سفر، پہاڑوں، جنگلوں، دریاؤں، سمندروں جھیلوں وغیرہ کے حالات، مختلف ملکوں کے لوگوں کا رہن سہن، غرض سبھی چیزیں آسکتی ہیں۔ کہانیوں کے چھپنے کا سب سے کم امکان ہے

---

اب تک تم ہمیں دہلی یا نئی دہلی کے پتے سے خط لکھتے تھے۔ اب ڈاک خانے والوں نے پتہ بدل دیا ہے۔ یعنی پہلے پتہ لکھنے کے بعد دہلی آخر میں لکھا جاتا تھا اب پہلے دہلی لکھا جائے گا پھر قرول باغ مثلاً اس طرح۔

منیجر پیام تعلیم مکتبہ جامعہ

دہلی - قرول باغ

اب جو منیجر پیام تعلیم کو یا ہمیں خط لکھو تو اس پتے کا خیال ضرور رکھنا نہیں تو خط یہاں بہت دیر میں ملے گا۔ اچھا بھئی اب کے تم نئے سال کی خوشی میں اپنے پیام تعلیم کو کیا تحفہ دوگے اگر ہر ایک پیامی ایک ایک خریدار اس مہینے کے آخر تک فراہم کر دے تو اس وقت خصوصاً یہ اس کے لئے بہترین تحفہ ہوگا ♦

# جامعہ کی زندگی

مولوی محمد شفیع الدین صاحب نیّر

قوم کی خدمت سکھائے جامعہ کی زندگی
خواب غفلت سے جگائے، جامعہ کی زندگی

کوہِ فاراں پر سُنا تھا جو ترانہ قوم نے
پھر وہی نغمہ سُنائے جامعہ کی زندگی

قوم مردہ میں ہو پیدا اتّحاد و ضبط و نظم
یہ مسیحائی دکھائے جامعہ کی زندگی

سادگی اطوار میں پیدا عروج افکار میں
مشق کچھ ایسی کرائے جامعہ کی زندگی

لُطف جب ہے قوم کی مایوسیاں کافور ہوں
گُر کوئی ایسا بتائے جامعہ کی زندگی

پھیل جائے ہر طرف علم و ہنر کی روشنی
جوت کچھ ایسی جگائے جامعہ کی زندگی

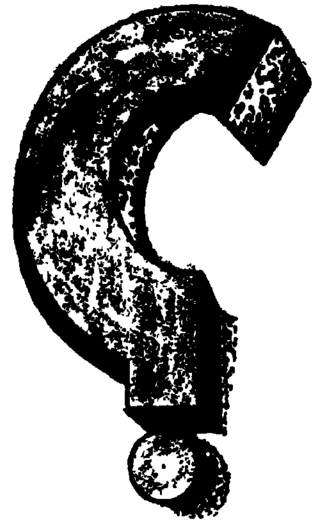
اُمّتِ واحد کے سارے تفرقے ہو جائیں دور
فرقہ بندی کو مٹائے جامعہ کی زندگی

طبقۂ نسواں بھی ہے تعلیم کا محتاج آج
اِس حقیقت کو سُجھائے جامعہ کی زندگی

عزم و استقلال سے پھر کام لیں افرادِ قوم
کچھ سبق ایسا پڑھائے جامعہ کی زندگی

حالؔی و اقبالؔ و شبلؔی جوہر و سیّد کی مثل
نوجواں اپنے بنائے جامعہ کی زندگی

اے خدا مقبول ہو نیّر کے دِل کی یہ دُعا
قوم کی بگڑی بنائے۔ جامعہ کی زندگی



# ماں

رعنا اکبرآبادی ۔ آگرہ

تم کو معلوم ہے ماں کا رُتبہ
دُکھ اُٹھا کر تمھیں پالا اُس نے
کبھی جھولے میں جُھلایا تُم کو
تم نے جو بات کہی مان گئی
لوریاں دے کے سِکھائیں باتیں
ماں سے تُم نے یہ سلیقہ سیکھا
بولنا تُم کو سِکھاتی نہ اگر
نیک ہر کام سکھایا ماں نے

اُس کی آغوش اماں کا مرتبہ
تُم جو مچلے تو سنبّھالا اُس نے
کبھی سینے پہ بٹھایا تُم کو
پیار کی بات پہ قربان گئی
اچھّی اچھّی تمھیں آئیں باتیں
پاؤں چلنے کا طریقہ سیکھا
پڑھنا، لکھنا تمھیں آتا کیوں کر
آدمی تُم کو بنایا ماں نے

ماں کے رُتبے کا سدا دِھیان رہے
یاد ہر وقت یہ احسان رہے

# ثریّا کا خواب

ح، م، اسلم

(۵)

پانی پیتے ہی مدکی صاحب یکایک چھوٹے ہوتے گئے۔ پہلے اُن کے پیر سکڑنے لگے پھر پیٹ ، پھر سر پھر پُورا بدن ............ اور دیکھتے دیکھتے وہ اسی مکڑے کے برابر ہوگئے۔ پھر جس دروازے سے مکڑا آیا تھا یہ اندر چلے گئے۔ اب مکڑے نے تھوڑا سا پانی ثتا کو دیا۔ ثتا نے ثریا کی طرف مُسکرا کر دیکھا اور سب پانی پی گئے۔ پانی کا پینا تھا کہ اُن کی پتلی سی ٹانگیں، دم، بدن اور سر سب سُکڑنے لگے اور یہ اس مکڑے سے بھی چھوٹے ہوگئے ثتّا کی یہ حالت دیکھ کر ثریا کے بدن کے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ اُس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ چھوٹا سا ثتّا اب اُس کے گھٹنوں برابر زمین پر کھڑا تھا۔ ثریا بے اختیار بہت زور سے چیخی "ثتّا ............ ثتا ......!!"

پہلے تو ثتا نے کوئی جواب نہ دیا۔ پھر اپنے چھوٹے ہاتھوں سے ثریا کو بیٹھ جانے کا اشارہ کیا "نہیں بی ڈرو نہیں!" ثتّا کی بہت باریک سی آواز آئی۔ ثریا نے اپنے کان اُن کے مُنہ سے اور قریب کرلئے "تم ڈر کیوں رہی ہو۔ شاہ دُنے کے محل میں جانے کے لئے ہر ایک کو یہ عرق پینا پڑتا ہے۔" اُن کی آواز اتنی باریک تھی کہ ثریا پھر بھی پوری طرح نہ سُن سکی وہ اور جھک گئی "اس کے پینے سے تمھیں کوئی نقصان نہ ہوگا۔ پھر جب ہم لوگ وہاں سے واپس آئیں گے تو دوسری قسم کا عرق پی کر پہلے جیسے بڑھ جائیں گے۔ لو اب ذرا تم بھی جلدی سے پی لو دیکھو مدکی صاحب چلے گئے۔"

ثریا نے ڈرتے ڈرتے گلاس کا تھوڑا سا پانی پی لیا اور تھوڑی دیر میں وہ ثتا کے برابر ہوگئی مگر ثتا پھر بھی قد میں اُس سے چھوٹے ہی رہے۔ اُس نے جو بولنے کی کوشش کی تو اُس کی آواز پہلے سے بہت مہین ہوگئی تھی۔

ثریا:۔ ثتّا! ہم لوگ جیسے پہلے تھے ویسے ہی پھر ہو جائیں گے نا؟

ثتّا:۔ ہاں بھئی ہاں۔ اگر تُم چاہو تو ابھی فوراً دوسرا عرق پی کر پہلے جیسی ہو سکتی ہو۔ پھر ثریا کی اُنگلی پکڑ کر بولے "چلو چلو اب محل میں چلیں۔"

مسٹر جمّا ثریا کو اپنے ساتھ لے کر چلنے لگے۔ اور ایک لانبے راستے سے گذرتے ہوئے بڑے ہال میں پہنچے۔ ہال کے دروازے پر دو دربان چھوٹے چھوٹے بھالے لئے کھڑے تھے۔ اُن کی وردی بالکل لال تھی۔ سروں پر سرکس کے مسخروں جیسی سیاہ لانبی ٹوپیاں تھیں یہ دیکھنے میں آدمی کی طرح معلوم تو ہوتے تھے مگر ایک کی شکل طوطے جیسی تھی اور دوسرا بالکل بطخ کی طرح تھا۔ ان دربانوں نے ثریا یا مسٹر جمّا سے کچھ پوچھ گچھ نہ کی۔ اپنے بھالوں کو انھوں نے قینچی کی طرح ہال کے دروازے پر لگا رکھا تھا گویا دروازہ بند کر رکھا تھا۔ انھیں آتے دیکھ کر اپنے بھالے سیدھے کر لئے۔ دروازہ کھل گیا اور یہ دونوں اندر پہنچ گئے

ہال کافی لانبا چوڑا اور بہت اونچا تھا اس کی دیواریں آئینے کی طرح چمک رہی تھیں۔ دیواروں میں جگہ جگہ چڑیوں کے رنگ برنگ کے خوب صورت پر بہت قرینے سے سجے تھے۔ ہال کے آخری سرے پر چبوترے جیسی ایک اونچی جگہ تھی۔ اس پر بہت خوب صورت قالین بچھا تھا چبوترے پر جانے کے لئے بیچ میں ایک سنہری سیڑھی تھی۔ سیڑھی کے دونوں طرف ادھر اُدھر پانچ چھ لوگ اچھے اچھے کپڑے پہنے کرسیوں پر بیٹھے تھے بہت سی کرسیاں خالی بھی پڑی تھیں۔ چبوترے پر ٹھیک بیچ میں ایک اونچا تخت تھا۔ تخت کیا تھا بس ثریا کے ابا کے ڈرائنگ روم جیسی بہت ہی نفیس کوچ تھی۔ تخت بالکل سبز رنگ کا تھا۔ اس میں سبز ہی رنگ کے بہت سے پتھر چم چم کر رہے تھے۔ اس پر شاہ بیٹھے تھے۔ اُن کی صورت ایسی نرالی تھی کہ ثریا انھیں دیکھ کر بے اختیار ہنس پڑی۔ سر پر سیاہ رنگ کا تاج تھا اور اُس میں بہت سے ہیرے جواہرات لگے تھے۔ اُن کی آنکھوں پر عینک تھی۔ اور چہرے پر لال رنگ کی گھنی داڑھی جو بیچ سے اِدھر اُدھر بٹی ہوئی تھی۔ سیاہ رنگ کا عبا پہنا تھا اس کی وجہ سے یہ اور بھی بد صورت نظر آ رہے تھے۔ اُن کے دونوں طرف دو لونڈیاں تھیں اُن کے ہاتھوں میں ننگی تلواریں تھیں۔ شاہ کے پیچھے ایک سیاہ رنگ کا چھوٹا سا سفید مور چھل جھل رہا تھا۔ تخت کے ارد گرد اچھی اچھی کرسیوں پر اور دوسرے لوگ تھے جو صورت اور لباس سے شہزادے معلوم ہوتے تھے

ہال کے بیچ میں فرش پر ایک گول دائرے میں خوب صورت خوب صورت رنگوں کی بہت سی تتلیاں ناچ رہی تھیں۔ ہلکے ہلکے کوئی گیت بھی گاتی جاتی تھیں۔ ان کے بازوؤں پر دو اجلے اجلے ڈینے تھے اور یہ نیلے رنگ کا ریشمی لباس پہنے تھیں۔ مسٹر جمّا نے ہال میں آتے ہی اپنی نظریں نیچی کر لیں اور تخت سے دور فرش پر ایک کرسی پر بیٹھ گئے۔ ثریا بھی اُن کے پاس ہی بیٹھ گئی تتلیوں کا گانا بڑا نرالا تھا۔ اپنے ڈرائنگ روم میں اُس کی بلقیس آپا نے ریڈیو میں روشنی جلا کر کتنی بار اُسے طرح طرح کے گانے سنائے تھے مگر ان تتلیوں کا گانا تو عجیب طرح

کا تھا۔ کبھی زور سے کبھی آہستہ اور کبھی خوب زور سے اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ کس قسم کا گیت ہے۔ ثریا کے پاس ہی ایک خوب صورت جھینگر بیٹھا تھا اس کے دونوں پر بالکل سرخ تھے۔ اس کے ہاتھ میں ایک کاغذ تھا۔ یہ بھی ان تتلیوں کی طرح آہستہ آہستہ کوئی گیت گا رہا تھا۔ اپنا کاغذ بھی دیکھتا جاتا تھا۔ ثریا نے اس کا گیت غور سے سنا تو اس کا اور تتلیوں کا گانا ایک سا معلوم ہوا۔ ثریا نے آہستہ سے جما سے پوچھا "یہ کون ہیں جما؟"

جما:۔ یہ تان تین صاحب ہیں (آہستہ سے ثریا کے کان میں) یہ شاہی محل میں ناچ کے استاد ہیں؟

ثریا:۔ تو یہی ان تتلیوں کو سکھایا کرتے ہیں۔

جما:۔ ہاں دیکھو نا۔ تتلیاں جو اس وقت گیت گا رہی ہیں وہ اسے اپنے کاغذ پر لکھتے ہوئے کانوں سے ملاتے جاتے ہیں۔

ثریا نے ذرا جھک کر ان کا کاغذ دیکھا۔ اسے اس کی کتابوں کی طرح کے حرف نہ تھے۔ بلکہ ایک موٹے سانپ کی تصویر بنی تھی۔ اسے بڑی حیرت ہوئی کہ "یہ حضرت پھر پڑھ کیا رہے ہیں؟ مگر ان کے کاغذ پر تو صرف ایک سانپ کی تصویر بنی ہے؟" اس نے مسٹر جما سے پوچھا۔

جما:۔ ہاں ہاں اس وقت تو محل میں سانپ گانا ہو رہا ہے۔ شاہ کا جیسا حکم ہوتا ہے ویسا ہی گانا تان تین تیار کرتے ہیں۔ کبھی سانپ گانا۔ کبھی بچھو گانا اور کبھی اُلّو گانا جیسے گیت جس وقت شاہ کو سننے کی خواہش ہو ویسے ہی ان تتلیوں کو گانا پڑتے ہیں۔

لکھنے کا یہ طریقہ۔ سانپ کا گانا اور بچھو کا گانا یہ تمام باتیں ثریا کی سمجھ میں بالکل نہ آئیں اور وہ پھر گانا سننے لگی۔ تھوڑی دیر بعد ان تتلیوں نے اپنا ناچ گانا ختم کیا اور شاہ کو سلام کر، الٹے پیروں باہر چلی گئیں۔ سارے ہال میں ایک سناٹا چھا گیا۔ ثریا شاہ کو دیکھنے لگی۔ شاہ نے سر اوپر اٹھایا ادھر اُدھر دیکھا اور پکارا "مدکی صاحب"

"حاضر شاہ پناہ" مدکی صاحب ثریا کی دوسری طرف سے بولے اور نظریں نیچی کئے آہستہ آہستہ سیڑھیوں کو طے کرتے شاہ کے پاس جا کر خاموش کھڑے ہو گئے۔ شاہ نے ان سے کچھ باتیں کیں۔ ثریا انھیں بالکل نہ سن سکی۔ اس کے بعد مدکی صاحب بھی بغیر اپنی پیٹھ دکھائے ہال سے باہر چلے گئے۔ شاہ نے پھر تخت کے نیچے کرسیوں پر بیٹھے ہوئے لوگوں کو دیکھنا شروع کیا اور مسٹر جما جلدی سے بہت سلیقے سے بیٹھ گئے۔

"جما" شاہ کی آواز آئی۔

مسٹر جما جلدی سے کھڑے ہو گئے اور بولے:۔

"حاضر شاہ پناہ"

**شاہ**:۔ تم یہاں کب آئے بھئی۔ اچھے تو ہو؟

جمّا نے بہت سلیقے سے جواب دیا "جی یہ ثریا بیگم ہماری دوست ہیں ان کو حضور کا محل دیکھنے کی بڑی تمنا تھی اس لئے اُن کے ساتھ یہاں آگیا" شاہ نے حیرت سے ثریا کو دیکھا۔ اِرد گِرد کے تمام شہزادے بھی اُسے دیکھنے لگے۔

**شاہ**:۔ ثریا!

**ثریا**:۔ جی۔ وہ اس طرح بولی جس طرح اپنے ابا جان کے پکارنے پر جواب دیا کرتی تھی۔

**شاہ**:۔ اِدھر آؤ۔

جمّا نے ثریا سے آہستہ سے کہا "ننھی بی شاہ نے پاس جاؤ" ثریا آہستہ آہستہ ڈرتی ہوئی شاہ کے پاس پہنچی۔ "تم یہاں کیسے آئیں" شاہ نے پوچھا۔

**ثریا**:۔ جی مجھے جمّا یہاں لائے ہیں اور اس نے جمّا کی طرف دیکھا۔

**جمّا**:۔ جی ہاں ہم لوگ دعوت میں یہاں آئے تھے۔ عالم پناہ۔

**شاہ**:۔ بہت خوب۔ تمہارا نام ثریا ہے۔ تم کچھ جانتی بھی ہو۔

**ثریا**:۔ جی ہاں۔

**شاہ**:۔ کیا کیا؟

**ثریا**:۔ کھیلنا، کھانا، لکھنا، پڑھنا، کھانا پکانا اور ..........."

**شاہ**:۔ بس بس، تب تو تم بہت سے کام جانتی ہو" دیکھو سوچ کر) اچھا ایک بات کا جواب دو گی؟

**ثریا**:۔ (آہستہ سے) جی!

**شاہ**:۔ ہم میں اور تم میں کیا فرق ہے؟

ثریا ایک گہرے سوچ میں پڑ گئی......... جانور بول نہیں سکتے۔ کپڑے نہیں پہنتے۔ میز، کرسی پر کھانا نہیں کھاتے۔ گا بھی نہیں سکتے......... مگر؟......

مگر یہاں تو یہ جانور سبھی کام کرتے ہیں۔ بولتے بھی ہیں، گاتے، ناچتے بھی ہیں۔ ان کے بادشاہ اور شہزادے بھی ہیں۔

**شاہ**:۔ (مسکرا کر) نہیں بتا سکتیں؟

ثریا نے ہال کے سب لوگوں اور شہزادوں کو دیکھتے ہوئے رُک رُک کر کہا "جی......... جی ہم لوگ بہت بڑے ہوتے۔ ہیں اور آپ لوگ بہت......"

"ہاہ۔ ہاہا۔ ہاہوہو" ثریا کے اتنا کہنے پر تمام درباری زور سے ہنس پڑے۔ پھر شاہ نے کچھ سوچ کر پاس بیٹھے ہوئے ایک شہزادے سے کچھ لانے کو کہا اور وہ قریب ہی کی میز پر سے ایک خوب صورت گلاس میں کوئی عرق ڈال کر لے آیا۔ شاہ نے جمّا کو پکار کر وہ گلاس دے دیا۔ مسٹر جمّا نے خاموشی سے گلاس ہاتھ میں لیا اور اُس کو مُنہ سے لگا کر پینے لگے۔

ایک گھونٹ، دو گھونٹ، اور پھر .....؟......
مسٹر جما بڑھنے لگے۔ بڑھتے جاتے اور گلاس کا عرق پیتے جاتے۔ عرق ختم ہوگیا اور جما بڑھتے بڑھتے ہال کی چھت سے جا لگے۔ بڑے بڑے ہاتھ، موٹے موٹے پیر، چوڑا چکلا سر اور دو بڑی بڑی خوفناک آنکھیں۔ ان کی صورت ایسی ڈراؤنی ہوگئی کہ ثریا کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ بیچ ہال میں اتنے لانبے چوڑے یہ بالکل دیو جیسے معلوم ہورہے تھے۔ شاہ نے جما کی طرف دیکھا اور مسکراکر ثریا سے پوچھا۔ "تمہارے یہاں کے لوگ اتنے بڑے ہوتے ہیں ثریا؟"

ثریا سے کوئی جواب بن نہ آیا۔ وہ جما کے قد کو دیکھ کر بولی "مگر..... مگر..... یہ تو جادو سے ہوگئے ہیں" شاہ نے اس پر ایک زور سے قہقہہ لگایا اور کہا "یہ جادو سے ہوگئے ہیں"

"تو اور کیا" ثریا بولی؛ ہماری دنیا میں تو یہ بالکل چھوٹے سے رہتے ہیں۔ اور..... اور کوئی بھی جانور اتنا بڑا نہیں ہوتا" ابھی یہی باتیں ہورہی تھیں کہ ہال کے دروازے سے ایک بہت ہی بدصورت عورت قیمتی لباس پہنے اندر داخل ہوئی۔ اس کے سیاہ کھلے ہوئے بالوں پر تاج رکھا تھا۔ اس کی صورت شاہ سے ملتی جلتی تھی۔ مگر آنکھیں بڑی بڑی اور بہت خوفناک تھیں۔ غصے سے بھری ہوئی۔ اُسے آتے دیکھ کر سب لوگ کھڑے ہوگئے۔ کچھ تو آہستہ سے وہاں سے کھسک گئے اور باقی اِدھر اُدھر یوں ہی ٹہلنے لگے۔ شہزادے آہستہ سے آپس میں ملکہ ملکہ کہتے نیچے اُتر گئے۔ شاہ جو اب تک قہقہے لگا رہے تھے۔ ایک دم خاموش ہوگئے۔ آہستہ سے اپنے تخت سے اُتر کر ملکہ کے پاس بڑھے۔ ثریا حیران تھی کہ ملکہ کے آنے سے سب لوگ اتنے پریشان کیوں ہیں۔ یہ بھی ڈرتی کانپتی ملکہ کی صورت دیکھتی مسٹر جما کے پاس جا پہنچی۔ جما ویسے ہی ہاتھی۔ جیسے بیچ ہال میں اپنی جگہ پر کھڑے تھے۔ ملکہ نے غصے سے اپنی گردن اٹھاتے ہوئے جما کو دیکھا اور بولی "یہ کیا تماشا ہے"۔

"کچھ نہیں کوئی بات نہیں" شاہ نے اس طرح جواب دیا گویا وہ ڈر رہے ہوں۔ "چلو نا۔ بیٹھ کر اطمینان سے باتیں کریں" اور یہ تخت کی طرف چلنے لگے۔ ملکہ آہستہ آہستہ قدم بڑھاتی ثریا تک پہنچی۔

اُس کی صورت دیکھتے ہی ثریا کو اور بھی ڈر لگنے لگا۔ جما کے موٹے موٹے پیروں سے لپٹ گئی جما نے اوپر ہی سے اپنی آنکھوں کو گھماتے ہوئے ثریا کو دیکھا اور ملکہ کو اپنے پاس دیکھ کر ایک دم کانپ اٹھا

"یہ کون ہے" ملکہ ثریا کو دیکھ کر زور سے بولی "تم یہاں کیوں آئی ہو۔ کون ہو تم؟"

"سو..... سو..... ثریا یا تو مارے خوف کے ثریا کے منہ سے آواز نہ نکلی۔

"یہ آج کی دعوت میں آئی تھی" شاہ نے ثریا

کی طرف سے ملکہ کو جواب دیا۔

"ہونہہ" ملکہ نے ناک پھلا کر شاہ کو دیکھا "شاہی محل میں اس کا کیا کام" اور اس نے اپنے سیاہ ہاتھ سے جن پر لانبے لانبے بال تھے۔ ثریا کی کلائی کو پکڑ لیا "بولو تم یہاں کیوں آئیں...... دریا یہ جانور کی بچی اور ہمارے محل میں...... ہونہہ...."

"مہ... مجھ ... مجھے جما زبردستی یہاں لے آئے" ثریا کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔ ملکہ نے تالی بجائی۔ فوراً ایک سپاہی حاضر ہوا۔ ملکہ نے ثریا کی طرف اشارہ کرکے کہا "اسے گرفتار کر لو" ثریا نے زور سے ایک چیخ ماری اور جما کے پیروں سے لپٹ گئی۔ سپاہی نے اپنے پورے جسم کو گھماتے ہوئے ثریا کے دونوں ہاتھ لپیٹ لئے اور فرش پر رینگتا ہوا ملکہ کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ ہال میں سناٹا چھا گیا۔ ثریا کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ وہ زور زور سے چلانے لگی "مجھے چھوڑ دیجئے، ملکہ.... ملکہ.... مجھے چھوڑ دیجئے.... اب میں یہاں کبھی نہ آؤں گی۔ اچھی ملکہ..... جما؟... جما مجھ کو بچا لو.... دیکھو یہ لوگ مجھے مارنے جا رہے ہیں" جما ویسے ہی بت کی طرح خاموش کھڑے تھے۔ ملکہ شاہ کے پاس تخت پر بیٹھ گئی۔ اس کی آنکھیں لال انگارا ہو رہی تھیں۔ شاہ نے ملکہ سے کہا "مگر اس غریب کی جان لینے سے فائدہ! پیاری ملکہ!"

"فائدہ!" ملکہ نے شاہ کی طرف دیکھا "یہ انسان کی بچی ہے۔ ان انسانوں کی جو روزانہ ہماری کتنی بے زبان رعایا کو تکلیف دیتے ہیں۔ بھوکا مارتے ہیں، پیٹتے ہیں اور اُن کا گلا گھونٹ دیتے ہیں" غصے سے ملکہ کی آواز کانپنے لگی۔

"لیکن اس بے چاری کا کیا قصور؟" شاہ کہنے لگے "اس نے تو....."

"میں اور زیادہ سننا نہیں چاہتی۔ ملکہ شاہ سے بگڑ کر بولی" ثریا ابھی تیری گردن صاف کر دی جائے گی تو ذرا جا کر ہمارے جادو گھر کو دیکھ آ"

"آہ آہ" ثریا بے اختیار چلا اٹھی اور روتی ہوئی بولی "نہیں نہیں ملکہ ایسا نہ کہئے..... میں... میں ہاتھ جوڑتی ہوں ایسا نہ کہئے.... مجھے معاف کر دیجئے پیاری ملکہ..... میں اب کبھی...."

"چپ" ملکہ نے زور سے ثریا کو ڈانٹا پھر سپاہی سے کہا۔ جاؤ اسے جادو گھر دکھا کر گردن مروڑنے کے حوالے کر دو"

"بہت خوب" سپاہی بولا اور ثریا کو ہال سے باہر لے جانے لگا۔ ثریا روتی جاتی اور مڑ مڑ کر جما کو دیکھتی جاتی۔ دروازے سے نکل کر یہ دونوں ایک لانبے راستے سے گذرنے لگے۔ راستے میں ایک دو سپاہی رینگتے ہوئے اِدھر سے اُدھر گذر جاتے اور کبھی کوئی شہزادہ ثریا کو حیرت سے دیکھنے لگتا۔ ثریا کی آنکھوں سے آنسو برابر بہہ رہے تھے اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی

چلتے چلتے ثریا کو مدکی صاحب نظر آئے۔ اور یہ رونی آواز میں اُن کو پکارنے لگی۔ "مدکی صاحب ..... مدکی صاحب مجھے بچائیے ..... دیکھئے یہ مجھے مارنے لے جا رہا ہے ..... مدکی صاحب مجھے بچا لیجئے"۔

مدکی صاحب نے ثریا کو روتے دیکھا ..........

..... دوڑتے ہوئے اس کے پاس آپہنچے۔ اُن کو دیکھ کر سپاہی نے جلدی سے اُنھیں سلام کیا اور ثریا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ "کڑاکران تشکو تشائیں ہش"۔ "کران تشکو تائیں؟" مدکی صاحب حیرت سے ثریا کو دیکھ کر سپاہی سے بولے "ٹچو ہو ڈہا بن"۔

"ہاہابن تائیں فش"۔ سپاہی نے جواب دیا۔

مدکی صاحب اور سپاہی کے درمیان اسی طرح تھوڑی دیر تک کچھ باتیں ہوائیں۔ پھر انھوں نے ثریا کو سپاہی سے الگ کرکے اپنے ساتھ لیا اور آگے آگے چلنے لگے۔ ثریا کا رونا اب بند ہوگیا تھا

"اُف" مدکی صاحب نے ثریا سے کہا "بیگم دیکھئے آپ اتنا روئیں کہ تمام سڑک آپ کے آنسوؤں سے ڈوبی جا رہی ہے"۔

ثریا نے مڑکر سڑک کو دیکھا تو جدھر سے وہ آئی تھی اس طرف کی پوری سڑک اس کے آنسوؤں سے بھیگ گئی تھی۔ جیسے بہت زور کا پانی برسا ہو۔ "تو اب کیا ہوگا مدکی صاحب؟" وہ اس طرح بولی گویا اس نے بھیگی سڑک کو دیکھا ہی نہیں۔ "آپ مجھے کہاں لے جا رہے ہیں"۔

"ہوگا کیا" مدکی صاحب بولے۔ "آپ گھبرائیے نہیں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا"۔ پھر کچھ رک کر وہ بولے: "ہماری ملکہ صاحبہ بڑی غصہ والی عورت ہیں ذرا ذرا سی بات پر فوراً ہی گردن کی صفائی کا حکم دے دیتی ہیں۔ مگر آپ نے کیا کہا تھا؟"

"جی میں نے تو ......" ثریا کو ایک ہچکی آئی اور وہ بولی۔ "میں نے تو کچھ بھی نہیں کہا تھا۔ ملکہ آئیں اور مجھے محل میں دیکھ کر خوب بگڑیں اور کہا ..."

"خیر کوئی بات نہیں" مدکی صاحب بولے۔ "اب آپ چپ رہیے۔ دیکھئے میں نے یہ سپاہی مسٹر جا کے بلانے کو بھیج دیا ہے وہ آکر سب کچھ ٹھیک کرلیں گے جب تک آپ جادو گھر کی سیر کیجئے"۔

"مگر جا آئیں گے کیوں کر" ثریا نے کہا "وہ تو بہت بڑے ہوگئے ہیں؟"

"جی میں نے اُن کے پاس سکڑنے والا عرق بھیج دیا ہے اُس کو پی کر وہ پہلے جیسے ہو جائیں گے اور یہاں چلے آئیں گے"۔ مدکی صاحب نے جواب دیا۔

ثریا کا رونا اب کم ہو چلا تھا۔ آنسو بھی اب کم گرتے مگر اس کی آنکھیں لال ہو رہی تھیں۔ تھوڑی دیر میں یہ ایک بڑے کمرے کے پاس پہنچی۔ کمرے میں بہت سی بڑی بڑی رنگین تصویریں تھیں اور جگہ جگہ چھوٹے چھوٹے کھلونے تھے۔ مدکی صاحب نے ایک

طرف سے ثریا کو تصویریں دکھانا شروع کیں...." دیکھئے یہ سب وہ تصویریں ہیں جن میں آپ کے یہاں کے لوگوں کا ان بے زبان جانوروں پر ظلم دکھایا گیا ہے۔ دیکھئے ان شریر بچوں نے ایک غریب مینڈک کو ڈھیلوں سے کس قدر مارا ہے۔ اس کی ایک آنکھ پھوٹ گئی اور ایک بازو ٹوٹ گیا ہے۔ لیکن اس پر بھی اُن کو اس بے چارے پر ذرا رحم نہیں آتا۔ ثریا اُس کو دیکھنے لگی۔ اور یہ دیکھئے اس بلی کے ننھے بچے کو ان لڑکوں نے گلے میں پھندا ڈال کر صرف اس لئے جان سے مار دیا کہ یہ کالا کلوٹا ہے۔ اور اُن کے پالنے کے لائق نہیں اور یہاں یہ لڑکے اس بے چاری چڑیا کے بچے کو گھونسلے سے اُتار لائے ہیں۔ اس کا ایک انڈا توڑ دیا اور اس بچے کو ذبح کرنے لے جا رہے ہیں۔ دیکھئے چڑیا اپنے بچے کے لئے کتنی بے قرار ہو رہی ہے۔" پھر دوسری تصویر دکھاتے ہوئے "اُن بچوں نے چند خوب صورت تتلیوں کو پکڑ کر شیشی میں بند کر دیا ہے۔ اُن کے واسطے چند پھول بھی ڈال دیے ہیں مگر کیا بند شیشی میں یہ زندہ رہ سکتی ہیں؟" ثریا تتلیوں کو دیکھنے لگی" اور گھاس کے اس بھولے بھالے ٹڈے کے پیر میں تاگا باندھ کر بے چارے کو اُڑا رہے ہیں۔ اس بے چارے کے دونوں ہاتھ اُکھڑ گئے اور تکلیف سے مر رہا ہے۔ لیکن لڑکے اپنی حرکت پر کتنے خوش ہیں اور پھر وہ تصویر دیکھئے۔ ایک چیونٹی نے اس لڑکے کو کاٹ لیا تھا۔ محض اس لئے کہ اس کے پیر کے نیچے دب گئی تھی اور یہ لڑکا غصے میں ان تمام چیونٹیوں کو موم بتی سے جلا رہا ہے۔ بھلا ان بے چاریوں نے اس کا کیا بگاڑا تھا اور پھر یہ اس کے کاٹنے سے مرا تو نہیں جا رہا تھا......"

مدکی صاحب نے ثریا کو جادو گھر کی تمام تصویریں دکھا ڈالیں۔ ثریا جیسے جیسے تصویریں دیکھتی جاتی اس کا رونا غائب ہوتا جاتا اور لڑکوں کی ان تمام شرارتوں پر شرم سے اپنا منہ پھیر لیتی۔ "سچ تو یہ ہے ثریا بیگم" مدکی صاحب بولے"۔ آپ کے یہاں کے بچے اتنے پاجی اور شریر ہیں کہ کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ انھیں جتنی بھی سزا ملے کم ہے"

"مگر سب بچے تو ان جانوروں اور تتلیوں کو نہیں مارا کرتے" ثریا نے جواب دیا "میں انھیں کتنا چاہتی ہوں لیکن پھر مجھے کیوں...... ؟" اور وہ اپنے ہاتھوں سے آنسوؤں کو پونچھتی ہوئی رو کر بولی۔ "مجھے ملکہ کیوں مارتی ہیں؟"

" اوہو پھر رونے لگیں" مدکی صاحب ثریا کو روتے دیکھ کر بولے اور ہنس کر کہا" دیکھئے یہاں رونے دیتے نہیں۔ ورنہ آپ کے آنسوؤں سے تمام کمرا بھر جائے گا اور جادو گھر کی تمام تصویریں خراب ہو جائیں گی۔"

"جما...... ؟ ؟" ثریا نے اس کو دیکھ کر پکارا "تم آ گئے جما، مجھ کو بچا لو...... مجھ کو ملکہ سے.....!"

پھر وہ خوب زور سے اپنا منہ چھپا کر رونے لگی۔

"ارے تم اتنا روتی کیوں ہو ننھا بے

اس رونے سے سارا راستہ خراب ہو گیا۔" مسٹر جمّا ثریّا کے بدن کو سہلاتے ہوئے بولے " دیکھو میں سب ٹھیک کر لوں گا۔" پھر اُنھوں نے مدکی صاحب سے کہا " مولانا شاہ نے ثریّا کے لئے ملکہ سے کتنی خوشامد کیں شہزادوں نے بھی بہتیرا کہا مگر ملکہ نے ایک نہ سُنی

" تو اب کیا ہوگا جمّا " ثریّا نے یکایک مسٹر جمّا کی بات کاٹتے ہوئے گھبرا کر پوچھا۔

"ہاں تو اس کے سوا اور کوئی صورت نہیں۔" مسٹر جمّا نے بگڑ کر ثریّا کو دیکھا اور پھر مدکی صاحب سے کہنے لگے

"ملکہ کا حکم ہے کہ ثریّا کی گردن صاف کر دی جائے تو کیوں نہ ہم لوگ ایک چال چلیں۔"

"یعنی؟" مدکی صاحب نے مسٹر جمّا سے پوچھا

"یعنی یہ کہ آپ ننھی بی کی گردن وغیرہ رومال سے صاف کر کے انھیں اس سُرنگ کے ذریعے محل سے نکال دیجئے اور میں اس درمیان میں گردن مروڑ کو بہلا پھسلا کر یہ کہنے پر راضی کر لوں گا کہ اگر ملکہ ثریّا بی کے بارے میں اس سے پوچھیں کہ اس کی گردن صاف کر دی گئی تو وہ کہہ دے کہ جی ہاں ثریّا کی گردن صاف کر دی گئی۔ اس طریقے سے ملکہ کی بات بھی نہ جائے گی اور ثریّا بھی مزے میں بچ جائیں گی۔"

"ہوا..... ہوا..... ہو ہو ہو" مدکی صاحب مسٹر جمّا کی اس ترکیب پر مارے خوشی کے اچھل پڑے اور بولے " یار جمّا تم کو بھی کیا دور کی سوجھتی ہے میں جھوٹ کہتا ہوں کہ انسانوں کے ساتھ رہتے رہتے تمھیں بہت عقل آگئی ہے۔ واہ..... واہ کیا چال سوچی ہے تم نے!"

"خیر ان باتوں کو چھوڑئیے" مسٹر جمّا نے کہا۔ "دیکھئے تھوڑی دیر میں گردن مروڑ آتا ہی ہوگا میں اب ذرا اس کو پھسلاتا ہوں۔ لالچی تو بُرا ہے کم بخت بس صرف ایک رس گلّے میں قابو میں آجائے گا۔ آپ ننھی بی کو لے کر اس سُرنگ کے پاس روانہ ہو جائیے" پھر ثریّا کو دیکھتے ہوئے بولے " کیوں ننھی بی کیسی انوکھی تدبیر سوچی ہے۔ اب ذرا ہنس دو۔ ہاں ہاں ہنسو ہنسو"

مسٹر جمّا ثریّا کے پیٹ میں گدگدی کرنے لگے۔ ثریّا نے آنسوؤں کو پونچھ ڈالا اور مسکرا پڑی " اور راستے میں اگر کسی نے پکڑ لیا تو؟" اس نے جمّا سے پوچھا۔

"ہونہہ راستے میں پکڑ کر کوئی کر ہی کیا لے گا تم محل سے نکلتے ہی اس شربت کو پی لینا اور اپنے اصلی قد میں آجاؤ گی۔ پھر کوئی بھی تمھارے پاس آنے کی ہمت بھی نہ کرے گا۔" مسٹر جمّا نے ثریّا کے ہاتھ میں ایک شیشی دے کر کہا " لو ذرا اسے سنبھال کر رکھنا۔"

پھر مسٹر جمّا نے مدکی صاحب سے کہا " اچھا مولانا اب آپ ذرا جلدی سے ان کی گردن، مُنہ وغیرہ رومال سے خوب صاف کر دیجئے۔ میں گردن مروڑ

کے پاس جا رہا ہوں۔ مسٹر جا ہنستے ہوئے اور ثریا کو دیکھتے ہوئے جادوگھر سے باہر چلے گئے۔ پھر مدکی صاحب نے اپنی جیب سے ایک ننھا سا رومال نکالا اور ملکہ کے کہنے کے مطابق ثریا کی گردن کو صاف کر دیا اور اس کو اپنے ساتھ لئے کمرے سے باہر جلنے لگے۔

ثریا کے ہاتھ میں شیشی آتے ہی اُسے اتنی خوشی ہوئی کہ بیان سے باہر۔ وہ شیشی کے عرق کو دیکھنے لگی ......کیوں نہ میں ابھی فوراً ہی اس شربت کو پی ڈالوں اور ملکہ کا سارا غصہ نکال دوں .... یکایک اس کے دل میں یہ خیال آیا اور ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"مگر پھر بے چارے جتا کا کیا ہوگا" اس نے سوچا اس کا کوئی کر ہی کیا سکتا ہے۔ جب میں بہت بڑی ہو جاؤں گی تو کس کی اتنی مجال ہے کہ اس پر ہاتھ اُٹھائے شیشی کے ہلنے سے نیلے رنگ کا شربت ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ اُچھل اُچھل کر ثریا سے کہہ رہا ہو..... "ثریا! مجھ کو پی لو۔ سب پی لو۔ خوب اچھی طرح پی لو۔ پھر تم بہت بڑی ہو جاؤ گی، اتنی بڑی کہ محل کی چھت سے جا لگو گی۔ یہاں کے سب لوگ تم سے ڈر جائیں گے۔ وہ ڈر کے مارے بھاگنے لگیں گے۔ سپاہی، گردن مروڑ شہزادے، شاہ اور ملکہ سب لوگ تمھیں دیکھ کر کانپنے لگیں گے۔ ملکہ، ظالم ملکہ تم نے اس کا کیا بگاڑا تھا جو اس نے تمھاری گردن صاف کرنے کا حکم دیا، تم نے اس کی کتنی معافی مانگی، لیکن اس نے ایک نہ سُنی .... مگر اب؟.... اب ذرا اس کا سارا غصہ اتار دو...... مجھے پی لو..... پی لو..... پی لو" شربت بہت جلد جلد ہلنے لگا گویا حلق میں جانے کو بے قرار ہو..... ثریا چلتے چلتے ایک دم رُک گئی۔ اسکی سانس بہت تیزی سے چلنے لگا اور اس کا چہرا چمک اُٹھا۔

"مدکی صاحب ذرا ٹھہرئے" وہ یکایک بولی۔ مدکی صاحب نے مُنہ پھیر کر ثریا کو دیکھا...." ہیں.... ہیں .... یہ کیا کر رہی ہیں آپ؟" وہ حیرت سے بولے اور چاہا کہ جلدی سے شیشی کو اس کے ہونٹوں سے الگ کر دیں۔ مگر شیشی کا بہت سا عرق ثریا کے حلق سے پار ہو چکا تھا۔ اور اب؟.... ثریا بڑھنے لگی.... ایک انچ، دو انچ، تین چار اور پانچ.....!! پھر یہ کچھ دیر میں چھت سے لگ گئی"..... یہ آپ نے کیا کر لیا؟" مدکی صاحب کی مہین سی آواز اُس کے کان میں آئی۔

"میں ملکہ کے پاس جا رہی ہوں مدکی صاحب" وہ نیچے دیکھتے ہوئے بولی۔ اس کی آواز اتنی زور کی تھی جیسے بادل گرجا ہو۔ میں ملکہ سے ملنے جاؤں گی، ملکہ سے؛" پھر وہ واپس ہال میں جانے لگی۔ اپنے لانبے قد کی وجہ سے وہ بہت جُھک جُھک کر چل رہی تھی فاصلہ ہی کتنا تھا۔ صرف چار، پانچ قدموں میں ہال میں داخل ہو گئی۔ جب اس کے بھاری بھاری پیر زمین

پر پڑتے تو بجلی کی کڑک جیسی آواز ہوتی اور سارا محل ہلنے لگتا۔ ہال میں داخل ہوتے ہی محل بھر میں بہت شور مچ گیا۔ باریک باریک آوازوں سے تمام ہال گونجنے لگا ثریا نے اپنی بڑی بڑی آنکھوں سے نیچے کے تخت کو تاکا شہزادے شاہ اور ملکہ سب لوگ ڈر کے مارے کانپ رہے تھے۔ ثریا نے جلدی سے ملکہ کو اپنے لانبے چوڑے ہاتھ میں اٹھا لیا ... اس کے ہاتھوں میں ملکہ ایک ننھی سی گڑیا معلوم ہو رہی تھی.... "ملکہ" ثریا گرج کر بولی اور ملکہ لرز گئی۔

"چھوڑ دو، مجھے چھوڑ دو، اچھی لڑکی مجھے چھوڑ دو.... میں معافی مانگتی ہوں، مجھے چھوڑ دو، ملکہ روتی ہوئی ثریا سے بولی۔ ثریا کا سانس بہت تیز چل رہا تھا۔ وہ ملکہ کو دیکھتے ہوئے بولی "چھوڑ دُوں .... مجھے چھوڑ دو.... بڑی آئیں بے چاری رونے والی.... چھوڑ دو .... ہونہہ .... جب میں نے رو رو کر تم سے کہا تھا تم کو کیا ہوا تھا؟ بڑی غصہ والی بنی ہیں.... ہونہہ .... ناک پر غصہ رہتا ہے .... اس کی گردن صاف کر دو .... آئیں کہیں کی ملکہ! ...." ثریا غصے میں بکنے لگی۔ پھر اس نے ملکہ کی گردن کو اپنے دونوں انگوٹھوں اور دو انگلیوں کے درمیان پکڑ کر اوپر اٹھا لیا اور اس کو زور سے دبانے لگی۔ ملکہ کی چیخوں کی ہلکی ہلکی آوازیں آ رہی تھیں۔ ثریا نے پھر ایک بار خوب زور سے ملکہ کی گردن کو دبایا۔ ملکہ کو ایک ہچکی آئی اور .... ؟

اور ثریا کی آنکھ کھل گئی۔ بلقیس آپا ہنستی ہوئی اس کو جگا رہی تھیں اور یہ لیٹے لیٹے جما کر دونوں ہاتھوں سے پکڑے اٹھائے تھی۔ صبح ہو چکی تھی۔ رات کی دودھ جیسی چاندنی سورج کی روپہلی روشنی میں بدل گئی تھی۔ ثریا کا طوطا خوب زور زور سے اس کو پکار رہا تھا ... ثریا ثریا اٹھو۔ صبح ہو گئی۔ چائے پینے چلو، اٹھو" (ختم)

# پیٹو لڑکا

عبدالواسع چکنگوری

انگلستان میں ایک جگہ ہے سالسبری۔ یہاں اوسط درجے کے گھرانے میں ایک لڑکا پیدا ہوا ہیری فیلکٹ۔ یہ ملکہ وکٹوریہ کی حکومت کا زمانہ تھا۔

ہیری فیلکٹ کو شروع شروع میں پڑھنے لکھنے کا شوق نہ تھا۔ ہاں کھانے کھیلنے سے زیادہ رغبت تھی اُسے ڈیمس اسکول میں داخل کیا گیا۔ مگر وہاں اُس کا دل نہ لگتا تھا۔ اکثر اسکول سے بھاگ بھاگ آتا تھا۔ اُستاد بھی خوش نہ تھے اور اُسے کند ذہن اور کندۂ ناتراش کہا کرتے تھے۔ اس کے درجے کے لڑکوں نے تو اُسے پاگل کا خطاب دے رکھا تھا۔ پیٹو ایسا کہ خوب ڈٹ ڈٹ کر کھاتا پھر بھی بھوک کی شکایت رہتی۔

ہیری کے ماں باپ اپنے کام کے سلسلے میں سالسبری سے کہیں دور جانے لگے تو اُسے اسکول کے ہوسٹل میں داخل کر گئے۔ بھوک کی شکایت اُسے یہاں بھی اسی طرح تھی مگر ہوسٹل میں رہ کر اس کی عادتیں بدلنے لگیں۔ اب وہ پڑھنے لکھنے میں بھی ترقی کرنے لگا تندرستی بھی بہت اچھی ہوگئی اپنے پورے درجے میں سب سے قوی اور تندرست لڑکا وہی تھا۔ چودہ سال کی عمر میں وہ کوئن کالج میں داخل ہوا۔ یہاں اُس نے پڑھائی میں اور بھی محنت کی۔ وہ تقریر بھی بہت اچھی کرنے لگا۔ غرض کالج بھر میں وہ مستعد محنتی اور شوقین طالب علم مشہور ہوگیا۔

ہیری کی آرزو تھی کہ پڑھ لکھ کر پارلیمنٹ کا ممبر بنے اور اپنے ملک کے غریبوں کی خوب خدمت کرے اس زمانے میں انگلستان کے غریبوں کا حال بہت قابل رحم تھا۔ مزدوروں پر بہت ظلم کیا جاتا تھا اور کسان لگان کے بوجھ سے دبے ہوئے تھے۔ ہیری کے دل پر اس ظلم اور جبر کا بہت اثر تھا اور اسی ظلم کو دور کرنے کے لئے وہ پارلیمنٹ کا ممبر بننا چاہتا تھا۔

تعلیم کے زمانے میں غالباً زیادہ محنت کی وجہ سے اس کی آنکھوں میں درد ہونے لگا۔ یہ درد ایسا بڑھا کہ پڑھنا لکھنا چھوٹ گیا۔ آخر دوا و علاج سے یہ شکایت دور ہوگئی لیکن بدقسمتی نے ابھی اس کا پیچھا نہ چھوڑا ایک دن سالسبری میں وہ اپنے باپ کے ساتھ

شکار کو گیا۔ جنگل میں لمبی لمبی گھاس بہت تھی۔ باپ آگے بڑھ گیا۔ پاس ہی اُسے کچھ پرند نظر آئے۔ اور اُس نے نشانہ لگایا۔ ہیری بھی نشانے کی زد میں تھا مگر لمبی گھاس میں نظر نہ آتا تھا۔ یہ نشانہ چڑیوں کے تو لگا نہیں ہاں بے چارا ہیری ان کا شکار ہوگیا۔ اور کارتوس کی چھوٹی چھوٹی گولیاں اس کی آنکھوں میں گھس گئیں ہیری کے لیے دُنیا تاریک ہوگئی تمام آرزوئیں خاک میں ملتی نظر آرہی تھیں۔ جیسے تیسے آنکھوں کے زخم تو ڈاکٹروں نے اچھے کردئے مگر اُن کی روشنی ہمیشہ کے لیے رخصت ہوگئی۔ ہیری نہ اب لکھ سکتا تھا نہ پڑھ سکتا تھا۔ باوجود اس کے ہیری نہ تو دل برداشتہ ہوا نہ اس نے ہمت ہاری۔ دوست احباب اُسے ہمدردی کے خط لکھتے تھے تو اُنھیں وہ برابر یہی جواب دیتا تھا کہ میں اندھا نہیں ہوں۔ ابھی دنیا میں کام کرنے کے قابل ہوں اور یہ تھی بھی سچی بات۔

اس کا حافظہ بہت اچھا تھا لوگوں کو اُن کی آواز سے پہچان لیتا تھا۔ بعض ایسے لوگوں کو بھی وہ محض آواز سے پہچان لیتا تھا جن سے ملے ہوئے مدت گذر چکی تھی۔

وہ محض اپنی قابلیت کے بل پر باوجود اندھا ہونے کے پارلیمنٹ میں جانا چاہتا تھا۔ لوگ اسی عیب کی وجہ سے اُسے پارلیمنٹ کا ممبر بنانے سے جھجکتے تھے آخر ۳۲ سال کی عُمر میں اس کی یہ دلی آرزو پوری ہوئی۔

پارلیمنٹ میں اُس کی پہلی تقریر تو ذرا یونہی رہی مگر رفتہ رفتہ وہ ایسی زوردار تقریر کرنے لگا کہ لوگوں کے دل ہل جاتے تھے۔ اس کا لہجہ ایسا صاف اور اُس کی دلیلیں اس قدر ٹھیک اور منصفانہ ہوتی تھیں کہ مخالف گروہ سے ان کا جواب نہ بن پڑتا۔ وہ جب تک پارلیمنٹ میں رہا غریبوں کی طرف سے لڑتا رہا۔ اُسے ہندوستان سے بھی بہت ہمدردی تھی جب کبھی پارلیمنٹ میں ہندوستان کا مسئلہ چھڑتا تو وہ اتنی زور سے ہندوستانیوں کا ساتھ دیتا کہ لوگ حیران رہ جاتے۔ یہاں تک کہ پارلیمنٹ کے بعض ممبر اُسے ہندوستانی ممبر کہنے لگے۔

۱۸۸۰ء میں ہیری پوسٹ ماسٹر جنرل بنایا گیا۔ اس وقت یہ عہدہ بہت اہم سمجھا جاتا تھا۔ اس محکمے میں نوے ہزار آدمی کام کرتے تھے۔ محکمے میں بہت سی خرابیاں تھیں۔ ہیری نے کام ہاتھ میں لیتے ہی ان سب خرابیوں کو دور کیا۔ پرانے قانون کی جگہ نئے قانون جاری کئے۔ عام لوگوں کی سہولت کا ہر ہر بات میں خیال رکھا۔ اس طرح ڈاک خانے کا کام پہلے سے کہیں زیادہ بہتر طریقے پر چلنے لگا۔

ستمبر ۱۸۸۴ء میں اُسے ٹائیفائڈ (موتی جھرا) بخار ہوگیا۔ بیماری کی خبر ہر جگہ پھیل گئی۔ لوگ اخباروں سے اس کی تندرستی کا حال پوچھتے تھے۔ خود ملکہ وکٹوریہ اُس کا حال پوچھنے کے لئے کئی کئی بار تار بھیجتی تھیں آخر

خدا خدا کرکے اس بیماری سے اُسے نجات ملی۔

اچھا ہوتے ہی وہ پھر اپنے کام میں لگ گیا۔ اسی محنت اور مستعدی کے ساتھ۔ اس کی ان خدمتوں کی وجہ سے انگلستان کے کیا غریب کیا امیر سبھی دل سے عزت کرتے تھے۔ آکسفورڈ اور گلاسگو کی یونیورسٹیوں نے تو اُسے کئی اعزازی ڈگریاں دیں۔ ٹھیک ایک سال بعد سنہ۱۸۵۳ء میں وہ پھر بیمار پڑا۔ یہ بیماری جان لیوا ثابت ہوئی۔ تعزیت کے بے شمار خط اُس کی بیوہ کے پاس آئے۔ ملکہ وکٹوریہ نے بھی ایک بہت ہی درد بھرا خط لکھا۔ اس ملنے کے مشہور وزیر اعظم گلیڈسٹون کہتا ہے کسی کی موت کی یاد انگلستان والوں کے دل میں اتنی تازہ نہ ہوگی جتنی ہیری کی۔ ہیری نے لوگوں کے دلوں میں جگہ پیدا کرلی تھی اگر ہیری کی آنکھیں نہ جاتی رہتیں تو وہ دُنیا کا سب سے بڑا آدمی ہوتا۔



# پیام رسانی

محمد عبدالحسیب

لڑائی کے زمانے میں ایک جگہ سے دوسری جگہ پیام پہنچانے کا کام بہت اہمیت رکھتا ہے۔ لڑائی کی فوجوں کا تعلق صدر دفتر سے ہوتا ہے یا خود فوجیں ایک دوسرے سے دور پڑی ہوتی ہیں۔ ان فوجوں کو امداد۔ پیش قدمی یا واپسی کے سلسلے میں صدر دفتر کی ہدایتوں کی ضرورت ہوتی ہے یا اپنی فوجوں میں آپس میں ایک دوسرے کو پیام بھیجنا ہوتے ہیں۔

پہلے یہ کام دو جھنڈیوں، لالٹینوں اور دھوپ آئینے سے لیتے تھے۔ کبوتروں سے تو اب تک یہ کام لیا جاتا تھا۔ خط وغیرہ ایک چھوٹی سی المونیم کی ڈبیا میں بند کرکے کبوتر کے پیر سے باندھ دیا جاتا تھا اور کبوتر اُسے مقررہ جگہ پر پہنچا دیتا تھا۔ مگر پیام کہیں دور یا جلد بھیجنا ہوتا تھا تو دقت ہوتی تھی۔ اِس دقت کو تار برقی نے بڑی حد تک دور کر دیا۔ اس کام کے لئے فوج کا ایک دستہ متعین کر دیا جاتا ہے۔ تار بھیجنے کے لئے ایسے اشارات مقرر کرلئے جاتے ہیں جنھیں دشمن نہ سمجھ سکے۔ اگر لڑائی کے میدان میں کہیں ٹیلیفون کے تار موجود ہیں تو اُن کے ذریعے تار بھیجنے کا کام لیا جا سکتا ہے۔ ٹیلیفون والوں کو اس کا پتہ بھی نہیں چل سکتا۔

پھر ٹیلیفون کی ایجاد نے پیام رسانی میں اور بھی سہولت پیدا کردی ہے تار برقی میں تو یہ ہے کہ جب آدمی اسے سیکھے تبھی کام کرسکتا ہے۔ اور ٹیلیفون جاہل سے جاہل سپاہی بھی کرسکتا ہے

مگر تار اور ٹیلیفون کے لئے بہت کچھ ساز وسامان کی ضرورت ہوتی ہے، ہزاروں، لاکھوں گز تو تار ہی تار ہوتا ہے۔ اِن سب دقتوں کو دور کرنے کے لئے مارکونی نے بے تار کی تار برقی یا ریڈیو ایجاد کر دیا۔ آج کل لڑائی کے ہتھیاروں میں حیرت انگیز ترقی ہو رہی ہے۔ نئی نئی چیزیں، نئے نئے، ٹینک اور ہوائی جہاز ایجاد ہوتے ہیں۔ اب لڑائی کا میدان ہزار ہزار میل لمبا ہوتا ہے ایسی صورت میں ریڈیو کی طرح ایک ایسی ہی ایجاد کی ضرورت تھی جو دم کے دم میں خبریں اِدھر سے اُدھر پہنچا دے اور کم سے کم ساز و سامان کی ضرورت [illegible] پانی کا جہاز ہو یا ہوائی جہاز تار [illegible]

سب میں ریڈیو کا آلہ لگا ہوتا ہے جس سے خبریں وصول کرتے ہیں یا دوسری جگہ بھیجتے ہیں اور اب تو یہاں تک ہوگیا ہے کہ موٹروں اور موٹر سائیکلوں کے علاوہ پیراشوٹ سپاہیوں کے پاس دوسرے سامان کے ساتھ یہ آلہ بھی ضرور ہوتا ہے ۔

# اچھا لڑکا

شہزادہ پرویز چشتی

ایک تھا لڑکا چھوٹا سا
پتلا سا اور موٹا سا
آنکھیں اس کی موٹی سی
موٹی لیکن چھوٹی سی
اس کی ناک پکوڑی سی
یعنی چوڑی چوڑی سی
صبح سویرے اٹھتا تھا
پہلے سیر کو جاتا تھا
ناشتہ آکر کرتا تھا
پھر وہ بیٹھ کے پڑھتا تھا
کرکے سبق وہ اپنا یاد
جاتا تھا مکتب کو شاد
اس کو جب کہتے استاد
سبق کیا ہے تو نے یاد
سبق سنا دیتا فر فر
جیسے چلتی ہے موٹر
وقت جو چھٹی کا ہوتا
آتا وہ گھر کو سیدھا
اک گھنٹہ کرتا آرام
کرتا پھر مکتب کا کام
اس کا ہے ریحانی نام
کرتا ہے جو اچھے کام

# بھوک

ایڈیٹر کا پڑوسی

یہ کانپور اسٹیشن ہے۔ پلیٹ فارم پر مسافروں کے ٹھٹ کے ٹھٹ دہلی میل کے منتظر ہیں۔ کچھ لوگ بنچوں پر اور کچھ لوگ اپنے اسباب پر بیٹھے ہیں۔ ہر مسافر کے پاس ایک یا دو قلی کھڑے ہیں۔ ایک طرف انٹر کلاس کے ویٹنگ روم کے سامنے بنچ پر ایک بنگالی بابو اپنی پوٹلی اور ٹوکری سمیٹے بیٹھے ہیں۔ بنگالی بار بار مسافروں پر ایک ایک کرکے نظر ڈالتا ہے۔ شاید اللہ میں کوئی اونچا کرتا اور ایک خاص انداز کی دھوتی کے نیچے انڈرویر پہنے (یہ بنگالیوں کا خاص لباس ہے) نظر آئے تاکہ اُس سے دو دو باتیں کرسکے۔ مگر آنکھیں نا اُمید ہوکر ٹوکری کی طرف لوٹتی ہیں جسے وہ ذرا قریب سرکا لیتا ہے۔

دہلی میل کے انجن کی سیٹی نے دفعتہً مسافروں میں حرکت پیدا کی اور دیکھتے دیکھتے سارا اسباب جو ایک منٹ پہلے فرش پر بکھرا تھا۔ انسانی سروں پر پہنچ گیا بنگالی بابو نے بھی اپنی پوٹلی بغل میں دابی اور ٹوکری کو ہاتھ میں لٹکا کر سنبھل کھڑے ہوئے۔ اتنے میں دہلی میل پلیٹ فارم پر آگیا اور مسافروں کی دوڑ دھوپ، خوانچہ والوں کی پکار اور قلیوں کی چیخوں نے قیامت کا منظر آنکھوں کے سامنے کردیا۔ ...... اس دھکاپیل میں بابو اپنی پوٹلی اور ٹوکری سنبھالے انٹر کلاس کی طرف اُڑتے چلے جارہے تھے۔ اُن کے ملتے کے بل اُس وقت تک نہیں گئے جب تک اُنھوں نے انٹر کلاس کی ایک پوری سیٹ پر قبضہ نہ جما لیا۔

انٹر کلاس میں کل چار مسافر تھے۔ بنگالی بابو کے مقابل کی سیٹ پر ایک نہایت قوی الجثہ لحیم شحیم پنجابی ۱۰ گز کی شلوار پہنے سورہا تھا۔ مسافروں کے شور وغل سے اُس کی آنکھ کُھل گئی۔ وہ سنبھل کر سیٹ پر بیٹھ گیا اور اپنی ڈراؤنی شکل کو ایک بہت ہی ذرلی بالوں دار ٹوپی سر پر رکھ کر اور ڈراؤنا بنا لیا۔ پنجابی نے بے تابانہ طور سے کسی چیز کی تلاش میں کھڑکی کے باہر جھانکنا شروع کیا اتنے میں گاڑی چل دی۔

ابھی گاڑی کان پور کے اسٹیشن سے نکلی ہی تھی کہ بنگالی نے جلدی سے ٹوکری کے اندر سے دو ڈبے نکالے چھوٹا ڈبہ رس گلوں سے بھرا تھا اور بڑے میں نمکے کے

علاوہ زیادہ حصہ مچھلی کا تھا۔ اس عرصے میں جبکہ بنگالی کھانے کا سامان کر رہا تھا پنجابی کنکھیوں سے اس کو برابر دیکھتا رہا۔ مچھلی کا ڈبہ کھلتے ہی خوشبو کا ایک ایسا لطیف بھپکا نکلا کہ پنجابی کے مُنہ میں پانی آہی گیا۔ وہ سوچنے لگا کہ مچھلی تو بڑی اچھی چیز ہوتی ہے۔ دیکھتے دیکھتے مچھلی کی مقدار ڈبے میں سے کم ہوتی گئی۔ پنجابی کا (جو شاید کافی دیر سے بھوکا تھا) پیمانہ صبر لبریز ہوگیا اور اس نے یہ کہہ کر مہرِ سکوت توڑا "کیوں بابو! سُنا ہے مچھلی دماغ کے لئے بہت اچھی غذا ہے، شاید اسی وجہ سے بنگالیوں کا دماغ بہت تیز ہوتا ہے"۔

بنگالی۔ "ہاں ہم بھی سُنتا ہے کہ مچھلی کوپڑی (دماغ) کو بہت زور دیتا ہے"۔

پنجابی۔ "اگر آپ اس وقت بیچیں تو میں مچھلی کے دو قتلوں کے دو آنے دوں۔ بڑی بھوک لگی ہے سکا نپور پر بھی کچھ نہ خرید سکا"۔

بنگالی۔ "نہ بابو ہم مچھلی بیچتا نہیں ہے، ہم آپ کھاتا ہے"۔

اس وقت پنجابی کا بھوک کی شدت سے بُرا حال تھا اس کو کھانا کھائے کافی دیر ہوچکی تھی۔ التجا کے انداز میں اس نے کہا "اچھا، میں تمھیں دو قتلوں کے چار آنے دوں گا"۔

بنگالی۔ "ہم چار آنے میں بھی دینا نہیں مانگتا ہے"۔

پنجابی کو بڑا تاؤ آیا۔ جی میں آیا کہ اس کالے پستہ قد آدمی کو توڑ مروڑ کر باہر پھینک دے۔ پھر کچھ سوچ کر جیب سے اٹھنی نکالی اور کہا "اچھا لو آٹھ آنے"۔

بنگالی نے چمکتی ہوئی چاندی پر دو پوروں کی مضبوط گرفت کی اور کاغذ پر مچھلی کے دو قتلے رکھ کر پنجابی کے حوالے کئے۔

پنجابی نے مزے مزے لے کر قتلوں کو چٹ کرنا شروع کیا۔ ابھی مچھلی کا آدھے سے کچھ کم قتلا باقی تھا کہ پنجابی نے ایک خاص انداز سے بنگالی کی طرف دیکھا اور کہا "بنگالی بابو، تم نے دو قتلوں کے آٹھ آنے مجھ سے بہت زیادہ لے لئے"۔

بنگالی کے چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ کی لہر دوڑ گئی اور اس نے جلدی سے جواب دیا "دیکھو دیکھو بابو! تم تو بہت عقلمند ہوگیا۔ مچھلی نے تمھاری کوپڑی (دماغ) کو زور دیا"۔

# خیال رکھئے

جن لوگوں کا چندہ دسمبر میں ختم ہوگیا ہے وہ زیادہ سے زیادہ اپنا چندہ ۲۰ دسمبر تک ضرور بھیج دیں۔

جو خریدار یہ چاہتے ہیں کہ سالنامہ محفوظ طریقے پر اُن تک پہنچ جائے وہ ۱۰ کے ٹکٹ پہلے ہی سے بھیج دیں تاکہ رسالہ انھیں رجسٹری کے ذریعے سے بھیجا جائے سالنامہ حسبِ معمول بھیجا جائے گا۔ سالنامے کا وی، پی، وصول نہ کرنے والے حضرات اگر اپنے فیصلے سے دفتر کو پہلے ہی مطلع کر دیں تو بہتر ہے۔

# ایک معلّم کی زندگی

عبدالغفار صاحب مدہولی

(۷)

دس منٹ کے وقفے کے بعد لڑکوں نے کھیلنا شروع کیا۔ اساتذہ فیلڈنگ کے لئے میدان میں جم کر کھڑے ہوگئے۔ لڑکوں کی طرف سے پہلے ابوبکر اور عبدالشکور کھیلنے کے لئے آئے۔ لڑکوں اور استادوں نے تالیوں سے ان کا استقبال کیا۔ یہ دونوں بہت اچھے کھلاڑی ہیں۔ ان کا کھیل بہت اطمینان کا ہوتا ہے اور دلچسپ بھی ہیں۔ خاص کر ابوبکر کے کھیل میں ایک شان ہے۔ یہ رن بھی کافی بناتے ہیں۔

پہلے ابوبکر نے کھیلنا شروع کیا۔ پہلی گیند تو آزمانے کی خاطر روکی۔ دوسری پر ایک رن بنایا۔ اب عبدالشکور بالر کے سامنے ہیں انھوں نے پہلی گیند پر جوا لگایا اور دوسری پر تین رن بنا کر ابوبکر کی جگہ لے لی۔

مخالف بالر اُن کو جمنے کا موقع نہیں دینا چاہتے لیکن یہ جوڑا بھی کم چالاک نہیں ہے۔ اطمینان اور سکون کے ساتھ کھیل رہے ہیں۔ مارنے والی گیند کو مارتے ہیں اور روکنے والی کو روکتے ہیں۔ ابوبکر نے ایک اور جوا لگایا۔ استادوں نے اپنی فیلڈنگ بڑھالی۔ باؤنڈری پر ان لوگوں کو رکھا ہے جو تیز دوڑ سکتے ہیں لیکن یہ سارا اہتمام بے کار ثابت ہو رہا ہے۔ ابوبکر کا صحیح کھیل ان لوگوں کو کیچ کا موقع نہیں دے گا۔ آج اُن کا ہاتھ جم گیا ہے۔ ان کا دوسرا ساتھی بھی کچھ پیچھے نہیں ہے۔ اساتذہ کو اطمینان سے کھڑے رہنے کا موقع نہیں ملتا ہے۔ بال کے پیچھے دوڑتے دوڑتے تھکے جا رہے ہیں۔ اُستادوں کے کپتان نصیر احمد صاحب جلد جلد بالر بدل رہے ہیں۔

گیند احمد علی صاحب کے ہاتھ میں ہے بہت اچھی گیند پھینکتے ہیں۔ ان کی گیندیں بریک (Break) ہوا کرتی ہیں۔ وہ لیجیے عبدالشکور آؤٹ ہوگئے۔ اُنھوں نے ایک ہلکی گیند پر ہٹ مارنے کی کوشش کی گیند بلے کے کنارے لگ کر سیدھی وکٹ میں

گھس گئی۔ اُستادوں کی تعداد ہی کتنی ہے ذرا سی دیر میں تالیاں ختم ہوگئیں۔

دُوسرے کھلاڑی خلیل خاں ہیں یہ اچھے کھلاڑی ہیں۔ سنبھل کر کھیلتے ہیں۔ گھبرانے کا نام نہیں لیتے جیوں ہی یہ میدان میں داخل ہوئے بعض اُستادوں نے مجھ سے چپکے سے وقت پُوچھا۔ میں نے کہا اُن کے آؤٹ ہونے کے بعد بتلاؤں گا۔ خلیل خاں نے پہلی ہی گیند پر اوور باؤنڈری یعنی چھکا لگایا اس چھکے سے لڑکے اتنے خوش ہوئے کہ دیر تک کچھ بولتے رہے

ابُوبکر اب پھر کھیل رہے ہیں۔ دو رن بنائے اب تک یہ پانچ رن بنا چکے ہیں۔ اُستاد چاہتے ہیں کہ یہ کسی طرح آؤٹ ہوجائیں تاکہ کم زور کھلاڑیوں کو چھیڑنے کا موقع ملے۔

خلیل خاں بھی آج ہاتھ کی صفائی دکھانا چاہتے ہیں۔ برکت صاحب کی گیندیں ذرا مہذب قسم کی ہوتی ہیں۔ خلیل خاں ان کی خبر لے رہے ہیں۔ اس جمتے ہوئے کھیل کو دیکھ کر بعض اُستادوں نے مجھ سے کہا "تُمھارے وقت کا سب لوگ اعتبار کرتے ہیں اعلان کردو کہ وقت ختم ہوگیا ہے" میں نے کہا "لڑکے مجھے بے ایمان کہیں گے۔" اتنے میں ایک اَور چوّے کا شور سُنائی دیا۔ کھیل ساڑھے بارہ بجے ختم ہونے والا تھا۔ ابھی پندرہ منٹ باقی تھے۔ میں نے زور سے کہنا شروع کیا (ساتھی سمجھے کہ بے ایمانی سے وقت ختم ہونے کا اعلان کر رہا ہے) "حضرات ساڑھے بارہ میں صرف پندرہ منٹ باقی ہیں۔ وقت ختم ہونے کی گھنٹی بجتے ہی کھیل ختم ہوجائے گا۔"

اُستادوں اَور لڑکوں کے رنوں میں صرف ۱۰ کا فرق ہے۔ ابُوبکر اَور خلیل خاں اِس فکر میں ہیں کہ وقت سے پہلے پندرہ سے زیادہ رن بن جائیں۔ اُستاد چاہتے ہیں کہ گنتی بڑھنے نہ پائے تاکہ بغیر کسی فیصلے کے کھیل ختم ہوجائے۔ لڑکے اپنی جگہ خوش ہیں۔ اب گھڑی پر نگاہ ہے۔ غرض اس اعلان کے بعد ایک نئی جدوجہد کا کھیل شرُوع ہوا۔

وہ لیجئے ابُوبکر نے "چوّا" لگایا۔ کوئی لڑکا ہے جس نے تالی بجانے میں حصّہ نہ لیا ہو۔ خونچے والوں کے ہاں بھی اب کوئی نظر نہیں آتا ہے۔ تمام لوگ اِس آخری کھیل کی طرف متوجہ ہیں۔ یہ برکت صاحب کے اوور کی آخری گیند تھی۔

اب احمد علی صاحب کے ہاتھ میں گیند ہے۔ یہ بہت سنبھل سنبھل کر بالنگ کر رہے ہیں۔ لیکن اب کی دفعہ ایک ایک رن کی دوڑیں ایسی ہونے لگیں کہ لڑکوں کو اَور شور کرنے کا موقع مِل گیا۔ تم جانو جن کھلاڑیوں کی پشت پر سینکڑوں لڑکے ہوں اُن کی ہمّت کیسے نہ بندھے۔ یہ شور تو بزدل سے بزدل کھلاڑی میں بھی جان ڈال دیتا ہے۔ تھوڑی دیر کے لئے خاموشی رہی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ لڑکے کسی بڑی خوشی کے

انتظار میں خاموش ہیں۔ لیجئے ایک بارگی شور ہوا ٹوپیاں ہوا میں نظر آنے لگیں۔ لڑکوں نے تالیوں کی گونج سے سارا میدان سر پر اُٹھا لیا ہے۔ اُچھل کود ہو رہی ہے۔ پھولے نہیں سماتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ اُستادوں کے رنوں سے دو رن بڑھ گئے ہیں اب میری نظر بھی ہر وقت کلائی پر ہے۔ گیند کو بلّے پر رُکنے کی ٹپ ٹپ آواز آرہی ہے۔ لیکن کھلاڑی اس فکر میں ہیں کہ آخری لمحوں میں چھکّے کا نہیں تو چوّے کا ہاتھ دکھا دیں۔ میں نے حسن خاں چپراسی سے کہا "تیار۔۔۔۔ چلو" ٹن ٹن گھنٹی بجنے لگی۔ پھر وہی پہلا سا ہنگامہ +

# حسابی چٹکلا

مؤنا ، بھوپال

مدت کی بات ہے کہ دو مسافر روزگار کی تلاش میں پردیس کے لئے اپنے اپنے گھروں سے روانہ ہوئے۔ ایک مسافر کے پاس دو روٹیاں تھیں اور دوسرے کے پاس تین۔

چلتے چلتے ایک پڑاؤ کیا ، وہاں ایک مسافر پہلے سے موجود تھا۔ اُس کے پاس کھانے کا کوئی سامان نہ تھا۔ جب یہ دونوں مسافر کھانا کھانے بیٹھے تو تیسرے مسافر نے اُن سے درخواست کی کہ مجھے بھی ساتھ کھلا لو۔ میں قیمت ادا کر دوں گا۔ دونوں نے یہ بات منظور کر لی اور سب کھانا کھانے لگے۔ جب کھانا ختم ہو گیا تو تیسرے مسافر نے پانچ پیسے اُن کو دئے اور کہا اپنا حصّہ بانٹ لو۔ یہ کہہ کر وہ تو اپنے راستے چلا گیا۔ جس مسافر کے پاس دو روٹیاں تھیں اس نے دو پیسے خود لئے اور تین پیسے تین روٹیوں والے مسافر کو دینے لگا۔ اس نے اعتراض کیا کہ مجھے کم دے رہے ہو۔ بات بڑھی دونوں میں جھگڑا ہونے لگا۔ آخر یہ طے پایا کہ انصاف کے لئے قاضی کے پاس چلو

دونوں قاضی کے پاس پہنچے اور قصہ بیان کیا۔ قاضی نے کہا۔ تین روٹی والا مسافر سچ کہتا ہے۔ اس کا اعتراض صحیح ہے۔ اچھا۔ اب تم سوچو قاضی نے کیا فیصلہ کیا ہوگا اگر سمجھ میں نہ آئے تو نیچے اس کا حل دیکھو اور اپنے ماسٹر صاحب سے اس کا حل سمجھو۔

---

قاضی صاحب نے فیصلہ کیا کہ دو روٹی والے مسافر کو ایک پیسہ ملے گا اور تین روٹی والے مسافر کو چار پیسے کیوں؟

# پنسل

ایس ام رضا منشی فاضل

پنسل ہماری روزمرہ کی ضرورت کی چیز ہے۔ عام طور پر لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ سرمے سے بنتی ہے۔ یہ خیال غلط ہے۔ یہ اصل میں ایک دھات سیاہ سیسے (باگر یفائٹ) سے بنائی جاتی ہے اور ہاں پہلے پنسل ایک دوسری چیز کا نام تھا۔ تصویر بنانے والے آرٹسٹ اور پینٹر جو برش استعمال کرتے تھے وہ پنسل کہلاتا تھا۔ بلکہ اونٹ کے بالوں والے برش اب بھی پنسل ہی کہلاتے ہیں۔

کہتے ہیں پنسل کوئی نئی ایجاد نہیں ہے۔ پندرھویں صدی عیسوی (آج سے کوئی چار سو برس پہلے) کے ایک شخص تھیوفلس کی ایک تحریر ملی ہے۔ اس میں لکیریں پنسل سے کھنچی ہوئی ہیں اصل میں کوئی سنہ ۱۵۶۴ء کی بات ہے کمبرلینڈ کے پاس سیاہ سیسے یا گریفائٹ کی کان نکلی تھی بس جبھی سے پنسلیں بننے لگیں۔ مگر یہ ایک ہی کان تو اس کام کے لئے کافی نہ تھی۔ اس لئے پنسلیں زیادہ نہیں بن سکتی تھیں۔ آخر بہت تلاش کے بعد زیمبری کے مقام پر ایک کان اور نکلی۔ اب پنسل بنانے کی تجارت میں خوب ترقی ہوئی۔ سنہ ۱۷۶۱ء میں اس کا بہت بڑا کارخانہ بھی قائم ہو گیا۔

سنہ ۱۷۹۵ء میں ایک شخص این جے کانٹے نے پنسل بنانے کا ایک نیا طریقہ ایجاد کیا یہ اتنا اچھا اور مفید ثابت ہوا کہ اب تک اسی طریقے سے پنسلیں بنائی جاتی ہیں۔ مگر ایک کمی اب بھی باقی تھی یہ پنسلیں مہنگی بہت ہوتی تھیں۔ ایک شخص بروکڈن نے ایسا طریقہ معلوم کیا کہ سیسے کے بے کار ذرے بھی کام آنے لگے۔

آج کل پنسلیں زیادہ تر کالے سیسے کی مٹی سے بنائی جاتی ہیں۔ بنانے کی ترکیب یہ ہے کہ پہلے سرمے کے سفوف کو مختلف حوضوں میں سے گذارتے ہیں اس طرح بھاری ذرے نیچے بیٹھ جاتے ہیں۔ جو مادہ باقی رہ جاتا ہے اس سے بڑھیا قسم کی پنسلیں بنائی جاتی ہیں مٹی کو اتنا صاف کیا جاتا ہے کہ اس میں لوہے اور ریت کا کوئی ذرہ باقی نہیں رہتا۔ پھر سیسے کے سرمے اور اس مٹی کو پانی میں حل کر کے لئی سی بنا لیتے ہیں۔ پھر ایک مشین میں ڈالتے ہیں اس سے یہ لئی سلاخوں کی

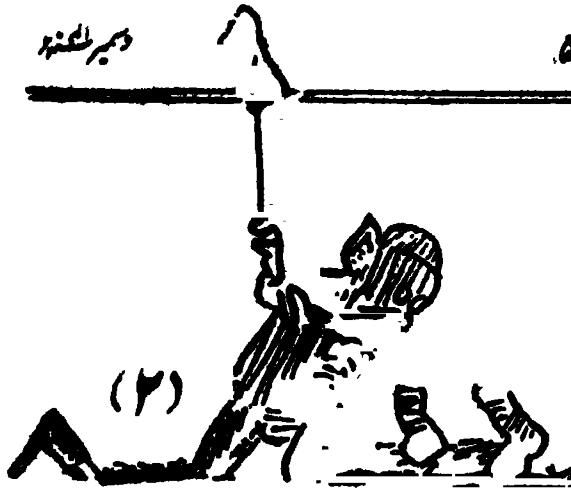
طرح چمک دار ہو جاتی ہے۔ بعد میں اسے شکنجے میں کس دیا جاتا ہے۔ اس سے یہ گندھے ہوئے آٹے کی طرح بن جاتی ہے۔ اب اسے ایک لمبے سلنڈر میں بھر دیتے ہیں اور ایک کھوکھلے سلنڈر یا بیلن میں سے گذارتے ہیں اور سرمے کی قلم یا لمبی گول سلائیاں تیار ہو جاتی ہیں وہی جس سے تم لکھتے یا لکیریں کھینچتے ہو۔

پنسلیں سخت اور نرم یا کچی اور پکی دونوں قسم کی ہوتی ہیں۔ پکی پنسل کے مسالے کو گرمی زیادہ پہنچائی جاتی ہے۔ کچی پنسل میں سرمہ زیادہ ہوتا ہے اور اس کے مسالے کو گرمی کم پہنچائی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کچی پنسل کا لکھا ہوا زیادہ روشن اور گہرا ہوتا ہے۔

اب سرمے کی یہ سلائیاں لکڑی کے خول میں رکھی جاتی ہیں۔ بڑھیا پنسلوں کے لئے دیودار کی اور معمولی پنسلوں کے لئے صنوبر یا چیڑ کی لکڑی استعمال کی جاتی ہے۔ لکڑی کا چھ پنسلوں کی چوڑائی کا تختہ مشین میں رکھ کر چھیلا جاتا ہے۔ اس سے تختے میں چھ چھ خول ہو جاتے ہیں۔ پھر ان کے کناروں پر سریش لگا کر خشک کر لیا جاتا ہے۔ اس کے بعد مشین سے کاٹ کر وارنش اور رنگ پھیرتے ہیں۔ پنسل کا نام اور ٹریڈ مارک بھی ساتھ ہی ساتھ چھاپ دیتے ہیں۔

رنگین پنسلیں چربی، مٹی، موم اور اسی قسم کی دوسری چیزیں ملا کر بناتے ہیں۔ کوپین پنسلیں مٹی اور تیل کے ایک خاص مرکب سے تیار ہوتی ہیں۔ ان کا لکھا ہوا مٹ نہیں سکتا بلکہ پانی ڈالنے سے اور روشن ہو جاتا ہے۔

پنسلیں زیادہ تر امریکہ، جرمنی اور انگلینڈ میں بنتی ہیں۔ جاپان نے بھی ان کی بدولت روپیہ کمایا ہے۔ کچھ دنوں سے ہندوستان میں بھی یہ کام ہونے لگا ہے ؎



# ظریف قاتل

(۲)

خاور جبلپوری

لیکن ظریف قاتل نے اپنے دونوں ہاتھ اونچے کرکے بدن پر لرزہ پیدا کرنے کے بعد بلند آواز سے کہا "ہشت" اور خواجہ سرا ایسا بدحواس ہوا کہ اپنے اوپر قیر ہوجانے کے خیال سے اُس کے دل کی حرکت بند ہوگئی۔ اسی سلسلے میں قاتل کی زندہ دلی کا ایک اور قصہ سُننے میں آیا۔

حاجی کاظم، شاہی مسخروں میں ایک مشہور و معروف مسخرہ تھا اس کی ظرافت کی سارے ایران میں دھوم مچی ہوئی تھی۔ وہ اپنے فن میں اتنا ماہر اور ہوشیار تھا کہ بڑے بڑے حاضر جواب اس کے آگے لاجواب ہوجایا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ دربارِ عام میں ایک بوڑھے امیر کو شیر جنگ بہادر کا خطاب ملا جس وقت امیر نے شاہی خلعت پہن کر بادشاہ سلامت کو ادب سے سلام عرض کیا تو بادشاہ نے حاجی کاظم کی طرف دیکھ کر کہا "حاجی ہم نے اس پرانے وفادار کو شیر جنگ بہادر بنا دیا ہے تم بھی مُبارک باد کہو" حاجی نے کھڑے ہو کر بادشاہ سلامت سے عرض کیا کہ واقعی جنابِ نے ان صاحب کے حسبِ حال خطاب عنایت فرمایا ہے کیونکہ یہ مجسّم شیر ہیں صرف اتنا فرق ضرور ہے کہ شیر اپنی دُم ہلایا کرتا ہے اور ان کا سر ہلتا رہتا ہے۔"

یہ سُن کر سارا دربار قہقہوں سے گونج گیا اور بادشاہ کو بھی خوب ہنسی آئی۔

ایک روز حاجی کاظم نے مظفر الدین شاہ سے مرزا رضا کے پاس جا کر اپنی ظرافت سے رام کرنے کے بعد اصلیت معلوم کرنے کی اجازت لی۔ اور قاتل کے پاس پہنچ کر اس کی بلائیں لینے کے بعد بولا۔

"میں قربان جاؤں سچ سچ بتا تو نے بادشاہ کو کیوں مارا؟"

مرزا جھنجھلا کر کہنے لگا "اس وقت مجھے نہ ستاؤ میں ایک وفادار دوست کی یاد میں بیتاب ہوں اور کسی سے بات کرنے کو جی نہیں چاہتا۔"

حاجی نے کہا "میرے دوست یہ ناچیز حاضر

ہے آپ مجھے اپنا سچا دوست سمجھ کر شوق سے باتیں کریں۔

مرزا:۔ نہیں جی تم میرے کس کام آسکتے ہو۔

حاجی:۔ آخر کچھ کہو تو سہی؟ میں ہر خدمت کے لئے تیار ہوں۔

مرزا:۔ اصل بات یہ ہے کہ ایک وفادار کتا میرا دوست تھا جو ہمیشہ اپنی پیاری آواز سے مجھے خوش کیا کرتا تھا اگر تم بھی میری دوستی کا دم بھرتے ہو تو مہربانی کرکے تھوڑی دیر تک کتے کی طرح بھونکو تاکہ مجھے تسکین ہو جائے اور اطمینان سے تمہارے سوالات کا جواب دے سکوں۔

جب حاجی کاظم نے اپنا کام نکالنے کی غرض سے زور زور سے بھونکنا شروع کیا تو مرزا رضا نے چلّا کر کہا "سپاہیو اِدھر آؤ اور اس ناپاک کتے کو یہاں سے ہٹا دو ورنہ بھونک بھونک کر میرا دماغ خراب کر دے گا"

حاجی اپنی شکست پر شرمندہ ہو کر کہنے لگا "تو مجھ سے بھی بدذات نکلا" اور وہاں سے نامراد واپس ہو کر تمام قصہ بادشاہ کو سُنایا۔ بادشاہ بھی بہت ہنسے اور کہنے لگے "خیر تیرا اُستاد تو پیدا ہو گیا"۔

ایک روز اعلیٰ حضرت نے مرزا کو اپنے حضور میں طلب فرما کر دریافت کیا کہ اگر تو سچ سچ بتا دے گا کہ میرے والد کے قتل کی سازش میں کس کا ہاتھ تھا تو ممکن ہے تیری جان بچ جائے۔

مرزا نے نہایت اطمینان سے جواب دیا۔ حضور عالی یہ مانا کہ ساری دُنیا میری اس حرکت کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتی مگر آپ کو تو میرا شکریہ ادا کرنا چاہئے کیونکہ میری ہی بدولت ابھی سے بادشاہی مل گئی اور میں نے یہ کام اسی غرض سے کیا بھی ہے"۔

بادشاہ کو اس کی ظرافت آمیز باتوں پر ہنسی آگئی مگر اُنھوں نے ضبط سے کام لے کر اُسے قید خانے میں واپس کر دیا۔

# بچّوں کی نظمیں

• مولوی محمد شفیع الدین صاحب کی اصلاح کے بعد •

## ہماری آپا جان

احمد۔ جامعہ نگر

جامعہ نگر اوکھلا میں آپا جان کے آنے کی خوشی میں جلسہ ہوا تھا۔ جامعہ کے ایک چھوٹے بچے احمد سلمہٗ نے یہ نظم جلسے سے تھوڑی دیر پہلے دو چار منٹ میں لکھی تھی۔

پونا میں تھیں آپا جان  
جیل سے چھُٹ کر آئی ہیں  
شام کو آج وہ آئیں گی  
زندہ رہیں یہ آپا جان  
جرمن میں یہ پیدا ہوئیں  
بچوں کو یہ پڑھاتی ہیں  
میل وہ سب کا دیکھتی تھیں  
احمد نے یہ نظم لکھی  
میری اچھی آپا جان

پونا میں تھیں آپا جان  
ساتھ میں خوشیاں لائی ہیں  
باتیں ہم کو سنائیں گی  
زندہ رہیں یہ آپا جان  
جامعہ میں چل کر آئیں  
اچھے کام سکھاتی ہیں  
کپڑے بھی وہ دیکھتی تھیں  
سب نے خوش ہو کر سُنی  
میری اچھی آپا جان

## مینا

احسان الحق دہلی

میں نے بھی اک مینا پالی  
پیاری پیاری کالی کالی  
پنجرے میں اس کے کیسے کالے  
چونچ ہے اس کی جیسے لالے

ٹانگیں گو اس کی پتلی ہیں  
دیکھنے میں کیا خوب بھلی ہیں  
دانا دُنکا جب ہے کھاتی  
باتیں مجھے ہے خوب سناتی  
کبھی ہے پڑھتی کبھی ہے گاتی  
خوب ہے گھر میں شور مچاتی  
صُبح سویرے ہی سے اُٹھ کر  
احساں کو ہے خوب جگاتی

## اسکول

عزیزہ یٰسین مومن علی حیدر آباد دکن

آہا کتنا پیارا ہے  
کیسا نیارا نیارا ہے  
باغ بھی ہے چھوٹا سُندر  
تتلیاں بیٹھیں پھولوں پر  
سُندر سُندر ڈالی ہے  
اچھی با من مالی ہے  
لڑکیاں سیدھی سادی ہیں  
بالکل بھولی بھالی ہیں  
کھیلنے کے سامان بھی ہیں  
کھیلوں کے میدان بھی ہیں  
آہا کتنا پیارا ہے  
کیسا نیارا نیارا ہے

## موٹر

افضال احمد۔ ساگر

موٹر آئی پوں پوں کرتی  
بھر بھر بھر بھر دھول اڑاتی  
صاحب بھیّا کی یہ موٹر ہے  
نیلی کالی یہ موٹر ہے

بیٹھ کے اس پر جاتے ہیں ہم | ہر دن چیتر لاتے ہیں ہم
کیسی اچھی موٹر ہے یہ | پیاری پیاری موٹر ہے یہ
جب تیزی سے یہ چلتی ہے | تتلی سی معلوم ہوتی ہے
لے لی مجو، بابا | ریاض، چچا پیارے دادا
سب اس پر بیٹھا کرتے ہیں | سیر کو سب جایا کرتے ہیں
جب میں بیٹھا ہوتا بھولا | رہ گیروں سے یہ کہتا ہوں
ایک طرف کو چلئے بھائی | دیکھ دیکھ کے چلنا بھائی
مت اس کے نیچے دب جانا | ناحق اپنی جان نہ گنوانا
بڑے زور سے سر سر جاتی | فر فر فر فر ہوا اُڑاتی

نظم یہ افضال نے لکھی
عمر ہے جس کی آٹھ برس کی

## سنو لڑکے

ام اقبال حسین جگر دھر پوری

سنو بات میری کہ ہے لاجواب | بُری عادتوں سے کرو اجتناب
کسی کو اگر گالیاں دوگے تم | تمہیں بھی وہ دے گا بُرا سا جواب
نہ جھگڑو کسی سے نہ منہ کو چڑاؤ | نہیں تو زمانہ کہے گا خراب
بڑے اور چھوٹے سے نہ باتیں کرو | کرو بات کے وقت تم جی جناب
نہ ہلڑ مچاؤ مدرسے میں تم | نہ غصے میں پھاڑو کسی کی کتاب
نہ ہوگے کبھی فیل رکھو یہ یاد | اگر دل لگا کر پڑھوگے کتاب
نہ حاصل کروگے جو علم و ہنر | تو ہوگے یقیناً جہاں میں خراب
کرو کام اچھے اگر تم سدا | ملے اچھے لڑکے کا تم کو خطاب
اگر چاہتے ہو بنو تم بھلے | بُری عادتوں سے کرو اجتناب
لکھو ایسی نظمیں کہ اقبال تم | بنو ہند میں شاعرِ لاجواب

## پیام تعلیم

شمس الدین مدنی صدیقی

ایک اچھا سا رسالہ ہے پیام تعلیم | جو ہمیشہ ہمیں دیتا ہے پیام تعلیم
قصے دلچسپ نئی باتیں سنا کر یا خوب | علم بچوں کا بڑھاتا ہے پیام تعلیم
کھیل نظموں و معموں کو بنا کر اچھے | خوب ہی دل کو لبھاتا ہے پیام تعلیم
منتظر تھے بہت آیا تو ہم از حد خوش ہیں | عید کا چاند یہ گویا ہے پیام تعلیم
سچ کہو صاف رہو جھوٹ سے نفرت رکھو | ایسی باتیں ہی سکھاتا ہے پیام تعلیم
جاگنے اور جگانے کی ہے دیتا تعلیم | ہم سے غفلت کو بھگاتا ہے پیام تعلیم
اس میں بچوں کے مضامین بھی نکلیں گے ضرور | رہبرِ علم ہمارا ہے پیام تعلیم
باتیں صحت کی شجاعت کی ہنر کی علمی | ہم کو ہر ماہ سناتا ہے پیام تعلیم
لکھنے پڑھنے میں لگا رہتا ہے ہر وقت لئیق | واہ کیا شوق بڑھاتا ہے پیام تعلیم

## بچہ

سعید منا یا ہو

ننھا ننھا پیارا پیارا | سارے گھر کا راج دلارا
اماں کے دل کا سہارا | ابا کی آنکھوں کا تارا
سب سے چھوٹا سب سے پیارا

شبنم جیسے آنسو اس کے | کتنے پیارے کتنے اچھے
اشکوں کی وہ بوندیں پیاری | جیسے ہوں موتی کے گچھے
لگتے ہیں وہ مجھ کو اچھے

جب اسکول سے آتا ہوں میں | اس کو لیٹا پاتا ہوں میں
اس کے سرہانے جاتا ہوں میں | اس کو خوب ہنساتا ہوں میں
دل اپنا بہلاتا ہوں میں

بچوں کی

# کوششیں

## ایک شیر

محمد صالح درجہ سوم، عمر ۶ سال

ایک بادشاہ تھا وہ ایک شیر کے شکار کو گیا اور وہاں پر ایک شیر مار کر کھا لیا اور پھر اپنی نئی موٹر میں بیٹھ کر گھر گیا اور اپنی ملکہ سے سب حال کہا۔ ایک دن وہ پھر شکار کو گیا۔ آج وہ اپنی ملکہ کو بھی لے گیا اور پھر ایک شیر مار کر دونوں نے آدھا آدھا بانٹ لیا اور دونوں نے کھا لیا۔ اور پھر دونوں گھر گئے۔ آج وہ بے حد خوش تھے چونکہ آج دونوں نے بانٹ کر کھایا تھا اور لڑائی نہیں ہوئی تھی۔

## اپنا کمرہ سجانا

اجمل خاں، ایبٹ آباد

ہر لڑکا امیر ہو یا غریب اُس کو شوق ہوتا ہے کہ وہ اپنا کمرہ سجائے۔ اِس کے کمرے میں اگر ایک الماری ہو تو بہت اچھا ہے۔ عام الماریوں میں چار خانے ہوتے ہیں۔ اس لئے یہ بہت اچھی ہے۔ الماری کے پہلے خانے میں کھیل کی جیتی ہوئی چیزیں اپنے کپ، انعام اور اپنے کھلونے سجا کر رکھو۔ اور اِن کے ساتھ ہی ایک ڈبہ بنا لو جس میں تمھاری وہ نقدی ہو جس سے تم اپنے کھلونے خرید سکو۔ دوسرے خانے میں اپنی جمع کی ہوئی کتابیں اور رسالے رکھو۔ اور اُس خانے میں بھی ایک ڈبہ رکھو جس کی نقدی سے تم کہانیوں کی کتابیں خریدو اور تیسرے خانے میں اسکول کی کتابیں رکھو۔ اُن پر نمبر بھی لگاؤ تاکہ کوئی کتاب کھوئے نہیں۔ اور اس خانے کے سرمائے سے تعلیم کے کام کی چیزیں کاغذ، قلم دوات خریدو۔ چوتھے خانے میں فالتو قلم دان، ہولڈر، پنسل رکھو۔ تاکہ وقتِ ضرورت کام آئیں۔ کھیل کا سامان بھی اسی خانے میں ہو۔ اس خانے والی نقدی سے کھیل کا سامان خریدو۔ اب الماری کو مقفل کر دو۔ اگر کمرے میں کوئی دری ڈال دی جائے تو بہتر رہے گا۔ دو میزیں اور چار یا پانچ کرسیاں کمرے میں رکھو۔ ایک میز پر آئینہ، کنگھی، تیل، برش، ٹوتھ کریم سجا کر رکھو۔ دوسری میز پر قلم دان اور نوٹ بک رکھو ایک اسٹینڈ بازار سے خرید لاؤ جس پر جوتے رکھے جاتے ہیں اور اس کو دروازے کے ساتھ رکھ دو۔ بس سجا ہوا کمرہ تیار ہے۔

# سکندر اور ارسطو

فضل محمد جگر سلانی

سکندر :- اے استاد - خدا سے کیا مانگنا چاہیئے ؟

ارسطو :- دونوں جہاں کی نیکی۔

سکندر :- عمر کس کام میں گذارنی چاہیئے ؟

ارسطو :- علم حاصل کرنے میں۔

سکندر :- وہ کون سی آگ ہے جو زندہ آدمی کو جلا ڈالتی ہے ؟

ارسطو :- حسد کی آگ

سکندر :- وہ کون سی چیز ہے جو آخر میں میٹھی ہو جاتی ہے ؟

ارسطو :- صبر

سکندر :- وہ کون سا لباس ہے جو میلا نہیں ہوتا ؟

ارسطو :- نیک نامی۔

سکندر :- عقل مند کسے کہتے ہیں ؟

ارسطو :- جو کم کہے زیادہ سُنے۔

سکندر :- دل کی تاریکی کیا ہے ؟

ارسطو :- کنجوسی اور دولت کا لالچ۔

# حامد و محمود

محمد ابراہیم قاضی بھیونڈی

اتوار کا دن تھا۔ ارشد صاحب صُبح کے وقت آنگن میں آرام کرسی پر بیٹھے اخبار دیکھ رہے تھے۔ دفعتاً پھاٹک سے کسی نے آواز دی "بابوجی دو دن سے بھوکا ہوں۔ کچھ کھلا دیجیے" ارشد صاحب نے اخبار سامنے سے ہٹایا تو ایک دس سال کا لڑکا چیتھڑوں میں لپٹا، بال پریشان - ہاتھوں، پاؤں پر گرد جمی ہوئی، رنج و غم کی تصویر بنا کھڑا ہے۔ نہ جانے اس کی آواز میں کیسا درد تھا جس نے ارشد صاحب کو اس بات پر مجبور کیا کہ اس کے حالات معلوم کریں۔ بچے نے بہت ہی درد بھری آواز میں کہا "میرے باپ ایک چھوٹی سی دوکان کے مالک تھے کچھ زمین بھی تھی جس سے اتنی آمدنی ہو جاتی تھی جس سے گھر کا خرچ آسانی سے چل جاتا تھا۔ میں اپنے

باپ کا اکلوتا بیٹا تھا، جس کی وجہ سے میری پرورش بڑے لاڈ پیار میں ہوئی۔ اس زمانے میں اسکول جایا کرتا تھا۔ میں ابھی تیسری جماعت میں تھا کہ میرے باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ مجبوراً میں نے اسکول جانا چھوڑ دیا۔ اس کے بعد میں اور میری ماں اپنے ماموں کی سرپرستی میں چلے گئے۔ کچھ دن نہ گذرے تھے کہ ماں بھی مجھ بدنصیب کو اس دنیا میں اکیلا چھوڑ کر چلی گئیں۔ اس وقت میری عمر ۸ سال کی تھی۔ ماں کی موت کے بعد ماموں کی مہربانیاں کم ہونے لگیں۔ ماموں کی بے رخی اور ممانی کی سختی نے مجھ کو مجبور کیا کہ گھر چھوڑ کر کہیں چلا جاؤں چنانچہ ایک روز بغیر سوچے سمجھے ایک دوسرے شہر کی راہ لی۔ وہاں پر بڑی دوڑ دھوپ کے بعد ایک ہوٹل میں پیالیاں صاف کرنے کی جگہ ملی۔ چند دن گذرے کہ اس ہوٹل کا بھی دیوالہ نکل گیا۔ بہت کوشش کی کہ نوکری مل جائے مگر [illegible] کوئی پاس بھی نہ پھٹکنے دیتا تھا۔ دو تین دن اسی طرح گذرے۔ بھوک کی شدت حد سے زیادہ بڑھ گئی۔ اور اب دو دن سے فاقہ ہے۔ ارشد صاحب کا دس سالہ بچہ حامد بھی اِدھر آگیا تھا اور یہ باتیں سن رہا تھا۔ فقیر حامد کی طرف دیکھ کر بولا ارے حامد تم نے نہیں پہچانا میں تمہارا ہی دوست محمود ہوں۔ حامد نے جب اپنے پرانے ہم جماعت کا نام سنا تو خوشی سے اُچھل پڑا اور محمود کو بہت محبت اور خلوص سے گلے لگایا۔ ارشد صاحب نے جب اپنے بچے کو ایک غریب بچے سے اس محبت اور خلوص سے ملتے دیکھا تو خوش ہوئے۔ دوسرے دن آنگن میں حامد و محمود دونوں اپنا سبق یاد کر رہے تھے۔

# ہم لوگوں کی تفریح

فہیم جہاں بیگم قزلباش۔ آگرہ۔

برسات کا موسم تھا۔ ہلکی ہلکی پھوار پڑ رہی تھی۔ میں نے سوچا کہ ایسے پرلطف موسم میں کہیں تفریح کو ضرور جانا چاہیئے اور میں مع اپنی چند سہیلیوں کے تاج محل کی سیر کے لئے روانہ ہوگئی شام کا وقت تھا ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھیں چاروں طرف سبزہ ہی سبزہ نظر آرہا تھا اور اس پر پانی کے قطرے ایسے معلوم ہو رہے تھے گویا سبز مخمل پر سچے موتی۔

میں: "ارے بھائی بلبل اس وقت تمہارا گانا ہونا چاہیئے۔"

رشیدہ: "اب تو میں کبھی نہ سناؤں گی۔ پھر کہا تم نے مجھے بلبل۔"

میں: "اچھا سنا دو۔ پیاری رشیدہ، رشیدہ۔"

سلمہ: "نہیں بھئی آج رشیدہ بیگم صاحبہ ہی کو گانا ہوگا۔"

زرینہ: (اچھل کر) بھئی سب مل کر ایک ساتھ گائیں نا۔ مجھے تو اس طرح گانا بہت پسند ہے۔

صبیحہ: "ہاں ہاں یہ زرینہ کی تجویز بہترین ہے۔"

سب نے مل کر گانا شروع کیا

فصل بہار چھائی گھٹا گھنگھور گھٹا

کوئل کی کوک پیاری بلبل کا زور شور

زور دے کر —————— بلبل کا زور

رشیدہ (بگڑ کر) بلبل بلبل یہ مجھے اچھا نہیں لگتا کوئی اور گانا گاؤ۔

سلمہ (قہقہہ لگا کر) کیا بلبل کا نام ہی دنیا سے مٹا دوگی اچھا پھر تم ہی بتاؤ کون سا گائیں۔ رشیدہ کی تجویز پر پھر کی ایک نظم سب نے مل کر گانا شروع کی

رُت ہی برسات کی بہت پیاری ❖ موجزن جھیلیں ندیاں پیاری

واہ واہ کا ہم سب نے مل کر خوب شور مچایا۔ اب رات زیادہ ہوگئی تھی ہم لوگ ملازم کے اصرار پر تانگے میں روانہ ہوئے۔ رستے میں بھی جھوم جھوم کر گانا گاتے ہوئے گھر واپس آئے۔

# پیسہ چور کتاب

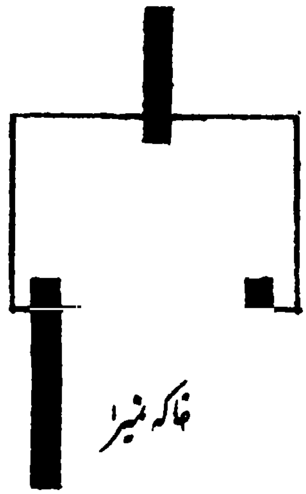
انوار احمد لکھنوی

تم نے اکثر میلوں میں بساطیوں کی دوکان پر ایک چھوٹی سی نوٹ بک کی قسم کا ایک کھلونا دیکھا ہوگا۔ اس میں اگر پیسہ بند کر کے کھولو تو غائب ہو جاتا ہے اور دوبارہ کھولو تو موجود ۔۔۔ اتفاق سے ایک روز میاں عمران بازار سے وہی کھلونا خرید لائے اور گھر میں یہ جادو دکھانا شروع کیا۔ سب نے خوب تعریفیں کیں۔ لیکن زبیدہ بی بی نے ایک نیا تماشا دکھانا شروع کیا۔ ہوا یہ کہ پہلے تو انھوں نے میاں عمران سے وہ کھلونا مانگا اور جب انھوں نے دینے سے انکار کیا تو زبیدہ بی بی نے منہ بسور کر رونا شروع کیا اور وہ اودھم مچا کہ اللہ تیری پناہ۔ میں نے جو یہ سنا تو عمران میاں سے یہ کھلونا لے لیا اور تھوڑی دیر میں ویسا ہی ایک دوسرا بنا کر زبیدہ بی بی کو دے دیا تب جا کر میاں عمران کی جان چھوٹی۔ ہم تم کو ترکیب بتلائے دیتے ہیں تاکہ تم بھی اپنے بھائی بہنوں کے لئے بنا سکو خود بھی کھیلو اور دوسروں کو بھی دکھاؤ۔ ترکیب کچھ زیادہ مشکل بھی نہیں ہے صرف تھوڑی سی دفتی ذرا سا پرانا کپڑا تھوڑا سا رنگین کاغذ اور ذرا سی لئی یا گوند کی ضرورت ہوگی

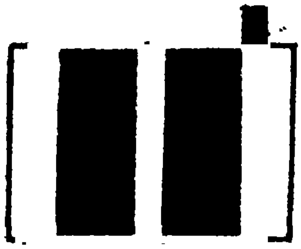
## سامان:۔

دفتی کے دو ٹکڑے ۶" × ۴" ۔ کپڑے کی تین دھجیاں ۵" × ½" ۔ رنگین کاغذ کے دو ایک ہی رنگ کے ٹکڑے ۳½" × ۳½"

پہلے ایک دفتی پر لمبائی کی طرف دو دھجیاں قریب ½" کے اس طرح چپکا دو کہ کناروں سے تقریباً ½" فاصلہ رہے۔ تیسری دھجی کو اسی دفتی کے درمیان دوسرے سرے پر "۱" کی جگہ چپکا دو (دیکھو خاکہ نمبر ۱) اب ان تینوں دھجیوں کو دفتی کے نیچے سے نکال کر دوسری طرف لاؤ یعنی جس طرف دو دھجیاں تھیں ادھر ایک والی دھجی کا سرا آ گیا اور جس طرف ایک دھجی تھی ادھر دو والی دھجیوں کے سرے آ گئے۔ (دیکھو خاکہ نمبر ۲)۔ اب تمھارے پاس ایک دفتی



خاکہ نمبر۱



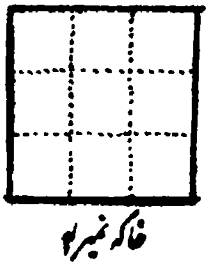
خاکہ نمبر۲

باقی نہ رہو۔ اس کو تم اس دفتی پر برابر رکھو یعنی چٹیں درمیان میں رہیں اور سرے دو ایک طرف اور ایک دوسری طرف نکلا ہوا رہے۔ اِن تینوں سروں کو تم اسی دفتی پر اوپر کی طرف چپکا دو (دیکھو خاکہ نمبر۳) اچھا اب اس کی خصوصیت یہ ہو جائے گی کہ اوّل تو یہ ایک چھوٹی نوٹ بک کی طرح معلوم ہوگی اور دوسرے یہ کہ اس کو لمبائی کی طرف سے دونوں طرف کھول سکتے ہیں۔ اب اس کو خشک ہونے کے لئے چھوڑ دو اور تم دوسری چیز بناؤ۔

رنگین کاغذ کے ٹکڑوں کو ہر طرف تین برابر حصّوں میں تقسیم کرو اور نمبر۴ کی طرح خط کشیدہ حصوں کو باری باری موڑ دو۔ اب اپنی بنائی ہوئی نوٹ بک کو کھولو۔ اور درمیان والی دھجی کے بالکل بیچ میں موڑے ہوئے کاغذ کی پشت چپکا کر بند کر دو۔ اب دوسری طرف سے نوٹ بک کھولو اور اسی درمیانی دھجی پر دوسرا موڑا ہوا کاغذ پہلے موڑے ہوئے کاغذ کی پشت سے پشت ملا کر ٹھیک سے چپکا دو۔ اب تمہیں ایک ہی موڑا ہوا کاغذ معلوم ہوگا کیونکہ دوسرا اس کے نیچے چھپ گیا ہے یعنی دونوں کاغذوں کی پشتیں ٹھیک ٹھیک ایک میں چپک گئی ہیں۔ لیکن درمیان میں ایک دھجی ہے اب اس کو خشک ہونے کے لئے رکھ دو۔



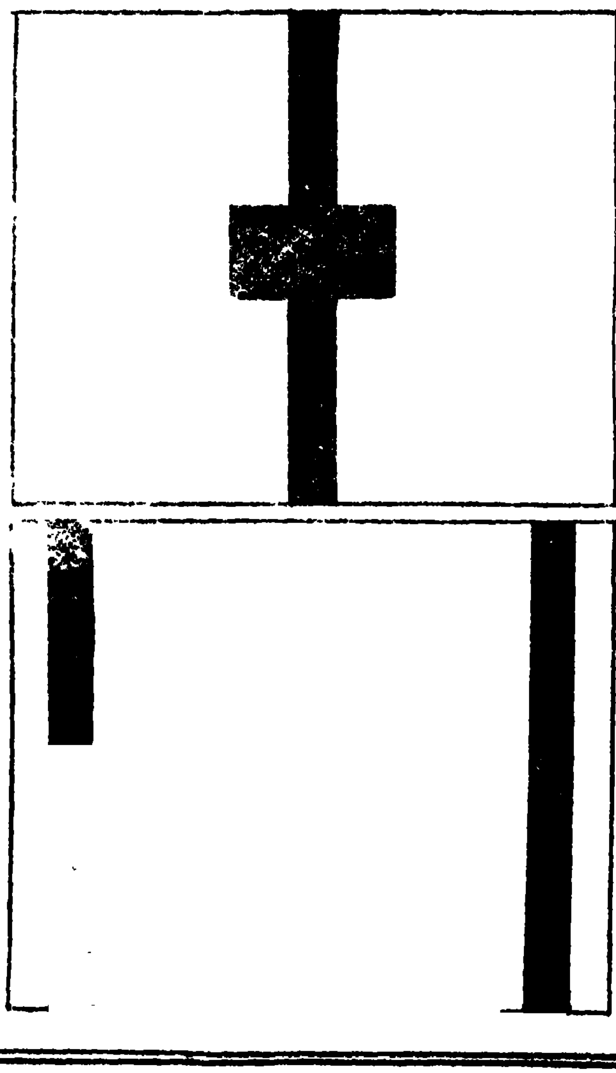
خاکہ نمبر۳



خاکہ نمبر۴

تمھارا کھلونا اب تیار ہو گیا ہے۔ اب سگے ہاتھوں اس کے کھیلنے کی ترکیب بھی سن لو کسی دوست سے ایک پیسہ لے کر نوٹ بُک کھولو اور پھر مُڑے ہوئے کاغذ کو کھول کر درمیان میں پیسہ رکھ کر پہلے کی طرح بند کر دو۔ اور دوست سے کہو کہ تمھارا پیسہ غائب ہو گیا ہے تمھارے دوست کو یقین نہ ہوگا اور وہ کہے گا "واہ دیکھیں تو کیسے غائب ہو گیا۔"

تم ذرا ہوشیاری سے نوٹ بُک کو دوسری طرف سے کھول کر دکھاؤ تو وہ تعجب کرے گا لیکن تم پھر اس طرف سے کھولو جس طرف پیسہ رکھا تھا اور پیسہ نکال کر دکھا دو اس کو اور زیادہ تعجب ہوگا۔ جس کو دکھاؤ گے واہ واہ کرے گا۔ کہو سے ہے مزے دار کھیل۔ دفتی پر رنگین کاغذ لگا کر اس کو خوب صورت بنا سکتے ہو ۔



خاکہ نمبر ۵

# لڑائی کے ہتھیار

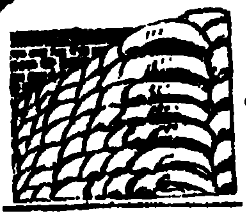
مرسلہ محمد عبدالحی - حیدرآباد دکن

پستول



قیمت پچاس روپے

بالو کے بستے



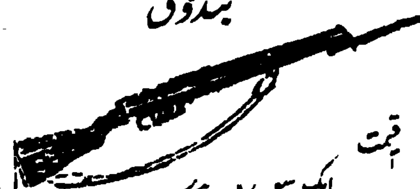
قیمت دو آنے

گولی



قیمت ایک آنہ

بندوق



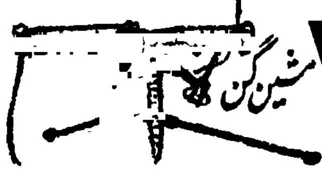
قیمت ایک سو روپے

براج بلون



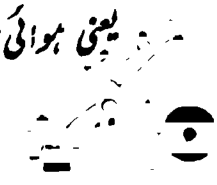
قیمت دس ہزار روپے

مشین گن



قیمت ایک ہزار آٹھ سو روپے

ہلکی انٹی ایر کرافٹ گن یعنی ہوائی جہاز گرانے والی بندوق



قیمت چالیس ہزار روپے

بم برسانے والے ہوائی جہاز



قیمت ایک لاکھ ستائیس ہزار روپے

جنگی ہوائی جہاز



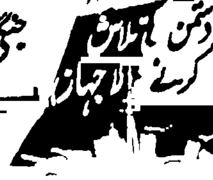
قیمت ایک لاکھ چودہ ہزار روپے

جنگی جہاز



قیمت ساڑھے دس کروڑ روپے

دشمن کا تلاش کرنے والا جہاز



قیمت ڈھائی کروڑ روپے

ڈسٹرائیر (برباد کرنے والا جہاز)



قیمت (... لاکھ روپے)

# پیامِ برادری

عزیز بچیو اور بچو! خوش رہو اور تندرست۔ بھئی سال کا آخری مہینہ آ پہنچا۔ سردی بھی خوب پڑنے لگی ہے یہ کھانے۔ پینے، کھیلنے، کودنے اور پڑھنے کا موسم ہے اور ہاں بھئی اس مہینے کے آخر میں یا پہلی جنوری تک تمھارا سالنامہ بھی تو نکلے گا۔ مضمون تو بڑے اچھے اچھے آ رہے ہیں۔ نظمیں بھی اور کہانیاں بھی۔ اس مرتبہ چیزوں کی مہنگائی کی وجہ سے معاملہ بہت مشکل ہو گیا ہے پھر بھی ہم اپنی طرف سے تو کوئی کسر اٹھا نہ رکھیں گے۔

پچھلے مہینے بھی لڑائی کا رنگ وہی رہا۔ جرمنی لینن گراڈ اور ماسکو کا محاصرہ کئے ہوئے ہے۔ سردی اور برف باری کی وجہ سے جرمن فوجوں کو بہت دقتیں پیش آ رہی ہیں۔ پچھلے مہینے اسٹالن کی بہت اہم تقریر بھی ہوئی تھی اس میں اس نے دعویٰ کیا ہے کہ روسی سپاہی بہادری میں جرمن سپاہیوں سے کسی طرح کم نہیں ہیں۔ ہاں روس کے پاس بھاری ٹینکوں کی کمی ہے اس لئے اسے دقت پیش آ رہی ہے اسے یورپ کی حکومتوں سے شکایت بھی ہے وہ کہتا ہے یورپ میں یا کہیں جرمنی کے خلاف لڑائی چھیڑ دی جائے تو جرمن فوجوں کی طاقت اور توجہ بٹ جائے گی اور پھر اسے شکست دینا آسان ہو جائے گا۔ اپنی تقریر میں اس نے یہ بھی کہا کہ اب تک ۴۵ لاکھ جرمن سپاہی مارے جا چکے ہیں یا قید اور زخمی ہوئے ہیں اس کے مقابلے میں روسی سپاہیوں کی تعداد ۱۷ لاکھ بتائی۔** اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ جرمنی نے بار بار انگریزوں کی طرف صلح کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ مگر اس بات کو اس کی کمزوری پر محمول کیا گیا اور جرمنی کے لئے سوائے لڑائی کے اور کوئی چارہ نہیں ہے۔ اس کے تیسرے دن برطانیہ کے وزیرِ اعظم کی تقریر شائع ہوئی اس میں انھوں نے کہا کہ اب ہماری ہوائی طاقت دشمن سے زیادہ نہیں تو برابر تو ضرور ہو گئی ہے انھوں نے جاپان کو بھی تنبیہ کی اگر امریکہ سے لڑائی چھڑی تو برطانیہ بھی ایک گھنٹے کے اندر لڑائی کا اعلان کر دے گا۔

جرمنی کے شہروں اور جرمنی کے مفتوحہ علاقوں کے شہروں پر انگریزی ہوائی جہازوں کے حملے برابر ہو رہے ہیں۔ اور اب تو افریقہ میں لیبیا پر انگریزی فوجوں نے حملہ بھی کر دیا ہے اور انگریزی فوجیں ۵۰ میل آگے بڑھ گئی ہیں جرمنی اور اٹلی کی فوجوں کا بہت کافی نقصان ہو رہا ہے۔ ایسی حالت میں اسٹالن کا منشا شاید پورا ہو جائے گا۔

** اس کے تھوڑے ہی دنوں بعد ہٹلر نے بھی تقریر کی۔ اس نے روسی سپاہیوں کی تعداد ۴۶ لاکھ بتائی۔

ہندوستان میں کانگریس کی طرح مسلم لیگ نے بھی اسمبلی اور کونسل آف اسٹیٹ کا بائیکاٹ کر دیا ہے۔ دوسری طرف کانگریس اور حکومت کے سمجھوتے کی خبریں بھی گرم ہو رہی ہیں۔ ستیہ گرہ کے قیدیوں کے چھوٹنے کی افواہیں بھی اڑ رہی ہیں۔

مرکیک کالج گرلز ہائی اسکول دہلی کا مشہور مدرسہ ہے اس سال اس نے سہ ماہی رسالہ بھی نکالا ہے۔ یہ رسالہ بہت کامیاب ہے۔ زیادہ تر مضمون اسکول کی لڑکیوں کے ہیں اور ان کا معیار بہت اچھا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ آئندہ سے چھوٹی بچیوں کے مضمونوں کے لئے بھی ضرور جگہ نکالی جائے گی۔

پچھلے مہینے ہم نے رسالہ سعادت لاہور کے قہقہہ نمبر پر تبصرہ کیا تھا۔ رسالے کی قیمت غلط چھپ گئی تھی۔ اس کی سالانہ قیمت چار روپئے ہے۔ دو روپئے تو چھ مہینے کا چندہ ہے۔

پچھلے دو مہینوں سے باوجود سخت احتیاط کے پیغام میں کتابت کی غلطیاں ہو رہی ہیں ہمیں اس کا بہت افسوس ہے۔ اب ہم اور بھی احتیاط سے کاپیاں دیکھتے ہیں۔ پھر بھی کوئی بھول چوک ہو جائے تو پیامی ہمیں فوراً اطلاع دیں۔

ہاں سالنامے کے لئے مضمون اور نظمیں زیادہ سے زیادہ ۱۰ دسمبر تک ہمارے پاس پہنچ جائیں۔

اچھا اب سالنامے میں ہماری تمھاری ملاقات ہوگی (محمد حسین حسان)

## ایک غلطی ——— انعام فی کس ۲؍

| | | |
|---|---|---|
| ۱۔ سلطان احمد السدوائے دہلی | ۱۰۔ شیخ سلمان صادق ۔ امرتسر | ۱۹۔ بقار الدعثمانی ۔ رہتک |
| ۲۔ کے ایم ظفر اللہ ۔ کلکتہ | ۱۱۔ اخلاق احمد ۔ جامعہ نگر | ۲۰۔ مشتاق احمد گجرانوالا |
| ۳۔ محمد امین ۔ بارہ بنکی | ۱۲۔ سید محی الدین ۔ حیدر آباد | ۲۱۔ زیب الدین ۔ میرٹھ |
| ۴۔ محمد صلاح الدین انصاری حیدر آباد | ۱۳۔ قدسیہ بیگم 〃 | ۲۲۔ ام اقبال حسن ۔ چکر دھرپور |
| ۵۔ اقبال باسط علی خاں حیدر آباد | ۱۴۔ محمد عماد الدین احمد میدک | ۲۳۔ غازی الرحمان ۔ فیروز پور |
| ۶۔ حمید الدین یوسف ۔ امرتسر | ۱۵۔ صالح ای لوٹیا ۔ راولپنڈی | ۲۴۔ محمد اسلم ناصر علی شجاع ۔ بڑودہ |
| ۷۔ اعجاز اختر ریاض 〃 | ۱۶۔ شاہد حسین علوی ۔ اورنگ آباد | ۲۵۔ کمال الدین فشی ۔ کچھل |
| ۸۔ سید ابراہیم خلیل حیدر آباد | ۱۷۔ جمال فاطمہ ۔ احمد نگر | ۲۶۔ عبد الستار ۔ لکھرگ پور |
| ۹۔ سید حمید قادری 〃 | ۱۸۔ محمد شریف ۔ جموں | ۲۷۔ تقی محسن ۔ انبالہ |

٭یہ رقم بہت تھوڑی ہے کوئی اچھی کتاب انعام میں نہیں بھیجی جاسکتی ان بچوں کے ساتھ یہ رعایت کی جاتی ہے کہ آئندہ پیسے کے ٹکٹوں کے ساتھ چار مل بھیج دیں ٭٭

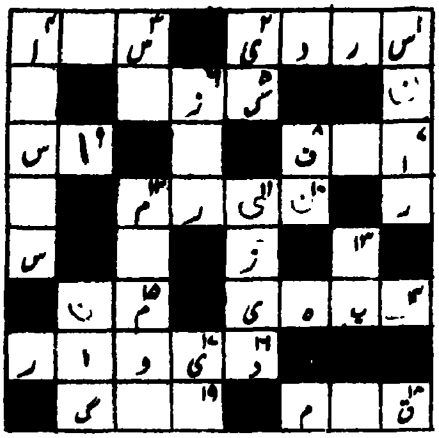
٭٭ ہاں اُن کے نام کے ساتھ جو نمبر شمار ہیں وہ ضرور لکھ دیں

# معمّا نمبر ۲۵

(انعام میں کتابیں بھی جائیں گی)

پہلا انعام ۔۔۔ ؎

دوسرا انعام ۔۔۔ ؎



## دائیں سے بائیں

(۱) کہتے ہیں کہ رُوس کی ۔۔۔۔ سے جرمنوں کا جوش ٹھنڈا پڑگیا۔

(۳) بچوں کو جسمانی ۔۔۔ دینا اچھا نہیں۔

(۵) علی گڑھ کی اچھی ہوتی ہے۔ (الٹا)

(۸) حروفِ تہجی کا پہلا حرف۔

(۹) خیال ہے کہ موجودہ جنگ ۔۔ سال تک جاری رہے گی۔

(۱۰) لفظ مُنیر کے بے ترتیب حروف۔

(۱۲) کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہٹلر روس پر ۔۔۔ فتح نہیں پاسکتا۔

(۱۵) تم ۔۔ بھر کھانا کھاتے ہو۔

(۱۶) بہت سے لوگ ۔۔۔۔ کے بجائے دلچپال لکھتے ہیں غلط لکھتے ہیں

(۱۸) ایک مخلص قومی کارکن جس کام میں اپنا ۔۔۔ اُٹھالیتا ہے تو قوم سے بڑے بڑے کام کرالیتا ہے۔

(۱۹) تنگ آمد بہ ۔۔۔ آمد

## اُوپر سے نیچے

(۱) عورت ۔۔۔ کی ایک لوہار کی

(۲) لفظ یعنی ایک

(۳) سُنا ہے کہ ایک ۔۔ بھی بہشت میں جائے گا۔

(۴) نرم دل آدمی کو ہمیشہ بہت جلد ہوتا ہے۔

(۶) اسٹالن سے پہلے رُوس میں اس کی حکومت تھی۔

(۷) قسمت سے ہی ناچار ہوں اے ذوق وگرنہ<br>ہر ۔۔ میں ہوں میں طاق مجھے کیا نہیں آتا

(۱۱) قتلِ حسین اصل میں مرگ ۔۔۔۔ ہے<br>اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد (جوہرؔ)

(۱۳) بچے دُشوار، دقیق اور غیر دلچسپ ۔۔۔۔ کو پسند نہیں کرتے۔

(۱۴) الف بے زبر

(۱۷) کیا ہمارے معمّوں میں تمہارا ۔۔۔ لگتا ہے (الٹا)

# قواعد

۱۔ تمام مدرسوں کے بچے حل میں حصّہ لے سکتے ہیں۔

۲۔ ایک حل کے ساتھ ایک آنے کا ٹکٹ آنا ضروری ہے۔

۳۔ ایک سے زیادہ حل بھی بھیجے جاسکتے ہیں۔ چار حلوں کی رعایتی فیس ۳ر۔ آٹھ حلوں کی ۶ر ہے۔

۴۔ دونوں انعام تقسیم کردیئے جائیں گے۔ قرعہ اندازی نہ ہوگی۔

۵۔ تمام حل ۱۰ دسمبر تک دفتر پیام تعلیم مکتبہ جامعہ دہلی میں پہنچ جانے چاہئیں

۶۔ ایڈیٹر کا فیصلہ قطعی ہوگا۔

۷۔ پیام تعلیم میں چھپے ہوئے کوپن کے علاوہ اور کوئی کوپن نہیں لیا جائے گا۔

۸۔ کسی کوپن میں کوئی حرف کٹا یا مٹا ہوا ہوگا یا پنسل سے بھرا ہوا ہوگا تو مقابلے میں شامل نہ کیا جائے گا۔

۹۔ ایک خانے میں دو حرف نہ ہوں۔

۱۰۔ دال اور واؤ کا نمایاں فرق ہو۔ (ڈ ۔ وٗ)

۱۱۔ چھوٹی اور بڑی ے کا فرق لازمی ہے (یٰ ، ےٗ)

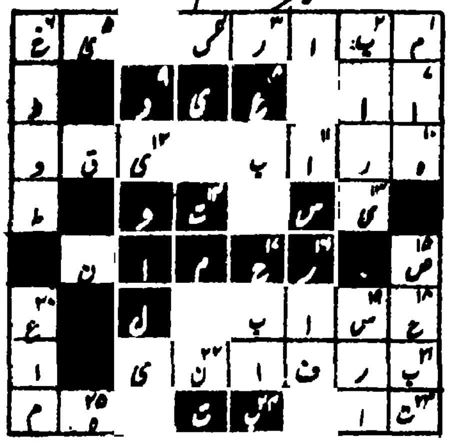
۱۲۔ جہاں جہاں نقطے کا استعمال ہو۔ وہاں نقطہ ضرور ہونا چاہیے

۱۳۔ املائی غلطی بھی شمار کی جائے گی۔

۱۴۔ حلوں کے بارے میں شکایتی خطوں کے لئے جوابی کارڈ یا لفافہ کے ٹکٹ آنے چاہئیں۔ شکایت ٹھیک ہوئی تو اُن کے پیسے انعام میں شامل کرلئے جائیں گے ورنہ اطلاع مل جائے گی۔

۱۵۔ پتہ:۔ سب ایڈیٹر" پیام تعلیم ، مکتبہ جامعہ دہلی ۔ قرول باغ

## معمّا نمبر ۲۴ کا صحیح حل



## صحیح حل انعام اوّل فی کس لعہ

۱۔ محمد مائل احمد ۔ حیدرآباد ۱۲۔ جُنید الحق ۔ جامعہ نگر

۲۔ شبیر احمد ۔ ناسک ۱۳۔ احسان الحق ۔ ۔

۳۔ محمد عبد الواحد ۔ حیدرآباد ۱۴۔ محمد اقبال صدیقی ۔ رائچور

۴۔ محمد ایوب ۔ لہری قلات ۱۵۔ منظور الحق ۔ جموں

۵۔ سید محمد اسحاق ۔ جامعہ نگر ۱۶۔ بھوپندر پال سنگھ بھتیرا (ایران)

۶۔ تسنیم آرا بیگم ۔ دہلی ۱۷۔ تسنیم رضا ۔ دہلی

۷۔ نصیر حسن ۔ دہلی ۱۸۔ مصور حسن ۔

۸۔ خورشید اسحاق مرزا ۔ لکھنؤ ۱۹۔ شیخ عبد العلیم ۔ لکھنؤ

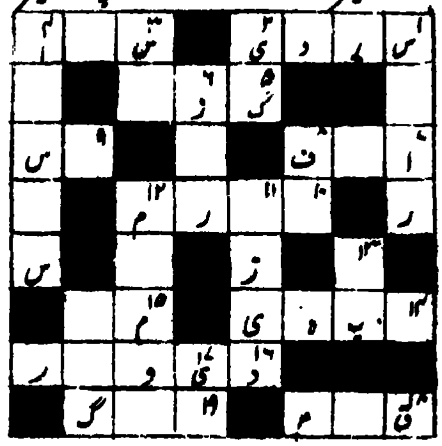
۹۔ مرزا نورالزماں بیگ ۔ بلند شہر ۲۰۔ محمد شاکر بڑودہ

۱۰۔ محمد یوسف محبوب ، شیوگاؤں ۲۱۔ دوست محمد ۔ دہرادون

۱۱۔ نیاز احمد ۔ جامعہ نگر ۲۲۔ سیّد خلیل احمد ۔ بھوپال

(باقی صفحہ ۵۳۶ پر)

معما نمبر ۲۵　　کوپن نمبر



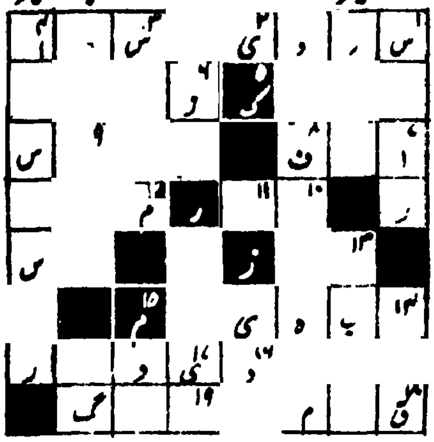
نام ..............................

پتہ ..............................

..................................

ٹکٹ ..............................

معما نمبر ۲۵　　کوپن نمبر



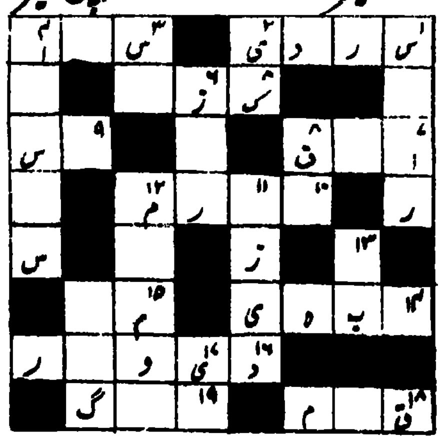
نام ..............................

پتہ ..............................

..................................

ٹکٹ ..............................

معما نمبر ۲۵　　کوپن نمبر



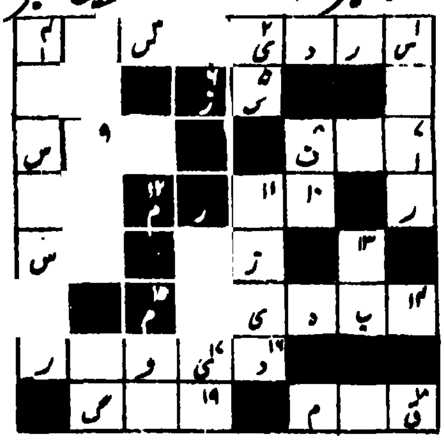
نام ..............................

پتہ ..............................

..................................

ٹکٹ ..............................

معما نمبر ۲۵　　کوپن نمبر



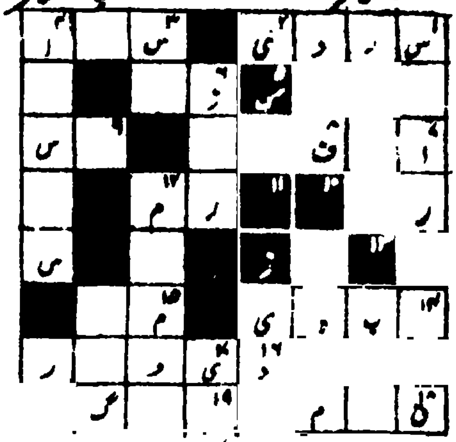
نام ..............................

پتہ ..............................

..................................

ٹکٹ ..............................

معما نمبر ۲۵ — کوپن نمبر



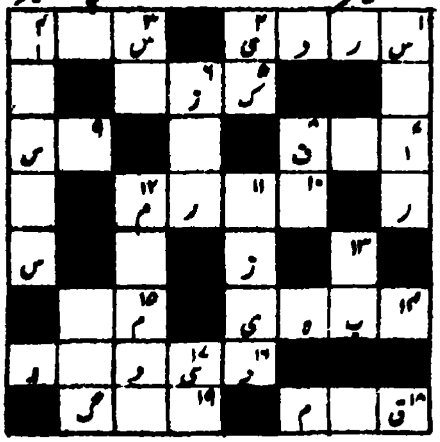
نام ..................

پتہ ..................

..................

دستخط ..................

معما نمبر ۲۵ — کوپن نمبر



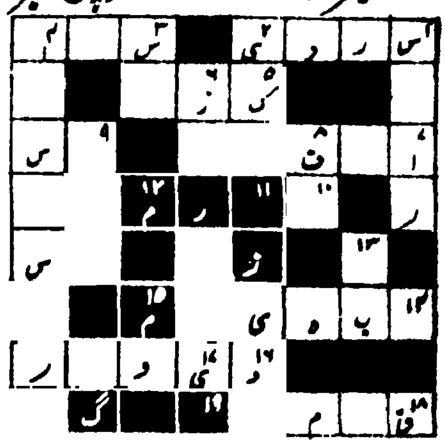
نام ..................

پتہ ..................

..................

دستخط ..................

معما نمبر ۲۵ — کوپن نمبر



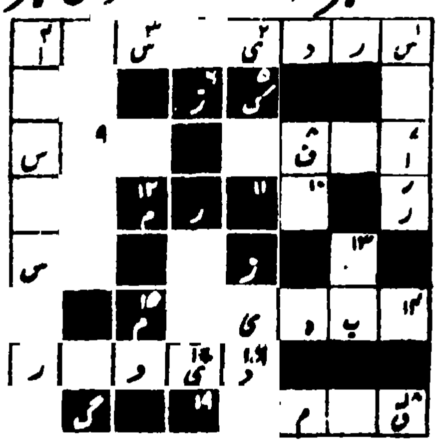
نام ..................

پتہ ..................

..................

دستخط ..................

معما نمبر ۲۵ — کوپن نمبر



نام ..................

پتہ ..................

..................

دستخط ..................



جامعہ کا بینڈ



فوارہ

مرسلہ افضل محمد جگ سلانی



چشمہ ویری ناگ

مرسلہ عبدالحق جامعی

Regd. L. No. 1961

یہ کتاب اس تاریخ کو جو سب سے آخر میں ثبت ہے
کتب خانہ سے مستعار لی گئی تھی۔ اگر اس کتاب کو میعاد
مقررہ پر واپس نہیں کیا گیا تو دو پیسے روز کے حساب
سے ہرجانہ وصول کیا جائیگا۔